تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوَی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین مفصّل

کتابُ المدَاینات

کتاب الاشربہ

کتاب الرہن

2/2

باب القسم

کتاب الوصایا

ضمیمہ مداینات

ضمیمہ رہن

ضمیمہ قسم

فہرست ضمنی مسائل

عقائد و کلام

سیر

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تصوف

فوائد اصولیہ

افتاء و رسم المفتی

فوائد فقہیہ

فوائد حدیثیہ

اسماء الرجال

انجاس

وضو

نماز

جنائز

نکاح

مہر

ولایت

نفقہ

تعزیر

بیوع

قربانی

اجارہ

امانت

ضمان و تاوان

بیمہ

قسمت

شرکت

عاریت

مزارعت

فرائض ومیراث

ترغیب وترہیب

صلہ رحمی

مرض وعلاج

شرب وطعام

آداب

حِیَل

تنقید

ردِّ بد مذہباں

حقوق العباد

حظر و اباحت

متفرقات

کتاب المداینات

(مداینات کا بیان)

مسئلہ از اجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملّا حاجی یعقوب علی خاں
۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین عظّام شرع نبی اس مسئلہ میں کہ ہندو کفّار سے کسی اہلِ اسلام نے قرض لیا تھا اور قضاء عنداللہ وہ قرضخواہ واصلِ جہنم ہوا اور اُس کا کوئی ورثہ باقی نہیں تو اس کے قرضہ کے ادا کی کیا صورت ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

جو شخص مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے نہ کسی کے نام وصیت کی ہو تو اس کے مال کا مستحق بیت المال ہے اور بیت المال کے ایسے مال کے مستحق مذہب جمہور پر فقراء مساکین عاجزین ہیں کہ ان کے کھانے پینے، دوا دارو، کفن دفن میں صرف کیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ورابعها الضوائع مثلامالا یکون لہ اناس وارثونا[1]	اور ان میں چہارم ضوائع (گری پڑی اشیاء) ہیں مثلاً وہ شَے جس کا لوگوں میں سے کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

ردالمحتار میں ہے:

الضوائع ای اللقطات وقوله مثل مالا ای مثل ترکة لاوارث لها اصلا اولها وارث لایرد علیه، فمصرفه المشهور اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لهم فیعطی منه نفقتهم وادویتهم وکفنهم وعقل جنایتهم کما فی الزیلعی وغیره وحاصله ان مصرفه العاجزون الفقراء اھ ملتقطا۔[1]

ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول "مثل مالا" یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچا ہُوا ترکہ) رَد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں، کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاطاً۔ (ت)

اور یہ حکم جیسا مال مسلم کے لئے ہے یونہی مال کافر کے لئے بھی، عالمگیری میں ہے:

من مات من اھل الذمة ولا وارث له فماله لبیت المال کذا فی الاختیار شرح المختار۔[2]

ذمیوں میں سے کوئی مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں تو اس کا مال بیت المال میں رکھا جائیگا۔ اختیار شرح مختار میں یونہی ہے۔ (ت)

پس ایسی صورت میں وہ مال فقراء کو دے دے نہ اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے کہ کافر اصلاً اہل ثواب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ خبیث مرگیا اور موت مزیل ملک ہے تو اب وہ اس مال کا مالک نہ رہا بلکہ حق بیت المال ہوا تو فقراء کو بذریعہ استحقاق مذکور دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۵ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین، اس میں کہ زید اکبر آباد سے چل کر شب کو تین بجے دہلی کے اسٹیشن پر اُترا اور وہاں سے تین آنے کرایہ کو ایک

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸
[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

گاڑی کے سرائے میں آیا اور وہاں اگر گاڑی بان کو کرایہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیسے نہ تھے گاڑی بان سے کہا کہ صبح کو آن کر لے لینا، اس نے کہا اچھا، زید صبح کو دس بجے تک اسٹیشن پر گاڑی بان کا منتظر رہا وہ نہ آیا بعد دس بجے کے زید شہر میں اپنا کام کرنے کو چلا گیا اپنے سب کام سے فارغ ہو کر شام کی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر چلا آیا وہ گاڑی بان کا کرایہ اس کے ذمے رہے گا تو اس کو زید کب کیسے ادا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو ہر گاڑی کہ آمد و رفت پر ضرور آتی جاتی ہیں۔ اگر زید اسٹیشن پر تلاش کرتا ملنا آسان تھا اب بھی خود یا بذریعہ کسی متدین معتمد کے تلاش کرائے اگر ملے دے دئے جائیں ورنہ جب یاس و ناامیدی ہو جائے اس کی طرف سے تصدق کر دے اگر پھر کبھی وہ ملے اور اس تصدق پر راضی نہ ہو اُسے اپنے پاس سے دے،

کما ھو شان اللقطۃ وسائر الضوائع۔

جیسا کہ لقطہ اور دیگر گری پڑی اشیاء کا حال ہوتا ہے۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(علیہ دیون ومظالم جھل اربابھا (وایس) من علیہ ذٰلک (من معرفتھم فعلیہ التصدق بقدرھا من مالہ وان استغرقت جمیع مالہ) ھذا مذھب اصحابنا لانعلم بینھم خلافا کمن فی یدہ عروض لم یعلم مستحقیھا اعتبارا للدیون بالاعیان (و) متی فعل ذٰلک (سقط عنہ المطالبۃ من اصحاب الدیون (فی العقبٰی) مجتبٰی[1]

اس پر قرضے اور مظالم ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے ناامید ہو چکا ہے تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہو جائے، ہمارے ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علم میں ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایسا سامان ہو جس کے مستحقین معلوم نہیں قرضوں کو اجناس پر قیاس کرتے ہوئے، اور جب اس نے ایسا کر دیا یعنی صدقہ کر دیا تو آخرت میں اصحاب دیون کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا۔(ت)

---

[1] الدر المختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۶/۱

انھیں میں ہے :

(فان جاء مالکھا) بعد التصدق (خیر بین اجازۃ فعلہ ولو بعد ھلاکھا) ولہ ثوابھا (او تضمینہ)[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اگر صدقہ کردینے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو صدقہ کرنے والے کے فعل کو جائز قرار دے اگرچہ اجازت لقطہ کی ہلاکت کے بعد ہو، اس کا ثواب مالک کو ملے گا اور اگر چاہے تو اس کو ضامن ٹھہرائے۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳ از بنارس محلہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحب علاقہ وجائداد اپنا ایک موضع جس میں گودام بیل اس کے متعلق مکانات وبنگلہ واصطبل وگاڑی خانہ وغیرہ ہیں مع قدرے اپنے دوسرے موضع سے بعوض چھ ہزار روپے کے بدست عمرو بیع میعادی مدت دس سال کی کرتا ہے اور خالد عم زادہ زید جس کا کاروبار سب زید سے علیحدہ ہے عمرو مشتری سے یہ شرط کرتا ہے کہ بیع میعادی کرلو سارا انتظام اُس موضع کا ہم بطور ٹھیکہ دار کے کریں گے فقط تم کو نفع دو سو پچاس روپے سالانہ دیا کریں گے اور مابقی بعد ادائے مال گزاری سرکار ودیگر مصارف ہم لیں گے ہم اُس کے ذمہ دار ہیں اور کسی امر سے تم کو تعلق نہ رہے گا ووقت انقضائے میعاد فوراً تمہارا روپیہ ادا کردیا جائے گا اور اندر میعاد تم اپنا روپیہ چاہو گے تو قبل چندماہ ہم کو اطلاع دینا کہ ہم یعنی زید روپیہ واپس کردیں گے اور اگر اندر میعاد ہم کو روپیہ مہیا ہوجائے گا تو ہم دے کر اپنی جائداد واپس لیں گے اور کسی نوع کی مداخلت تم کو حاصل نہ رہے گی یہ قول خالد ٹھیکہ دار کا ہے اگر عمرو شرطِ مذکور کے ساتھ معاملہ کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ درصورت عدم جواز کے کس طور سے معاملہ مذکور تو جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب

یہ صورت بیع وفا کی ہے اور بیع وفا مذہب محقق ومنقح میں عین رہن ہے۔

فی ردالمحتار قدمنا انفا عن جواھر الفتاوٰی انہ الصحیح قال فی الخیریۃ والذی علیہ الاکثر

ردالمحتار میں ہے ابھی ابھی ہم جواہر الفتاوٰی کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ

---

[1] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۵

انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید امام قلت للامام ابی الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیہ مفسدۃ عظیمۃ و فتواک انہ رھن وانا ایضا علٰی ذٰلک فالصواب ان تجمع الائمۃ ونتفق علٰی ھذا ونظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر ذٰلک بین الناس فمن خالفنا فلیبرز نفسہ و لیقم دلیلہ[1] الخ۔

یہ رہن ہے اور کسی حکم میں یہ رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سیّد امام نے فرمایا میں نے ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی ہے اور اس میں فسادِ عظیم ہے جبکہ آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی پر قائم ہوں۔ چنانچہ درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کو اس پر جمع کرکے متفق ہوں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں، تو انھوں نے فرمایا کہ اس وقت ہمارا فتوٰی معتبر ہے اور وہی لوگوں میں ظاہر ہے توجو ہماری مخالفت کرے وہ اپنا موقف ظاہر کرے اور اس پر دلیل قائم کرے الخ (ت)

اور رہن میں کسی طرح کے نفع کی شرط بلاشبہہ حرام اور خالص سُود ہے بلکہ ان دیار میں مرتہن کا مرہون سے انتفاع بلاشرط بھی حقیقۃً بحکم عرف انتفاع بالشرط ربائے محض ہے۔

قال الشامی قال ط قلت والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[2]

شامی نے کہا کہ ط نے فرمایا میں کہتا ہوں غالب حال لوگوں کا یہ ہے کہ وُہ رہن سے نفع کا ارادہ رکھتے ہیں اگر یہ توقع نہ ہو تو قرض ہی نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ بات عدمِ جواز کو متعین کرتی ہے۔ (ت)

بالجملہ جبکہ دیہات اس بیع بے معنی کے سبب ملک زید سے نہ نکلے تو عمرو کو اُن کی توفیر سے کسی جز کا استحقاق نہیں، نہ وہ ملکِ غیر کو اجارہ پر دے سکتا ہے، نہ رہن و اجارہ ہرگز جمع ہوسکتے ہیں، نہ یہ صورت اجارہ دیہات کہ ان بلاد میں جاری جس کا حاصل اجارہ توفیر و محاصل ہوتا ہے نہ اجارہ زمین کہ وُہ تو اجارہ مزارعین زمین ہے، کسی طرح صورتِ جواز نہیں رکھتی ہے کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الرہن " " " ۵/ ۳۱۱

فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں کرچکے ہیں۔ت) غرض یہ حیلۂ باطلہ اصلاً بکار آمد نہیں، ہاں اس کی صورتوں میں ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً زید چھ ہزار روپے عمرو سے دس سال کے وعدے پر لیا چاہتا ہے اور عمرو ڈھائی سو روپے سال نفع کا خواستگار ہے تو زید اپنی کوئی شے عمرو کے ہاتھ چھ ہزار روپے نقد کو بیچے اور عمرو روپے ادا کرکے شے مبیع پر قبضہ کرلے اس وقت تک کوئی ذکر و شرط درمیان نہ ہو اس بیع کو صرف زبانی طور پر بجا لائیں بلکہ حقیقتاً بیع مقصود ہو۔ پھر عمرو وہی شے زید کے ہاتھ آٹھ ہزار پانسو روپے بوعدہ دہ سال فروخت کرے، یہ زیادت کہ ایک بیع صحیح میں بتراضی طرفین ہوئی حلال و روا ہے۔ فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

رجل لہ علی رجل عشرۃ دراھم فاراد ان یجعلھا ثلثۃ عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلك العشرۃ ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثۃ عشر الی سنۃ فیقع التحرز عن الحرام ومثل ھذا مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذلك رجل طلب من رجل دراھم لیقرضہ بدہ دوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك ھذا المتاع بمائۃ درھم فیشتری المقرض ویدفع الیہ الدراھم ویاخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی ھذا المتاع بمائۃ وعشرین فیبیعہ لیحصل للمستقرض مائۃ درھم ویعود الیہ متاعہ ویجب للمقرض علیہ مائۃ وعشرون درھما[1] الخ۔

ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ تیرہ درھم ہوجائیں تو علماء نے کہا کہ وہ مقروض سے انہی دس درھموں میں کوئی شے خریدے اور اس کو اپنے قبضہ میں لے کر پھر تیرہ درہم کے عوض ایک سال کے ادھار پر مدیون کے ہاتھ فروخت کردے تو اس طرح حرام سے اجتناب واقع ہوجائیگا اسی کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ایک شخص نے دوسرے سے دس درہم قرض مانگا اس شرط پر کہ وہ بارہ درھم واپس کرے گا تو قرض خواہ اپنی کوئی چیز قرض دہندہ کے سامنے رکھ کر کہے کہ میں نے یہ چیز سو درہم کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کی۔ قرض دہندہ اس کو خرید کر سو درہم ادا کردے اور وہ چیز اپنے قبضہ میں لے لے۔ پھر قرض خواہ کہے کہ یہ چیز تو میرے ہاتھ ایک سو بیس درہم میں فروخت کردے تاکہ قرضخواہ کو سو درہم بھی مل جائیں اور اس کا سامان بھی اس کے پاس لوٹ آئے اور قرض دہندہ کے لئے اس پر ایک سو بیس

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فیما یکون فراراً عن الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

درہم واجب ہوجائیں الخ۔ (ت)

پھر اگر زید میعاد کے اندر زرِ اصل یعنی چھ ہزار روپے ادا کرے گا تو بحساب دو سو پچاس[250] روپے سالانہ اُس وقت تک جتنا لازم ہوا ہوگا اسی قدر ادا کرنا ہوگا مثلاً پانچ برس میں روپے ادا کر دئے تو صرف ساڑھے بارہ سو زیادہ ہونگے اور دو برس میں تو فقط پانچ سو اور چھ مہینے میں تو صرف سوا سو وعلٰی ھذا القیاس، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول اومات فحل بموتہ فاخذ من ترکتہ لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الابقدر مامضی من الایام وھوجواب المتاخرین قنیہ وبہ افتی المرحوم (ابوالسعود افندی مفتی الروم) علله بالرفق للجانبین[1]۔

مدیون نے دینِ مؤجل کو میعاد سے پہلے ادا کر دیا یا مدیون مرگیا جس کی بنا پر دین حالی ہوگیا (مؤجل نہ رہا) چنانچہ میّت مدیون کے ترکہ سے لے لیا گیا تو اب قرضخواہ وہ نفع نہ لے جو اس کے اور مدیون کے درمیان طے پایا تھا مگر بقدرِ ایامِ گزشتہ کے اور یہی جواب متاخرین کا ہے (قنیہ) اور مفتیِ روم ابوالسعود آفندی نے یہی فتوٰی دیا اور دونوں جانبوں کی رعایت کو اس کی علت قرار دیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لایاخذ من الخ صورتہ اشتری شیئا بعشرۃ نقدا وباعہ لاٰخر بعشرین الٰی اجل ھو عشرۃ اشھر فاذا قضاہ بعد تمام خمسۃ اومات بعدھا یاخذ خمسۃ ویترک خمسۃ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول لایاخذ من الخ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز دس درہم نقد کی خریدی اور دوسرے کے ہاتھ بیس درہم کے عوض دس مہینے کے ادھار پر فروخت کی۔ پھر مدیون نے اگر پانچ ماہ بعد ثمن ادا کر دیا یا پانچ ماہ بعد وہ مرگیا تو صاحبِ دین پانچ درہم نفع لے اور پانچ درہم چھوڑ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳ — از گوالیار ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ہندہ کا شوہر زید فوت ہوا اُس نے مال از قسم

---

[1] الدرالمختار مسائل شتّی قبیل کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۱

[2] ردالمحتار " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۲

زیور و کپڑے اور مکانات چھوڑے اور مہر ہندہ کا اُس جائداد متروکہ زید سے زائد ہے اور ہندہ نے اپنے دینِ مہر میں جو جائداد کہ شوہر ہندہ نے چھوڑی اور ہندہ کے قبضہ میں ہے تو بعد فوت ہوجانے اپنے شوہر کے جائداد مذکور کو ہندہ لے لے تو ہندہ کو لے لینا اس جائداد کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعد فوت ہونے شوہر کے ہندہ نے وقت تیار ہونے جنازہ اپنے شوہر کے دین مہر اپنا جو ذمہ شوہر اپنے کے تھا وہ معاف کردیا حالانکہ ہندہ معاف کرنے مہر سے انکار کرتی ہے تو آیا ہندہ کے مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرے وارث زید کا دعوٰی دین مہر میں چل سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تقریر و بیانِ سائل سے ظاہر ہوا کہ جائداد اگرچہ پہلے سے قبضۂ ہندہ میں ہے مگر زید نے اپنی حیات میں یہ مال و جائداد ہندہ کو اس کے مہر میں نہ دیا تھا بلکہ خود ہندہ نے بعد فوت شوہر ترکۂ شوہر اپنے دین مہر میں لے لیا پس صورت مستفسرہ میں جبکہ حسب اظہار سائل تعداد زرِ مہر قیمت ترکہ سے زائد ہے تو وارثوں کے لئے ترکہ میں اصلاً ملک ثابت نہ ہوئی۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث[1] جو قرض تمام ترکہ کو محیط ہو وہ ملک وارث سے مانع ہوتا ہے۔ (ت)

ترکہ میں جس قدر زرِ نقد تھا ہندہ کا اسے اپنے مہر میں لے لینا صحیح و واجبی ہوا اور اتنے روپے مہر میں سے ادا ہوگئے۔ عالمگیری میں ہے:

ان ترك المیت صامتا مثل مهرها کان لها ان تاخذ مهرها من الصامت لانها ظفرت بجنس حقها[2]

اگر میّت نے اپنی بیوی کے مہر کے برابر نقدی چھوڑی تو وہ اس میں سے اپنا مہر وصول کرسکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے پر قادر ہوگئی ہے۔ (ت)

باقی مال نہ تو وارث بے ادائے بقیہ مہر اپنی میراث میں لے سکتے ہیں نہ ہندہ بے رضامندی دیگر ورثہ اپنے مہر میں لے سکتی ہے بلکہ اسے بیچ کر ہندہ کا باقی مہر اور اسی طرح اور دین بھی اگر ذمہ زید ہو ادا کیا جائے گا اور کوئی وارث کچھ نہ پائے گا خواہ دیگر ورثہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دین ادا کرکے جائداد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۴
[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۵۳

بیع سے بچالیں ۔ اشباہ میں ہے :

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1] وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کرکے ترکہ کو بیع سے بچالے (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ لوگوں کا وہ بیان معافی مہر بہ ثبوت شرعی ثابت نہ ہو یعنی اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورت مسلمان نمازی پرہیزگار جو نہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوں نہ کسی گناہ صغیرہ میں اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی فعل سفلہ میں آوارہ وضعی کا کرتے ہوں اور ان کی عقل و یاد قابل اعتماد ہو اور اس معاملہ میں اُن کا بیان گمان وتہمت طرفداری سے پاک ہو (کہ ان سب شرائط کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) ایسے گواہ شہادت شرعیہ دیں کہ اُن کے سامنے ہندہ نے مہر معاف کردیا تو معافی ثابت ہوجائے گی اور ہندہ دعوی مہر نہ کرسکے گی اور اگر گواہوں میں ان سات شرطوں میں سے ایک بھی کم ہے تو اُن کا بیان نامقبول اور دعوی ہندہ نامسموع و نامعقول پھر بر تقدیر ثبوت معافی مہر ہندہ میں دیگر ورثہ کا کوئی دعوی نہیں یہ محض جہالت ہے معافی کے یہ معنی کہ وہ باوجود ذمۂ زید پر تھا ساقط ہوگیا نہ یہ کہ کوئی مال زید کو ملا جس میں وارث حصہ دار ہوں ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵

۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یافتنی مبلغ نوّے ۹۰ روپے ذمۂ بکر کے واجب الادا ہیں جس کا اقرار بکر نے زید سے کیا کہ مبلغ نوّے ۹۰ روپے عرصہ نو سال میں بحساب دس روپے سالانہ ادا کیا کروں گا روپیہ آخر سال فصل پر دیا کروں گا اگر کسی سال کا روپیہ وعدہ مندرجہ اقرارنامہ ادا نہ کروں تو کل روپیہ یکمشت فوراً ادا کروں گا اور زید کو اختیار ہے کہ بشرط وعدہ خلافی ایک قسط کے، کُل روپے یکمشت مجھ سے لے لے ۔ تو اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ درصورت وعدہ خلافی ایک قسط کے کُل روپیہ یکمشت واجب الادا ہوا یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے ۔ ت)

الجواب

صورت مسئولہ میں بلاشبہہ کُل روپیہ یکمشت واجب الادا ہوگیا۔ فتاوٰی خلاصہ، فتاوٰی بزازیہ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے :

لوقال کلما حل نجم ولم تؤد اگر کہا کہ وقت مقررہ پر قسط ادا نہ کی گئی تو مال

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۵

فالمال حال صح وصار حالا[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ | حالی ہوجائے گا (مؤجل نہیں رہے گا) تو صحیح ہے اور مال حالی ہوجائے گا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۲ از اجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے ذوی الاحترام ومفتیان پابند شرع خیر الانام اس مسئلہ میں کہ ہری سنگھ چودھری کا قرضہ واجب الادا رحیم الدین پر ہے اور دونوں فوت ہوگئے اور کوئی وارث شرعی نہیں رکھتے کہ قرض ادا کیا جائے کیونکہ قرضہ غیر مسلم پر ہے تو بدلا ایک دوسرے کی نیکی پر موقوف ہے اعنی سوائے ایمان کے نیکی اس کے قرض خواہ کو دینا لائق اعتبار، اور اگر معرا اعمال نیک ہے تو مدعا علیہ کی نیکی مدعی کو دینا لابد اور مدعا علیہ بری اور کافر مستحق نیکی نہیں کہ اہل اسلام ہو کہ اس کی بدی سوائے شرک وکفر اور نہیں اور شرک وکفر اہل اسلام پر عائد نہیں ہوتا اس صورت میں تصفیہ اہل اسلام اور اہل نار کس طور سے ہوگا، بیان فرمادیں بحوالہ الکتب۔

الجواب

اگر وہ کافر حربی ہے تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں جس کا تصفیہ درکار فان اموالھم مباحۃ غیر معصومۃ (کیونکہ حربی کافروں کا مال مباح ہے معصوم نہیں۔ ت) ہاں بطور غدر وعہد شکنی لیا ہو گناہ وحق اللہ ہے جس پر مواخذہ یا عفو اللہ عزوجل کی مشیت میں ہے،

الاتری ان من دخل دارھم مستأمنا فاخذ غدرا فاحرز بدارنا ملك ملکا خبیثا فالخبث للغدر والملك للاستیلاء علی مال مباح فالاحراز انما ھو شرط التملك لانتفاء العصمۃ ارأیت ان اغار مسلمون علی دار الحرب فغنموا اموالا فماتوا قبل ان

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو مسلمان امن لے کر حربیوں کے ملک میں گیا اور ان کا مال دھوکہ سے اپنے ملک میں سمیٹ لایا تو ملک خبیث کے ساتھ مالک ہوا، خبث تو دھوکہ کی وجہ سے اور ملک اس لئے کہ مال مباح پر قابض ہوا ہے۔ لہذا اس مال کو قبضہ میں لے کر محفوظ کرنا مالک ہونے کے لئے شرط ہے عصمت کے منتفی ہونے کی وجہ سے بھلا دیکھو تو اگر مسلمان دار الحرب پر حملہ آور ہو کر مال غنیمت

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸

یحرزوا ولم تصل الاموال الی من اخذت منہ اتکون الحربیون خصماء المسلمین فی ذٰلک عند اللہ کلا فعلم ان الاثم فی الغدر لحق الشرع لا لحق الکافر۔

پائیں اور اس کو جمع کرکے محفوظ مقام تک پہنچانے سے قبل ہی مرجائیں تو کیا اللہ تعالٰی کے ہاں اس مال کے بارے میں وہ حربی کفار مسلمانوں سے مخاصمہ کرینگے؟ ہرگز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دھوکہ کی صورت میں گناہ حقِ شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ حق کافر کی وجہ سے۔(ت)

اور وہ کافر ذمی ہے تو اگر یہ قرض اس نے سچی نیت سے لیا اور اس کے ادا کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مرگیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہوگا کہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا اس کا فعل نہیں۔ اور اللہ عزوجل بے کسی گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔ رہا اس کا حق اُسے اللہ تعالٰی جس طرح چاہے راضی فرمادے گا اگرچہ اس پر کسی عذاب یا ہول کی تخفیف سے ہر کافر پر کفر و معاصی سب کے سبب عذاب ہے۔ قال تعالٰی:

ماسلککم فی سقر، قالوا لم نک من المصلین[1] الآیۃ۔

مسلمان کافروں سے کہیں گے تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے(ت)

جزاءِ کفر تخلید فی النار والعذاب ہے اس میں تخفیف امکان شرعی نہیں رکھتی،

فان التخفیف فی التابید ابطال لہ راسا وفیہ تبدیل القول وھو محال۔

ہمیشگی میں تخفیف اس کا ابطال ہے اور اس میں قولِ باری تعالٰی کی تبدیلی لازم آتی ہے جو کہ محال ہے۔(ت)

باقی بالائی عذابوں ہولوں میں حسبِ ارادۂ الٰہیہ تخفیف سے کوئی مانع نہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللہ عنہ۔ رواہ احمد[2] والبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو لوگوں کا مال بارادۂ ادا لے اللہ تعالٰی اسکی طرف سے ادا فرمادے(اس کو امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۲-۴۳

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللہ عنہ یوم القیٰمۃ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[1] عن میمونۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

جو کوئی دین اپنے ذمّہ کرے اور اس کی ادا کی نیت رکھتا ہے اللہ عزوجل روزِ قیامت اسکی طرف سے ادا فرمادے (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا۔ ت)

اور اگر بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا توضرور گناہ وحق العبد ہے ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ ولہذا فرماتے ہیں کہ ذمی کا حق مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔ فتاوٰی خانیہ آخر کتاب الغصب میں ہے :

مسلم غصب من ذمی مالا او سرق منہ فانہ یعاقب بہ یوم القیٰمۃ لانہ اخذ مالا معصوما والذمی لایرجی منہ العفو ویرجی ذٰلک من المسلم فکانت خصومۃ الذمی اشد عند الخصومۃ لایعطی ثواب طاعۃ المسلم الکافر لانہ لیس من اھل الثواب ولا وجہ ان یوضع علی المسلم وبال کفر الکافر فیبقی فی خصومتہ[2]

کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چوری کیا تو روزِ قیامت اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے مال معصوم لیا حالانکہ ذمی سے معافی کی امید بھی نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے لہذا خصومت ذمی زیادہ شدید ہے، خصومت کے وقت مسلمان کی عبادت کا ثواب کافر کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ ثواب کا اہل نہیں، اور نہ ہی کفر کافر کا وبال مسلمان پر ڈال دینے کی کوئی وجہ ہے لہذا اس کی خصومت برقرار رہے گی۔ (ت)

جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان میں ہے :

لوغصب المسلم من ذمی اوسرق منہ یعاقب المسلم و یخاصمہ

اگر مسلمان نے ذمی سے کچھ غصب کیا یا اس کی چوری کی تو مسلمان کو سزا دی جائے گی اور ذمی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/ ۴۳۲
کنز العمال برمز طب عن میمونہ حدیث ۱۵۴۲۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۲۱
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الغصب فصل فی براءۃ الغاصب الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹۳

الذمی یوم القیٰمة فظلامة الکافر اشد من ظلامة المسلم لان الکافر من اھل النار ابدا ویقع له التخفیف بالظلامات التی قبل الناس فلا یرجی منه ان یترکھا والمسلم یرجی منه العفو[1]

5

قیامت کے روز اس سے خصومت کرے گا لہٰذا کافر پر ظلم مسلمان پر ظلم سے سخت تر ہے کیونکہ کافر دائمی جہنمی ہے اور لوگوں کی اس پر جو زیادتیاں ہیں ان کے سبب سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی لہٰذا اس سے یہ امید نہیں کہ وہ ان زیادتیوں کو معاف کرے گا، البتہ مسلمان سے معافی کی توقع کی جاسکتی ہے (ت)

طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ بیان آفات الرجل میں ہے:

الفقہاء قالوا ان العذاب یوم القیٰمة علی الانسان فی حق الحیوان متعین لانہ لا یمکن المسامحة ولا القصاص بالحسنات والسیئات وکذا الذمی اذا ظلمه المسلم فان العذاب فیه متعین ان لم یستحل منه فی الدنیا قال الوالد رحمه اللّٰه تعالٰی فی شرحه علی شرح الدرر مسلم غصب او سرق مال ذمی یؤخذ به فی الاٰخرة وظلامة الکافر وخصومته اشد لانہ اما ان یحمله ذنبه بقدر حقه او یاخذ من حسناته والکافر لایاخذ من الحسنات ولا ذنب للدابة ولا توھل لاخذ الحسنات فیتعین العقاب[2] اھ باختصار۔

فقہاء نے فرمایا ہے حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کا واقع ہونا متعین ہے کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں۔ ایسا ہی ذمی جس پر مسلمان نے ظلم کیا ہو تو اس مسلمان پر عذاب متعین ہے جبکہ دنیا میں اس سے معاف نہ کرالیا ہو۔ حضرت والد رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح الدرر پر اپنی شرح میں فرمایا کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا حالانکہ ذمی کا ظلم و خصومت سخت ترین ہے کیونکہ یا تو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے یا اس کی نیکیاں لے حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہے اور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں، چارپائے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کا وہ اہل ہی نہیں لہٰذا عذاب متعین ہوا اھ اختصار (ت)

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فیما یکرہ لبسہ وفیما لایکرہ قلمی نسخہ ص ۲۳۸ - ۲۹۷

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ الخ المکتبۃ النوریۃ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰

شرح فقہ اکبر بحث توبہ میں ہے کہ :

اذا غصب مسلم من ذمی مالا او سرق منہ فانہ یعاقب بہ یوم القیٰمۃ لان الذمی لایرجی منہ العفو فکانت خصومۃ الذمی اشد[1]

جب کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس کی وجہ سے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا کیونکہ ذمی سے عفو کی توقع نہیں لہذا ذمی کی خصومت زیادہ سخت ہے۔ (ت)

مگر یہ اسی حالت میں ہے جبکہ بدلہ لینا ہی مشیّتِ ربّ العزۃ عزّجلالہٗ ہو ورنہ ممکن ہے کہ وہ کافر کے دل میں ڈالے کہ معاف کردے یا کسی تخفیف کے بدلے اس سے معاف کرادے،

فانہ اذا جاز التخفیف عنہ بظلمات لہ قبل الناس کما فی الجواھر فلیجز ایضا جزاء العفو تخلیصا للمسلم وقد قال الطحطاوی ثم الشامی عند قول الدر من الحظر قبیل مسائل المسابقۃ ظلم الذمی اشد من ظلم المسلم[2] ما نصہ لانہ یشدد الطلب علی ظالمہ لیکون معہ فی عذابہ ولامانع من طرح سیئات غیر الکفر علی ظالمہ فیعذب بھا بدلہ ذکرہ بعضھم[3] اھ فکذا لامانع من ان یقال لہ ان عفوت من المسلم طرحنا منک کذا وکذا من سیئاتک فیعفو۔

اس لئے کہ جب لوگوں کی ذمّی پر زیادتیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف جائز ہے جیسا کہ جواہر میں ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کی خلاصی کے لئے ذمّی کو معاف کرنے کا کچھ بدلہ دے کر اس کی خلاصی کرادے۔ طحطاوی اور پھر شامی نے دُرّ کے حظر میں مسائل مسابقہ سے تھوڑا پہلے اس قول کہ "ظلمِ ذمّی ظلم مسلمان سے اشد ہے" پر کہا یہ اس لئے ہے کہ ذمی اپنے اوپر ظلم کرنیوالے پر سخت مطالبہ کرے گا تاکہ وہ ظالم بھی اس کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور کفر کے سوائے ذمّی کے گناہ ظالم پر ڈالنے میں کوئی مانع نہیں چنانچہ وہ ان کے بدلے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس کو بعض علماء نے ذکر کیا ہے اھ

اسی طرح اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ذمّی کو کہا جائے اگر تُو مسلمان کو معاف کردے تو تیرے یہ یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنہا بحث التوبۃ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۵۸-۵۹

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[3] رد المحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۲

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " " دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۱

گناہ مٹادیے جائیں تو وہ معاف کردے۔ (ت)

بالجملہ یہ معنی ہرگز نہیں کہ ظلم ذمی پر عذاب واجب وقطعی وضروری الوقوع ہے کہ یہ مذہب اہلسنت کے صریح خلاف ہے ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔

قال تعالٰی ویغفر ما دون ذٰلك لمن یشاء[1] کما نبھت علیہ فی ھامش الحدیقۃ ھٰھنا۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور وہ شرک کے سوا جس کے گناہ چاہے معاف فرمادے۔ جیسا کہ اس بات پر میں نے حدیقہ کے حاشیہ میں تنبیہ کی ہے۔ (ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از بنارس محلہ جمال ٹولہ مرسلہ ماسٹر بدرالدین ۴ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مختلف لوگوں سے قرض لے کر اپنے نکاح کی تقریب میں خرچ کیا اور ایک ڈگری کو بھی جو عدالت دیوانی سے اس پر جاری ہوئی تھی بے باق کیا بعدہٗ اس نے اپنا حق وحصہ موروثی جائداد کا دو سو کا قرار دے کر اس زوجہ کے دین مہر میں جو ساڑھے پانسو کا تھا بیع کرکے رجسٹری کرادیا بیعنامہ میں زید نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر میری جائداد اور قرار پائے تو بقیہ مہر اس سے ادا کیا جائے، زید فوت ہوگیا اور اس کی کوئی دوسری جائداد نہیں ہے اس وقت تقسیم جائداد موروثی کے واسطے اور ان انواع واقسام کے نزاع کے واسطے جو درمیان فریقین ہیں جو پنچ مقرر ہوئے ہیں قرضہ دہندوں نے پنچوں کے یہاں درخواست کی ہے کہ متوفی کی جائداد سے دلایا جائے، زید نے بیوی اور ایک پسر نابالغ چھوڑا ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

اگر زید نے اپنی کل جائداد بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی زوجہ کے مہر میں بیع کردی اور باقی قرضخواہوں کو کچھ نہ دیا تو اگرچہ زید پر بحال بدنیتی گناہ ہو مگر قرضخواہوں کو اس جائداد سے کہ اب ملک زوجہ زید ہے اصلاً مطالبہ کا اختیار نہیں اُن کا مطالبہ آخرت پر رہا، ہاں اگر اس کے سوا اور جائداد یا مال زید کا ثابت ہو تو اس میں تو قرضخواہ حصہ رسد حقدار ہوں گے اور زید کا بیعنامہ میں لکھنا کہ اس سے بھی بقیہ مہر ادا کیا جائے مسموع نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۸

مسئلہ از شہر کہنہ ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے بکر کو روپیہ بوعدہ ادائے مال کسی قسم کے دیا، بکر نے بموجب وعدہ روپیہ کے عوض میں تھوڑا مال روپیہ سے ادا کیا اور کچھ روپیہ زید کا ذمہ بکر کے باقی رہا، بعد ازاں بکر فرار ہوگیا یا فوت ہوگیا یا نادار ہوگیا، اب زید کو بکر کے عوض کا روپیہ خالد سے بلا رضامندی خالد کے بوجہ کسی قسم کے دباؤ کے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر نہ خالد نے بکر کی ضمانت مال مذکور کی تھی نہ اس کا مطالبہ اپنے اوپر اتار لیا تھا نہ خالد کو بکر کا مال وراثۃً پہنچا تو اس کو بکر کے مطالبہ میں ماخوذ کرنا محض ظلم وغصب ہے۔

قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخری[1] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹ مسئولہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ صاحب بریلی محلہ نواباں ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک یا چند اشخاص کے زرِ نقد کا قرضدار ہے جو اس کی آمدنی ہوتی ہے وہ اس کو بفراغت خرچ کرڈالتا ہے اور زیادہ دستیاب ہونے پر عمارت بنوانے و تجارت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے تقاضہ اور وعدہ ہونے پر بھی ادائیگی کی فکر نہیں کرتا ہے قرضہ بڑھانے کے خیال میں رہتا ہے، اس عمل پر چند مثالیں ان بزرگانِ بے نفس کی کہ جو اتفاقیہ جزوی قرضدار رہے ہوں یا کسی مجبوری سے قرضہ کی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے ہوں زید اپنی صفائی پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ کرلینا میرا کام تھا اور پورا کرنا اللہ تعالٰی کا کام ہے۔ پس قرضہ کو بزرگانِ دین پر اور وعدہ پر قرضہ کی ادائیگی کی فکر نہ کرنے کو اللہ تعالٰی پر منسوب کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اسی ٹال مٹول میں قرضخواہ وقرضدار دونوں فوت ہوگئے تو یومِ جزا اور روزِ حساب کیا؟ اور کیونکر اس کا معاملہ طے ہوگا؟ عنداللہ جواب تفصیل عطا فرمایا جائے۔

الجواب

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لی الواجد یحل عرضہ[2] ہاتھ پہنچتے ہوئے کا ادائے دین سے ٹال کرنا

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب لصاحب الحق مقال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

ومطل الغنی ظلم[1] اس کی آبرو کو حلال کردیتا ہے یعنی اُسے بُرا کہنا اُس پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہوجاتا ہے اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

خلف الوعد حرام[2] وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان[3]، اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان الاحادیث فی المعنی کثیرۃ۔

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹ کہے اور جب وعدہ کرے خلاف کرے، اور جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ (یا جیسا کہ آپ نے فرمایا اور اس معنی میں احادیث کثیر ہیں۔ت)

صورتِ مستفسرہ میں زید فاسق و فاجر مرتکب کبائر ظالم، کذّاب، مستحق عذاب ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لئے چاہتا ہے، اگر اس حالت میں مرگیا اور دین لوگوں کا اس پر باقی رہا اس کی نیکیاں اُن کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیونکر دی جائیں گی تقریباً تین پیسہ دین کے عوض سات سو نمازیں باجماعت کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔ت) جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اُن کے گناہ اُن کے سر پر رکھے جائیں گے ویلقی فی النار اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکمِ عدل ہے، اور اللہ تعالٰی حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلفِ صالحین کے احوالِ طیّبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دینِ متین پر جرأت ہے، اُس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دیون سے پاک ہو موت کو دُور نہ جانے آگ کا عذاب سہا نہ جائے گا۔ اللہ تعالٰی توفیق دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب مطل الغنی ظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۳
[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۰۹
[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب علامۃ المنافق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

مسئلہ ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر عمرو کا قرضہ آتا ہے اور زید کا روپیہ بکر کے ذمہ ہے عمرو نے بطورِ خود بلاحوالہ زید بکر سے وہ روپیہ کہ جو اس پر زید کا آتا تھا اپنے قرضہ میں جو زید پر تھا لے لیا اور بکر نے بلاحوالہ وبغیر اجازتِ زید عمرو کو وہ روپیہ دے دیا اب بکر زید کا روپیہ دیتے وقت وہ روپیہ کہ جو عمرو کو زید کے قرض میں بغیر اجازتِ زید دے چکا تھا وضع کرتا ہے اور زید اس کے مجرا دینے سے انکار کرتا ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر اُن روپیوں کے مجرا لینے کا مستحق ہے یا نہیں اور زید پر اُن کا مجرا دینا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں بکر اُن روپوں کے مجرا لینے کا مستحق نہیں، نہ زید پر اُن کا مجرا دینا لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱

۲۹ ربیع الاول شریف یوم دوشنبہ ۱۳۲۲ھ از کلکتہ ۵۴ کولوٹولہ اسٹریٹ

ایک خاص کمپنی جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں اُن کا اعلان ہے کہ جو شخص تیس برس کی عمر سے پینتالیس سال کی عمر تک یعنی کامل پندرہ سال تک ہر سال چھہتر روپیہ آٹھ آنے کمپنی کو دیا کرے تو پندرہ برس کی مدت گزرنے کے بعد اس کو کمپنی ایک ہزار دے گی معاہدہ ہونے کے بعد مدتِ معینہ ختم ہونے سے پہلے مثلاً دو مہینے یا دو سال چار سال کے بعد وہ شخص مرگیا تو یہی کمپنی اس کے وارثوں کو پورے ایک ہزار روپیہ دے گی رقم معینہ مذکور سالانہ کی تعداد کامل پندرہ سال کی مجموعہ گیارہ سو سینتالیس روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے ایسی صورت میں روپیہ جمع کرنا اور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت قمار کی ہے اور میعادِ عمر وہ رکھی ہے جس میں غالب حیات ہے۔ حدیث میں فرمایا:

اعمار امتی مابین الستین الی السبعین[1]۔ میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ (ت)

اور بحالِ حیات ظاہر ہے کہ ایک سو سینتالیس روپے آٹھ آنے کا نقصان ہے کافر کے ساتھ ایسا معاملہ

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب الامل والاجل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

جس میں غالب پہلو اپنے نقصان کا ہو جائز نہیں کما نص علیہ فی فتح القدیر (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک مسلمان نے اپنا مکان ظاہر کرکے ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور جب تحقیق کی گئی تو وہ مکان ایک ہندو جو مرگیا اُس کا نکلا، فروشندہ نے دھوکہ سے بوجہ رہن ملک خود ظاہر کرکے بیع کر دیا اور متوفی کی صلب سے کوئی اولاد نہیں ہے تو مشتری کا یہ عمل شریعت میں قابلِ مواخذہ تو نہیں ہے اور وہ اُس مکان کو ملک اپنی تصور کرے گا یا نہیں؟ یا روپیہ اپنا واپس لے سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

فتوٰی اس پر ہے کہ اس زمانہ میں جنس غیر سے بھی دین وصول کر سکتے ہیں جبکہ وہ ہندو اس کا مدیون تھا اور مرگیا تو یہ اس مکان کو اپنے دین میں لا سکتا ہے اگر اس کی قیمت دین کے برابر یا دین سے کم ہے جب تو ظاہر ہے اُس نے جو مکان کو اپنا ظاہر کرکے بیع کیا بیع صحیح ہوئی مشتری مالک ہوگیا ہاں اگر قیمت مکان دین سے زائد ہے تو بقدر قیمت اس کی ملک ہوسکتا ہے اپنا دین اس سے وصول کرے اور جو زائد بچے فقراء پر تصدق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳ از نگریا سادات ڈاکخانہ میر گنج ضلع بریلی محمد تقی صاحب ۱شوال ۱۳۳۵ھ

زید کے سَو روپے تمسکی سُود کے عمرو کے ذمہ واجب الادا تھے عمرو نے قضا کی اس کے ورثا نے زمین مکفول کو ایک عرصہ تک زید کے قبضہ میں چھوڑ کر روپیہ ادا کر دیا لیکن تمسک بوجہ عزیزداری و یگانگت کے زید سے حاصل نہ کیا ورثائے عمرو نے اس جائداد کو بدست دیگر اشخاص بیع کر دیا زید نے اس بیع میں کچھ مزاحمت بوجہ اس کے کہ اُس کا مطالبہ وصول ہوچکا تھا نہیں کی مسماۃ ہندہ پھوپھی عمرو نے بھی سَو روپے زید سے تمسکی قرض لئے تھے۔

بکر شوہر مسماۃ ہندہ نے ازراہِ طمع نفسانی کہ لشمول چند کسان بر تقرر حصص باہمی نوشتہ عمرو موسومہ زید کو براہِ چالاکی و فریب دہی خالہ زید سے حاصل کرکے نالش موسومہ عمرو منجانب زید دائر کی اور بعد حصول ڈگری تمام زرِ ڈگری حاصل کرنا چاہا جس سے زید بلاوجہ بے ایمان و دغا باز مشہور ہوکر زبان زدِ خلائق ہوا جب زید نے اپنے کو بلاوجہ متہم ہوتے دیکھا تو کل مطالبہ زرِ ڈگری خود وصول کر لیا اور فرضی اشخاص نالش مثل بکر وغیرہ کو کچھ نہیں دیا، زید نے مسماۃ ہندہ پر اپنے روپے کی نالش کی بکر شوہر

مسماۃ ہندہ نے منجانب مسماۃ مذکورہ کچہری میں بذریعہ اظہار حلفی بیان کیا کہ تمسک کا لکھنا صحیح ہے مگر وادو دست روپے کی نہیں ہوئی روپیہ ہم نے نہیں لیا ہے فرضی لکھ دیا ہے اس کا کاتب بکر شوہر مسماۃ ہندہ کا تھا چونکہ تاریخ فیصلہ التوا ہوگئی تھی سب عزیز واقارب نے باہمی فیصلہ کی بابت کہا تو بکر نے صاف جواب دے دیا کہ جب تک اُس ڈگری موسومہ عمرو میں ہمارے حصہ کا روپیہ نہ دیں گے ہم اس روپے سے قطعی انکار کرینگے پھر ہم نے یہ روپیہ اس میں مجرا کرلیا چنانچہ ایسا ہی ہوا حسب شریعت یہ صورت اُس زر جائز متصور ہوگی یا نہیں یا ہندہ تا یوم النشور مواخذہ دار ادا کی رہے گی۔

الجواب

وہ کارروائی بکر وغیرہ نے وصول شدہ روپے دوبارہ زید سے حاصل کرنے کی کی حرام قطعی تھی اور اس کے بعد عمرو نے کہ وہ روپیہ خود وصول کریں حرام وخبیث ہوا وہ سب کے سب مستحق نار ہوئے۔

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ (ت)

اب یہ کارروائی جو بکر نے اپنی زوجہ کی طرف سے کی یہ بھی حرام در حرام ہے دائن کا دین مار لینا حرام اور اُس حرام وخبیث روپے میں جو زید سے حاصل کے حصہ مانگنا حرام اس نجس کارروائی سے عمرو کا یہ روپیہ جو ہندہ پر ہے اگر مارا بھی گیا تو ہندہ حشر تک اُس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتی۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ ادا کردے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: از لکھیم پور کھیری مرسلہ عبد اللہ خیاط ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری ماں نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے والد نے ایک بقال مشرک سے مبلغ بیس روپے بوعدہ چوبیس روپے قرض لیا تھا جس کو عرصہ تخمیناً تیس ۳۰ برس کا ہوگا، اس کے چند روز بعد کہ وہ اس قرض کو ادا نہیں کرپائے تھے اُن کا انتقال ہوگیا بقال مذکور سے والدہ نے کہا کہ میں محنت کرکے ادا کروں گی کیونکہ کوئی سرمایہ اس وقت موجود

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ان العاریۃ مؤداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

نہ تھا بقال نے یہ کہا تھا کہ یہاں خود ہی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان سے میں کیا لے لوں ہم سب بہن بھائی چھوٹے تھے میں شیر خوار تھا اب والدہ صاحبہ کے فرمانے پر مجھے خیال ہوا کہ میں بفضلہ تعالٰی بطفیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت اس قابل ہوں کہ اُن کا قرض معلوم ہونے پر ادا کروں بدریافت معلوم ہوا کہ جس سے قرض لیا تھا وہ مرگیا اور اس کا لڑکا بھی مرگیا جس ضامن مسلمان کی معرفت لیا تھا اُن کا بھی انتقال ہوگیا یہ بھی نہیں معلوم کہ انھوں نے تو ادا نہیں کردیا والدہ کو اس کا بھی علم نہیں ہے ایک سال سے برابر دریافت تلاش کی کہ اس کے وارث کا پتہ چل جائے تو ادا کروں اب تک کوئی وارث اس کا نہیں معلوم ہوا ایسی حالت میں شرع شریف سے کیا حکم ہے کہ میرے باپ پر قیامت میں اس قرض کا بار نہ رہے بقال سے ہمیشہ بلا سودی لین دین تھا سوا اس روپیہ کے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

جبکہ یہ قرض تھا آپ کے والد پر اصلاً بیس روپے واجب الادا تھے،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عہدے پورے کرو (ت)

اور جبکہ پہلے کبھی اس سے سُود وغیرہ کوئی رقم ناجائز نہ لی تھی تو اس کے کُل یا بعض اس سے مجرا بھی نہیں ہوسکتے اس کا یہ کہنا کہ چھوٹے بچے ہیں ان سے کیا لوں آپ کے والد کو مطالبہ سے بری کرنا نہیں تھا ضامن اگر ادا کردیتا تو اس ضامن مسلم کا دین رہتا وہ اس سے آسان تھا یہاں وہ بھی معلوم نہیں لیکن جبکہ بنیا اور اُس کا بیٹا بھی مرگیا اور اس کے وارث کا پتہ نہیں یہ مال فقراء کے لئے ہوا آپ کسی مسلمان فقیر کو کہ مالکِ نصاب نہ ہو بیس روپے دے دیجئے نہ اس نیت سے کہ اس کافر کو ثواب پہنچے کہ یہ حرام بلکہ کفر ہے بلکہ اپنے والد پر سے مطالبہ اتارنے کی نیت کیجئے یہ فقیر غیر شخص ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر آپ کی والدہ چھپن روپے کے مال کی مالک نہ ہوں تو انھیں کو اس نیت سے دے دیجئے کہ بیس روپے اُس بنئے کے جو والد پر قرض تھے اور وارث کوئی نہ رہا وہ قرض ادا کرتا ہوں بعونہٖ تعالٰی وہ بری الذمہ ہوجائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ۱۵ از رامپور بلاسپور دروازہ مرسلہ حضرت مولانا مولوی سید زادہ احمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۵ شوال ۱۳۲۷ھ

بملاحظہ گرامی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم، بعد ہدیہ سلام مسنون مدعا نگار ہوں، یہ خط میرے ملنے والے نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اس کے استفتاء کا جواب جو خط کے آخر میں ہے جناب کے دار الافتاء سے منگادوں بنظر سہولت میں بجنسہٖ وہ خط روانہ خدمت عالی کرکے مستدعی ہوں کہ جواب باصواب بحوالہ کتاب مرحمت ہو میں بفضلہ تعالٰی خیریت سے ہوں اور امید ہے کہ حضرت کا مزاج بھی قرین صحت ہوگا۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو شخص بکر و خالد سے روپیہ قرض لیا عدم ادائیگی پر بکر قصاب نے زید پر نالش کی۔ زید نے سب روپیہ صرف بکر کو ادا کرنا خالد کہتا ہے کہ روپیہ زید سے دلوایا جائے کچہری کا حکم ہے کہ ڈگری زید پر ہو اور روپیہ خالد کو بکر سے دلایا جائے۔

الجواب

حضرت والا دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سوال بہت مجمل ہے دو شخصوں سے قرض لینا تین طرح ہوتا ہے، سو روپے بکر نے الگ دیئے خالد نے الگ، سو بکر لایا سو خالد، وہ ملاکر دونوں نے زید کو دیئے، دو سو روپے خالد و بکر کے شرکتِ عقد کے تھے وہ انہوں نے اسے دیئے۔ اگر یہ نالش یکجائی ہے تو پہلی صورت نہ ہونا بتائے گی وہ جب بھی محتمل رہیں گی اور حکم جدا لینا ہے اور ہر شق پر حکم بتا دینا خلافِ مصلحت، لہٰذا سائل کو تعیین صورت و تفصیل واقعہ کے ساتھ سوال کرنا چاہیے کہ بعونہٖ تعالٰی جواب دیا جائے۔

مسئلہ ۱۶ از مقام چالیس گاؤں خاندیس مرسلہ ابراہیم خاں سوداگر چرم یکم ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے اوپر مہر کا دعوٰی میرے سالے مظہر علی خاں نے کیا ہے اور میری بیوی دو برس کے قریب ہوا کہ فوت ہو چکی ہے اور دعوٰی مدعی میں تحریر کیا ہے کہ میری بہن نے مہر جو مبلغ پانچ سو روپے کا تھا فروخت کیا ہے اور مقدمہ زیر تجویز کچہری ہے آیا فروخت کرنا مہر کا جائز ہے یا نہیں؟ اور مظہر علی خاں جو میرا سالہ ہے اس کو دعوٰی کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر اور دیون کے مثل ایک دین ہے اور دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ باطل ہے لہذا اس بنا پر مدعی کو دعوی کا اصلاً حق نہیں، ہاں اگر اسے اپنی بہن کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہو تو اپنے حصے کا دعوی کرے وہ جدا بات ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولو باعہ من المدیون او وھبہ جاز[1] دین کی بیع ناجائز ہے، اگر مدیون پر بیچا یا ہبہ کر دیا تو جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وغیرہا میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷: از علی گڈھ محلہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ متوفیہ یا زندہ کا مہر ایک ساتھ ادا نہ کر سکے تو اس کو حاکم شرع بذریعہ قسط ادا کرنے کے لئے حکم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

زندہ کے واجب الادا مہر کی قسط بندی اس کی مرضی سے ہو سکتی ہے اور مردہ کے مہر کی قسط بندی اس کے وارثوں کی مرضی پر ہے حاکم اس پر جبر نہیں کر سکتا فان الحق لہا اولھم لا للقاضی (کیونکہ حق بیوی یا وارثوں کا ہے نہ کہ قاضی کا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

کتاب الاشربہ

(اشربہ کا بیان)

مسئلہ ۱۸ ماہ صیام عظام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تھوڑی سی افیون مرض کی غرض سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

بضرورت دوا قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ وسرور یا عقل وحواس میں تغیر وفتور اصلاً نہ پیدا ہو استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے بطور مشغلہ کھانا جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگالیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگرچہ نشہ نہ کرے اگرچہ بوجہ اپنی قلت کے اس قابل ہی نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

البنج والافیون استعمال الکثیر المسکر منہ حرام مطلقا واما القلیل فان کان للھو حرم وان للتداوی فلا[1] اھ ملتقطا۔

بھنگ اور افیون کا کثیر استعمال جو نشہ لائے مطلقاً حرام ہے اور اس میں قلیل اگر لہو کے لئے ہے تو حرام اور اگر علاج معالجہ کے لئے ہے تو حرام نہیں اھ التقاط (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۴

کھانیوالے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے بعض وہ اکا زا بہانہ ہی کرتے ہیں انھیں مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا واللہ یعلم المفسد من المصلح[1] (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ ت) اور اس خبیث چیز کی بدخو ہے کہ چند روز میں گھر کرلیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی کرلیتی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اطبا لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلیوں میں سوراخ ہوجاتے ہیں اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے کما نقلہ العلامۃ الشامی عن تذکرۃ داؤد الانطاکی[2] (جیسا کہ علامہ شامی نے داؤد انطاکی کے تذکرہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ ت) حتی الامکان بچے اور اگر ایسی ہی ضرورت شدیدہ ہو تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی نسخہ میں اتنا جز شریک کرلیں کہ ایک دن کی قدر شربت میں بہت قلیل مقدار آئے جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو اس تقدیر پر اسکی صورت بھی اہلِ لہو کی مستعمل صورت سے جدا ہوجائے گی اور موضع تہمت پر وقوف بھی نہ ہوگا، حدیث نقل کرتے ہیں:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم[3]۔	جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت والی جگہوں پر وقوف نہیں رکھتا۔ (ت)

حدیث[4] میں ہے: ایاك و مایسوء الاذن[4] (اس چیز سے بچ جو کانوں کو گنہگار کرے۔ ت) حدیث میں ہے: ایاك و مایعتذر منہ[5] (اس کام سے بچ جس سے معذرت کرنی پڑے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰
[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۵
[3] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۴۹
حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ما یفسد الصوم و یوجب القضاء " " " ص ۳۷۱
[4] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶
[5] المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۶

رسالہ

حُقّۃ المرجان لمھم حکم الدّخان ۱۳

(مرجان کی صندوقچی حقّہ کے ضروری حکم کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۹ از بنگالہ طالب حق

چہ می فرمایند (کیا فرماتے ہیں) علمائے دین، حقہ پینا یا تمباکو کھانا کیسا ہے حرام یا مکروہ؟

انی رایت فی الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، واکتبه بعینه۔

الحدیث السابع والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد قال کان رجل من اصحابنا لایمز التنباك ولکنه کان قد اھیاء القذرۃ لاضیافه فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی النوم او الیقظۃ لا ادری ای ذلك کان، مقبلا الیه ثم اعرض وخرج من ذلك المکان قال فشد فشددت الیه و قلت یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیك وسلم) ما ذنبی فقال فی بیتك القذرۃ و نحن نکرھھا۔

الحدیث الثامن والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد کان رجلان من الصالحین احدھما عالم عابد والاٰخر عابد لیس بعالم فرایا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی ساعۃ واحدۃ کانه اذن للعابد ان یدخل فی مجلسه ولم یاذن للعالم فسال العابد

میں نے "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" میں دیکھا جس کو بعینہٖ لکھ رہا ہوں۔

ستائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک مرد خود تو تمباکو نوشی نہیں کرتا تھا لیکن مہمانوں کے لئے اس نے حقہ تیار کر رکھا تھا معلوم نہیں خواب میں یا بیداری میں اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی دراں حالیکہ آپ اس کی طرف متوجہ تھے پھر آپ نے اس سے اعراض فرمایا، اس شخص نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تیزی سے اس مکان سے نکل گئے' میں تیزی سے آپ کی طرف گیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا گناہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیرے گھر میں گندگی (حقہ) ہے جو ہمیں ناپسند ہے۔

اٹھائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے خبر دی کہ دو نیک مرد تھے جن میں سے ایک عالم وعابد اور دوسرا عابد تھا مگر عالم نہیں تھا ان دونوں نے خواب میں بیک وقت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے عابد کو اپنی مجلس میں داخل ہونے کی اجازت عنایت فرمائی جبکہ عالم کو اجازت نہ بخشی، چنانچہ عابد نے

6

بعض القوم عن ذٰلك فقال هو يمز التنباك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرھہ فلما کان الغد دخل علی العالم فوجدہ یبکی لما رای اللیلۃ فاخبرہ عن السبب فتاب عن ساعتہ ثم رایا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اللیلۃ الاٰتیۃ علی صورۃ واحدۃ کانہ اذن للعالم وقربہ منہ[1] ۔ والسلام ثم السلام۔

بعض لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا کہ وہ تمباکو نوشی کرتا ہے اور نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ عابد عالم کے پاس گیا تو اسے رات والی خواب کی وجہ سے روتے ہوئے پایا، چنانچہ عابد نے عالم کو (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ناراضگی کے) سبب کی خبر دی تو عالم نے اسی وقت تمباکو نوشی سے توبہ کرلی۔ پھر آئندہ رات کو ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہی صورت پر دیکھا گویا کہ آپ نے عالم کو اپنی مجلس میں داخلہ کی اجازت عطا فرمائی اور اسے اپنا قرب بخشا۔ والسلام ثم السلام۔

الجواب

حق یہ ہے کہ معمول حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامۂ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علمائے عظام حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً و تکریماً میں رائج ہے شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں تو اسے ممنوع و ناجائز کہنا یہاں احوال قلیان سے بے خبری پر مبنی،

کما عرض للکثیر من المتکلمین علیہ فی بدو ظہورہ قبل اختبارہ و وضوح امرہ فقیل مسکر و قیل مضر و

جیسا کہ اس پر گفتگو کرنے والے بہت سے حضرات کو اس کے پرکھنے اور اس کی حقیقت واضح ہونے سے پہلے شبہ لاحق ہوا، چنانچہ کسی نے کہا یہ نشہ آور ہے، کسی نے کہا نقصان دہ

[1] الدر الثمین مع المسلسلات والنوادر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۲

قیل مضر مطلقا کالسموم[ع۲] و قیل و قیل۔

ہے کسی نے کہا زہریلی چیز کی طرح مضر ہے، اسی طرح کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا۔ (ت)

یا۲ بعض احوال عارضہ بعض فساق متناولین کی نظر پر مبنی،

کقول من قال انه مما یجتمع علیه الفساق کاجتماعهم علی المحرمات وقول اٰخر انه یصد عن ذکر اللّٰه وعن الصلٰوۃ۔

اس شخص کے قول کی طرح جس نے کہا کہ اس پر فاسق لوگ جمع ہوتے ہیں جیسے وہ محرمات پر جمع ہوتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہی گئی کہ یہ اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے رکاوٹ بنتا ہے (ت)

یا۳ بعض عوارض مخصوصہ بعض بلاد و بعض اوقات کے لحاظ سے ناشی جن کا حکم اُن کے غیر اعصار و امصار کو ہرگز شامل نہیں،

کمن احتج بالنهی السلطانی علی کلام فیه للعلامة النابلسی۔

جیسے وہ شخص جس نے نہی سلطانی کے ساتھ استدلال کیا حالانکہ علامہ نابلسی کا اس میں کلام ہے۔ (ت)

یا۴ محض مفتریات کاذبہ و مخترعات ذاہبہ پر متفرع،

کتهور من تفوه ان کل دخان حرام وجعله حدیثا عن سید الانام علیه افضل الصلٰوۃ واکمل السلام وکجراۃ من قال اجمعوا علی

جیسے اس شخص کی جسارت جس نے کہا کہ ہر دھواں حرام ہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث گھڑی اور جیسے اس شخص کی جرأت جس نے کہا اس کی حرمت پر اجماع ہے

ع۲ والافلا دواء ولا غذاء بل ولا شیئ فی عالم الخلق من هذا القبیل متمحضا للنفع خالصا عن الضرر حتی الشهد الذی نطق القراٰن العزیز بان فیه شفاء للناس والبان البقر المنصوص فی الاحادیث انها شفاء ۱۲ منه۔

ورنہ تو کوئی دوا، غذا بلکہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو محض نافع ہو اور ضرر سے بالکل خالی ہو حتی کہ شہد جس کے متعلق قرآن ناطق ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اور گائے کا دودھ جس پر حدیث کی نص ہے کہ یہ شفاء ہے ۱۲ منہ (ت)

حرمتہ والاجماع حجۃ۔ اور اجماع حجت ہے۔ (ت)

فقیر نے اس باب میں زیادہ بے باکی متقشفہ افغانستان سے پائی کہ چند کتب فقہ پڑھ کر تقشف وتصلف کو حد سے بڑھاتے اور عامہ امت مرحومہ کو ناحق فاسق وفاجر بتاتے ہیں اور جب اپنے دعوٰی باطل پر دلیل نہیں پاتے ناچار حدیثیں گھڑتے بناتے ہیں، میں نے ان کی بعض تصانیف میں ایک حدیث دیکھی کہ:

من شرب الدخان فکانما شرب دم الانبیاء۔ جس نے حقہ پیا گویا پیغمبروں کا خون پیا۔

اور دوسری حدیث یُوں تراشی:

من شرب الدخان فکانما زنی بامہ فی الکعبۃ۔ جس نے حقہ پیا گویا اس نے کعبہ معظمہ میں اپنی ماں سے زنا کیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ت) جہل بھی کیا بدبلا ہے، خصوصًا مرکب کہ لادوا ہے۔ مسکین نے ایک مباح شرعی کے حرام کرنے کو دیدہ ودانستہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہتان اُٹھایا اور حدیث متواتر من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1] کا اصلا دھیان نہ لایا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو مجھ پر جان بوجھ کر جھُوٹ باندھے اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

اللّٰھم تب علینا وعلیہ ان کان حیا واغفرلنا ولہ ان کان میتا۔ اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرما اور اس کی بھی اگر وہ زندہ ہے اور ہماری مغفرت فرما اور اس کی بھی مغفرت فرما اگر وہ مرچکا ہے۔ (ت)

ثانیاً قواعدِ شرع میں بےغوری اور نظر وفکر کی بیطوری سے پیدا،

کزعم من زعم انہ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ ومنہ زعم ان فیہ استعمال اٰلۃ العذاب یعنی النار وذٰلک حرام وھذا من البطلان جیسے اس شخص کا گمان جس نے کہا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ اور اسی سے یہ گمان کہ اس میں آلہ عذاب یعنی آگ کا استعمال ہوتا ہے اور وہ حرام ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان اضح ترین ہے

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱

[2] صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب علٰی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم " " " ۱/۷

بابين مكان قاله المحدث[عه] الدهلوی
فيما نسب اليه باستعمال الماء
المعذب به قوم نوح عليه الصلوٰة
والسلام **قلت** وفی الترويح بالمراوح
استعمال اٰلة عذاب عاد واما اصلاح
العصری[عه٢] اللكهنوی بزيادة قيد علٰی
هياٴة اهل العذاب **فاقول** لايجدی
نفعا والالم يجز الاغتسال بماء
حار قال تعالٰی يصب من
فوق رءوسهم الحميم[1] وماذا
يزعم الزاعم فی دخول
الحمام، افيكون علی هذا
حراما منهيا عنه لذاته
بل من الكبائر اما مطلقا
علی ما اختار هذا الفاضل
من كون تعاطی المكروه
تحريما من الكبائر او بعد الاعتياد علی ما عليه
الاعتماد من كونه فی نفسه من الصغائر وذالك
لان الحمام كما افاده العلامة المناوی فی التيسير
اشبه شیئ بجهنم النار من تحت والظلام من فوق

یہی کہا محدث دہلوی (مولانا شاہ عبدالعزیز) علیہ الرحمہ
نے جوان کی طرف منسوب کہ اس میں اُس پانی کا
استعمال ہے جس کے ساتھ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی قوم کو عذاب دیا گیا **قلت** (میں نے کہا) پنکھے
کے ساتھ ہوا لینے میں اس آلہ کا استعمال ہے
جس کے ساتھ قوم عاد کو عذاب دیا گیا۔ رہا معاصر
لکھنوی (مولانا عبدالحی) کا اصلاح کے لئے یہ
قید بڑھانا کہ وہ اہل عذاب کی ہیئت پر ہے **فاقول**
(تو میں کہتا ہوں) کچھ مفید نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ
گرم پانی کے ساتھ غسل کرنا جائز نہ ہو، اللہ تعالٰی
فرماتا ہے کہ ان (جہنمیوں) کے سروں پر کھولتا ہوا
پانی ڈالا جائے گا۔ تو ایسا گمان کرنے والا حمام
میں داخل ہونے سے متعلق کیا کہے گا، کیا یہ حرام
منہی عنہ لذاتہ بلکہ کبائر میں سے ہے یا تو مطلقاً
جیسا کہ فاضل مذکور کا مختار ہے کہ مکروہ تحریمی کا
ارتکاب کبائر میں سے ہے یا عادت بنالینے سے جیسا کہ
معتمد ہے کہ فی نفسہ یہ صغائر سے ہے، یہ اس لئے
کہ حمام امام مناوی کی تیسیر میں ذکر کردہ افادہ
کے مطابق جہنم کے مشابہ ترین ہے، اس کے
نیچے آگ اور اوپر دُھواں ہے، اس میں بے چینی

عـه المراد به مولانا الشاه عبدالعزيز المحدث الدهلوی۔
عـه٢ المراد به المولوی عبدالحی اللكنوی۔

اس سے مراد مولانا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہیں۔ (ت)
اس سے مراد مولوی عبدالحی لکھنوی ہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الكريم ٢٢/١٩

وفیه الغم والحبس والضیق ولہذا لما دخله سیدنا سلیمٰن نبی الله علیه الصلٰوة والسلام تذکر به النار وعذاب الجبار اخرج العقیلی والطبرانی وابن عدی والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی موسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه یرفعه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال اول من دخل الحمامات وصنعت له النورة سلیمٰن ابن داؤد فلما دخله وجد حره وغمه فقال اوّہ من عذاب الله اوّہ قبل ان لایکون اوّہ[1] **قلت** وبہذا یرد حدیث التشبه باھل النار و حدیث الملابسة بالنار کما لایخفی علی اولی الابصار۔

حبس اور تنگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام حمام میں داخل ہوئے تو انھیں آگ اور عذاب جبار یاد آگیا۔ عقیلی، طبرانی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا اس کو نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو حمام میں داخل ہوئے اور اس کے لئے چونا تیار کیا وہ سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں، جب وہ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی اور بے چینی کو پاکر فرمایا اللہ تعالٰی کے عذاب کا درد، یہ تو دردمند ہوتا ہے قبل اس کے دردمندی نہ ہو۔ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس کے ساتھ اہل نار سے مشابہت اور نار سے ملابست کی حدیث وارد ہے جیسا کہ اربابِ بصیرت پر پوشیدہ نہیں (ت)

ولہذا علمائے محققین واجلّۂ معتمدین مذاہب اربعہ نے بعد تنقیح کار و امعان افکار اس کی اباحت کا حکم فرمایا وھو الحق الحقیق بالقبول (اور یہی حق ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے۔ ت) علامہ سیدی احمد حموی غمز العیون والبصائر میں فرماتے ہیں:

یعلم منه حل شرب الدخان[2] — اس سے معلوم ہوا کہ حقہ پینا حلال ہے۔ (ت)

اس قاعدہ سے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے حقہ پینے کی حلت معلوم ہوئی۔ علامہ عبدالغنی

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۹۵ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن الداودی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۴ و ۸۵
شعب الایمان حدیث ۷۷۷۸ " " " ۶/ ۱۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثالثۃ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

بن علامہ اسمٰعیل نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

من البدع العادیة استعمال التتن و القھوة الشائع ذکرھما فی ھذا الزمان بین الاسافل والاعیان والصواب انه لاوجه لحرمتھما و لا لکراھتھما فی الاستعمال[1] الخ۔

بدعات عادیہ سے ہے حقہ اور کافی کا پینا جن کا چرچا آج کل عوام وخواص میں شائع ہے اور حق یہ ہے کہ ان کی حرمت کی کوئی وجہ ہے نہ کراہت کی۔

علامہ محقق علاء الدین دمشقی درمختار میں عبارت اشباہ نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت فیفھم منه حکم التتن[2] شامی میں ہے: وھوالاباحة علی المختار[3]

یعنی اس سے تمباکو کا حکم مفہوم ہوتا ہے اور وہ اباحت ہے مذہب مختار میں۔

پھر فرمایا:

وقد کرھه شیخنا العمادی فی ھدیته الحاقاً له بالثوم والبصل بالاولی[4]

ہمارے استاد عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین دمشقی نے اپنی کتاب ہدیہ میں اسے لہسن و پیاز سے لاحق ٹھہرا کر مکروہ رکھا۔

علامہ سیدی ابوالسعود پھر علامہ سیدی احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا:

لایخفی ان الکراھة تنزیھیة بدلیل الالحاق بالثوم والبصل والمکروہ تنزیھا یجامع الجواز[5]

پوشیدہ نہیں کہ یہ کراہت تنزیہی ہے جیسے لہسن اور پیاز کی، اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔

علامہ حامد آفندی عمادی بن علی آفندی مفتی دمشق الشام فتاوٰی مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں علامہ محی الدین احمد بن محی الدین حیدر کردی جزری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الدلیل علی قبح البدع والنہی عنہا المکتبۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۱۴۲-۱۴۳

[2] الدرالمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۱

[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۹۶

[4] الدرالمختار مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۱

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاشربہ دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۲۷

فی الافتاء بحله دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون بتناوله مع ان تحلیله الیسر من تحریمه وما خیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بین امرین الا اختار الیسرھما واما کونه بدعة فلاضرر فانه بدعة فی التناول لا فی الدین فاثبات حرمته امر عسیر لایکاد یوجد له نصیر[1]

حلتِ قلیان پر فتوٰی دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے کہ اکثر اہلِ اسلام اس کے پینے میں مبتلا ہیں معہذا اس کی تحلیل تحریم سے آسان تر ہے اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دو کاموں میں اختیار دیئے جاتے جو ان میں زیادہ آسان ہوتا اُسے اختیار فرماتے، رہا اُس کا بدعت ہونا کچھ باعثِ ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امورِ دین میں، تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے جس کا کوئی معین و یاور ملتا نظر نہیں آتا۔

علامہ خاتمۃ المحققین سیدی امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

للعلامة الشیخ علی الاجھوری المالکی رسالة فی حله نقل فیھا انه افتی بحله من یعتمد علیه من ائمة المذاھب الاربعة[2]

علامہ شیخ علی اجہوری مالکی رحمہ اللہ تعالٰی نے حقہ کی حلت میں ایک رسالہ لکھا جس میں نقل فرمایا کہ چاروں مذہب کے ائمہ معتمدین نے اس کی حلت پر فتوٰی دیا۔

پھر فرماتے ہیں:

قلت والف فی حله ایضا سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالة سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحة شرب الدخان وتعرض له فی کثیر من تالیفه الحسان واقامة الطامة الکبرٰی

حلتِ قلیان میں ہمارے سردار عارف باللہ حضرت عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی نے بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا "الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان" نام رکھا اور اپنی بہت تالیفاتِ نفیسہ میں اس سے تعرض کیا اور حقہ کی حرمت یا کراہت ماننے والے پر

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ محی الدین المکی الجزری، فی الرد علی من افتی بحرمۃ شرب الدخان، ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۵

على القائل بالحرمة او بالكراهة فانهما حكمان شرعيان لابد لهما من دليل ولادليل على ذلك فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فى الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لايلزم منه تحريمه على كل احد فان العسل يضر باصحاب الصفراء الغالبة وربما امرضهم مع انه شفاء بالنص القطعى وليس الاحتياط فى الافتراء على الله تعالٰى باثبات الحرمة او الكراهة اللذين لا بد لهما من دليل بل فى القول بالاباحة التى هى الاصل وقد توقف النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم مع انه هو المشرع فى تحريم الخمر ام الخبائث حتى نزل عليه النص القطعى فالذى ينبغى للانسان اذا سئل عنه سواء كان ممن يتعاطاه اولا كهذا العبد الضعيف وجميع من فى بيته ان يقول هو مباح لكن رائحته تستكرهها الطباع فهو مكروه طبعا لاشرعا الى اخر ما اطال به رحمه الله تعالٰی[1]

قیامتِ کبریٰ قائم فرمائی کہ وہ دونوں حکم شرعی ہیں جن کے لئے دلیل درکار۔ اور یہاں دلیل معدوم کہ نہ اس کا نشہ لانا ثابت ہوا نہ عقل میں فتور ڈالنا نہ مضرت کرنا بلکہ اس کے منافع ثابت ہوئے ہیں تو وہ اس قاعدہ کے نیچے داخل کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ بعض کو ضرر کرے تو اس سے سب پر حرمت ثابت نہیں ہوتی، جن مزاجوں پر صفرا غالب ہوتا ہے شہد انہیں نقصان کرتا ہے بلکہ بارہا بیمار کردیتا ہے باآنکہ وہ بنصِ قرآنی شفا ہے، اور یہ احتیاط کی بات نہیں کہ حرمت یا کراہت ٹھہرا کر خدا پر افترا کردیجئے کہ ان کے لئے دلیل کی حاجت بلکہ احتیاط مباح ماننے میں ہے کہ وہی اصل ہے، خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بنفسِ نفیس صاحبِ شرع ہیں شراب جیسی ام الخبائث کی تحریم میں توقف فرمایا جب تک کہ نص قطعی نہ اترا تو آدمی کو چاہئے جب اس سے حقہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو اسے مباح ہی بتائے خواہ پیتا ہو یا نہ پیتا ہو جیسے میں اور میرے گھر میں جس قدر لوگ ہیں (کہ ہم میں کوئی نہیں پیتا مگر فتویٰ اباحت ہی پر دیتا ہوں) ہاں اس کی بو طبیعت کو ناپسند ہے تو وہ مکروہ طبعی ہے نہ کہ شرعی، اور ہنوز علامہ مذکور کا کلام طویل اس کی تحقیق میں باقی ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۹۶

بالجملہ عند التحقیق اس مسئلہ میں سوا حکمِ اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ عجماً و عرباً و شرقاً و غرباً عام مومنین بلاد و بقاع تمام دُنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامّہ اُمّتِ مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے جسے ملّتِ حنفیہ سمحہ سہلہ غرا بیضا ہرگز گوارا نہیں فرماتی، اِسی طرف علّامہ جزری نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے :

فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین [1]

اس کے حلال ہونے کا فتوٰی دینے میں مسلمانوں سے دفعِ حرج ہے (ت)

اور اسے علّامہ حامد عمادی پھر منقح علامہ محمد شامی آفندی نے برقرار رکھا :

اقول ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامرات عموم البلوٰی من موجبات التخفیف شرعا وماضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذٰلک فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولا یخفی علی خادم الفقہ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذٰلک فی باب الاباحۃ والحرمۃ ولذا تراہ من مسوغات الافتاء بقول غیر الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی مسئلۃ المخابرۃ وغیرھا مع تنصیصھم بانہ لایعدل عن قولہ الٰی قول غیرہ الا لضرورۃ بل ھو

اقول (میں کہتا ہوں کہ) ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہوجائیں تو وہ حلال ہوجاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومًا بلوٰی شرعی طور پر اسبابِ تخفیف میں سے ہے کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادمِ فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت و نجاست میں جاری ہے ایسے ہی حرمت و اباحت میں بھی جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو اس ضابطہ کو امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے غیر کے قول پر فتوٰی دینے کے مجوزات میں دیکھتا ہے جیسا کہ مسئلہ مخابرہ وغیرہ میں حالانکہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بلا ضرورۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول سے عدول نہیں کیا جائیگا بلکہ یہ ضابطہ

---

[1] العقود الدریۃ فی الرد علی من افتی بحرمۃ شرب الدخان ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۶۶

من مجوزات المیل الی روایۃ النوادر علی خلاف ظاھر الروایۃ کما نصوا علیہ مع تصریحھم بان مایخرج عن ظاھر الروایۃ فھو قول مرجوع عنہ وما رجع عنہ المجتھد لم یبق قولا لہ[1] وقد تشبث العلماء بھذا فی کثیر من مسائل الحلال والحرام ففی الطریقۃ و شرحھا الحدیقۃ فی زماننا ھذا لایمکن الاخذ بالقول الاحوط فی الفتوی الذی افتی بہ الائمۃ وھوما اختارہ الفقیہ ابواللیث انہ ان کان فی غالب الظن ان اکثر مال الرجل حلال جاز قبول ھدیتہ ومعاملتہ والا لا[2] اھ ملخصا، وفی ردالمحتار من مسئلۃ بیع الثمار لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام، وفی نزعھم عن عادتھم حرج، وماضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ[3] اھ ملخصا، وفی مسئلۃ العلم فی الثوب

ظاہر الروایہ کے خلاف روایت نوادر کی طرف میلان کے لئے بھی مجوز ہے جیسا کہ علماء نے نص فرمائی باوجودیکہ وہ تصریح فرماچکے ہیں کہ جو قول ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور جس قول سے مجتہد رجوع کرلے وہ اسکا قول نہیں رہتا۔ علماء نے بہت سے مسائل حلال و حرام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ طریقہ اور اس کی شرح حدیقہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں قول احوط کو لینا جس پر ائمہ کرام نے فتوٰی دیا ہے ممکن نہیں۔ اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے اکثر مال کے حلال ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں اھ اختصار، اور ردالمحتار میں پھلوں کی بیع کے مسئلہ میں ہے ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت کا متحقق ہونا پوشیدہ نہیں خصوصاً شام کے شہر دمشق میں، اور ان کو عادت سے ہٹانے میں حرج ہے، اور کوئی تنگ معاملہ نہیں جس میں وسعت نہ آئے، مخفی نہیں کہ یہ بات ظاہر الروایہ سے عدول کی مجوز ہے اھ تلخیص۔ اور کپڑے پر نقش و نگار کے مسئلہ میں ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء من المجتہدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثالث الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۲۰

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

هوارفق باهل هذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان[1] اھ وفیہ من کتاب الحدود ومقتضی ھذا کلہ ان من زفت الیہ زوجتہ لیلۃ عرسہ ولم یکن یعرفہا لایحل لہ وطؤھا مالم تقل واحدۃ او اکثر انہا زوجتك وفیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ[2] اھ ملخصا الٰی غیر ذٰلك من مسائل یکثر عدھا ویطول سردھا فاندفع ماعسی ان یوھم من قول الفاضل اللکنوی ان عموم البلوی انما یؤثر فی باب الطہارۃ والنجاسۃ لافی باب الحرمۃ والاباحۃ صرح بہ الجماعۃ[3] اھ۔

کہ اس میں اہل زمانہ کے لئے نرمی ہے تاکہ وہ فسق اور گناہ میں مبتلا نہ ہوں اھ، اور اسی کے کتاب الحدود میں ہے اور اس تمام کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر شب زفاف شوہر کے پاس اس کی بیوی بھیجی جائے تو اس وقت تک اس کے لئے وطی حلال نہیں جب تک وہ عورت ایک یا کئی بار اس کو کہہ نہ دے کہ وہ اس کی بیوی ہے حالانکہ اس میں حرجِ عظیم ہے کیونکہ اس سے امت کو گنہگار رہنا لازم آتا ہے اھ ملخصًا۔ اس کے علاوہ کئی مسائل جن کی تعداد کثیر اور ان کو بیان کرنے میں طوالت ہے۔ اس سے فاضل لکھنوی کے قول سے پیدا ہونے والا یہ وہم دُور ہوگیا کہ عموم بلوٰی صرف طہارت ونجاست میں مؤثر ہے نہ کہ حرمت واباحت میں۔ جماعتِ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اھ۔ (ت)

ہاں بنظرِ بعض وجوہ اُسے تنزیہی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ محقق علائی وعلامہ ابوالسعود وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے الحاقًا بالثوم والبصل افادہ فرمایا۔

علٰی مراء فیہ لبعض الفضلاء مع کلام فی ذٰلك المراء۔

اس میں بعض فضلاء کو شک ہے باوجودیکہ اس شک میں کلام ہے (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

الحاقہ بما ذکر ھو الانصاف[4]

اس کا مذکور کے ساتھ الحاق کرنا ہی انصاف ہے۔ (ت)

---

[1] رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] " کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحد الخ " " " " ۳/ ۱۱۵

[3] ترویح الجنان بتشریح حکم الدخان للکنوی

[4] رد المحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

اقول (میں کہتا ہوں) یہیں سے ظاہر کہ اس وجہ کو موجب کراہت تحریم جاننا،

کما جزم بہ الفاضل اللکنوی فی فتاواہ وتردد فیہ فی رسالۃ واضطرب فیہ کلام المحدث الدھلوی (ھو مولانا الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی) فیما نسب الیہ فاوھم اولاً انہ یوجب کراھۃ التحریم وعاد اٰخرًا فقال التنزیہ۔

جیسا کہ فاضل لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں اس پر جزم فرمایا، اور ایک رسالہ میں تردد فرمایا۔ اور اس مسئلہ میں (حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف منسوب کلام مضطرب ہے پہلے انھوں نے وہم کیا کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے پھر رجوع کرکے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

سراسر خلافِ تحقیق ہے **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولٰی ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز واباحت ہے جائز کے معنی میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہتِ فعل میں مستحب کا کہ مستحب کیجئے تو بہتر نہ کیجئے تو گناہ نہیں، مکروہِ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر کیجئے تو گناہ نہیں پس مکروہِ تنزیہی کو داخلِ دائرہ اباحت مان کر گناہِ صغیرہ اور اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا کما صدر عن الفاضل اللکنوی ثم تبعہ السید المشھدی ثم الکوذی (جیسا کہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا پھر اس کی اتباع سید مشہدی پھر کردی نے کی۔ت) سخت لغزش وخطائے فاسد ہے یارب مکروہ گناہ کون سا جو شرعاً مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعاً گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس خطائے شدید کے رد میں ایک مستقل تحریر مسمّٰی بہ جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ تحریر کی وباللہ التوفیق، **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) یوہیں مانحن فیہ میں تین وجہ سے کراہت تنزیہیہ ٹھہرا کر کراہت تحریم کی طرف مرتقی کردینا کما وقع فیما نسب الی المحدث الدھلوی (جیسا کہ محدّث دہلوی کی طرف منسوب تحریر میں واقع ہوا۔ت) محض نامقبول، قطع نظر اس سے کہ ان وجوہ سے اکثر محلِ نظر، شرع سے اصلاً اس پر دلیل نہیں کہ جو چیز تین وجہ سے مکروہ تنزیہی ہو مکروہ تحریمی ہے ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے بیانِ دلیل اُسی پر واجب ہے۔ت) خود محدّث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا رشید الدین خاں دہلوی مرحوم اپنے رسالہ عربیہ میں صاف لکھتے ہیں کہ علمائے محققین حُقّہ میں کراہت تنزیہی مانتے ہیں حیث قال (جہاں فرمایا۔ت):

اما المحققون القائلون بکراھتہ تنزیہا فھم ایضا تشبثوا بالروایات الفقھیۃ مثل ما قال صاحب الدر المختار[1] الخ۔

جو محققین کراہت تنزیہی کے قائل ہیں انھوں نے بھی فقہی روایات سے استدلال کیا ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے کہا الخ

---

[1]

اور اسی میں تصریح ہے کہ عالت مشائخنا الیہا[1] اسی کراہت تنزیہہ کی طرف ہمارے اساتذہ نے میل کیا۔ اس رسالہ پر شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب کی تقریظیں ہیں شاہ صاحب نے اسے

تحریر رائق وتقریر شیق وصحیح المبانی مستحکم المعانی وموافق روایات و مطابق درایات[2]

عمدہ تحریر، خوبصورت تقریر، صحیح عبارت والی، مستحکم معانی والی، روایات کے موافق اور درایات کے مطابق (ت)

بتایا، اور شاہ رفیع الدین صاحب نے؛

استحسنت غایۃ الاحسان مانثر بانیہ من جواھر لآلیۃ فی مبانیہ و معانیہ[3]

انتہائی مستحسن ہیں موتیوں کے جواہر جو اس کے بانی نے اس کی عبارات اور معانی میں بکھیرے ہیں (ت)

فرمایا، تو ظاہراً دوسری تحریر کی نسبت غلط ہے یا اس میں تحریفیں واقع ہوئیں اور اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ اس تحریر کے اکثر جوابات مخدوش و مضمحل اور خلافِ تحقیق باتوں پر مشتمل ہیں اور نسبت بہمہ جہت صحیح ہی مانئے تو رسالۂ تلمیذ کی مدح وتقریظ مناقض ومعارض ہوگی وہ تحریر بایں اعتبار سے یوں بھی گر گئی۔ اور اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو مقصود اتباعِ حق ہے نہ تقلیدِ اہلِ عصر و اتباعِ زید و عمرو، واللہ الھادی وولی الایادی۔

الحاصل معمولی حُقّہ کے حق میں تحقیقِ حق وحقِ تحقیق یہی ہے کہ وُہ جائز و مباح اور غایت درجہ صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیتے اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں بُرا نہیں کرتے۔

فان الاساءۃ فوق کراھۃ التنزیہ کما حققہ العلامۃ الشامی[4]

کیونکہ اساءۃ مکروہ تنزیہی سے اوپر ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تحقیق فرمائی (ت)

البتہ وُہ حُقّہ جو بعض جُہّال بعض بلادِ ہند ماہ مبارک رمضان شریف میں وقتِ افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس و دماغ میں فتور لاتے اور دیدہ و دل کی عجیب حالت بناتے ہیں بیشک ممنوع وناجائز وگناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہِ مبارک میں۔ اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ہر مفتر چیز سے نہی فرمائی اور اس حالت کے حالت تفتیر ہونے میں کچھ کلام نہیں۔

---

[1]

[2]

[3]

[4] ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۸، ۳۸۱

احمد و ابو داؤد بسند صحیح عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر[1]

امام احمد اور ابوداؤد نے بسندِ صحیح حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور سست کر دینے والی شے سے منع فرمایا (ت)

اور ایک صورت ممانعت کی اوقات خاصہ کے لئے اور پیدا ہوگی رائحہ کریہہ کے ساتھ مسجد میں جانا جائز نہیں

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل من ھذہ الشجرة الخبیثة فلا یقربن مصلانا فان الملٰئکة تتأذی مما یتأذی منہ بنو اٰدم[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق کہ جو اس درخت خبیثہ (یعنی تھوم) کو کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ جس بات سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔ (ت)

تو اگر حقہ سے منہ کی بُو متغیر ہو بے کلی کئے منہ صاف کئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں، اسی قدر سے خود حقہ پر حکمِ ممانعت نہیں جیسے کچا لہسن پیاز کھانا کہ بلاشبہہ حلال ہے اور اُسے کھا کر جب تک بُو زائل نہ ہو مسجد میں جانا ممنوع مگر جو حقہ ایسا کثیف و بے اہتمام ہو کہ معاذ اللہ تغیر باقی پیدا کرے کہ وقت جماعت تک کلی سے بھی بکلی زائل نہ ہو تو قربِ جماعت میں اس کا پینا شرعاً ناجائز کہ اب وہ ترکِ جماعت وترکِ سجدہ یا بدبو کے ساتھ دخولِ مسجد کا موجب ہوگا اور یہ دونوں ممنوع وناجائز ہیں اور ہر مباح فی نفسہ کہ امرِ ممنوع کی طرف مؤدی ہو ممنوع و ناروا ہے،

وقد حققنا المسألة مع نظائرھا فی کتاب الوقف من فتاوٰنا بما یتعین الرجوع الیہ ولا یجوز التغافل عنہ

اس مسئلہ کی تحقیق اس کے نظائر سمیت کتاب الوقف میں ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس طور پر کردی ہے کہ اس کی طرف رجوع متعین ہے اور اس سے غفلت ناجائز ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ما جاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳
مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

[2] المعجم الصغیر باب الالف من اسمہ احمد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲

یہیں سے تمباکو کھانے کا حکم واضح ہوگیا وہ فی نفسہٖ نباتات مباحہ سے ہے جس کی ممانعت اکل پر شرع مطہر ہرگز دال نہیں تو اُسے بعد وضوح حال حرام یا مکروہ تحریمی کہنا شرع پر جرأت وتہمت ہے ہاں غایت وہی تنزیہی کراہت ہے **اقول** بلکہ حُقّہ سے اشد کہ دھواں منہ میں قائم نہیں رہتا تمباکوئے کشیدنی اگر کثیف نہ ہو اور حقہ جلد جلد تازہ کیا جائے ہر بار پانی بدلا جائے تو منہ سے تغیر رائحہ ہوتا ہی نہیں خصوصاً جبکہ تمباکو خوشبودار ہو اور بحالت متوسط پر بھی اس سے جو تغیر ہوتا ہے بہت سریع الزوال ہوتا ہے کلیوں سے فوراً جاتا رہتا ہے اور بے کلی بھی تھوڑی دیر میں ہوائیں اسے لیجاتی ہیں بخلاف تمباکوئے خوردنی کہ اس کا جرم منہ میں دبا رہتا ہے اور بکرر استعمال سے تمام دہن اس کی کیفیت کریہہ سے متکیف ہوتا اور اس کی بُو میں بس جاتا ہے تو اس کی کراہت تنزیہی حقہ سے زائد ہے اور اس میں ایک دقیقہ اور ہے تمباکو کھانے کا زیادہ رواج عورتوں میں ہے، اور شوہر اگر اس کا غیر عادی اور اس کی بُو سے متاذی ہو تو عورت کے لئے اس کا استعمال حد ممانعت تک پہنچے گا

لما فیہ من مناقضۃ ما قصد الشرع من الایتلاف والتحبب الی الازواج۔ کیونکہ اس میں میاں بیوی کے درمیان اس باہمی انس ومحبت کی ممانعت ہے جو شرعاً مقصود ومطلوب ہے۔ (ت)

بلکہ عورت عادیہ نہ ہو اور اُس کی بُو سے ایذا پائے تو شوہر کے لئے بھی اُس کی کراہت اشد ہو جائیگی کہ عورت کے حق میں شوہر کو ایذا دینا یا اُسے اپنے بعض بدن مثل زبان ودہن سے تمتع دشوار کر دینا اگرچہ سخت ناپسند شرع ہے مگر مرد کو بھی حکم عاشروھن بالمعروف[1] (ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ ت) کی ہدایت، اور اُن کی ایذا سے ممانعت، اور اُن کی دلداری ودلجوئی کی طرف دعوت ہے۔ اور اگر کثافت وبے احتیاطی اس حد کو پہنچی کہ رائحہ کریہہ لازم دہن ہو جائے، کُلّی وغیرہ سے نہ جائے، برابر والے کو ایذا پہنچائے، تو ایسے تمباکو کا استعمال بیشک ناجائز وممنوع ہے کہ اب وہ خواہی نخواہی ترک جماعت ومسجد کا موجب ہوگا اور یہ حرام ہے معہذا ایسے تغیر کے ساتھ خود نماز پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا سوء ادب وگستاخی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی ھذا ھو حق التحقیق، واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق۔

اما ما ذکر السائل من حدیث الدر الثمین **فاقول** لا متمسک فیھما سائل نے درثمین کے حوالے سے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان میں ممانعت کے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

للقائل بالمنع معلوم ضرورة من الدین ان نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذٰلک سائر اخوانہ من الانبیاء والمرسلین والملٰئکۃ المقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین کلہم طیبون نظیفون یحبون الطیب ویکرھون الروائح الکریہۃ ثم لم یورث ھذا فی الثوم والبصل واخواتہما من المباحات حرمۃ ولامنعًا مع ما نطقت بہ الاحادیث الجلیلۃ الصحیحۃ مسموعات الصحابۃ الکرام فی الیقظۃ مرویات الائمۃ الاعلام علی جادۃ الحجیۃ فی الشریعۃ من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل الثوم والبصل والکراث فلا یقربن مسجدنا[1] وغیر ذٰلک من الاحادیث فکیف بحکایۃ منام یحکیہا بعض المتاخرین عن بعض من لم یسم وھذا سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما راویا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا اوقال فلیعتزل مسجدنا ولیقعد فی بیتہ وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُتی بقدر فیہ خضرات من بقول

قائل کے لئے کوئی دلیل معلوم نہیں ہوتی یہ بات ضروریاتِ دین سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یونہی دیگر انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام کے تمام صاف ستھرے ہیں، خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر محض بدبو کا پایا جانا تو تھوم اور پیاز وغیرہ مباح اشیاء میں بھی حرمت ممانعت کو ثابت نہیں کرتا باوجودیکہ اس پر وہ عظیم الشان احادیث صحیحہ وارد ہیں جو صحابہ کرام نے بیداری کی حالت میں سنی ہیں اور ائمہ اعلام سے اس طریقے پر مروی ہیں جو شریعت میں حجت ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جس نے تھوم، پیاز اور گندنا کھایا وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس کے علاوہ دیگر احادیث مبارکہ۔ تو پھر نیند کی حالت کی حکایت سے کیسے حُرمت ثابت ہوسکتی ہے جس کو بعض متاخرین نے بعض نامعلوم حضرات سے حکایت کیا۔ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے تھوم یا پیاز کھایا وہ ہم سے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہنڈیا

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما اوبصلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

7

فوجد لها ریحا فقال قربوھا الی بعض اصحابه وقال کل فانی اناجی من لاتناجی رواه الشیخان[1] وھذا سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه قائلا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا اتی بطعام اکل منه وبعث بفضله الی وانه بعث الی یوما بفضلة لم یأکل منها لان فیها ثوما فسألته حرام ھو قال لا ولکنی اکرھه من اجل ریحه قال فانی اکرہ ما کرھت رواہ مسلم[2] فھذا شیئ اٰخر غیر المنع الشرعی وانما الکلام فیه، واللہ سبحٰنه وتعالیٰ اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

پیش کی گئی جس میں مختلف قسم کی سبزیاں تھیں آپ نے ان کی بُو کو ناگوار پایا تو بعض اصحاب کے قریب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اسکو کھاؤ کیونکہ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے تناول فرماتے اور جو بچ جاتا وہ میری طرف بھیج دیتے، ایک دن آپ نے میرے پاس سبزی بھیجی جس میں سے تو کچھ نہ کھایا کیونکہ اس میں لہسن تھا، میں نے آپ سے پوچھا کیا یہ حرام ہے، تو آپ نے فرمایا کہ حرام نہیں لیکن میں اس کو ناگوار بُو کی وجہ سے پسند نہیں کرتا۔ تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جس کو آپ پسند نہیں کرتے میں بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ تو یہ ایک دوسری چیز ہے جو ممانعت شرعی کے علاوہ ہے حالانکہ کلام تو ممانعتِ شرعیہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب سے بڑا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم النیئ والبصل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۸
صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما و بصلا الخ " " " ۱/۲۰۹
[2] صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ " " " ۲/۱۸۳

عالم ہے اور اس شرف و بزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
عبد المصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ

حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان

ختم ہوا

مسئلہ ۲۰: از کلکتہ دھرم تلا ۱ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں نمکین بسکٹوں میں منشی تاڑی بغرض خمیر ملائی جاتی ہے شیرین میں نہیں مگر میدہ گوندھنے کے ظرف دونوں کے ایک ہی ہیں اور وہ تختہ جس پر بسکٹ بنائے جاتے ہیں وہ بھی ایک ہی ہوتا ہے نمکین بسکٹ کے سیر بھر آٹے میں پاو بھر تاڑی ملائی جاتی ہے نمکین کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور شیریں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو مذہب صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ نہ صرف حرام بلکہ نجس بھی ہے ھذا ھو قول محمد وھو الصحیح وعلیہ الفتوٰی (یہی امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) پس صورت مستفسرہ میں نمکین بسکٹ مطلقاً حرام ونجس ہیں، اور شیریں میں تین صورتیں، اگر ثابت ہو کہ ان کے میدہ یا خمیر میں بھی اس نجاست کے اجزاء ضرور مخلوط ہوتے ہیں تو یہ بھی حرام و ناپاک، اور اگر تحقیق ہو کہ یہ محفوظ رہتے ہیں مثلاً انہیں التزام ہے کہ جب نمکین کے بعد شیریں بناتے ہیں تو دست وظروف کو بقدر کافی دھو ڈالتے ہیں اس کے بعد شیرین کا میدہ گوندھتے بناتے ہیں اگرچہ اس دھونے سے اُن کی نیت تطہیر کی نہ ہو بلکہ صرف اس خیال سے کہ ان میں نمکینی نہ آجائے یا اور کسی وجہ سے یہ دھونا ایسا واقع ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء دست وظروف سے زائل ہوجاتے ہیں تو شیرین مطلقاً حلال وطیب، اور اگر مشکوک ومحتمل ہو مثلاً ایک دن میں جس قدر یکے بعد دیگرے بنتے ہیں ان میں تو

شست وشو نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو ناکافی و ناقابلِ تطہیر، مگر دوسرے دن جو بنانا شروع ہوتا ہے تو رات کے باسی برتن خوب دھوئے جاتے ہیں اور ہمیشہ پہلے نمکین بنانے کا التزام نہیں بلکہ کبھی نمکین کبھی شیریں سے ابتدا کرتے ہیں تو اس صورت میں شیرین کا معاملہ محتمل رہا، ممکن کہ بعد تطہیر پہلے ہی بنے ہوں، ممکن کہ پہلے نمکین بن کر یہ بلا تطہیر بنائے گئے اور ان میں اجزائے نجاست مل گئے ہوں، اس تقدیر پر جن خاص بسکٹوں کی نسبت معلوم ہو کہ ان میں خلط نجاست واقع ہوا وہ حرام جن کی نسبت تحقیق ہو کہ ان میں نہ ہوا وہ طیب حلال جن کی نسبت کچھ علم ہو انھیں حرام یا ناپاک نہیں کہہ سکتے،

فان الاصل هو الحل والطهارة فلا یعارضه الاحتمال ولیس للیقین بالشك زوال۔

بیشک اصل حل و طہارت ہے چنانچہ احتمال اس کا معارضہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی یقین شک کے ساتھ زائل ہوسکتا ہے۔ (ت)

ان کا حکم ہندوؤں کی بنائی ہوئی مٹھائی، دودھ، دہی، ملائی وغیرہا اشیاء کا ہوگا کہ کھانا حلال اور بچنا بہتر، فتوٰی جواز اور تقوٰی احتراز۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ نمکین میں انھیں مسکر تاڑی ڈالنے کا التزام ہو خواہ یُوں کہ بازار میں مسکر ہی ملتی ہے وہ وہیں سے لیتے ہیں یا یُوں کہ جس غرض سے ڈالتے ہیں وہ مسکر ہی سے حاصل ہوتی ہے غیر مسکر کام نہیں دیتی، اور اگر یہ دونوں امر نہ ہوں بلکہ وہ کبھی مسکر کبھی غیر مسکر ہر قسم کی تاڑی ڈالا کرتے ہیں کوئی خاص التزام نہیں تو اب نمکین بسکٹوں پر مطلقاً حرمت کا حکم نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہوگا جو صورت ثالثہ میں شیرین کا تھا کہ جس خاص کا حال معلوم حکم معلوم ورنہ کھانا روا بچنا اولٰی۔ تاڑی چند ساعت دھوپ کی حرارت پاکر جوش لاتی ہے اور مسکر ہوجاتی ہے یا جس گھڑی میں لی گئی اس میں پہلی تاڑی کا اثر ہو تو اپنی شدت لطافت کے سبب یُوں بھی سکر لے آتی ہے ورنہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اُسی وقت استعمال کریں تو اُس میں جوش نہیں آتا یہ اگر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال و طاہر ہوتی ہے جب جوش لائی ناپاک و حرام ہوئی، پھر کہا جاتا ہے کہ اُس کے بعد بھی اس کی یہ حالت دیر پا نہیں رہتی بلکہ کچھ مدت کے بعد ترش ہوکر سرکہ ہوجاتی ہے جس طرح تذکرہ طبیب داؤد انطاکی میں نارجیل کی نسبت ہے:

قد یقصد طلعه او جریده ویلقم کوزا فیسیل منه لبن، ویسمی السیذاع یبقی یوما علی الحلاوة والدسومة ونه

کبھی اس کا گابھا یا ٹہنی فاسد ہوجاتے ہیں اور کوزے کا دہانہ بند ہوجاتا ہے تو اس سے دُودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت اور چکنائی ایک دن باقی رہتی ہے اس کے

افعال اشد من الخمر وهو خیر منہا ثم یکون خلا بالغا قاطعا[1]

افعال شراب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں اور یہ اس سے بہتر ہے پھر یہ تند و تیز سرکہ بن جاتا ہے (ت)

مگر میر محمد مومن کے لفظ تحفہ میں یہ ہیں:

حلاوت او تا یک روز باقی ست بعد از یک روز مانند سرکہ ترش می شود[2]

اس کی حلاوت ایک دن باقی رہتی ہے پھر وہ ترش سرکہ بن جاتا ہے۔ (ت)

لیکن سرکہ ہوجانے اور مثل سرکہ ترش ہوجانے میں فرق ہے، غرض اگر ثابت ہو کہ تاڑی ایک وقت تک مسکر نہیں ہوتی یا ایک وقت کے بعد مسکر نہیں رہتی اور انھیں خاص مسکر ہی کے ڈالنے کا التزام نہیں بلکہ دونوں طرح کے استعمال کرتے ہیں جب تو حکم یہ ہے، اور اگر ثابت ہوا کہ اس مدت مقررہ کے بعد اس کے اجزا خواہی نخواہی سرکہ ہوجاتے ہیں اگرچہ آٹے میں مل کر تنور میں پک چکے ہوں تو اس مدت کے گزرنے پر بسکٹ مطلقاً حلال ہوجائیں گے،

لان الحرمۃ کانت لمجاور وقد تبدل عینہ قال فی الدر المختار لو عجن خبز بخمر صب خل فیہ حتی یذھب اثرہ فیطھر[3] فی ردالمحتار لانقلاب ما فیہ من اجزاء الخمر خلا[4]

کیونکہ حرمت مجاور کی وجہ سے ہے اور اس کا عین بدل گیا ہے اور درمختار میں ہے اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی حتی کہ شراب کا اثر جاتا رہا تو وہ پاک ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت بدل کر سرکہ بن گئی ہے۔ (ت)

اور اگر یہ امور ناثابت ہوں تو حکم وہی ہے کہ اول مذکور ہوا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ از گلگت چھاؤنی جو تنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص شراب پیے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

---

[1] تذکرۃ اولوالالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱/۳۲۶
[2] تحفۃ المؤمنین علی هامش مخزن الادویۃ تحت لفظ نارجیل نولکشور کانپور ص ۵۵۳
[3] الدرالمختار کتاب الطہارت باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۶
[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۳

الجواب

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَالْمُسْلِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ (اے اللہ! ہمیں اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھ اپنی رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم فرمانے والے۔ ت) شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک اور اس کا پینا سخت گناہِ کبیرہ اور پینے والا فاسق فاجر ناپاک بیباک مردود وملعون مستحق عذابِ شدید وعقابِ الیم ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین، اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر سخت سخت وعیدیں ہولناک تہدیدیں فرمائیں، ہم یہاں صرف بعض پر اکتفا کرتے ہیں:

حدیث (۱): رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن رواہ الشیخان[1] وغیرهما عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔

شراب پیتے وقت شرابی کا ایمان ٹھیک نہیں رہتا (اس کو شیخین وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

حدیث (۲): (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:)

لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة الیه وساقیها وبائعها واٰکل ثمنها والمشتری لها والمشتراة له رواہ الترمذی[2] وابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه ورجاله ثقات۔

یعنی جو شخص شراب کے لئے شیرہ نکالے اور جو نکلوائے اور جو پیئے اور جو اٹھا کر لائے اور جس کے پاس لائی جائے اور جو پلائے اور جو بیچے اور جو اس کے دام کھائے اور جو خریدے اور جس کے لئے خریدی جائے ان سب پر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے لعنت فرمائی (اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ت)

حدیث (۳) کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۳۶
صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی " " ۱/۵۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰
جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۵

من زنی و شرب الخمر نزع اللہ منه الایمان کما یخلع الانسان القمیص من راسه۔ رواہ الحاکم[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔

جو زنا کرے یا شراب پئے اللہ تعالٰی اُس سے ایمان کھینچ لیتا ہے جیسے آدمی اپنے سر سے کُرتا کھینچ لے (اسے امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

حدیث (۴) کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لا یدخلون الجنة مدمن الخمر وقاطع الرحم ومصدق بالسحر ومن مات مدمن الخمر سقاہ اللہ جل وعلا من نھر الغوطة، قیل وما نھر الغوطه، قال نھر یجری من فروج المومسات یؤذی اھل النار ریح فی وجھن۔ رواہ احمد[2] وابن حبان فی صحیحه وابویعلٰی عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنه۔

تین شخص جنّت میں نہ جائیں گے: شرابی اور اپنے قریب رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنیوالا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ اور جو شرابی بے توبہ مرجائے اللہ تعالٰی اسے وہ خون اور پیپ پلائے گا جو دوزخ میں فاحشہ عورتوں کی بُری جگہ سے اس قدر بہے گا کہ ایک نہر ہوجائے گا دوزخیوں کو ان کی فرج کی بدبو عذاب پر عذاب ہوگی وہ سخت بدبو گندی پیپ جو بدکار عورتوں کی فرج سے بہے گی اس شرابی کو پینی پڑے گی۔

(والعیاذ باللہ تعالٰی) (اس کو امام احمد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی۔ اور ابویعلٰی نے اس کو سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) مسلمان ذرا آنکھیں بند کرکے غور کرے کہ شراب چھوڑنا قبول ہے یا اس پیپ کے گھونٹ نگلنا والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

حدیث (۵): رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مدمن الخمران مات لقی اللہ

شرابی اگر بے توبہ مرے تو اللہ تعالٰی کے حضور

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان اذا زنی العبد خرج منه الایمان دارالفکر بیروت ۱/۲۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۳۹۹

المستدرک للحاکم کتاب الاشربہ ذکر ثلثة لا یدخلون الجنة دارالفکر بیروت ۴/۱۴۶

موارد الظمآن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۸۰ المطبعة السلفیه ص ۳۳۵

كعابد وثن . رواه احمد[1] بسند صحيح عندنا وابن حبان فی صحيحه عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما.

اس طرح ہوگا جیسے کوئی بُت پُوجنے والا (اس کو امام احمد نے بسند صحیح روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا ہے ۔ ت)

حدیث (۶): رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من احد يشربها فيقبل الله له صلٰوة اربعين ليلة ولا يموت وفی مثانته منها شئ الاحرمت بها عليه الجنة فان مات فی اربعين ليلة مات ميتة جاهلية[2]

جو شخص شراب کی ایک بُوند پیئے چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ ہو، اور جو مرجائے اور اس کے پیٹ میں شراب کا ایک ذرہ بھی ہو تو جنت اس پر حرام کر دی جائے گی، اور جو شراب پینے سے چالیس دن کے اندر مرے گا وہ زمانۂ کفر کی موت مرے گا ۔ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی ۔

حدیث (۷) کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقسم ربی بعزته لا يشرب عبد من عبيدی جرعة من خمر الاسقيته مكانها من حميم جهنم معذبا اومغفورا له، ولا يسقيها صبيا صغيرا الاسقيته مكانها من حميم جهنم معذبا اومغفورا، ولا يدعها عبد من عبيدی من مخافتی الاسقيتها اياه من حظيرة

میرے رب نے اپنی عزت کی قسم یاد فرمائی ہے کہ میرا جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پیئے گا میں اسے اس کے بدلے جہنم کا وہ کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا اس کی بخشش تک، اور جو کسی چھوٹے کو پلائے گا جب بھی اس کی سزا میں وہ پانی پلاؤں گا اس کی بخشش تک، اور میرا جو بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑے گا اسے اپنے پاک دربار میں پلاؤں گا (اس کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۲
موارد الظمآن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۷۹ المطبعۃ السلفیہ ص ۳۳۵
[2] المستدرک للحاکم کتاب الاشربہ ان اعظم الکبائر شرب الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۴۷

القدس۔ رواہ احمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲ ازبریلی سائل منشی احمد علی محررچوکی چونگی قلعہ بریلی ۱۱صفر ۱۳۱۴ھ

علمائے دین نے حقّہ کو حرام مطلق قرار دیا ہے یا مکروہ؟ کیا وہ شخص زیارتِ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف نہ ہوگا جو حقّہ پیتا ہے اگرچہ درود شریف بکثرت پڑھتا ہو اور کیا اس کا تحفہ حضور قبول نہ فرمائیں گے؟

الجواب

دَم لگانا جس سے ہوش وحواس میں فرق آجاتا ہے حرام ہے اور سادہ حقّہ ہرگز حرام نہیں، نہ اس کا پینا کسی طرح کا گناہ ہے، ہاں اگر بُو رکھتا ہے تو خلافِ اولٰی ہے جیسے کچّی پیاز کھانا، اور یہ جاہلانہ خیالات کہ حقّہ پینے والا زیارتِ اقدس حضور پُرنور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معاذ اللہ محروم ہے یا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذ اللہ اس کا تحفہ درود شریف قبول نہ فرمائیں گے، یہ سب دروغ بے فروغ اور حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا ہے، بہت بندگانِ خدا حُقّہ پینے والے خواب میں زیارتِ جمال جہاں آرائے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا مشرف ہوئے اور حضور رؤف ورحیم صلّے اللہ تعالٰی علیہ وسلّم نے غایت کرم ومہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

قل لوانتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق وکان الانسان قتورا[2]

اے محبوب! فرمادیں اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انھیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہوجائیں، اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔(ت)

؎ اگر بادشہ بر در پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے تو اے سردار! تو مونچھیں مت اُکھاڑ۔ت)

ہاں وردِ درود مبارک کے وقت حقّہ نہ پئے اور پی چکا ہو تو کُلّی مسواک سے منہ صاف کرکے وِرد شروع

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/۱۰۰

کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳ از براہم پور ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیون کھانی کیسی ہے؟ افیونی فاسق ومستحق عذاب ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کی ہمراہی کریں اس کی مدد کریں وہ کیسے ہیں؟ افیونی کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانے کے علاوہ دام دیئے جائیں یا نہیں جبکہ اس کی عادت سے معلوم ہے کہ وہ ان اموال کو افیون میں صرف کرے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

افیونی ضرور فاسق ومستحق عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر۔ رواہ الامام احمد[1] وابوداؤد عن امّ المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی (اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت فرمایا ہے۔ ت)

اور مخالفتِ شرع میں کسی کی مدد کرنی ہمراہی یعنی خود مخالفتِ شرع کرنی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

ولا تأخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ[2]۔

اور تمھیں ان پر ترس نہ آئے اللہ تعالٰی کے دین میں۔ (ت)

افیونی اگر بھوکا محتاج ہو تو اُس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے میں حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کُتّے کا بھی پیٹ بھرنا باعثِ اجر ہے آدمی تو آدمی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی کل کبد حراء رطبۃ اجر[3]۔

ہر تر جگر والی شئی میں ثواب ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳
مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲

[3] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب الآبار علی الطریق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۳
مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

اور کھانے کے علاوہ دام نہ دیے جائیں جبکہ معلوم ہو کہ انھیں افیون میں صرف کرے گا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴: ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شراب کا حرام ہونا اس کے نشہ کی وجہ سے ہے یا ادویہ کے سڑکر تیار ہونے کی وجہ سے؟

الجواب

شراب کا شراب ہونا جوش آنے اور نشے لانے کی حالت پر موقوف ہے، دوائیں اگر سڑائی جائیں اور ان میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو تو وہ شراب نہ ہوں گی جیسے بعض مصفی عرقوں میں ادویہ کی تعفین کی جاتی ہے اور بغیر سڑائے صرف آنچ دینے یا دھوپ دکھانے یا گرم ہوا میں ٹھہرنے سے وہ جوش آجائے جیسے آب و نقوع انگور و خرما تر و بورہ شکر آمیختہ اور تاڑی وغیرہ میں تو وہ شراب ہوجائے گی، پھر شراب ہوجائے تو اس کی حرمت اس قدر پینے پر موقوف نہ رہے گی جو نشہ لائے بلکہ وہ نجاست غلیظہ اور مطلقاً حرام ہے اگرچہ ایک بوند، کما حققه الائمة فی عامة الاسفار (جیسا کہ عام کتابوں میں ائمہ کرام نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

رسالہ

الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی

۱۳۱۸

(فیصلہ کن دانائی تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۵ از رنگون گلی نمبر ۲۵ دواخانہ حکیم عبدالعزیز صاحب مرسلہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ

۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے تھوڑے آٹے میں مسکر تاڑی کے نیچے کی تاڑی جسے روٹی گاد کہتے ہیں ملاکر خمیر کیا گیا پھر یہ آٹا خمیر شدہ پندرہ بیس سیر آٹے میں ملاکر خمیر کیا اور اس کی روٹی پکائی اس روٹی کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور اگر فرض کیا جائے کہ اس گاد میں قوتِ سکریہ باقی نہ رہی تھی تو اس خمیری روٹی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

رنگون میں بخلاف مانڈلہ پاؤ روٹی و تنوری روٹی دونوں کا عام طور پر خمیر تاڑی سے کیا جاتا ہے اور ہزارہا مسلمان اُسی روٹی کو کھاتے ہیں، یہاں اور کلکتے میں عام ہے، یہاں دو عالم کہتے ہیں کہ اُس روٹی کی نسبت حکم حُرمت کا نہیں ہے مگر احتیاط کرنا اولیٰ ہے۔ میں نے جناب مولانا جلال الدین صاحب دہلوی مقیم مانڈلہ سے بذریعہ خط دریافت کرایا جواب آیا کہ جناب موصوف نے حکم حُرمت کا دیا، آج کل مولوی عبدالحمید صاحب واعظ پانی پتی یہاں تشریف رکھتے ہیں اُنھوں نے بھی کھانا ترک کردیا،

اس کے جواب کی بہت ضرورت ہے امید ہے کہ آپ کے فیض تحریر سے صدہا مسلمان اس معصیت سے بچ جائیں گے۔ یہ بلا یہاں عام ہے جملہ قسم کی روٹیوں میں اس کا خمیر دیا جاتا ہے فقط۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی حرم علینا فی الدنیا الخمور ووعدنا فی الجنۃ الشراب الطھور والصلوٰۃ والسلام علی من حمانا المنکرات وحرم علینا برحمتہ المسکرات وعلی اٰلہ وصحبہ الشاربین من کاس التکریم لا لغو فیھا ولا تاثیم افاض اللہ علینا من فیضھم فنصیب فللارض من کاس الکرام نصیب۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے، تمام تعریفیں اس معبود کیلئے ہیں جس نے دنیا میں ہم پر شرابیں حرام کی ہیں اور جنت میں ہمیں شرابِ طہور عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور درود و سلام ہو اس ذات پر جس نے ہمیں منکرات سے روکا اور اپنی رحمت سے نشہ آور اشیاء کو ہم پر حرام فرمایا اور آپ کے آل و اصحاب جو عزت کے پیالے سے پینے والے ہیں جس میں بیہودگی اور گنہگاری نہیں، اللہ تعالٰی ان کے فیض سے ہمیں بھی عطا فرمائے کہ ہم بھی اس کو پالیں، اور سخیوں کے جام سے زمین کے لئے حصہ ہوتا ہے (ت)

قولِ منصور و مختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاستِ غلیظہ ہے۔ یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

حرمھا محمد مطلقا وبہ یفتی[1]

امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو مطلقاً حرام قرار دیا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ذکرہ الزیلعی وغیرہ واختارہ شارح الوھبانیۃ[2]

اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا اور شارح وہبانیہ نے اس کو اختیار فرمایا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۰

[2] درمختار " " " ۲/۲۶۰

ردالمحتار میں ہے :

قوله وغیرہ کصاحب الملتقی والمواھب والکفایة والنھایة والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقھستانی والعینی حیث قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد[1] الخ۔

اس کے قول وغیرہ سے مراد یہ حضرات ہیں جیسے صاحبِ ملتقی، صاحبِ مواہب، صاحبِ کفایہ، صاحبِ نہایہ، صاحبِ معراج، صاحبِ شرح المجمع، صاحبِ شرح درر البحار، قہستانی اور عینی، کیونکہ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں غلبۂ فساد کے سبب فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے الخ (ت)

غنیہ ذوی الاحکام میں ہے :

قال فی البرھان والحقھا محمد کلھا بالخمر فی المشھور عنه کالشافعی ومالك وبه یفتی[2]۔

برہان میں کہا کہ امام محمد نے ان تمام کو مشہور قول میں شراب کے ساتھ ملحق کیا ہے جیساکہ امام شافعی و امام مالک کہتے ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے (ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے :

قال الحموی واعلم ان الاصح المختار فی زماننا ان کل ما اسکر من الاشربة المذکورة بعمومھا کثیرہ وقلیله حرام وھو قول محمد لحدیث کل مسکر حرام[3]۔

حموی نے کہا جان لو کہ ہمارے زمانے میں اصح و مختار یہ ہے کہ مذکورہ نشہ آور شرابوں میں سے علی العموم ہر ایک کا قلیل وکثیر حرام ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے :

قال محمد رحمه اللّٰه قلیله وکثیرہ حرام قالوا وبقول محمد ناخذ ومذھب محمد انه حرام نجس[4] الخ۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کا قلیل وکثیر حرام ہے۔ علماء نے کہا ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۹۳
[2] غنیہ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام کتاب الاشربہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۸۰
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " " المکتبۃ العربیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ ۴/۲۲۵
[4] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ " " نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۲۶-۱۲۶

خلاصہ میں نوازل فقیہ ابو اللیث سے ہے:

عند محمد حرام شربہ قال الفقیہ و بہ ناخذ[1]

امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا پینا حرام ہے، فقیہ نے کہا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتب کل ماھو حرام شربہ اذا اصاب الثوب منہ اکثر من قدر الدرھم یمنع جواز الصلوٰۃ قالوا وھکذا روی ھشام عن ابی یوسف وحکی عن الفضلی انہ قال علی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی یجب ان یکون نجسا نجاسۃ خفیفۃ والفتوی علی انہ نجس نجاسۃ غلیظۃ اھ[2]

امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں فرمایا کہ جس شیئ کا پینا حرام ہے اگر وہ مقدار درھم سے زائد کپڑے کو لگ جائے تو اس کپڑے میں نماز ممنوع ہوگی۔ علماء نے کہا کہ ہشام نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یونہی روایت کیا ہے۔ فضلی سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے قول پر ضروری ہے کہ وہ کپڑا نجاستِ خفیفہ کے ساتھ نجس ہو، اور فتوٰی اس پر ہے کہ وہ نجاستِ غلیظہ کے ساتھ نجس ہے اھ، جان لو کہ امام محقق صاحبِ بحر

اعلم ان المحقق صاحب البحر کان بحث فی البحر ترجیح التغلیظ بناء علی اصل مھدہ سابقا ونازعہ اخوہ المدقق فی النھر محتجا بما فی المنیۃ صلی وفی ثوبہ دون الکثیر الفاحش من السکر او المنصف تجزیہ فی الاصح اھ[3] وذکر فی الدر خلاف الاخوین ولم یزد وقال العلامۃ

نے بحر میں اس پر بحث کرتے ہوئے نجاستِ غلیظہ کو ترجیح دی اور اس کی بنیاد ایسے قاعدہ پر رکھی جس کو انھوں نے اوّلاً مقرر فرمایا، اور ان کے بھائی مدقق نے نہر میں ان کی مخالفت کی استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ سے جو منیہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کے کپڑوں میں شراب یا انگور کا شیرہ لگا ہوا تھا جو کہ کثیر فاحش نہ تھا تو مذہبِ اصح میں اس کی نماز ہوگئی اھ در میں دونوں بھائیوں کا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب الاشربہ | المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ | " " | نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۱۲

[3] النھر الفائق | کتاب الطہارۃ باب الانجاس | قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

ابراھیم الحلبی فی حواشی الدر بعد ذکرما فی المنیۃ ھو نص فی التخفیف فکان ھو الحق لان فیہ الرجوع الی الفرع المنصوص فی المذھب و اما ترجیح صاحب البحر فبحث منہ[1] اھ ونقلہ العلامۃ الطحطاوی مقرا علیہ واستدرك علیہ المحقق الشامی بما فی شرح النقایۃ انھا غلیظۃ فی ظاھر الروایۃ خفیفۃ علی قیاس قولھما اھ ثم قال "ینبغی ترجیح التغلیظ فی الجمیع یدل علیہ ما فی غرر الافکار من کتاب الاشربۃ حیث قال وھذہ الاشربۃ عند محمد وموافقیہ کخمر بلا تفاوت فی الاحکام وبھذا یفتی فی زماننا اھ" قال فقولہ بلا تفاوت فی الاحکام یقتضی انھا مغلظۃ فتدبر[2] اھ

اقول عدم التفاوت وان سلم ففی الاشربۃ الثلثۃ المحرمۃ بالاتفاق بین ائمتنا وھی الباذق والسکر والنقیع وفیھا کلام الغرر اما سائر الاشربۃ المسکرۃ المحرمۃ عند محمد مطلقا فالتفاوت

اختلاف ذکر کیا ہے اس پر اضافہ نہیں کیا ۔ علامہ ابراہیم نے غنیہ کے مذکورہ مسئلہ کے ذکر کے بعد حواشیِ در میں فرمایا یہ تخفیف میں نص ہے اور یہی حق ہے کیونکہ اس میں اس فرع کی طرف رجوع ہے جو مذہب میں منصوص ہے ۔ رہی صاحبِ بحر کی ترجیح تو وہ ان کی بحث ہے اھ علامہ طحطاوی نے اسکو برقرار رکھتے ہوئے نقل فرمایا ، علامہ شامی نے اس کی اصلاح فرمائی اس کے ساتھ جو شرح نقایہ میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں یہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے قول کے قیاس کے مطابق خفیفہ ہے اھ پھر فرمایا کہ ان سب میں ترجیح نجاستِ غلیظہ کو ہونی چاہئے ۔ اس پر دلیل وہ ہے جو غرر الافکار کی کتاب الاشربہ میں ہے ، جہاں فرمایا کہ یہ تمام شرابیں امام محمد علیہ الرحمۃ اور ان کی موافقت کرنیوالوں کے نزدیک تمام احکام میں بلا تفریق خمر کی طرح ہیں اور ہمارے زمانے میں فتوٰی اسی پر دیا جاتا ہے اھ فرمایا کہ اس کا قول "بلا تفاوت" تقاضا کرتا ہے کہ یہ نجاستِ غلیظہ ہے پس غور کر اھ

اقول (میں کہتا ہوں) عدمِ تفاوت اگر تسلیم کرلیا جائے تو ان تین شرابوں جن کی حُرمت پر ہمارے ائمہ کرام متفق ہیں یعنی باذق ، سکر اور نقیع میں غرر کا کلام ہے ، اور باقی وہ نشہ آور شرابیں جو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مطلق حرام ہیں ان میں تفاوت

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلبی کتاب الطھارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۱۳
[2] " " " " " " " " " " " " " " "

فیما بقی حیث لایحد بشرب القلیل منها بخلاف الخمر فلا یفید التغلیظ فی الجمیع والعجب من ھٰؤلاء الجلۃ غفلوا کلھم عن نص صریح فی المذھب مذیل باٰکد الفاظ الفتوی بل التغلیظ فی المنصف منصوص علیہ فی المتون کالوقایۃ والنقایۃ والاصلاح وغرر الاحکام والتنویر وغیرھا و بما نقلنا سقط ما فی النھر واستغنی عن بحث البحر وتبین ان الکل غلیظۃ علی المفتی بہ وللہ الحمد۔

ظاہر ہے کیونکہ ان کے قلیل میں حد جاری نہیں ہوتی بخلاف خمر کے، لہذا یہ تمام میں حرمت غلیظہ کا فائدہ نہ دے گا۔ اوران تمام بزرگوں پر حیرت ہے کہ وہ تمام اس نص سے غافل رہے جو مذہب میں صریح اور الفاظِ فتوٰی کو زیادہ مؤکد طور پر ظاہر کرنے والی ہے بلکہ منصّف کی حرمتِ غلیظہ پر تو متون میں نص وارد ہے جیسے وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر الاحکام اور تنویر وغیرہ۔ اور جو ہم نے نقل کیا اس سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو نہر میں ہے اور بحر کی بحث سے بھی استغنا حاصل ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق سب میں نجاست غلیظہ ہے' اور اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے۔ (ت)

اس مذہب پر جبکہ مسکر تاڑی کے اجزاء روٹی میں شریک ہوں تو وہ روٹی ضرور حرام وناپاک ہے اور اس کا بیچنا بھی حرام وناروا' اور اس کے دام بھی مال حرام' اور پہلے تھوڑے آٹے میں تاڑی ملاکر خمیر کرنا پھر یہ خمیر آردِ کثیر میں نفع نہ دے گا' اگر آٹے میں پانی ڈال کر گوندھ جانے سے پہلے خمیر ملایا جب تو ظاہر ہے کہ اس ناپاک خمیر سے وہ سارا پانی ناپاک اور اس سے سب آٹا نجس ہوگیا' اور اگر گوندھ کر تیار ہو جانے کے بعد بھی خمیر دیا تو بھی یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ آٹے میں ایک کنارے کو یا صرف بیچ میں خمیر رکھ دیا اور سب آٹا اس کی ہوا سے خمیر ہوگیا بلکہ ضرور وہ خمیر آٹے میں خوب ملاتے خلط کرتے ہیں کہ اس کے اجزا تمام آرد میں مل جاتے ہیں یوں بھی حکم حرمت ہی رہا کسی حلال چیز میں حرام چیز کا اگرچہ پاک ہو ایسا خلط ہوجانا اُسے حرام کردیتا ہے اور یہ تو حرام وناپاک دونوں تھا، درمختار میں ہے:

لوتفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ[1]۔

اگرچہ پانی میں مینڈک جیسا جانور ریزہ ریزہ ہوجائیگا تو اس پانی کے ساتھ وضو تو جائز ہے مگر اس کو پینا جائز نہیں اس لئے کہ مینڈک کا گوشت حرام ہے۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

حلیہ میں ہے :

قال شیخنا وبہ صرح فی التجنیس فقال یحرم شربہ[1]

ہمارے شیخ نے فرمایا اور اسی کے ساتھ تجنیس میں بھی تصریح کی گئی ہے، فرمایا اس کو پینا حرام ہے (ت)

اور گاد میں نشہ نہ ہونا بھی نفع نہ دے گا جبکہ عدم سکر اس وجہ سے ہو کر اس میں ثقل زیادہ ہے، اجزائے رقیقہ کہ مورث تفریح وتہیج سکری ہوتے ہیں اتنے نہیں کہ ان کا اثر ظاہر ہو۔ اوپر معلوم ہو لیا کہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ ذرہ ذرہ شراب کی طرح حرام اور پیشاب کی طرح نجس ہے اور گاد ان اجزا سے خالی نہیں ہوسکتی اور بالفرض خالی ہو تو ناپاک تو ضرور ہے کہ آخر اُسی پیشاب کا تلچھٹ ہے۔ ہدایہ میں ہے :

یکرہ شرب دردی الخمر والامتشاط بہ لان فیہ اجزاء الخمر والانتفاع بالمحرم حرام، ولایحد شاربہ ان لم یسکر لان الغالب علیہ الثفل فصار کما اذا غلب علیہ الماء بالامتزاج اھ[2]

شراب کا تلچھٹ پینا اور اس کے ساتھ بالوں کو کنگھا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں شراب کے اجزاء ہیں اور حرام سے انتفاع بھی حرام ہے، تلچھٹ پینے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگر وہ نشہ نہ دے، کیونکہ اس میں غالب میل کچیل ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی ہوگیا جس میں پانی کی ملاوٹ غالب ہوجائے اھ (ت)

مگر امام الاطباء داؤد انطاکی نے تذکرہ میں تصریح کی کہ سیندھی یعنی وہ پانی کہ تاڑی کی طرح ناریل کے درخت سے لیا جاتا ہے صرف یکشبانہ روز مسکر رہتا ہے اس کے بعد سخت تند وتیز سرکہ ہوجاتا ہے

حیث ذکر فی ذکر النارجیل قد یفسد طلعہ او جریدہ ویلقم کوزا فیسیل منہ لبن ویسمی السیندی یبقی یوما علی الحلاوۃ والدسومۃ ولہ افعال اشد من الخمر وھو خیر منھا ثم یکون خلا بالغا قاطعا[3]

کیونکہ انھوں نے نارجیل کے ذکر میں فرمایا کہ اس کا گابھا اور ٹہنی کبھی فاسد ہوجاتی ہے اور کوزا کا دھانا بند ہوجاتا ہے اس سے دودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہتے ہیں، وہ ایک دن تک اپنی حلاوت اور چکنائی پر برقرار رہتا ہے اور اسکے افعال شراب سے سخت تر ہیں اور وہ اس سے بہتر ہے پھر وہ تند وتیز سرکہ بن جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] التعلیق المجلی بحوالہ حلیۃ المحلی فصل فی البئر مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۲۳

[2] الہدایۃ کتاب الاشربہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۹۷-۴۹۶

[3] تذکرہ اولوا الالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۲۷

تاڑی اور سیندھی قریب قریب ہیں کہ تاڑی بھی نارجیل ہی کی ایک نوع ہے اگر ثابت ہو کہ یہ بھی ایک وقت معین شبانہ روز خواہ زائد کے بعد سرکہ ہوجاتی ہے اور گادیں قوتِ سکر یہ نہ رہنا اس بنا پر ہے تو اب اُس کی طہارت وحلت میں شبہہ نہیں اور روٹی جو ایسی گادسے خمیر کی جائے یقیناً حلال وطیب اور اس کی بیع روا ہے، یونہی اگر پایہ ثبوت کو پہنچے کہ مدتِ مقررہ پر اس کے اجزاء ضرور سرکہ ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جُز بھی جو آٹے میں مل کر آگ پر پک چکے تو اس صورت میں اس مدت کے مرور پر روٹی کی طہارت وحلت وجوازِ بیع کا حکم ہوجائے گا اگرچہ ابتداءً اس میں مسکر اجزاء ملے ہوں کہ جب وہ اجزاء مسکر نہ رہے سرکہ ہوگئے طاہر وحلال ہوگئے اور روٹی کی حُرمت ونجاست جو اُنھیں کے باعث تھی زائل ہوگئی۔

درمختار میں ہے:

لوعجن خبز بخمر صب فیه خل حتی یذهب اثرہ فیطهر[1]۔

اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی اور اس میں سرکہ ڈالا گیا جس سے شراب کا اثر جاتا رہا تو پاک ہوجائیگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانقلاب مافیه من اجزاء الخمر خلا[2]۔

کیونکہ اس میں جو خمر کے اجزاء تھے وہ سرکہ کی طرف منقلب ہوگئے ہیں (ت)

اور اس کا ثبوت قابلِ قبول نہ ہو تو وہی حکمِ نجاست وحُرمت رہے گا

لان موجبها معلوم ودلیل المزیل معدوم والیقین لایزول بالشك۔

کیونکہ اس کا موجب معلوم اور دلیلِ مزیل معدوم ہے اور یقین کبھی شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ (ت)

یہ سب بربنائے مذہب مفتیٰ بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول ہے

اعنی طهارة المثلث العنبی والمطبوخ التمری والزبیبج وسائر الاشربة من غیر الکرم

میری مراد پاک ہونا اس انگوری شراب کا جس کا دوثلث خشک ہوگیا ہو، کھجور اور زبیب کے نچوڑ کا جس کو پکایا گیا ہو اور انگور اور کھجور کے

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۶

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۲

والنخلة مطلقا وحلها كلها دون قدر الاسكار۔

علاوہ تمام شرابوں کا پاک ہونا اور ان کا حلال ہونا جبکہ مقدارِ مسکر سے کم ہوں۔ (ت)

حاشا یہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے یہی قول امام اعظم ہے عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری و ہدایہ و وقایہ و نقایہ و کنز و غرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا، اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابوجعفر طحاوی و امام اجل ابوالحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ و امام اجل قاضی خاں و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتوٰی دیا اسی کو بہ ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرمایا، علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوٰی سے بھی تذییل آئی۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

فی الھدایۃ والنھایۃ و فتاوٰی قاضی خان وظھیر الدین والخلاصۃ و فتاوی الکبرٰی و فتاوی اھل سمرقند والحمیدی الاصح ما علیہ ابوحنیفۃ و ابو یوسف رحمھما اللہ تعالٰی۔[1]

ہدایہ، نہایہ، فتاوٰی قاضیخان، فتاوٰی ظہیر الدین، خلاصہ، فتاوٰی کبرٰی، فتاوی اہل سمرقند اور حمیدی میں ہے کہ اصح وہ ہے جس پر امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی ہیں۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

وھوالصحیح لان الخمر موعودۃ فی العقبٰی فینبغی ان یحل من جنسہ فی الدنیا انموذجا ترغیبا کما فی المضمرات ولئلا یلزم تفسیق الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[2]

اور یہی صحیح ہے کیونکہ شراب آخرت میں موعود ہے لہذا ترغیب کے لئے اس کی جنس میں سے دنیا میں حلال ہونا چاہئے جیسا مضمرات میں ہے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فاسق قرار دینا لازم نہ آئے۔ (ت)

ہندیہ میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

العصیر اذا شمس حتی ذھب ثلثاہ یحل شربہ عند ابی حنیفۃ و

انگور کا جوس جب دھوپ میں دو ثلث خشک ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف علیہما الرحمۃ کے

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الحدود فصل فی الشرب قلمی نسخہ ۱/ ۱۸۶

[2] جامع الرموز کتاب الاشربہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران ۴/ ۳۳۳

ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وھو الصحیح[1]

نزدیک اس کا پینا حلال ہوتا ہے، اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

درمنتقی میں ہے:

وصحح غیر واحد قولھما۔[2]

متعدد علمائے نے شیخین کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لبن الرماك اذا اشتد لم یحل وصحح فی الھدایۃ حلہ[3]

گھوڑی کا دودھ جب جوش کھا کر گاڑھا ہوجائے تو حلال نہیں، ہدایہ میں اس کے حلال ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بہ یفتی ای بتحریم کل الاشربۃ وکذا بوقوع الطلاق قال فی النھر وفی الفتح وبہ یفتی لان السکر من کل شراب حرام وعندھما لایقع بناء علی انہ حلال وصححہ فی الخانیۃ[4]

اسی کے ساتھ ہی فتوٰی دیا جائے گا یعنی تمام شرابوں کی حرمت کا اور اسی طرح طلاق کے واقع ہونے کا۔ نہر میں کہا ہے کہ فتح میں ہے اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ نشہ ہر شراب سے حرام ہوتا ہے، اور شیخین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ حلال ہے۔ خانیہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے (ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

فی فتاوی قاضی خان ان المتخذ من غیر العنب والتمر مثل السکر والعسل والفانیذ والحنطۃ والشعیر والذرۃ وما اشبہ ذلك اذا غلا واشتد وقذف بالزبد وطبخ

فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ انگور اور کھجور کے غیر یعنی شکر، شہد، مصری، گندم، جَو، جوار اور ان جیسی دیگر اشیاء سے بنائی ہوئی شرابیں جب جوش کھا کر گاڑھی ہوجائیں اور ان پر جھاگ آجائے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الاشربۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۱۲
[2] الدر المنتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب الاشربۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۲
[3] الدرالمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۰
[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

ادنی طبخة یحل فی قول الشیخین واختلف فی قول محمد فقیل یحل شربه ما دون السکر وقیل لایحل اصلا وعنه ایضا انه قال اکرہ ذٰلک وان لم یطبخ فعن الشیخین روایتان فی روایة لایحل شربه کنقیع الزبیب غیر المطبوخ وفی روایة یحل شربه و ذکر فی الفتاوی المنصوریة ان الفتوی علی انه لایشترط الطبخ لحله[1]

اور ان کو تھوڑا سا پکا لیا جائے تو شیخین کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول میں اختلاف ہے بعض نے کہا جو نشہ والی مقدار سے کم ہو حلال ہیں اور بعض نے کہا کہ مطلقاً حلال ہیں۔ اور انھیں سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا میں اس کو مکروہ جانتا ہوں اور ان کو پکایا نہ جائے تو شیخین سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں اس کا پینا حلال نہیں ہے جیسا کہ زبیب کا وہ رس جس کو پکایا نہ گیا ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا پینا حلال ہے۔ فتاوی منصوریہ میں مذکور ہے فتوٰی اس پر ہے کہ اس کے حلال ہونے کے لئے پکانا شرط نہیں۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

من ادلة حله ما قال فی الاختیار عن ابن ابی لیلٰی قال اشهد علی البدریین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انهم یشربون النبیذ فی الجرار الخضر وقد نقل ذٰلک عن اکثر الصحابة ومشاهیرهم قولا وفعلا حتی قال ابوحنیفة انه مما یجب اعتقاد حله لئلا یؤدی الی تفسیق الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم[2]

اس کے حلال ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ ہے جو اختیار میں ابن ابی لیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدری صحابہ کرام کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سبز صراحیوں میں نبیذ پیتے تھے اور یہ بات اکثر مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے قولاً اور فعلاً منقول ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے تاکہ صحابہ کرام کو فسق کی طرف منسوب کرنا لازم نہ آئے۔ (ت)

---

[1] شرح النقایة للبرجندی کتاب الاشربہ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۸۸

[2] فتح المعین " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۲۳

خانیہ میں ہے:

لابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی ماروی ان رجلا اتی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بثلث قال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ما اشبہ ھذا بطلاء الابل کیف تصنعونہ قال الرجل یطبخ العصیر حتی یذھب ثلثاہ ویبقی ثلثہ فصب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علیہ الماء وشرب ثم ناول عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم قال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا رابکم شرابکم فاکسروہ بالماء وعن عمر رضی اللہ تعالٰی اذا ذھب ثلثا العصیر ذھب حرامہ وریح جنونہ وروی عن ابراھیم النخعی رحمہ اللہ تعالٰی ما یرویہ الناس کل مسکر حرام خطاء لم یثبت انما الثابت کل سکر حرام وکذا ما یرویہ الناس ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام لیس بثابت و ابراھیم النخعی رحمہ اللہ تعالٰی کان حبرا فی الحدیث۔[1]

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی دلیل وہ روایت ہے کہ ایک شخص سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں مثلث لے کر آیا آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کے طلاء کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے تم اس کو کیسے بناتے ہو، اس نے کہا ہم انگور کے رس کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا دو ثلث خشک ہوجاتا ہے اور ایک ثلث باقی رہ جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر پانی ڈال کر پی لیا، پھر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو دے دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب تمھیں تمھاری شراب شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب انگور کے شیرہ کا دو ثلث پکانے سے خشک ہوجائے تو اس کی حرمت اور نشہ جاتا رہتا ہے، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ لوگ جو یہ روایت کرتے ہیں کہ ہر مسکر (نشہ آور) حرام ہے، یہ غلط ہے اور ثابت نہیں ہے، البتہ ثابت یہ ہے کہ ہر سکر (نشہ) حرام ہے، اسی طرح لوگوں کا یہ روایت کرنا کہ جو مسکر ہے اس کا قلیل وکثیر حرام ہے ثابت نہیں حالانکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حدیث متبحر عالم ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۶۴

لابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی الاٰثار التی وردت فی اباحۃ النبیذ الشدید قولا وفعلا ذکرھا محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتاب وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال من شرائط السنۃ والجماعۃ ان لایحرم النبیذ الجرلات فی تحریمہ تفسیق کبار الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ انہ قال لا احرم النبیذ الشدید دیانۃ ولا اشربہ مروءۃ اجمع کبار الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم علی اباحۃ النبیذ واحتاطوا فی شربہ لاجل الاختلاف وکذا السلف بعدھم کانوا یشربون نبیذ الجر بحکم الضرورۃ لاستمراء الطعام[1]

امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل وہ آثار ہیں جو قولاً اور فعلاً گاڑھی نبیذ کی اباحت پر وارد ہیں۔ اس کو امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں ذکر فرمایا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ کو حرام نہ قرار دینا سنت وجماعت کی شرائط میں سے ہے کیونکہ اس کو حرام قرار دینے میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف فسق کو منسوب کرنا لازم آتا ہے، اور انہی سے منقول ہے کہ میں گاڑھی نبیذ کو ازراہِ دیانت حرام قرار نہیں دیتا اور بطور مروت اس کو نہیں پیتا۔ نبیذ کی اباحت پر صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے مگر وہ بسبب اختلاف کے اس کو پینے میں احتیاط کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے بعد اسلاف کسی ضرورت کے تحت گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ پیتے تھے مثلاً کھانا ہضم کرنے کے لئے۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

عن محمد بن مقاتل الرازی انہ قال لواعطیت الدنیا بحذافیرھا ما شربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولو اعطیت الدنیا بحذافیرھا ما افتیت بانہ حرام[2]

محمد بن مقاتل رازی نے کہا اگر مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی میں مسکر یعنی کھجور اور زبیب کا نبیذ نہیں پیوں گا، اور اگر مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دوں گا۔ (ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

واحتج ابوحنیفۃ وابویوسف فی قولہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴/۶۲۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی " مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/۲۰۵

الآخر بقوله تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۝ انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلٰوۃ فھل انتم منتھون ۝ وقد بین العلۃ فی تحریم الخمر وھی الصد عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ وایقاع العداوۃ وھذہ المعانی لاتحصل بشرب القلیل فلوخلینا وظاھر الآیۃ لکنا نقول بان القلیل من الخمر لایحرم ولکن ترکنا الظاھر فی القلیل من الخمر بالاجماع ولا اجماع فیما تنازعنا فیہ من الاشربۃ علی حرمۃ القلیل منھا فبقیناعلی علۃ ظاھر الآیۃ لانہ مما لایورث العداوۃ والبغضاء ولا الصد عن ذکر اللہ وعن الصلٰوۃ۔[1]

تعالٰی علیہ نے اپنے دوسرے قول میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ "اے ایمان والو! بیشک خمر، جُوا، بُت اور پانسے نجس ہیں شیطانی عمل سے تو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، بیشک شیطان خمر اور جُوئے سے تمھارے درمیان بغض و عداوت ڈالنا چاہتا ہے اور تمھیں اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم باز آؤ گے"۔ تحقیق یہاں تحریم خمر کی جو علت بیان کی گئی وہ ذکرِ الٰہی اور نماز سے روکنا اور بغض و عداوت واقع کرنا ہے۔ اور یہ امور قلیل کے پینے سے حاصل نہیں ہوتے اگر ہم آیت کریمہ کو اس کے ظاہر پر چھوڑتے تو یوں کہتے کہ خمر میں سے قلیل حرام نہیں ہے لیکن ہم نے اجماع کے ساتھ آیت کریمہ کے ظاہر کو ترک کردیا ہے۔ اور جو شرابیں ہمارے درمیان متنازعہ ہیں ان کے قلیل کی حرمت پر اجماع واقع نہیں ہوا لہٰذا ان کا قلیل آیت کریمہ کے ظاہر کی وجہ سے مباح رہے گا کیونکہ وہ نہ تو بغض و عداوت کا موجب ہے اور نہ ہی ذکرِ خدا و نماز سے روکتا ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال شیخ الاسلام خواھر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ ذکر ابن قتیبۃ فی کتاب الاشربۃ باسنادہ عن زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم انہ شرب ھو واصحابہ نبیذا شدیدا فی ولیمۃ فقیل لہ یا ابن رسول اللہ حدثنا

شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ابن قتیبہ نے کتاب الاشربہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے میں ذکر کیا کہ انھوں نے اور انکے ساتھیوں نے ایک ولیمہ میں گاڑھی نبیذ پی تو ان سے کہا گیا اے ابن رسول! ہمیں نبیذ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ

[1] غایۃ البیان

بحدیث سمعتہ من اٰبائک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النبیذ فقال حدثنی ابی عن جدی علی بن ابیطالب رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال ینزل امتی علٰی منازل بنی اسرائیل حذو القذۃ بالقذۃ والنعل بالنعل ان اللہ تعالٰی ابتلی بنی اسرائیل بنھر طالوت و احل لھم منہ الغرفۃ وحرم منہ الری وان اللہ ابتلاکم بھذہ النبیذ واحل منہ الری وحرم منہ السکر وحدیث ابن زیاد الذی رویناہ عن ابن عمر فی مسئلۃ الخلیطین من ادل الدلائل وان المراد ما رواہ الخصم القدر المسکر لا القلیل لان احد رواۃ الحدیث الذی احتج بہ الخصم ابن عمر فلوکان القلیل ھو المراد لم یعمل بخلاف ما رواہ ولم یفسقہ ابن زیاد وکذلک قول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب دلیل علی ان المراد من حدیث الخصم القدر المسکر لا القلیل لان احد رواۃ

تعالٰی علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیں جو آپ نے اپنے آباؤ اجداد سے سُنی ہے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد نے انھوں نے میرے جد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ میری امت بنی اسرائیل کے طور طریقے اپنا کر یوں انکے برابر ہوجائیگی جیسے تیر تیر کے اور جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے، اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل کا امتحان نہرِ طالوت کے ساتھ لیا کہ ان کے لئے چلّو بھر پانی حلال اور سیر ہوکر پینا حرام کیا اور تمھارا امتحان اللہ تعالٰے نے اس نبیذ کے ساتھ لیا، اس کو سیر ہوکر پینا حلال اور حدِ نشہ تک پینا حرام کیا ہے۔ حدیثِ ابن زیاد جس کو ہم نے مسئلہ خلیطین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا وہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور مخالف نے جو روایت کیا ہے اس سے مراد قدرِ مسکر ہے نہ کہ قلیل کیونکہ مخالف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ اگر اس سے قلیل مراد ہوتا وہ اپنی روایت کے خلاف نہ کرتے اور نہ ہی ابن زیاد ان کی طرف فسق کو منسوب کرتے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول کہ خمر تو لعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی شرابوں سے نشہ آور حرام ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مخالف کی روایت کردہ حدیث سے مراد قدرِ مسکر ہے نہ کہ قلیل

ذلك الحديث ابن عباس رضي الله تعالى
عنهما فيبعد في العقول ان يروى
ابن عباس حديثا ثم يقول
بخلافه ، وقد اطنب الكرخي رحمه الله
في رواية الآثار عن الصحابة
والتابعين بالاسانيد الصحاح
في مختصره في تحليل النبيذ الشديد
تركنا ذكرها مخافة التطويل و
الحاصل ان الاكابر من اصحاب
النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
واهل بدر كعمر وعلي وعبد الله بن مسعود و
ابي مسعود رضي الله تعالى عنهم كانوا يحلون
شرب النبيذ وكذا الشعبي وابراهيم النخعي
وقال في شرح الاقطع وقد سلك بعض الجهال
في هذه المسئلة طريقة قصد بها التشنيع و
الفسوق عند العوام لما ضاق عليه طريق
الحجة فقال روي عن النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم انه قال ليشربن ناس
من امتي الخمر ويسمونها باسماء قال
هذا القائل وهم اصحاب ابي حنيفة
وهذا كلام جاهل بالاحكام والنقل
والآثار ومتعصب قليل الورع لا يبالي
ما قال ثم يقال لهذا
القائل ما رميت بهذا القول اصحاب ابي حنيفة
رضي الله تعالى عنه وانما السلف الصالح ارادت

کیونکہ حدیث مذکور کے راویوں میں سے ایک سیدنا
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں اور یہ بات عقل
سے بعید ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک
حدیث روایت فرمائیں پھر خود اس کے خلاف فرمائیں،
گاڑھی نبیذ کے حلال ہونے سے متعلق صحابہ وتابعین
کے آثار کو صحیح سند کے ساتھ روایت کرنے میں امام
کرخی علیہ الرحمۃ نے اپنی مختصر میں بہت طوالت فرمائی
ہم نے طوالت کے ڈر سے ان کے ذکر کو ترک کردیا۔
خلاصہ یہ کہ اکابر اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم اور اہل بدر جیسے حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود
اور ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبیذ کے پینے کو
حلال قرار دیتے تھے اور یہی موقف ہے شعبی اور
ابراہیم نخعی کا۔ شرح اقطع میں ہے ایک جاہل نے
اس مسئلہ میں ایسا راستہ اختیار کیا جس سے اس کا
مقصد لوگوں کے ہاں برائی اور فسق کو رائج کرنا ہے،
جب اس کے لئے دلیل کا راستہ تنگ ہوگیا تو
اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا فرمان ہے میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور
شراب پئیں گے اور اس کے مختلف نام رکھ لیں گے،
وہ لوگ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں۔ یہ اس کا
کلام ہے جو احکام، نقل اور آثار سے جاہل اور
متعصب اور تقویٰ میں بہت گھٹیا ہے، اس کی
پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس قائل کو
کہا جائے کہ جو کچھ تو نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ
کے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے اس سے تیرا

ولم يمكنك التصريح بذلك لان اصحاب
ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ما ابتدعوا
في ذلك قولا بل قالوا ما قاله اصحاب
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
ووجوه التابعين وزهادهم وكيف يظن
بعمر وعلي وابن مسعود وابن عباس و
عمار بن ياسر وعلقمة بن الاسود
انهم شربوا الخمر غلطا في اسمها حتى
استدرك عليهم هذا القائل حقيقة
الاسم ويحسن الظن بنفسه ويسئ
الظن بسلفه ان هذه الجرأة في
الدين وقال شيخ الاسلام خواهر زاده
في شرحه روى ان رجلا سال ابراهيم
الحربي في مدينة السلام في جامع المنصور
بالجانب الغربي فقال لنا امام يشرب
النبيذ افأصلي خلفه فقال له ابراهيم
ارأيت لو ادركت علقمة والاسود اكنت تصلي
خلفهما قال نعم ولم يفهم السائل الجواب
فاعاد السوال فقال له ابراهيم
قد اجبتك والقياس مع ابي حنيفة
وابي يوسف رحمهما الله تعالى
لان الله تعالى لم يحرم
شيئا يقصده الناس من المحرمات
في الدنيا الا اباح ما يغني
عنه الا ترى انه لما حرم

ارادہ سلف صالحین ہیں جس کی تصریح کرنا تیرے لئے
ممکن نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے
اصحاب نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ وہی کچھ کہا ہے
جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ اور
معزز و زاہد تابعین نے کہا ہے۔ اس کا کیا گمان
ہے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن
یاسر اور علقمہ بن اسود رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے
میں، کیا انھوں نے نام تبدیل کر کے شراب پی۔ حتی کہ
اس قائل نے ان پر حقیقی نام کے ساتھ اصلاح کی
اور اپنے بارے میں حسن ظن جبکہ اسلاف کے بارے
میں برا گمان کیا، بلا شبہہ یہ دین میں جسارت ہے۔
شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں کہا مروی
ہے کہ ایک شخص نے مدینۃ الاسلام کی جامع منصور کی
جانب غربی میں ابراہیم حربی سے سوال کیا کہ ہمارا
امام نبیذ پیتا ہے کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں؟
تو ابراہیم نے کہا تیرا کیا خیال ہے اگر تو علقمہ و اسود
کو پالے تو کیا تو ان کے پیچھے نماز پڑھے گا؟ اس نے
کہا ہاں، حالانکہ وہ سائل ابراہیم حربی کے جواب کو
نہ سمجھ سکا چنانچہ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا
تو ابراہیم نے فرمایا بیشک میں تجھے جواب دے چکا
ہوں۔ قیاس امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ
تعالٰی علیہما کا موید ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے دنیا میں
محرمات میں سے کوئی چیز حرام نہ فرمائی جس کا قصد
لوگ کرتے ہیں مگر اس میں سے اتنا کچھ مباح فرمایا
جس سے لوگوں کی حاجت پوری ہوتی ہو۔ کیا تو نے

لحم الخنزیر والمیتة اباح انواعا من اللحوم تغنی عنها ولما حرم نکاح المحارم والجمع بین المحارم اباح من الاجنبیات کذٰلك ھٰھنا فالشراب المطرب شیئ یقصدہ الناس فلما حرم منہ انواعا یجب ان یکون نوع منہ مباحا یغنی عنہ و یقوم مقامہ و ذٰلك فیما قالاہ فامامن حرم جمیع انواع الاشربۃ المطربۃ بحیث لایوجد من جنسہ مباح یکون ذٰلك خلاف الاصول و خلاف الاصول لایجوز[1] اھ باختصار۔

دیکھا نہیں کہ اللہ تعالٰی نے جب خنزیر و مردار کا گوشت حرام فرمایا تو کچھ اقسام گوشت کی حلال بھی فرمادیں جس سے لوگ اپنی حاجت پوری کرتے ہیں، اور جب محرمات سے نکاح اور دو آپس میں محرم عورت کو نکاح میں جمع کرنا حرام کیا تو غیر محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال فرمایا۔ اسی طرح یہاں شراب کے مسئلہ میں ہوگا کیونکہ فرحت بخش شراب بھی ایک شیئ ہے جس کا لوگ قصد کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالٰی نے اس کی کچھ انواع کو حرام کیا تو اس کی کوئی قسم حلال بھی ضرور ہوگی جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور وہ اس کے قائم مقام ہوجائے اور یہ بات شیخین کے قول میں حاصل ہوتی ہے، لیکن جنھوں نے شراب کی فرحت بخش تمام اقسام کو حرام قرار دیا کہ اس کی جنس میں سے کوئی نوع بھی مباح نہیں پائی جاتی تو یہ خلافِ اصول ہے اور خلافِ اصول جائز نہیں اھ باختصار (ت)

محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب المؤطا میں فرماتے ہیں:

اخبرنا مالك اخبرنا داؤد بن الحصین عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ عن محمود بن لبید الانصاری عن عمر بن الخطاب حین قدم الشام شکی الیہ اھل الشام وباء الارض و ثقلھا قالوا لا یصلح لنا الا ھذا الشراب قال اشربوا العسل قالوا لایصلحنا العسل قال لہ رجل من اھل الارض ھل لك ان

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں خبر دی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ جب شام تشریف لائے تو اہل شام نے اپنی سرزمین پر وبا اور گرانی کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس شراب کے علاوہ کوئی علاج موافق نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا شہد پیو، انھوں نے کہا ہمیں شہد موافق نہیں آتا۔ اسی علاقے کے

---

[1] غایۃ البیان

اجعل لك من هذا الشراب شيئا لايسكر قال نعم فطبخوه حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه فاتوا به الی عمر بن الخطاب فادخل اصبعه فيه ثم رفع يده فتبعه يتمطط فقال هذا الطلاء مثل طلاء الابل فامرهم ان يشربوه فقال عبادة بن الصامت احللتها والله قال كلا والله مااحللتها اللّٰهم انی لا احل لهم شيئا حرمته عليهم ولا احرم عليهم شيئا احللته لهم قال محمد (رحمة الله تعالٰی عليه) وبهذا ناخذ لاباس بشرب الطلاء الذی قد ذهب ثلثاه وبقی ثلثه وهو لايسكر فاما كل معتق يسكر فلاخير فيه[1]

ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ رغبت رکھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے ایسی شراب تیار کروں جو نشہ نہ دے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ان لوگوں نے انگور کے شیرہ کو اس حد تک پکایا کہ دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ گیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس لائے۔ آپ نے اس میں انگلی داخل کر کے باہر نکالی تو وہ آپ کی انگلی کے ساتھ چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کی طلاء کی مثل طلاء ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ اس کو پیو۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کیا بخدا آپ نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہرگز نہیں بخدا میں نے اس کو حلال نہیں کیا، اے اللہ! جو چیز تُو نے ان پر حرام کی ہے میں اس کو ان پر حلال نہیں کرتا اور جو تو نے ان پر حلال کیا میں اس کو ان پر حرام نہیں کرتا۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں کہ ایسے طلاء کے پینے میں کوئی حرج نہیں جس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی باقی رہا ہو اور وہ نشہ نہ دے۔ لیکن ہر پرانی نشہ آور شراب میں کوئی خیر نہیں۔ (ت)

نیز کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

---

[1] موطا امام محمد کتاب الحدود باب نبیذ الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۷-۳۱۶

اخبرنا ابوحنیفة عن سلیمان[1] الشیبانی عن ابن زیاد[2] انه افطر عند عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فسقاه شرابا له

ہمیں امام ابوحنیفہ نے سلیمان شیبانی سے خبر دی انھوں نے ابن زیاد سے روایت کی کہ انھوں (ابن زیاد) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روزہ

---

[1] هو ابواسحٰق سلیمٰن بن ابی سلیمٰن الکوفی من ثقات التابعین و رجال الستة ۱۲ منه

یہ ابواسحاق سلیمان بن ابی سلیمان کوفی جو ثقہ تابعین اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ۱۲ منہ (ت)

[2] قال السید المرتضی الاشبه انه محمد بن زیاد احد شیوخ شعبة روی عن ابی هریرة حدیث الرجل جبار ذکره المنذری فی مختصر[1] السنن وهو من اقران ابن سیرین قلت هو ابن زیاد الجمحی ابوالحارث المدنی نزیل بعد البصرة ثقة ثبت من رجال الستة روی الدارقطنی فی السنن من طریق ادم بن ابی ایاس عن شعبة عن محمد بن زیاد عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال الرجل[2] جبار هذا ما ابداه السید ظنا والمنصوص علیه انه عبد الله قال الامام البدر محمود فی البنایة بعد ذکر الحدیث ابن زیاد هو عبد الله ابن زیاد[3] اھ۔

سید مرتضیٰ نے کہا حق سے اشبہ ہے کہ یہ محمد بن زیاد شعبہ کے شیوخ میں سے ایک ہیں انھوں نے "الرجل جبار" والی حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ بات امام منذری نے مختصر السنن میں ذکر کی اور یہ امام ابن سیرین کے ہم زمان ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ ابن زیاد جمحی ابوالحارث مدنی ہیں جو بعد میں بصرہ میں مقیم ہو گئے ثقہ ہیں صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں دارقطنی نے سنن میں آدم بن ایاس کے طریق سے عن شعبہ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا "الرجل جبار" سید مرتضیٰ نے اپنے گمان کی بیان پر یہ بیان کیا ہے جبکہ منصوص یہ ہے کہ وہ عبد اللہ ہیں، امام بدرالدین محمود نے بنایہ میں ابن زیاد کی اس حدیث کے بعد کہا ابن زیاد سے مراد عبد اللہ بن زیاد ہے اھ (باقی اگلے صفحے پر)

---

[1] مختصر السنن
[2] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۲۱۵ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۱۵۴
[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۳۸

فكانه اخذ فيه فلما اصبح قال
ما هذا الشراب ما كدت اهتدى
الى منزلى فقال عبدالله ما زدناك
على عجوة و زبيب قال محمد و
به ناخذ وهو قول ابى حنيفة ؎۱۔
اخبرنا ابوحنيفة عن حماد
قال كنت اتقى النبيذ فدخلت
على ابراهيم وهو يطعم
فطعمت معه فاوتى بقدح
من نبيذ فلما رأى
ابطائى عنه قال حدثنى
علقمة عن عبدالله
بن مسعود انه كان
ربما طعم عنده ثم
دعا بنبيذ له تنبذه

افطار کیا تو آپ نے ابن زیاد کو اپنے ہاں سے شراب
پلائی تو گویا کہ اس نے ابن زیاد میں کچھ اثر کیا جب
صبح ہوئی تو ابن زیاد نے کہا یہ کیا شراب ہے یوں
لگا کہ میں اپنے گھر کی طرف راہ نہ پاؤں گا۔ حضرت
عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے
تو آپ کے لئے عجوہ اور زبیب پر کوئی شئی زیادہ
نہیں کی۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی سے اخذ کرتے
ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حماد سے خبر دی انھوں
نے کہا کہ میں نبیذ سے پرہیز کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس
گیا وہ کھانا کھا رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ
کھانا کھایا پھر نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا جب ابراہیم
نے مجھے اس سے پس وپیش کرتے ہوئے دیکھا تو کہا
مجھے علقمہ نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
حدیث بیان کی کہ میں بسا اوقات ان کے ہاں کھانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قلت يعنى ابا مريم الاسدى الكوفى
من ثقات التابعين و رجال البخارى
فى التهذيب ذكره ابن حبان فى
الثقات و قال فى تهذيبه قال
العجلى كوفى ثقة و قال الدارقطنى
ثقة ؎۲

میں کہتا ہوں ابن زیاد یعنی ابومریم اسدی کوفی
جو ثقہ تابعین اور بخاری کے راویوں میں
شمار ہیں، تہذیب میں ہے کہ ابن حبان نے اسکو
ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے اور تہذیب والے نے
فرمایا کہ عجلی نے کہا کہ وہ کوفی ثقہ میں شمار ہیں،
دارقطنی نے کہا وہ ثقہ ہیں۔ (ت)

؎۱ کتاب الآثار لامام محمد باب الاشربۃ والانبذہ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۲
؎۲ تہذیب التہذیب ترجمہ عبداللہ بن زیاد الکوفی ۳۷۹ دائرۃ المعارف النظامیہ ۵/۲۲۱

سیرین ام ولد عبد اللہ فشرب و سقانی [1]۔ اخبرنا ابوحنیفۃ قال حدثنا ابو اسحٰق السبیعی عن عمرو بن میمون الاودی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان للمسلمین جزورا لطعامھم وان العتق منھا لآل عمر، و انہ لایقطع ھٰذہ الابل فی بطوننا الا النبیذ الشدید۔ اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی باعرابی قد سکر، فطلب لہ عذرا فلما اعیاہ (الا ذھاب عقل) قال احبسوہ فاذا صحا فاجلدوہ ودعا بفضلۃ فضلت فی اداوتہ، فذاقھا فاذا نبیذ شدید ممتنع، فدعا بماء فکسرہ (وکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحب الشراب الشدید) فشرب وسقی جلساءہ ثم قال ھٰذا اکسروہ بالماء اذا غلبکم شیطانہ [2]۔ اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن

کھاتا، پھر انھوں نے نبیذ طلب فرمائی جو ان کی ام ولد سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جس کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بھی پیا اور مجھے بھی پلائی۔

ہمیں امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عمدہ اونٹ مسلمانوں کے کھانے کے لئے ہیں اور ان میں سے پرانے حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے ہیں، اور بیشک ان اونٹوں کو پیٹوں میں سوائے گاڑھی نبیذ کے کوئی شے ہضم نہیں کرتی۔

ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اعرابی لایا گیا جو نشے میں تھا آپ نے اس سے عذر پوچھا تو سوائے خرابیِ عقل کے اس کو عاجز پایا، آپ نے فرمایا اس کو روک رکھو جب ہوش میں آئے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے برتن میں بچی ہوئی شراب منگوائی اور اُسے چکھا تو وہ گاڑھا نبیذ تھا جو کہ ممتنع ہے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور اس نبیذ کی تیزی کو توڑا (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گاڑھی شراب کو پسند فرماتے تھے) پھر اُسے پیا اور شرکاءِ مجلس کو پلایا۔ پھر فرمایا کہ جب اس شراب کا شیطان تم پر غالب آجائے تو پانی سے اسکی تیزی توڑ دیا کرو۔

ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انھوں نے

---

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳

[2] " " " " " ۱۸۴،۱۸۳

9

ابراھیم انہ کان یشرب الطلاء قد ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ ویجعل لہ منہ نبیذ، فیترکہ حتی اذا اشتد شربہ ولم یر بذلک بأسا، قال محمد وھو قول ابی حنیفۃ۔ اخبرنا ابوحنیفۃ قال حدثنا الولید بن سریع (مولی عمرو بن حریث) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان یشرب الطلاء علی النصف قال محمد ولسنا ناخذ بھذا ولاینبغی لہ ان یشرب من الطلاء الاما ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ وھو قول ابی حنیفۃ[1] اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال مااسکرہ کثیرہ فقلیلہ حرام خطاء من الناس انما ارادوا السکر حرام من کل شراب[2]۔

ابراہیم سے خبر دی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی بچ گیا ہو اس سے ان کے لئے نبیذ بنائی جاتی تھی تو وہ اس کو چھوڑے رکھتے یہاں تک کہ جب وہ جوش کھا کر سخت ہوجاتی تو اس کو پی لیتے اور اس میں وہ کوئی حرج نہ دیکھتے۔ امام محمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی انھوں نے فرمایا کہ ہمیں ولید بن سریع (مولٰی عمرو بن حریث) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں حدیث بیان کی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا نصف خشک ہوگیا ہوتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اس سے اخذ نہیں کرتے اور انھیں ایسا طلاء نہیں پینا چاہئے سوائے اس کے کہ اس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ جائے، اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اور انھوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ ابراہیم نے فرمایا کہ ہر وہ شراب جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل حرام ہے، یہ لوگوں کی خطا ہے بیشک اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ (ت)

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا فھد ثنا ابونعیم قال ثنا مسعر بن کدام عن ابی عون الثقفی عن عبداللہ بن شداد بن الھاد عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر

حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ خمر پر تو لعینہ حرمت واقع ہوئی اور اس کے ماسوا دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار

---

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب نبیذ البطیخ والعصیر ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۴

[2] کتاب الآثار لامام محمد باب الشرب فی الاوعیۃ والظروف " " ص ۱۸۵

بعينها والسكر من كل شراب فاخبر
ابن عباس ان الحرمة وقعت على الخمر
بعينها وعلى السكر من سائر الاشربة
سواها فثبت بذٰلك ان ماسوى
الخمر التى حرمت ممايسكر كثيره
قد ابيح شرب قليله الذى لا يسكر
على ماكان عليه من الاباحة
المتقدمة تحريم الخمر وان
التحريم الحادث انما هو فى عين الخمر و
السكر مما فى سواها من الاشربة فاحتمل ان
تكون الخمر المحرمة هى عصير العنب
خاصة واحتمل ان يكون كل ماخمر من
عصير العنب وغيره فلما احتمل ذٰلك وكانت
الاشياء قد تقدم تحليلها جملة ثم حدث
تحريم فى بعضها لم يخرج شئ مما قد اجمع
على تحليله الا باجماع ياتى على تحريمه
ونحن نشهد على الله عزوجل انه حرم
عصير العنب اذا حدثت فيه صفات الخمر
ولا نشهد عليه انه حرم ماسوى
ذٰلك اذا حدث فيه مثل هذه
الصفة فالذى نشهد على
الله تعالٰى بتحريمه اياه هو
الخمر الذى امنا بتاويلها
من حيث قد امنا بتاويلها والذى
لا نشهد على الله انه حرم

حرام ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے
خبر دی کہ بیشک حرمت خمر پر تو بعینہٖ واقع ہوئی جبکہ
باقی شرابوں کی اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ آور ہو
چنانچہ ثابت ہوگیا کہ خمر کے علاوہ جس کی زیادہ مقدار
نشہ لائے وہ حرام ہے اور اس کی قلیل مقدار جو نشہ
نہ لائے وہ حسبِ سابق مباح ہے جیسا کہ خمر کے
حرام ہونے سے پہلے مباح تھی اور جو حرمت نئی
نازل ہوئی وہ عینِ خمر اور دیگر شرابوں کے نشہ کے بارے
میں ہے چنانچہ اس بات کا احتمال ہے کہ حرام شدہ
خمر خاص انگوروں کا رس ہے، اور یہ بھی احتمال ہے
کہ ہر وہ چیز جس سے خمر بنے وہ حرام ہے چاہے وہ
انگور کا رس ہو یا کچھ اور، تو جب اس بات کا احتمال
موجود ہے اور تمام اشیاء شروع میں حلال تھیں پھر
بعد میں تحریم وارد ہوئی تو جس شئی کے حلال ہونے
پر اجماع ہے وہ حلال ہونے سے اس وقت تک
نہیں نکلے گی جب تک اس کے حرام ہونے پر
اجماع واقع نہ ہو اور ہم اس بات پر گواہی دیتے
ہیں اللہ تبارک وتعالٰی نے انگور کے رس کو حرام فرمایا
جب اس میں خمر کی صفات پیدا ہوجائیں اور ہم
یہ گواہی نہیں دیتے کہ انگور کے رس کے علاوہ
جن اشیاء میں یہ صفت پیدا ہوجائے اُسے بھی اللہ تعالٰی
نے حرام کیا لہذا جس چیز کے حرام ہونے پر ہم گواہی
دیتے ہیں وُہ خمر ہے جس کے معنٰی پر ہم یقین رکھتے
ہیں جیسا کہ اس کے نازل کئے جانے پر ہمارا ایمان
ہے اور جس چیز کی حرمت پر ہم یہ گواہی نہیں دے سکتے

هوالشراب الذی لیس بخمر فما کان من خمر فقلیله وکثیره حرام وماکان مما سوی ذٰلك من الاشربة فالسکر منه حرام وماسوی ذٰلك منه مباح هذا هوالنظر عندنا وهوقول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم الله تعالٰی غیرنقیع الزبیب والتمر خاصة فانهم کرهوا ولیس ذٰلك عندنا فی النظر کما قالوا، ولکن اصحابنا خالفوا ذٰلك للتاویل الذی تاولوا علیه حدیث ابی هریرة وانس الذین ذکرنا وشیئ رووہ عن سعید بن جبیر انه قال فی ذٰلك هی الخمر فاجتنبها۔[1]

کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ خمر کے علاوہ دوسری شرابیں ہیں، چنانچہ جو خمر ہے اس کا قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور جو اس کے ماسوا دیگر شرابیں ہیں ان میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے باقی مباح ہے ہمارے نزدیک یہی قیاس ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، جبکہ کشمش اور کھجور کے رس کو انھوں نے مکروہ قرار دیا اور ہمارے نزدیک قیاس میں ایسا نہیں جیسا کہ انھوں نے کہا (اس لئے کہ جو بات ہم متفق علیہ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ رس چاہے کچا ہو یا پکا دونوں صورتوں میں برابر ہے اور پکانے سے وہ حلال نہیں ہوسکتا جبکہ وہ پکانے سے پہلے حلال نہیں تھا البتہ ایسا پکانا جو اس کو رس کی حد سے نکال دے اور وہ شہد کی تعریف میں داخل ہوجائے تو اب اس کا حکم وہی ہوگا جو شہد کا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ کشمش اور کھجور کا پکا ہوا رس بالاتفاق مباح ہے۔ اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی حکم ایسا ہی ہو لہٰذا کھجور اور انگور کا نبیذ اور پکا ہوا رس برابر ہوگئے جس طرح انگور کا کچا رس اور اس کا پکایا ہوا برابر ہے یہی قیاس ہے) لیکن ہمارے اصحاب نے اس میں اختلاف کیا اس تاویل کی بنیاد پر جو انھوں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں بیان کی جن کو ہم ذکر کرچکے اور اس حدیث کی بنیاد پر بھی جو انھوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ خمر ہے لہٰذا اس سے بچو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

حدثنا فهد (فذکر بسنده) عن عمر رضی الله تعالٰی عنه انه

فہد نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں حدیث بیان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں تھے کہ

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب الخمر المحرمۃ ماھی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۵۷-۲۵۶

كان فى سفر فاتى بنبيذ فشرب منه فقطب ثم قال ان نبيذ الطائف له غرام فذكر شدة لا احفظها ثم دعا بماء فصب عليه ثم شرب ـ حدثنا ابوبكرة (بسنده) عن عمرو بن ميمون قال شهدت عمر حين طعن فجاءه الطبيب فقال اى الشراب احب اليك قال النبيذ فاتى بنبيذ فشرب منه فخرج من احدى طعنتيه۔ حدثنا روح بن الفرج (بسنده) عن عمرو بن ميمون مثله وزاد ان عمر كان يقول انا نشرب من هذا النبيذ شرابا يقطع لحوم الابل فى بطوننا من ان يؤذينا قال وشربت من نبيذه فكان اشد النبيذ[1] قلت ورواه ابن ابى شيبة حدثنا ابو الاحوص عن ابى اسحق عن عمرو بن ميمون قال قال عمر انا لنشرب هذا

آپ کی خدمت میں نبیذ لائی گئی جسے آپ نے پیا پھر ماتھے پر شکن ڈالا اور فرمایا طائف کی نبیذ میں ہلاکت ہے، اور اس کی شدت کا ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں۔ اس کے بعد پانی منگوا کر اس پر ڈالا پھر نوش فرمایا۔ حضرت ابوبکرہ اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ کو نیزہ چبھو کر زخمی کر دیا گیا تھا آپ کے پاس طبیب آیا اور کہا کہ آپ کو کونسا مشروب زیادہ پسند ہے، آپ نے فرمایا نبیذ۔ چنانچہ نبیذ لائی گئی تو آپ نے اسکو پیا جو آپ کے دو زخموں میں سے ایک سے باہر نکل گئی۔ روح بن فرج نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے اسی کی مثل روایت کی مگر اس میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمرو بن میمون نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے تھے ہم اس نبیذ سے ایسا مشروب پیتے ہیں جو ہمارے پیٹوں میں اونٹ کے گوشت کو نقصان دینے سے روکتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے ان کے نبیذ سے پیا جو سخت ترین نبیذ تھا۔ میں کہتا ہوں اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی انھوں نے ابو اسحاق سے انھوں نے عمرو بن میمون سے انھوں نے کہا کہ حضرت عمر

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۵۹

الشراب الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینا فمن رابه من شرابه شئ فلیمزجه بالماء، حدثنا وکیع ثنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم حدثنی عتبة بن فرقد قال قدمت علی عمر فدعا بشرب من نبیذ قد کادان یصیر خلا فقال اشرب فاخذته فشربته فماکدت ان اسیغه ثم اخذه فشربه ثم قال یا عتبة انا نشرب ھذا النبیذ الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینا[1] قلت و اسمٰعیل ھذا ھو الامام الحافظ المتفق علی جلالته احمسی کوفی، ثقة، ثبت، من رجال الستة وحفاظ التابعین وقیس من لایجھل امام ثقة حافظ جلیل مخضرم کوفی من رجال الستة و اکابر التابعین وعتبة بن فرقد رضی اللہ تعالٰی عنه صحابی نزل الکوفة فالحدیث صحیح علی شرط الشیخین مسلسل بالکوفیین من لدن ابی بکر الی اٰخر السند۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ بیشک ہم یہ سخت شراب اس لئے پیتے ہیں تاکہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی اذیت کو ختم کرے جس شخص کو اس شخص کی شراب شک میں ڈالے تو وہ اس میں پانی ملالے۔

ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے حدیث بیان کی انھوں نے کہا کہ مجھے عتبہ بن فرقد نے بتایا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے نبیذ کا مشروب منگوایا جو سرکہ ہونے کے قریب تھا اور فرمایا پیو، میں نے اس کو لے کر پیا تو مجھے کچھ خوشگوار نہ لگا، پھر آپ نے اسکو لے کر پیا اور فرمایا اے عتبہ! ہم یہ سخت نبیذ اس لئے پیتے ہیں کہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی ایذا رسانی کو ختم کرے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اسمٰعیل وہی ہیں جو امام حافظ ہیں ان کی بزرگی پر اتفاق ہے احمسی، کوفی، ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور حفاظ تابعین میں سے ہیں۔ اور قیس مجہول نہیں وہ امام، ثقہ، حافظِ جلیل، مخضرم، کوفی، صحاح ستہ کے رجال اور اکابر تابعین میں سے ہیں۔

اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں جو کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، پس حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے جس کے راوی ابوبکر سے لے کر آخر سند تک مسلسل کوفی ہیں۔ ہمیں روح نے اپنی سند کے

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۳۹۲۷ و ۳۹۲۸ الجزء الثامن مع الجزء السابع ۱۴۲، ۱۴۳

حدثنا روح (بسنده) عن سعيد بن ذي لعوۃ قال اتی عمر برجل سکران فجلده فقال انما شربت من شرابك فقال وان کان[1]۔ حدثنا فهد (بسنده) عن سعيد بن ذي حُدّان او ابن ذي لعوة قال جاء رجل قد ظمئ الی خازن عمر فاستسقاه فلم يسقه فاتی بسطيحة لعمر فشرب منها فسكر فاتی به عمر فاعتذر اليه فقال انما شربت من سطيحتك فقال عمر انما اضربك على السكر فضربه عمر[1]، **قلت** ورواه الدارقطني في سننه عن طريق سعيد بن ذي لعوة ايضا ان اعرابيا شرب من اداوة عمر نبيذا فسكر به فضربه الحد[2] فقال الاعرابي انما شربته من اداوتك فقال عمر رضي الله تعالیٰ عنه انما جلدناك بالسكر[3]۔ وروی ابوبكر بن ابي شيبة

ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک نشے والا شخص لایا گیا آپ نے اسے کوڑے لگائے اس نے کہا میں نے آپ کی شراب میں سے ہی پیا ہے تو آپ نے فرمایا اگرچہ ایسا ہو۔ ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ ایک شخص پیاسا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن کے پاس آیا اور پانی مانگا تو اس نے پانی نہ پلایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک مشکیزہ لایا گیا اس شخص نے اس میں سے پی لیا تو اُسے نشہ آگیا اس کو حضرت عمر فاروق کے پاس لایا گیا آپ نے اس سے عذر طلب کیا اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کے مشکیزہ سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نشہ کی وجہ سے تجھے کوڑے لگاؤں گا، پھر آپ نے اسے کوڑے لگائے۔ میں کہتا ہوں اس کو دارقطنی نے اپنی سُنن میں سعید بن ذی لعوۃ کے طریق سے بھی روایت کیا کہ بیشک ایک اعرابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برتن سے نبیذ پیا تو اس کو نشہ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر حد جاری فرمائی، اعرابی نے کہا میں نے تو آپ کے برتن سے پیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۵۹
[2] سنن الدارقطنی 〃 〃 حدیث ۵، دار المحاسن للطباعۃ القاہرۃ الجزء الرابع ص ۲۶۰
[3] التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی بحوالہ العقیلی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

فی مصنفه حدثنا علی بن مسهر عن الشیبانی عن حسان بن مخارق قال بلغنی ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه سایر رجلا فی سفر وکان صائما فلما افطر اهوی الی قربة لعمر معلقة فیها نبیذ فشرب منها فسکر فضربه عمر الحد فقال له انما شربت من قربتك فقال له عمر انما جلدناك لسکرك[1]

قلت وهذا امثل طرقه وما یخشی فی البلاغ من الانقطاع فلا یضر عندنا و عند الجمهور القابلین للمراسیل - وروی عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج عن اسمعیل ان رجلا عب فی شراب نبیذ لعمر بن الخطاب بطریق المدینة فسکر فترکه عمر (رضی الله تعالیٰ عنه) حتی افاق فحده[2] فقال الطحاوی حدثنا

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں روایت فرمایا کہ ہمیں علی بن مُسہر نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ روزہ دار تھا جب اس نے افطار کیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مشکیزہ کی طرف مائل ہوا جو لٹکا ہُوا تھا اور اس میں نبیذ تھا اس نے پیا جس سے اسے نشہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد لگائی تو اس نے کہا میں نے تو آپ کے مشکیزہ سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے تیرے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے۔ میں کہتا ہوں یہ اس حدیث کے طُرق میں سے عُمدہ ترین ہے اور اس میں جو انقطاع کا خدشہ ہے وہ ہمیں نقصان نہیں دیتا اور نہ جمہور کو جو مرسل حدیثوں کو قبول کرتے ہیں۔ عبدالرزاق نے روایت کیا کہ ہمیں ابن جریج نے اسمٰعیل سے خبر دی کہ ایک شخص نے مدینہ کے راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نبیذ کو ایک ہی سانس میں پیا تو اسے نشہ ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے کچھ دیر چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اسے افاقہ ہوا پھر اسے حد ماری۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ

---

[1] المصنف لابن ابی شیبة کتاب الحدود النبیذ من رأی فیه حدًا حدیث ۲۸۳۵۰ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۵۴۴

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربة حدیث ۱۷۰۱۵ المجلس العلمی ۹/ ۲۲۴

فھد (بسندہ) عن ابن عمر قال اتی (یعنی امیرالمومنین) بنبیذ قد اخلف واشتد فشرب منہ ثم قال ان ھذا لشدید ثم امر بماء فصب علیہ ثم شرب ھو واصحابہ، حدثنا محمد بن خزیمۃ (بسندہ) عن ابن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) ان عمر انتبذ لہ فی مزادۃ فیھا خمسۃ عشر او ستۃ عشر فاتاہ فذاقہ فوجدہ حلوا فقال کانکم اقللتم عکرہ[عہ] حدثنا ابن ابی داؤد

ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں نبیذ لایا گیا جو متغیر اور سخت ہوچکا تھا آپ نے اس میں سے پیا پھر فرمایا بیشک یہ سخت ہے، پھر پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر پانی ڈالا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس کو پی لیا۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک مشکیزے (توشہ دان) میں جو کہ پندرہ سولہ رطل کے برابر تھا نبیذ بنایا گیا آپ تشریف لائے اُسے چکھا اور میٹھا پایا تو فرمایا گویا کہ تم نے اس کا تلچھٹ کم کردیا ہے۔ ہمیں ابن ابی داؤد

عہ عکر النبیذ العتیق اذا اضیف الی الجدید عجل اشتدادہ و ھذا معنی ماروی النسائی فی سننہ عن سعید بن المسیب انہ کان یکرہ کل شیئ ینبذ علی عسکر وایضا عنہ انہ قال فی النبیذ خمرۃ دُردیۃ[۱] اراد جعلہ عکرہ مسکرا فکأن امیرالمؤمنین انکر علیھم تقلیل العسکر حتی بقی الی الاٰن حلوا ولم یشتد واللہ تعالٰی اعلم قالہ الفقیر المجیب غفراللہ تعالٰی منہ ۱۲ منہ

عہ "عکر النبیذ" پرانا نبیذ جو تازہ نبیذ کے ساتھ ملانے سے جلد تیزی حاصل کرتا ہے۔ نسائی کی اپنی سنن میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ وُہ پرانے نبیذ میں ملائے ہوئے ہر نبیذ کو ناپسند کرتے تھے نیز ان سے نبیذ کے متعلق یہ روایت کہ اس کو پرانے نبیذ نے نشہ آور بنا دیا، کا معنی یہی ہے، گویا امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے قلیل پرانے نبیذ میں ملاوٹ کو ناپسند فرمایا کہ اس وجہ سے ابھی تک وہ میٹھا ہے اور شدید نہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ مجیب غفراللہ تعالٰی کا بیان ہے ۱۲ منہ۔ (ت)۔

---

[۱] سنن النسائی ذکر ما یجوز شربہ من الانبذۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

(یبلغہ الی) عبد الرحمٰن بن عثمٰن قال صحبت عمر بن الخطاب الی مکۃ فاھدی لہ رکب من ثقیف سطیحتین من نبیذ فشرب عمر احدٰھما ولم یشرب الاخری حتی اشتد ما فیہ فذھب عمر فشرب منہ فوجدہ قد اشتد فقال اکسروہ بالماء[1]، قلت ورواہ عبد الرزاق قال الطحاوی فلما ثبت بما ذکرنا عن عمر اباحۃ قلیل النبیذ الشدید وقد سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام کان ما فعلہ دلیلاً ان ماحرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النبیذ الشدید ھو السکر منہ لا غیر فاما ان یکون سمع ذٰلک من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قولا اورأہ رأیا فرأیہ عندنا حجۃ ولا سیما اذا کان فعلہ المذکور بحضرۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نے حدیث بیان کی کہ عبد الرحمٰن بن عثمان نے کہا کہ میں نے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کے دوران حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحبت اختیار کی قبیلہ بنی ثقیف کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں نبیذ کے دو مشکیزے بطور ہدیہ پیش کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُن میں سے ایک پی لیا اور دوسرے کو نہیں پیا یہاں تک کہ اس میں شدت آگئی پھر جب آپ نے اس کو پیا تو اس کو شدید پایا اور فرمایا پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔ میں کہتا ہوں اس کو عبد الرزاق نے روایت کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ان واقعات مذکورہ سے جب نبیذ شدید کی قلیل مقدار کا مباح ہونا ثابت ہوگیا حالانکہ انھوں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل اس بات کی دلیل ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نبیذ شدید سے جو حرام فرمایا وہ نشہ آور مقدار ہے نہ کہ اس کا غیر چاہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہو یا اُن کی اپنی یہ رائے ہو کیونکہ ہمارے نزدیک ان کی رائے حجت ہے خصوصاً جب کہ آپ کا یہ فعل مذکور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی موجودگی میں واقع

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۵۹

فلم ينكره عليه منهم منكر فدل
على متابعتهم اياه عليه وهذا
عبد الله بن عمر وهو احد النفر
الذين رووا عنه عن النبي
صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كل
مسكر حرام قد روى عنه عن
النبي صلى الله تعالىٰ عليه
وسلم ما حدثنا ابو امية البغدادي
ثنا ابو نعيم ثنا عبد السلام
عن ليث عن عبد الملك بن اخي
القعقاع بن شوذب عن ابن عمر قال
شهدت رسول الله صلى الله تعالىٰ
عليه وسلم اتى بشراب فادناه
الى فيه فقطب فرده فقال رجل
يارسول الله احرام هو فرد الشراب ثم
عاد بماء فصبه عليه ذكر مرتين
اوثلثا ثم قال اذا اغتلمت
هذه الاسقية عليكم فاكسروا
متونها بالماء[1]، قلت ورواه
النسائي في سننه بسندين بمعناه
احدهما اخبرنا زياد بن ايوب
ثنا هشيم اخبرنا العوام
عن عبد الملك بن نافع

ہوا اور ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو اُن سب کا
جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متابعت
کرنا اُن کے اس فعل کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت
عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں میں سے
ہیں جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
سے یہ حدیث روایت کی کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔
انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہ
حدیث روایت کی جو ہمیں ابو امیہ بغدادی نے اپنی سند
کے ساتھ بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے فرمایا میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس شراب لائی گئی
آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا پھر ماتھے
پر شکن ڈالی اور اس کو رد فرمادیا، ایک شخص نے
عرض کی یارسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیک وسلم
کیا یہ حرام ہے؟ تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے پھر وہ شراب لوٹائی اور اس میں پانی ڈالا
اس کا دو تین بار ذکر کیا پھر فرمایا جب یہ مشکیزے
تم پر سخت ہوجائیں تو پانی کے ساتھ ان کی تیزی کو
توڑ دیا کرو۔ میں کہتا ہوں اس کو امام نسائی نے
اس کے معنیٰ کے ساتھ دو سندوں سے روایت
فرمایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں زیاد بن ایوب
نے خبر دی انھوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی
ہشیم نے انھوں نے کہا ہمیں عوام نے عبد الملک

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹-۶۰

قال قال ابن عمر[1] والأخر اخبرني زیاد بن ایوب عن ابی معٰویة ثنا ابواسحٰق الشیبانی عن عبدالملك[2] الخ قال الطحاوی حدثنا وھب بن عثمان البغدادی ثنا ابوھمام ثنی یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ عن اسمٰعیل بن ابی خالد ثنا قرۃ العجلی ثنی عبدالملك ابن اخی القعقاع عن ابن عمر مثله[3] قلت بھٰذا السند رواہ ابن ابی شیبة فی مصنفه فقال حدثنا وکیع عن اسمٰعیل بن ابی خالد[4] الخ بنحوہ قال الطحاوی حدثنا محمد بن عمرو بن یونس ثنی اسباط بن محمد عن الشیبانی عن عبدالملك بن نافع قال سألت ابن عمر فقلت ان اھلنا ینبذون نبیذا فی سقاء لو نھکته لاخذنی فقال ابن عمر انما البغی علی من اراد البغی شھدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم عند ھذا الرکن واتاہ رجل بقدح من نبیذ ثم ذکر مثل حدیث ابی امیة غیر انه

بن نافع سے خبر دی اُنھوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا، اور دوسری سند یہ ہے کہ مجھے زیاد بن ایوب نے ابومعاویہ سے خبر دی انھوں نے کہا ہمیں ابواسحاق شیبانی نے عبدالملک سے حدیث بیان کی الخ امام طحاوی نے فرمایا ہمیں وہب بن عثمان بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی مثل حدیث بیان کی۔ میں کہتا ہوں اسی سند کے ساتھ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنَّف میں روایت فرمایا اور کہا ہمیں وکیع نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے بیان کی الخ۔ امام طحاوی نے فرمایا ہمیں محمد بن عمرو بن یونس نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ عبدالملک بن نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے گھر والے مشکیزے میں نبیذ بناتے ہیں اگر میں اس کو زیادہ پی لوں تو وہ میرے اندر نشہ پیدا کرتی ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا گناہ اس پر ہے جو گناہ کا ارادہ کرے میں اس رکن کے پاس رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس ایک شخص نبیذ کا پیالہ لایا پھر ابن عمر نے حدیث ابن اُمیہ کی مثل ذکر فرمایا سوائے اس کے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بہا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۲۳۲
[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۲۳۲
[3] شرح معانی الآثار 〃 باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۶۰
[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۲۶۲ ادارۃ القرآن کراچی ۸/۳۹

قال فاکسروھا بالماء ففی ھذا اباحۃ قلیل النبیذ الشدید و اولی الاشیاء بنا اذکان قد روی عنہ ھذا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و روی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر حرام ان نجعل کل واحد من القولین علی معنی غیر معنی الاٰخر فیکون قولہ کل مسکر حرام علی المقدار الذی یسکر والحدیث الاٰخر علی اباحۃ قلیل النبیذ الشدید، اخبرنا فھد بن محمد بن سعید ثنا یحیٰی بن الیمان عن سفیٰن عن منصور عن خالد بن سعد عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عطش النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حول الکعبۃ فاستسقی فاتی نبیذ من نبیذ السقایۃ فشمہ فقطب فصب علیہ من ماء زمزم ثم شرب فقال رجل احرام ھو فقال لا[1] **قلت** و رواہ النسائی بھذا السند نحوہ فقال اخبرنا الحسن بن اسمٰعیل بن سلیمٰن اخبرنا یحیٰی بن یمان[2] الخ

کہ فرمایا اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑو۔ اس حدیث میں تیز نبیذ کی قلیل مقدار کی اباحت ہے، جب ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی تو انہی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے' تو ہمارے لئے اولٰی یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کو دوسری کے مفہوم کے غیر پر محمول کریں، چنانچہ آپ کا یہ ارشاد کہ "ہر نشہ آور حرام ہے" اس مقدار پر محمول ہوگا جو نشہ دیتی ہے اور دوسری حدیث نبیذ شدید کی قلیل مقدار کے مباح ہونے پر محمول ہوگی۔ ہمیں فہد بن محمد نے اپنی سند کے ساتھ ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خبر دی انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کعبہ شریف کے پاس پیاس لگی تو آپ نے پانی مانگا چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک مشکیزے سے نبیذ لائی گئی آپ نے سونگھا اور تیوری چڑھائی پھر اس پر زمزم کا پانی ڈالا پھر نوش فرمایا تو ایک شخص نے کہا کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس کو امام نسائی نے اسی سند کے ساتھ بیان فرمایا اور کہا کہ ہمیں حسن بن اسمٰعیل بن سلیمان نے خبر دی انہوں نے کہا کہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے خبر دی الخ

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۶۰

[2] سنن النسائی " ذکر اخبار التی اعتل بہا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۲۳

ورواه الدارقطنی حدثنا احمد بن عبداللہ الوکیل ثنا علی بن حرب ثنا یحیٰی بن الیمان[1] الخ ورواہ عبدالرزاق عن مجاھد مرسلا قال عمد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی السقایۃ سقایۃ زمزم فشرب من النبیذ فشد وجھہ ثم امر بہ فکسر بالماء ثم شربہ فشد وجھہ ثم امر بہ الثالثۃ فکسر بالماء ثم شرب[2]۔

قال الطحاوی حدثنا علی بن معبد ثنا یونس ثنا شریك عن ابن اسحٰق عن ابی بردۃ عن ابی موسٰی عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا ومعاذا الی الیمن فقلنا یا رسول اللہ ان بھا شرابین یصنعان من البر والشعیر احدھما یقال لہ المزر والاٰخر یقال لہ البتع فما نشرب فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ ہمیں احمد بن عبداللہ الوکیل نے حدیث بیان کی اور انھوں نے کہا کہ ہمیں علی بن حرب نے اور انھوں نے کہا کہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے حدیث بیان کی الخ اور اس کو عبدالرزاق نے مجاہد سے مرسلاً روایت کیا انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم زمزم کے مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے نبیذ نوش فرمایا پھر مشکیزے کا منہ مضبوطی سے باندھ دیا پھر آپ نے حکم دیا تو پانی کے ساتھ اس کی تیزی کو توڑا گیا پھر آپ نے اس کو نوش فرمایا اور مشکیزے کا منہ مضبوطی سے باندھ دیا، پھر تیسری مرتبہ حکم فرمایا اور اس کی تیزی کو پانی سے توڑا گیا پھر آپ نے نوش فرمایا۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ ہمیں علی بن معبد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی انھوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا ہم نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم وہاں دو شرابیں ہیں جو گندم اور جَو سے بنائی جاتی ہیں ان میں سے ایک کو مزر اور دوسری کو بتع کہا جاتا ہے تو کیا ہم اسے پئیں؟ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربہ حدیث ۸۵ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرہ ۴/ ۲۶۳

[2] المصنف لعبدالرزاق " حدیث ۱۷۰۲۱ المجلس العلمی ۹/ ۲۲۶

اشربوا ولا تسكروا فدل ذالك ان
ما ذكره ابوموسى عن رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم من قوله
كل مسكر حرام انما هو على المقدار الذى
يسكر لا على العين التى كثيرها
يسكر وقد روينا حديث ابى سلمة عن
عائشة رضى الله تعالى عنها فى
جواب النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم للذى ساله عن
البتع بقوله كل شراب اسكر فهو
حرام فان جعلنا ذلك على
قليل الشراب الذى يسكر
كثيره ضاد جواب النبى صلى الله
تعالى عليه وسلم لمعاذ و
ابى موسى الاشعرى رضى الله تعالى
عنهما وان جعلناه على تحريم
السكر خاصة وافق حديث ابى موسى
واولى الاشياء بنا حمل الآثار على
الوجه الذى لا تضاد، حدثنا ابن مرزوق
(بسنده) عن شماس قال قال عبد الله
(يعنى ابن مسعود) رضى الله تعالى
عنه ان القوم يجلسون على
الشراب وهو يحل لهم فما يزالون
حتى يحرم عليهم - حدثنا محمد
بن خزيمة (بسنده)

"پیو اور نشہ میں مت آؤ" یہ حدیث دلیل ہے کہ
ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو حدیث ذکر فرمائی کہ
"ہر نشہ آور حرام ہے" وہ نشہ آور مقدار پر محمول ہے
نہ کہ اس شئی کے عین پر جس کا کثیر نشہ آور ہے
اور ہم حدیث ابی سلمہ بحوالہ ام المومنین سیدہ
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کر چکے
ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
اس جواب کے بارے میں ہے جو بتع سے متعلق
سوال کرنے والے شخص کو آپ نے دیا وہ یہ کہ
"ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے" اگر اس حدیث
کو ہم اس شراب کے قلیل پر محمول کریں جس کا کثیر
نشہ دیتا ہے تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کے اس جواب کے خلاف ہے جو آپ نے
حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ
عنہما کو دیا۔ اور اگر اس کو ہم خاص نشہ کی حرمت
پر محمول کریں تو یہ حدیث ابوموسیٰ کے موافق ہو جاتا
ہے اور ہمارے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ہم تمام
آثار کو ایسے معنیٰ پر محمول کریں کہ ان میں باہمی تضاد
نہ رہے۔ ہمیں ابن مرزوق نے اپنی سند کے
ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ قوم شراب نوشی
کے لئے بیٹھتی جب وہ ان کے لئے حلال تھا
وہ ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے لئے
حرام ہو گیا۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے

عن علقمة بن قيس انه اكل مع
عبدالله بن مسعود خبزا ولحما
قال فاتينا بنبيذ شديد نبذته
سيرين فی جرة خضراء فشربوا
منه ، حدثنا ابن داؤد (لسنده)
عن علقمة قال سألت ابن مسعود
عن قول رسول الله صلی الله
تعالٰی علیه وسلم فی المسکر
قال الشربة الاخيرة - حدثنا
ابوبکرة ثنا ابواحمد الزبيری ثنا
سفين عن علی بن بذيمة عن قيس
بن حبتر قال سألت ابن عباس عن
الجر الاخضر و الجر الاحمر
فقال ان اول من سأل النبی
صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن
ذٰلك وفد عبد القيس فقال لا تشربوا
لا فی الدباء ولا فی المزفت و
لا فی النقير واشربوا فی الاسقية
فقالوا یا رسول الله فان
اشتد فی الاسقية قال
صبوا علیه من الماء
وقال لهم فی الثالثة
اوالرابعة فاهريقوه - حدثنا محمد
بن خزيمة ثنا عبد الله بن رجاء ثنا اسرائيل
عن علی بن بذيمة عن قيس بن حتر

ساتھ حضرت علقمہ بن قیس سے حدیث بیان کی کہ
انھوں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ
کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا انھوں نے کہا
پھر ہمارے پاس تیز نبیذ لایا گیا جس کو سیرین نے
سبز گھڑے میں تیار کیا انھوں نے اسے پیا - ہمیں
ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علقمہ
سے حدیث بیان کی انھوں نے کہا کہ میں نے
ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مُسکر کے بارے
میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے
قول سے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ آخری
گھونٹ ہے - ہمیں ابوبکرہ نے اپنی سند کے ساتھ
قیس بن حبتر سے حدیث بیان کی انھوں نے کہا کہ
میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبز
اور سُرخ گھڑوں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں
نے فرمایا سب سے پہلے اس بارے میں رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے وفد عبدالقیس
نے سوال کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
نے فرمایا: "دباء، مزفت اور نقیر میں مت پیو
اور مشکیزوں میں پیو" انھوں نے عرض کی
یارسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اگر مشکیزوں
میں وہ تیز ہوجائے تو آپ نے فرمایا "اس پر
پانی ڈال دو" اور آپ نے انھیں تیسری یا
چوتھی مرتبہ فرمایا کہ "اسے انڈیل دو" ہمیں محمد
بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ اسی کی مثل
حدیث بیان کی - **قلت** (میں کہتا ہوں) اسکو

عن ابن عباس مثل ذٰلک[1] قلت و رواہ ابوداؤد[2] فی سننہ، حدثنا محمد بن بشار ثنا ابواحمد الٰی اٰخرہ سندا و متنا نحوہ و زاد ثم قال ان اللہ حرم علی او حرم الخمر والمیسر والکوبۃ قال وکل مسکر حرام قال سفیٰن فسألت علی بن بذیمۃ عن الکوبۃ قال الطبل، و رواہ عبدالرزاق[3] عن ابی سعید قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال جاء کم وفد عبدالقیس الحدیث بطولہ وفیہ فان رابکم فاکسروہ بالماء اھ ولیس فیہ ما بعدہ، قال الطحاوی ففی ھذا الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اباح لھم ان یشربوا من نبیذ الاسقیۃ وان اشتد فان قال قائل فان فی امرہ باھراقہ دلیلا علی نسخ الاباحۃ قیل لھم کیف یکون

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن بشار نے ابواحمد سے حدیث بیان کی الخ جو کہ سند اور متن دونوں کے اعتبار سے اس کی مثل ہے اور اس میں یہ زائد ہے پھر فرمایا کہ بیشک اللہ نے مجھ پر حرام کیا یا یوں فرمایا کہ خمر، جُوا اور کُوبہ حرام کردئے گئے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ سفیان نے کہا کہ میں نے علی بن بذیمہ سے کُوبہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ طبل (ڈھول)، اور اس کو عبدالرزاق نے ابوسعید سے روایت کیا ابوسعید نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس وفدِ عبدالقیس آیا ہے (طویل حدیث ذکر کی) اور اس حدیث میں ہے کہ اگر تمھیں وہ (نبیذ) شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو الخ اور اس میں حدیث کا بعد والا حصہ نہیں ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے لئے مشکیزوں کی نبیذ کو پینا مباح فرمایا اگرچہ اس میں تیزی آئے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس کو انڈیلنے کا حکم دیا یہ اباحت کے نسخ کی دلیل ہے اس کو کہا جائے گا یہ کیسے

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۰-۳۶۱

[2] سنن ابی داؤد 〃 باب فی الاوعیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۴

[3] المصنف لعبدالرزاق 〃 حدیث ۱۶۹۳۰ المجلس العلمی ۹/ ۲۰۱-۲۰۲

10

ذالك وقد روى عن ابن عباس من
كلامه بعد رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم حرمت الخمر لعينها
والسكر من كل شراب وقد ذكرنا
ذالك باسناده وكيف يجوز على
ابن عباس مع علمه وفضله ان
يكون قد روى عن النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم مايوجب تحريم النبيذ
الشديد ثم يقول حرمت الخمر لعينها
والسكر من كل شراب ولكن معنى
حديث قيس انه لم يأمنهم عليه
ان يشرعوا فی شربه فيسكروا
فامرهم باهراقه ذالك وقد روی
فی مثل ماهذا ما حدثنا محمد بن
خزيمة ثنا عثمٰن بن الهيثم بن الجهم
المؤذن ثنا عوف بن ابی جميلة ثنی ابو القموص
زيد بن علی عن احد وفد عبد القيس اويكون
قيس بن النعمان فانی قد نسيت اسمه انهم
سألوه صلی الله تعالی عليه وسلم عن الاشربة
فقال لا تشربوا فی الدباء ولا فی النقير واشربوا
فی السقاء الحلال الموكأ عليه عليها فان
اشتد منه فاكسروه بالماء فان
اعياكم فاهريقوه
حدثنا ربيع المؤذن ثنا
اسد بن موسی ثنا مسلم بن خالد ثنی زيد

ہو سکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے اس ارشاد کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ
عنہما کا یہ کلام مروی ہے کہ خمر لعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب
میں سے نشہ کی مقدار حرام کی گئی، ہم اس حدیث کو
اس کے اسناد کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں، اور ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اپنے علم وفضل کے باوجود
یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے وہ حدیث روایت کریں جو نبیذ شدید کی حرمت کو
ثابت کرے اور پھر یہ فرمائیں کہ خمر تو لعینہٖ حرام ہے جبکہ
باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے لیکن
حدیث قیس کا معنیٰ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو یہ ڈر ہوا کہ وہ اس کو پی کر نشہ میں آئیں گے لہذا
اس کو انڈیل دینے کا انھیں حکم دیا، اور اسی کی مثل
مروی ہے اس حدیث میں جو ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی
سند کے ساتھ وفد عبد القیس میں شریک ایک شخص
سے حدیث بیان کی یا وہ راوی قیس بن نعمان تھا، راوی
کہتا ہے مجھے اس کا نام بھول گیا ہے کہ وفدِ
عبد القیس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
شرابوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ
کدو اور کھرچی ہوئی لکڑی میں مت پیو اور ایسے
مشکیزوں میں پیو جن کے منہ باندھے گئے ہوں اگر
اس نبیذ میں شدت آجائے تو پانی سے اس کی شدت
توڑو اگر وہ تمہیں عاجز کردے تو پھر اسے انڈیل دو۔
ہمیں ربیع المؤذن نے اپنی سند کے ساتھ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حدیث بیان کی

بن اسلم عن سمی عن ابی صالح عن
ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اذا دخل احدکم علی اخیہ المسلم
فاطعمہ طعاما فلیاکل من طعامہ
ولایسأل عنہ فان اسقاہ شرابا فلیشرب
منہ ولایسأل عنہ فان خشی منہ
فلیکسرہ بشیئ ففی ھذا الحدیث اباحۃ
شرب النبیذ فان قال قائل انما
اباحہ بعد کسرہ بالماء وذھاب
شدتہ قیل لہ ھذا کلام فاسد لانہ لوکان
فی حال شدتہ حراما لکان لایحل
وان ذھبت شدتہ بصب الماء
علیہ الاتری ان خمرا لو صب فیھا ماء
حتی غلب الماء علیھا ان ذالک حرام
فلما کان قد ابیح فی ھذا الحدیث
الشراب الشدید اذا کسر بالماء ثبت
بذلک انہ قبل ان یکسر بالماء غیر حرام فثبت
بما رویناہ فی ھذا الباب اباحۃ ما لا یکسر من
النبیذ الشدید وھو قول ابی حنیفۃ
وابی یوسف ومحمد رحمھم
اللہ تعالٰی [1]

انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے مسلمان بھائی
کے ہاں جائے تو وہ اس کو کھانا کھلائے اس کو
چاہئے کہ وُہ کھانا کھالے مگر اس سے کھانے کا سوال
نہ کرے اور اگر وہ اس مشروب سے نشہ کا ڈر محسوس
کرے تو پانی وغیرہ سے اس کی تیزی کو توڑ دے،
اس حدیث میں نبیذ کی اباحت کا ثبوت ہے، اگر
کوئی شخص کہے کہ پانی کے ساتھ اس کی سختی ختم
کرنے کے بعد اُسے مباح قرار دیا گیا ہے جبکہ اسکی
شدّت ختم ہوجاتی ہے تو اس کو کہا جائے گا کہ تیرا یہ
کلام فاسد ہے اس لئے کہ اگر وہ شدّت کی حالت
میں حرام ہو تو وہ حلال نہیں ہوسکتی اگرچہ پانی انڈیلنے
کے ساتھ اس کی شدت ختم ہوجائے، کیا تم نہیں
دیکھتے کہ اگر خمر میں اس قدر پانی ملایا جائے کہ وہ
اس پر غالب آجائے تو وہ حرام ہی رہے گا،
اس حدیث میں جب تیز شراب (نبیذ) کو مباح
قرار دیا گیا ہے جب پانی کے ساتھ اس کی شدت
ختم کردی جائے، اس سے ثابت ہوگیا کہ پانی
انڈیل کر تیزی ختم کرنے سے پہلے وہ حرام نہیں تھی
لہذا جو کچھ ہم نے اس باب میں روایت کیا اس سے
تیز نبیذ کا مباح ہونا ثابت ہوگیا جبکہ وہ نشہ نہ دے،
اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور
امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کا۔ (ت)

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱-۶۲

زیادۃ احادیث (مزید حدیثیں): سنن نسائی شریف میں ہے:

اخبرنا سوید قال اخبرنا عبد اللہ عن السری بن یحییٰ ثنی ابو حفص امام لنا و کان من اسنان الحسن عن ابی رافع ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ قال اذا خشیتم من نبیذ شدتہ فاکسروہ بالماء قال عبد اللہ بن قبل ان یشتد اخبرنا زکریا بن یحییٰ (بسندہ) عن سعید بن المسیب یقول تلقت ثقیف عمر بشراب فدعا بہ فلما قربہ الی فیہ کرھہ فدعا بہ فکسرہ بالماء فقال ھکذا فافعلوا[1] قلت و رواہ عبد الرزاق والبیھقی۔

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ابو رافع سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تمھیں نبیذ کی تیزی کا ڈر ہو تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دیا کرو۔ عبد اللہ نے فرمایا کہ تیزی آنے سے پہلے ایسا کرو۔ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ قبیلہ بنی ثقیف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مشروب پیش کیا، آپ نے اس کو طلب فرمایا جب اپنے منہ کے قریب کیا تو وہ اچھا نہ لگا، پھر اس کو منگوایا اور پانی کے ساتھ اس کی تیزی کو کم کرکے فرمایا: ایسا ہی کیا کرو۔ میں کہتا ہوں اس کو عبد الرزاق اور بیہقی نے روایت کیا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عن ابن سیرین قال بعہ عصیرا ممن یتخذہ طلاء ولا یتخذہ خمرا[2] عن سوید بن غفلۃ قال کتب عمر بن الخطاب الی بعض عمالہ ان ارزق المسلمین من الطلاء ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ[3] و رواہ عبد الرزاق و ابو نعیم

ابن سیرین نے کہا کہ انگور کا شیرہ اس کے ہاتھ بیچو جو اس سے طلاء بناتا ہے اس کے ہاتھ مت بیچو جو خمر بناتا ہے۔ سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا مسلمانوں کو ایسا طلاء پینے دیجئے جس کا دو ثلث جل کر خشک ہو جائے اور ایک تہائی رہ جائے۔ اس کو عبد الرزاق اور ابو نعیم

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بہا من اباح الخ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۳

[2] " " " الکراہیۃ فی بیع العصیر " " " " ۲/ ۳۳۴

[3] " " " ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء ۲/ ۳۳۴

فی الطب عن ابی مجانۃ عن عامر بن عبداللہ انہ قال قرأت کتاب عمر بن الخطاب الٰی ابی موسٰی اما بعد فانہا قدمت علی عیر من الشام تحمل شرابا غلیظا اسود کطلاء الابل وانی سألتہم علی کم یطبخونہ فاخبرونی انہم یطبخونہ علی الثلثین ذھب ثلثاہ الاخبثان ثلث ببغیہ وثلث بریحہ فمر من قبلک یشربونہ[1] قلت ومن ھذا الطریق رواہ سعید بن منصور فی سننہ وفیہ کتب عمر الٰی عمار رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم روی النسائی عن عبداللہ بن یزید الخطمی قال کتب الینا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ اما بعد فاطبخوا شرابکم حتی یذھب منہ نصیب الشیطان فان لہ اثنین ولکم واحد[2] قلت صححہ الحافظ فی الفتح ورواہ سعید بن منصور والبیہقی وسیأتی حدیث کتابہ بطریقین اٰخرین

نے طب میں ابو مجانہ سے بحوالہ عامر بن عبداللہ روایت کیا کہ میں نے حضرت ابوعمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مکتوب گرامی بنام ابوموسٰی اشعری پڑھا جس میں آپ نے لکھا کہ میرے پاس شام کا ایک قافلہ آیا جس کے پاس سیاہ رنگ کی گاڑھی شراب تھی جیسے اونٹوں کا طلاء ہوتا ہے، میں نے ان سے سوال کیا کہ تم اس کو کس قدر پکاتے ہو، تو انھوں نے بتایا وہ اس کے دو تہائی کو جلا دیتے ہیں جن میں خبث ہے ایک تہائی شر کا اور ایک تہائی بُو کا یعنی ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے تو تم اپنی طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اس کو پی لیا کریں۔ میں کہتا ہوں اسی طریق سے اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہما کو لکھا پھر امام نسائی نے اس کو عبداللہ بن یزید خطمی سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کو لکھا: اما بعد، اپنی شرابوں کو اس حد تک پکاؤ کہ ان سے شیطان کا حصہ جل جائے اور اس کے لئے دو حصے (دو تہائی) اور تمہارے لئے ایک حصہ ہے۔ میں کہتا ہوں اسکو حافظ نے فتح میں صحیح قرار دیا اور اس کو سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کیا۔ عنقریب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خط دو اور طریقوں سے بھی آرہا ہے۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۲

[2] " " " " " " " " " " "

ثم روى النسائي عن الشعبي قال كان
علي رضي الله تعالى عنه يرزق
الناس الطلاء يقع فيه الذباب
ولا يستطيع ان يخرج منه عن داؤد
سألت سعيدا ما الشراب الذى
احله عمر رضي الله تعالى عنه
قال الذى يطبخ حتى يذهب
ثلثاه ويبقى ثلثه[1] قلت و
رواه ابن ابي شيبة قال حدثنا
عبد الرحيم بن سليمن عن داؤد
بن ابي هند قال سألت سعيد
بن المسيب فذكره، ثم روى
النسائي عن سعيد بن المسيب
ان ابا الدرداء رضي الله تعالى
عنه كان يشرب ما ذهب ثلثاه و
بقي ثلثه عن قيس بن
ابي حازم عن ابي موسى
الاشعري رضي الله تعالى عنه
انه كان يشرب من الطلاء ذهب
ثلثاه وبقي ثلثه عن يعلى بن
عطاء قال سمعت سعيد بن المسيب
وسأله اعرابي عن شراب يطبخ
على النصف فقال

پھر اس کو امام نسائی نے شعبی سے روایت کیا کہ
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو طلاء
پلاتے تھے اس میں اگر مکھی گر جائے تو نکل نہیں
سکتی تھی (یعنی بہت گاڑھی ہوتی تھی)۔
داؤد نے کہا میں نے سعید سے سوال کیا کہ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کون سی شراب کو حلال
کیا تھا انھوں نے بتایا کہ جس کے دو تہائی
جل کر خشک ہو جائیں اور ایک تہائی باقی
رہ جائے ۔ میں کہتا ہوں اس کو ابن ابی شیبہ
نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں عبد الرحیم بن
سلیمان نے داؤد بن ابی ہند سے بیان کی انھوں
نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیّب سے سوال کیا
پھر مذکورہ حدیث کو ذکر کیا پھر نسائی نے سعید
بن مسیّب سے روایت کیا کہ ابو الدرداء رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ایسا شراب پیتے تھے جس کا دو تہائی
خشک ہو جاتا اور ایک تہائی باقی رہ جاتا ۔
قیس بن ابی حازم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے
جس کا دو تہائی خشک ہو جاتا اور ایک تہائی
باقی رہ جاتا ۔ یعلی بن عطاء نے کہا کہ میں نے سعید
بن مسیب کو کہتے ہوئے سنا جب ان سے ایک
اعرابی نے ایسی شراب کے بارے میں سوال کیا جس کا
نصف پکانے سے خشک ہو گیا انھوں نے جواب دیا

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۳۴

لاحتى يذهب ثلثاه ويبقى الثلث **عن** يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب قال اذا طبخ الطلاء على الثلث فلا باس به **عن** بشير بن المهاجر قال سألت الحسن عما يطبخ من العصير قال تطبخه حتى يذهب الثلثان ويبقى الثلث **عن** انس بن سيرين قال سمعت انس بن مالك رضى الله تعالٰى عنه يقول ان نوحا عليه الصلوٰة و السلام نازعه الشيطان فى عود الكرم فقال هذا لى وقال هذا لى فاصطلح على ان لنوح ثلثها و للشيطان ثلثيها **عن** عبد الملك بن طفيل الجزرى قال كتب الينا عمر بن عبد العزيز ان لا تشربوا من الطلاء حتى يذهب ثلثاه ويبقٰى ثلثه وكل مسكر حرام[1]

کر یہ حلال نہیں یہاں تک کہ اس کا دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جائے۔ یحیٰی بن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کی انھوں نے کہا کہ جب طلاء ایک ثلث تک پکایا جائے تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ بشیر بن مہاجر نے کہا کہ میں نے حسن سے پکائے ہوئے شیرہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا تو اس کو اس حد تک پکا کر اس کا دو ثلث خشک ہوجائے اور ایک ثلث باقی رہے۔ انس بن سیرین نے کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان نے حضرت نوح علیہ السلام سے انگور کے درخت کے بارے میں جھگڑا کیا شیطان نے کہا یہ میرا ہے اور نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرا ہے پھر اس بات پر صلح ہوئی اس کا ایک تہائی نوح علیہ السلام کے لئے اور دو تہائی شیطان کیلئے۔ عبد الملک بن طفیل جزری نے کہا کہ ہماری طرف عمر بن عبد العزیز نے لکھا تم طلاء مت پیو یہاں تک کہ اس کا دو تہائی خشک ہوجائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ (ت)

مسند سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

ابوحنيفه عن ابى عون عـه عن

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعون سے انھوں نے

عـه فى النسخة التى شرح عليها العلامة العلى القارى ابوحنيفة عن

ملا علی قاری نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں ابوحنیفہ عن ابی عون محمد الثقفی الحجازی ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] سنن النسائى كتاب الاشربة ذكر ما يجوز شربه من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۳۴

عبد الله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر لعینها قلیلها وکثیرها والسکر من کل شراب[1] وفی بعض روایات المسند ابوحنیفة عن ابی عون عن عبد الله بن شداد عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم رواه الحارثی من طریق محمد بن بشر عن الامام وفی اخری ابوحنیفة عن عون بن ابی جُحَیفة عن ابن عباس

عبداللہ ابن شداد سے انھوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی آپ نے فرمایا خمر لعینہ حرام کی گئی چاہے قلیل ہو یا کثیر، باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ مسند کی بعض روایات میں یُوں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ابوعون سے انھوں نے عبداللہ ابن شداد سے اور انھوں نے نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ اس کو حارثی نے بطریق محمد بن بشر امام صاحب سے روایت کیا۔ دوسری سند میں یوں ہے امام ابوحنیفہ نے عون بن ابی جُحَیفہ سے اور انھوں نے ابن عباس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابی عون محمد الثقفی الحجازی عن عبد الله بن شداد عن ابن عباس قال القاری الظاهر انه محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی روی عن انس بن مالك وعنه جماعة اھ[2] اقول الحدیث انما یعرف بابی عون محمد بن عبید الله الثقفی الکوفی وهو الصواب ولا ادری لفظ الحجازی افاده الشارح اووقع من بعض النساخ ۱۲ منه۔

اس پر ملا علی قاری نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ وہ محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی جو انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور ان سے جماعت نے روایت کی ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ حدیث ابی عون محمد بن عبید اللہ الثقفی الکوفی سے معروف ہے اور یہی درست ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ حجازی کا لفظ شارح نے ذکر کیا ہے یا یہ کسی نقل کرنے سے واقع ہوا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] مسند الامام الاعظم کتاب الاطعمة والاشربة الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۲

[2] شرح مسند الامام الاعظم للملا علی القاری فائدہ حرمۃ خمر وکل مسکرات مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۵۶

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فذکرہ رواہ طلحۃ من طریق یحیی الیمانی وحماد ابن الامام عن الامام وھکذا اوردہ العلاء ابن اتر کما فی الجوہر النقی قال المرتضٰی والمحفوظ فی مسند الامام ماذکرناہ اوّلاً ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ قال رأیت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو یاکل طعاما ثمّ دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمك اللہ تشرب النبیذ والامۃ تقتدی بك فقال ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یشرب النبیذ لولا انی رأیتہ یشربہ ماشربتہ[1] ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم انہ قال قول الناس کل مسکر حرام خطؤ من الناس انما ارادوا ان یقولوا السکر حرام من کل شراب[2] ابوحنیفۃ عن حماد عن انس

رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، پھر وہی حدیث ذکر کی، اس کو طلحہ نے بطریق یحیٰی یمانی و حماد ابن امام ابوحنیفہ امام صاحب سے روایت کیا۔ اسی طرح علاء ابن اتر نے اس کو وارد کیا جیسا کہ جوہر النقی میں ہے، مرتضٰی نے کہا مسندِ امام اعظم میں محفوظ وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم سے انھوں نے علقمہ سے روایت کی، علقمہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا، پھر انھوں نے نبیذ منگوائی اور اسے پیا تو میں نے کہا اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ نبیذ پیتے ہیں حالانکہ اُمت آپ کی اقتداء کرتی ہے، ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا اگر میں نے آپ کو نبیذ پیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتو میں اس کو نہ پیتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم سے روایت کی، ابراہیم نے کہا کہ لوگوں کا یہ قول لوگوں کی خطا ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یوں کہیں ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ سے حماد سے انھوں نے حضرت انس

---

[1] مسند الامام الاعظم کتاب الاطعمۃ والاشربۃ الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۰-۲۰۱

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبۃ الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۸۹

بن مالك انه كان ينزل على ابى بكر
بن ابى موسى الاشعرى بواسط
فيبعث برسول الى السوق يشترى
له النبيذ من الخوابى[1] ابوحنيفة
عن حماد قال كنت اتقى النبيذ
فدخلت على ابراهيم وهو يطعم
فطعمت معه فناولنى قدحا فيه
نبيذ فلما رأى اتقائى منه
قال حدثنى علقمة عن عبد الله
بن مسعود انه كان ربما طعم
عنده ثم دعا بنبيذ له تنبذه له
سيرين ام ولده فشرب
وسقانى[2] . ابوحنيفة عن
حماد عن ابراهيم انه قال كتب
عمر بن الخطاب رضى الله
تعالى عنه الى عمار بن
ياسر رضى الله تعالى عنهما
وهو عامل له على الكوفة
امابعد فانه انتهى الى شراب
من الشام من عصير العنب
وقد طبخ وهو عصير قبل ان يغلى
حتى ذهب ثلثاه وبقى ثلثه فذهب شيطانه
وبقى حلوه وحلاله فهو شبيه بطلاء

بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ
ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری کے پاس واسط میں اترے
تو انھوں نے بازار میں قاصد بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے
خوابی سے نبیذ خریدے ۔ امام ابوحنیفہ نے حماد
سے روایت کی حماد نے کہا میں نبیذ سے پرہیز
کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس گیا وہ کھانا کھا رہے
تھے میں نے اُن کے ساتھ کھانا کھایا مجھے انھوں نے
ایک پیالہ دیا جس میں نبیذ تھی جب انھوں نے
مجھے اس سے بچتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا مجھے
علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
حدیث بیان کی کہ وہ (علقمہ) بسا اوقات ابن مسعود
کے ساتھ کھانا کھاتے، پھر انھوں نے نبیذ طلب
فرمائی جو سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جو ان کی
ام ولد ہے، انھوں نے نوش فرمایا اور مجھے بھی پلایا۔
امام ابوحنیفہ نے حماد سے اور انھوں نے ابراہیم سے
روایت کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالےٰ
عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف خط
لکھا جبکہ وہ کوفہ کے عامل تھے، اما بعد! میرے
پاس شام سے انگور کے رس کی شراب پہنچی جس کو
پکایا گیا ہے دراں حالیکہ وہ پکانے سے انگور کا شیرہ
تھی یہاں تک کہ اس کا دو تہائی جل گیا اور ایک
تہائی باقی رہ گیا تو اس کا شیطان چلا گیا تو اس کی
مٹھاس وحلت باقی رہ گئی، اور وہ اونٹوں کے

---

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبۃ الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۹۰

الابل فمر من قبلك فيتوسعوا به شرابهم[1] قلت وروی عبد الرزاق عــه حدثنا معمر بن عاصم عن الشعبی قال کتب عمر بن الخطاب الی عمار بن یاسر اما بعد فانها جاء تنا اشربة من قبل الشام کانها طلاء الابل قد طبخ حتی ذھب ثلثاہ الذی فیه خبث الشیطان وریح جنونه وبقی ثلثه فاصطنعه وامر من قبلك ان یصطنعوہ[2] ورواہ الخطیب فی تلخیص المتشابه عن الشعبی عن حبان الاسدی قال اتانا کتاب عمر فذکرہ بلفظ ذھب شرہ وبقی خیرہ

طلاء کے مشابہ ہے تم اپنی طرف سے حکم دے دو کہ لوگ اپنی شرابوں میں گنجائش پیدا کریں۔ میں کہتا ہوں امام عبدالرزاق نے روایت کیا کہ ہمیں معمر نے عاصم سے اور انھوں نے شعبی سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمار بن یاسر کو خط لکھا اما بعد! بیشک ہمارے پاس شام کی طرف سے کچھ شرابیں آئی ہیں گویا کہ وہ اونٹوں کا طلاء ہیں جنھیں پکایا گیا یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا جس میں خبثِ شیطان اور اس کے جنون کی بُو تھی باقی ایک تہائی رہ گیا، اس کو بناؤ اور لوگوں کو بنانے کا اپنی طرف سے حکم دو، اور اس کو تلخیص المتشابہ میں خطیب نے شعبی سے اور انھوں نے حبان اسدی سے روایت کیا حبان نے کہا کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خط آیا اس میں حبان نے یہ لفظ ذکر ہے کہ اس کا شر

عــه ھکذا عزاہ لعبد الرزاق الامام البدر فی البنایة، والامام خاتم الحفاظ فی الجامع الکبیر ووقع فی تعلیقات مؤطا الامام محمد لبعض المعاصرین عزوہ لابن ابی شیبة وکانه شبه علیه احد المصنفین بالآخر ۱۲ منه۔

عــه امام بدرالدین عینی نے بنایہ میں اور امام عسقلانی نے جامع الکبیر میں اس کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا جبکہ مؤطا امام محمد کی تعلیقات میں ایک معاصر (علامہ عبدالحی لکھنوی) نے اسکو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا، ہوسکتا ہے علامہ لکھنوی کو مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اشتباہ ہوگیا ہو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۹۱

[2] المصنف لعبد الرزاق کتاب الاشربة حدیث ۱۷۱۲۰ المجلس العلمی ۹/ ۲۵۵

فاشربوہ[1]، ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم انه قال فی الرجل یشرب النبیذ حتی یسکر قال القدح الاخیر الذی سکر منه هو الحرام[2]

زائل ہوگیا اور خیر باقی رہا لہٰذا تم اس کو پیو۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا انھوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو نبیذ پیتا یہاں تک کہ اسے نشہ آجاتا فرمایا آخری پیالہ جس سے نشہ ہوا وہ حرام ہے۔ (ت)

عقود الجواہر میں ہے:

فی مصنف ابن ابی شیبة حدثنا علی بن مسهر عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان اباعبیدة و معاذ بن جبل و اباطلحة رضی الله تعالٰی عنهم کانوا یشربون من الطلاء ماذهب ثلثاه وبقی ثلثه[3] قلت ورواه ایضا ابومسلم الکجی و سعید بن منصور فی سننه کما فی العمدة قال ابوبکر حدثنا وکیع عن الاعمش عن میمون (هو ابن مهران) عن ام الدرداء قالت کنت اطبخ لابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه الطلاء ماذهب ثلثاه وبقی ثلثه[4] حدثنا ابن فضیل عن

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے ہمیں علی بن مسہر نے سعید بن ابی عروبہ سے انھوں نے قتادہ سے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی حضرت انس نے فرمایا کہ ابوعبیدہ، معاذ بن جبل اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہم الیسا طلاء پیتے جس کا دو ثلث جل کر ایک ثلث باقی رہ جاتا میں کہتا ہوں کہ اس کو ابومسلم الکجی اور سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا جیسا کہ عمدہ میں ہے۔ ابوبکر نے کہا ہمیں وکیع نے اعمش سے انھوں نے میمون سے جو کہ ابن مہران ہیں اور انھوں نے ام درداء سے حدیث بیان کی، ام درداء نے کہا کہ میں ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے طلاء پکاتی جس کا دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ ہمیں ابن فضیل نے

---

[1] تلخیص المتشابہ حدیث ۱۰۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۵۱۵
[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبة الاسلامیہ سمندری ۲/۱۹۲
[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربة حدیث ۴۰۳۹ ادارۃ القرآن ۸/۱۷۰
[4] 〃 〃 〃 〃 ۴۰۴۱ 〃 ۸/۱۷۱

عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمٰن قال کان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرزقنا الطلاء فقلت لہ ما ھیأتہ قال ابو اسود یاخذہ احدنا باصبعہ[1]
حدثنا وکیع عن سعید بن اوس عن انس بن سیرین قال کان انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سقیم البطن فامرنی ان اطبخ لہ طلاء حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ فکان یشرب منہ الشربۃ علی اثر الطعام[2]
حدثنا ابن نمیر ثنا اسمٰعیل عن مغیرۃ عن شریح ان خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یشرب الطلاء بالشام[3]

عطا بن سائب سے انھوں نے عبد الرحمٰن سے حدیث بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں طلاء پلاتے، میں نے کہا اس کی ہیئت کیا ہوتی؟ ابو اسود نے کہا کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کو اپنی انگلی کے ساتھ لے سکتا تھا (یعنی وہ بہت گاڑھا ہوتا تھا)۔ ہمیں وکیع نے سعید بن اوس سے انھوں نے انس بن سیرین سے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کیلئے طلاء پکاؤں یہاں تک کہ وہ دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا تو آپ اس میں سے کچھ کھانے کے بعد نوش فرماتے۔ ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی کہ ہمیں سمٰعیل نے مغیرہ سے انھوں نے شریح سے حدیث بیان کی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں طلاء پیا کرتے تھے۔ (ت)

سنن دارقطنی میں ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن ھارون نا احمد بن عمر بن بشر نا جدی ابراھیم بن قرۃ نا القاسم بن بھرام ثنا عمرو بن دینار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال مر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی

ہمیں محمد بن احمد بن ہارون نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں ایک قوم پر گزرے انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہمارے پاس بنائی ہوئی ایک

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۶۱ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۶
[2] " " " " حدیث ۴۰۴۶ " " " ۸/ ۱۷۲
[3] " " " " " ۴۰۵۸ " " " ۸/ ۱۷۵

قوم بالمدینة قالوا یا رسول اللہ ان عند نا شرابا لنا افلا نسقیك منه قال بلٰی فاتی بعقب او قدح غلیظ فیه نبیذ فلما اخذه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقربه الی فیه قطب قال فدعا الذی جاء به فقال خذه فاهرقه فلما ان ذهب به قالوا یا رسول اللہ هذا شرابنا ان کان حراما لم نشربه فدعا به فاخذه ثم دعا بماء فصبه علیه ثم شرب وسقی وقال اذا کان هٰکذا فاصنعوا به هٰکذا[1]

شراب ہے کیا اس میں سے ہم آپ کو نہ پلائیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں تیز نبیذ تھی، جب آپ نے اس کو پکڑا اور منہ کے قریب کیا تو تیوری چڑھائی اور اس شخص کو بلایا جو لایا تھا، اور فرمایا اس کو لے جاؤ اور انڈیل دو۔ جب وہ شخص اس نبیذ کو لے کر چلا گیا لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ ہماری شراب اگر حرام ہے تو ہم اس کو نہ پئیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ طلب فرمایا اسے پکڑا پھر پانی منگوا کر اس میں ڈالا پھر پیا اور پلایا اور فرمایا جب نبیذ ایسی ہو تو اسکے ساتھ اس طرح کیا کرو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عن وکیع عن شریك عن فراس عن الشعبی ان رجلا شرب من اداوۃ علی بصفین فسکر فضربه الحد[2]

وکیع سے شریک سے فراس سے شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے صفین میں حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برتن سے شراب پی تو اسے نشہ ہوگیا آپ نے اس پر حد لگائی۔ (ت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبدالرحیم بن سلیمٰن عن مجالد عن الشعبی عن علی نحوه وقال فضربه ثمانین[3]

ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے مجالد سے انھوں نے شعبی سے انھوں نے علی سے ایسے ہی حدیث بیان کی اور کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اسّی کوڑے لگائے۔ (ت)

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ الدارقطنی کتاب الاشربۃ احادیث فی الباب الخ المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۳۰۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاشربۃ حدیث ۸۰ دار المحاسن للطباعۃ القاہرہ الجزء الرابع ص ۲۶۱

[3] المصنف ابن ابی شیبہ کتاب الحدود النبیذ من رأی فیہ حدًا حدیث ۸۴۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۵۴۵

کامل ابن عدی میں ہے:

حدثنا ابو العلاء الکوفی بمصر ثنا محمد
بن الصباح الدولابی نا نصر بن المجدر
قال کنت شاھدا حین ادخل
شریک ومعہ ابو امیۃ الذی
رفع الی المھدی ان شریکا
حدثہ عن الاعمش عن سالم
عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ
عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم قال استقیموا لقریش ما استقاموا
لکم فاذا زاغوا عن الحق فضعوا
سیوفکم علی عواتقکم فقال
المھدی لشریک حدثت بھذا قال
لا قال ابو امیۃ علی المشی الی
بیت اللہ تعالٰی وکل مالی فی
المساکین صدقۃ ان لم یکن
حدثنی فقال شریک علی مثل الذی
علیہ ان کنت حدثتہ قال فکان
المھدی رضی فقال ابو امیۃ یا امیر المؤمنین
عندک ادھی العرب انما
یعنی علیہ مثل الذی علیہ
من الثیاب قل لہ فلیحلف
مثل الذی حلفت فقال
صدقت احلف کما حلف
فقال شریک قد حدثتہ

ہمیں ابو العلاء کوفی نے مصر میں حدیث بیان کی انھوں نے
کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی محمد بن صباح دولابی نے
انھوں نے کہا کہ ہمیں نصر بن مجدر نے خبر دی کہ میں اس
وقت حاضر تھا جب شریک کو داخل کیا گیا اس کے
ساتھ ابو امیہ تھا جس نے مہدی کے پاس مقدمہ دائر
کیا تھا کہ شریک نے اسے اعمش سے انھوں نے
سالم سے انھوں نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے
فرمایا قریش کے لئے سیدھے رہو جب تک وہ
تمھارے لئے سیدھے رہیں جب وہ حق سے ٹیڑھے
ہو جائیں تو تم اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر رکھ لو۔
مہدی نے شریک سے کہا تو نے یہ حدیث بیان کی؟
اس نے کہا کہ نہیں، ابو امیہ نے کہا مجھ پر بیت اللہ
شریف کی طرف جانا لازم ہے اور میرا سارا مال
مسکینوں پر صدقہ ہے اگر اس نے مجھے یہ حدیث
بیان نہ کی ہو۔ شریک نے کہا کہ مجھ پر اسی کی مثل ہے
جو اس پر ہے اگر میں نے اس کو یہ حدیث بیان
کی ہو۔ راوی نے کہا گویا کہ مہدی شریک کی بات
پر راضی ہو گیا۔ ابو امیہ نے کہا اے امیر المومنین!
آپ کے پاس عرب کا سب سے بڑا چالاک شخص
موجود ہے اس نے جو کہا ہے کہ مجھ پر اس کی
مثل ہے جو اس پر ہے اس قول سے اس کی مراد
کپڑے ہیں آپ اسے حکم دیں کہ وہ میری طرح قسم
کھائے۔ مہدی نے کہا تو نے سچ کہا، اور مہدی

فقال ویل علی شارب الخمر یعنی الاعمش وکان یشرب المصنف لو علمت موضع قبرہ لاحرقتہ قال شریک لم یکن یہودیا کان رجلا صالحا[1] الخ۔

نے شریک کو کہا تم قسم کھاؤ جیسا کہ ابوامیہ نے قسم کھائی تو شریک نے یہ کہا کہ میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، تو اس نے کہا شراب پینے والے یعنی اعمش پر ہلاکت ہو اور وہ ایسی شراب پیتا تھا جس کا نصف جل کر خشک ہوجاتا اگر مجھے اس کی قبر کی جگہ معلوم ہوتی تو میں اس کو جلادیتا۔ شریک نے کہا وُہ یہودی نہیں تھا وہ ایک نیک مرد تھا الخ۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

رای عمر وابوعبیدۃ ومعاذ بن جبل شرب الطلاء علی الثلث وشرب البراء وابوجحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما علی النصف[2] اھ۔

حضرت عمر، ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسی طلاء کو حلال سمجھتے جس کا دو تہائی جل کر ایک تہائی رہ جائے جبکہ حضرت براء اور ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما وہ طلاء پیتے جس کا نصف جل کر خشک ہوگیا الخ

تقدمت اسانید الثلثۃ الاول ووصل الاخیرین ابن ابی شیبۃ کما فی العمدۃ۔

پہلی تینوں حدیثوں کی سندیں گزر چکیں اور آخری دونوں کو ابن ابی شیبہ نے موصول فرمایا جیسا کہ عمدہ میں ہے۔

اضافۃ افاضۃ، نزیدک عدۃ أبحاث تفیدک بعون اللہ تعالٰی:

اضافہ افاضہ، ہم تیرے لئے چند بحثوں کا اضافہ کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تجھے فائدہ دیں گی:

الاول تقدم تسعۃ احادیث من المرفوع وروی العقیلی من طریق عبدالرحمٰن بن بشر الغطفانی عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی کرم اللہ وجہہ

پہلی بحث: نو مرفوع حدیثیں گزر چکی ہیں، اور عقیلی نے بطریق عبدالرحمٰن بن بشر غطفانی ابواسحٰق سے انہوں نے حارث سے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ میں نے

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی شریک بن عبداللہ بن الحارث بن شریک بن عبداللہ نخعی الخ دارالفکر للطباعۃ النشر ۴/ ۱۳۳۶

[2] صحیح البخاری کتاب الاشربۃ باب الباذق ومن نہی عن کل مسکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۸

قال سألت رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم عن الاشربۃ عام حجۃ الوداع فقال حرم الله الخمر بعینھا والسکر من کل شراب[1] واخرجہ مطولا من طریق محمد بن الفرات الکوفی عن ابی اسحٰق السبیعی وفیہ انہ صلی الله تعالٰی علیہ وسلم اتی بقعب نبیذ فذاقہ فقطب وردہ فقام الیہ رجل من اٰل حاطب فقال یارسول الله ھذا شراب اھل مکۃ قال فصب علیہ الماء حتی رغا ثم شرب فقال حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شرب[2] (فتلك عشرۃ کاملۃ) وقد اخرج ھذا الکلام من دون القصۃ اعنی حرمت الخمر بعینھا الخ ابو القاسم الطبرانی فی معجمہ الکبیر عن سعید بن المسیب عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم وتقدم بوجھین مرسل ومتصل من مسند الامام عن ابن شداد وعن ابن عباس عن النبی صلی الله علیہ وسلم کانت اثنی عشر حدیثا

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حجۃ الوداع والے سال شرابوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے خمر کو بعینہٖ حرام فرمایا اور ہر شراب سے نشہ کو حرام فرمایا، اور عقیلی نے طوالت کے ساتھ بطریق محمد بن فرات کوفی ابواسحٰق سبیعی سے اس کی تخریج کی۔ اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں نبیذ کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا آپ نے اسے چکھا تیوری چڑھائی اور اسے لوٹا دیا۔ آپ کی خدمت میں آلِ حاطب سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ مکہ والوں کی شراب ہے۔ راوی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس پر پانی انڈیلا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آگئی پھر اسے پی لیا اور فرمایا خمر بعینہٖ حرام ہے اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ یہ دس حدیثیں مکمل ہوگئیں۔ اس کلام کی قصہ مذکورہ "یعنی شراب بعینہٖ حرام ہے الخ" کے بغیر تخریج کی ابوالقاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں سعید بن مسیب سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، اور مسندِ امام اعظم کے حوالے سے دو وجہیں یعنی "مرسل ومتصل" ابن شداد اور ابن عباس سے گزر چکیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی، تو اس طرح یہ بارہ۱۲ حدیثیں ہوگئیں،

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ عبدالرحمٰن بن بشر ۹۱۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۲۴

[2] " " ترجمہ محمد بن فرات الکوفی ۱۶۸۱ " " " " ۴/ ۳۳-۱۲۲

منها الصحیح ومنها الحسن وجل بقیتها لیس فیها ما یسقطها عن درجۃ الاعتبار وحیز الانجبار والحسن ولو لغیرہ کاف للاحتجاج فکیف وقد وجد لذاتہ ونشیر الی بعض تفاصیل ماھنا

حدیث ابن عمر اعلہ النسائی بعبد الملک بن نافع قال لیس بالمشہور ولا یحتج بحدیثہ[1] **اقول** فلم یقل لایکتب وقال فی التقریب[2] مجہول وکذا قالہ ابوحاتم والبیہقی، قال الامام البدر بعد نقل کلامہما **قلت** ذکرہ ابن حبان فی الثقات من التابعین[3] اھ **اقول** قد روی ھذا الحدیث عنہ العوام عند النسائی، واللیث عند الطحاوی وابواسحٰق الشیبانی عندہما، وقرۃ العجلی عند الطحاوی، وابن ابی شیبۃ فارتفعت جہالۃ العین ولم یذکر بجرح قط

ان میں سے بعض صحیح اور بعض حسن ہیں، اور باقی متعدد وہ ہیں جن میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو اِن کو درجۂ اعتبار سے ساقط کردے۔ اور حسن اگرچہ لغیرہٖ ہو استدلال کے لئے کافی ہوتی ہے، تو پھر کیا حال ہوگا جبکہ حسن لذاتہٖ پائی جائے! ہم ہم اس کی کچھ تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

حدیث ابن عمر کی امام نسائی نے عبدالملک بن نافع کے سبب سے تعلیل فرمائی اور کہا کہ وہ مشہور نہیں اور اسکی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) امام نسائی نے یوں نہیں کہا کہ اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی، تقریب میں ہے کہ وہ مجہول ہے، ابوحاتم اور بیہقی نے یوں ہی کہا۔ امام بدر نے ان دونوں کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) ابن حبان نے اس کو ثقہ تابعین میں ذکر کیا ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ حدیث اس سے عوام نے روایت کی نزدیک امام نسائی کے، اور لیث نے روایت کی امام طحاوی کے نزدیک، اور ابواسحٰق شیبانی نے روایت کی ان دونوں کے نزدیک، اور قرۃ العجلی نے روایت کی امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ کے نزدیک، تو اس طرح جہالتِ عین مرتفع ہوگئی اور جرح بالکل ذکر نہ کی گئی، روایت

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۲

[2] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ عبدالملک بن نافع ۴۲۳۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۴۴۴

البتة فغایتہ ان کان مستورا لاسیما وھو من القرون المشھود لھا بالخیر التابعین والمستور مقبول عندنا والجمھور کما بیناہ فی "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" فالحدیث لا ینزل ان شاء اللہ عن درجۃ الحسن۔

حدیث ابی مسعود اعلہ بیحیٰی بن یمان قال لایحتج بحدیثہ لسوء حفظہ وکثرۃ خطائہ[1] اقول یحیٰی من رجال مسلم والاربعۃ، قال الحافظ صدوق عابد یخطئ کثیرا وقد تغیر[2] اھ وقد تابعہ الیسع بن اسمٰعیل عن زید بن الحباب عن سفیٰن قال ابن الجوزی والیسع ضعیف[3] قلت قال فی المیزان ضعفہ الدارقطنی[4] اھ وھو کما تری جرح مجرد حدیث ابن عباس من طریق القاسم بن بھرام، قال ابن الجوزی تفرد بہ

اس کی یہ ہے کہ وہ مستور ہے خصوصًا وہ اُن زمانوں میں ہے جن کے لئے خیر کی شہادت دی گئی یعنی تابعین سے، اور مستور ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" میں بیان کیا۔ چنانچہ ان شاء اللہ العزیز یہ حدیث درجۂ حسن سے نہیں گرے گی۔ امام نسائی نے یحیٰی بن یمان کے سبب سے حدیث ابی مسعود کی تعلیل کرتے ہوئے کہا کہ حافظہ کی کمزوری اور کثرتِ خطاء کی وجہ سے یحیٰی کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، اقول (میں کہتا ہوں) یحیٰی بن یمان امام مسلم اور اصحابِ سُنن اربعہ کے رجال میں سے ہے، حافظ نے کہا کہ وہ صدوق عابد ہے خطا زیادہ کرتا ہے اور وہ متغیر ہوا الخ اس کی متابعت کی یسع بن اسمٰعیل نے زید بن حباب کے حوالے سے جس نے سفیان سے نقل کیا، ابن جوزی نے کہا کہ یسع ضعیف ہے۔ قلت (میں کہتا ہوں) میزان میں کہا کہ دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا الخ اور وہ جیسا کہ تُو دیکھتا ہے کہ جرح مجرد ہے، حدیث ابن عباس بطریق قاسم بن بہرام ہے، ابن جوزی نے کہا کہ وہ اس میں متفرد ہے، ابن حبان نے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۳
[2] تقریب التہذیب حرف الیاء ترجمہ ۷۰۰۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۱۹
[3] العلل المتناھیۃ کتاب الاشربۃ تحت حدیث ۱۱۲۴ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۸۰
[4] میزان الاعتدال ترجمہ الیسع بن اسمٰعیل ۹۸۰۲ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۴۴۵

قال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بہ بحال[1] اھ

قلت فانما منع الاحتجاج وھذا اوھاھن فیما اعلم حدیث الحارث عن علی اعلہ فجرحہ بعبد الرحمٰن بن بشر قال مجہول فی الروایۃ و النسب وحدیثہ غیر محفوظ و انما یروی ھذا عن ابن عباس من قولہ[2] اھ و قال الذی لایعرف والخبر منکر[3] اما الطریق المطول فاوھن واوھی فیہ ابن الفرات کذبہ احمد و ابوبکر بن ابی شیبۃ وقال خ منکر الحدیث[4] ثم مدارہ علی الحارث وفیہ مالا یجہل حدیث ابن عباس المذکور اٰخرا **اقول** لعل المحفوظ موقوف ھکذا رواہ الحفاظ عن ابن عباس قولہ کما ستسمع ان شاء اللہ تعالٰی نعم ان ثبت الرفع بطریق جید فلک ان تقول زیادۃ ثقۃ فتقبل و یعضدہ مرسل عبد اللہ بن شداد الماز

کہا کہ کسی حال میں اس سے استدلال جائز نہیں اھ

قلت (میں کہتا ہوں) اس سے استدلال کو منع کیا گیا اور میرے علم کے مطابق یہ کمزور علت ہے، وہ حدیث جو حارث نے علی سے لی اس کی تعلیل کی گئی اور اس پر جرح کی گئی، عبد الرحمٰن بن بشر کے سبب سے کہا کہ وہ روایت ونسب میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے، اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کا قول روایت کرتا ہے الخ اور کہا کہ یہ معروف نہیں اور حدیث منکر ہے الخ رہا طریق طویل وہ انتہائی کمزور اور ضعیف ہے اس میں ابن فرات ہے جس کو امام احمد اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے جھوٹا کہا۔ خ نے کہا کہ منکر الحدیث ہے، پھر اس کا مدار حارث پر ہے اور اس میں وہ ہے جو مجہول نہیں۔ ابن عباس کی دوسری مذکور حدیث، **اقول** (میں کہتا ہوں) شاید محفوظ موقوف ہے، یونہی حفاظ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کا قول روایت کیا جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تو سُنے گا، ہاں اگر اس کا مرفوع ہونا بطریق جید ثابت ہوجائے تو یہ کہہ کر ثقہ راوی نے زائد بات کی ہے لہٰذا مقبول ہے اور اس کی تائید عبد اللہ بن شداد کی مرسل حدیث کرتی ہے۔

---

[1] العلل المتناہیہ کتاب الاشربہ تحت حدیث ۱۱۲۳ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/۱۸۶

[2] نصب الرایہ " تحت الحدیث التاسع المکتبۃ الاسلامیہ ۴/۳۰۶

[3] میزان الاعتدال ترجمہ عبد الرحمٰن بن بشر الغطفانی ۴۸۲۱ دار المعرفۃ بیروت ۲/۵۵۰

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن الفرات ۶۳۸ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۹/۳۹۷

حدیث زید الشهید لم اقف علی اول سنده فالله تعالٰی اعلم اما زید عن آبائه الکرام فمن اصح الاسانید حدیث ابی هریرة اقول فیه مسلم بن خالد شیخ الامام الشافعی وثقه ابن حبان وابن معین وقال مرة ضعیف وقال ابن عدی حسن الحدیث وقال خ منکر الحدیث[1] وجملة القول فیه، کما فی التقریب فقیه صدوق کثیر الاوهام[2]، قلت والعامة کالبخاری وابن المدینی وابی حاتم وابی داؤد والناجی علی تضعیفه ومع ذالك فلیس ممن یسقط حدیث ابی موسٰی اقول فیه شریك ولاعلیك من شریك الرجل من رجال مسلم والاربعة والبخاری فی التعالیق وقد وثقه یحیٰی بن معین قال النسائی لیس به بأس، وقال الذهبی فی تذکرة الحفاظ کان شریك حسن الحدیث اماما فقیها ومحدثا مکثرا لیس فی الاتقان کحماد

حدیث زید شہید کی سند کے اول پر میں واقف نہیں ہوا اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے لیکن زید کی روایت اس کے آبار کرام سے صحیح ترین سندوں میں سے ہے۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقول (میں کہتا ہوں) اس میں مسلم بن خالد ہے جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کا شیخ ہے، ابن حبان اور ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا اور ایک مرتبہ کہا کہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا حسن الحدیث ہے، خ نے کہا منکر الحدیث ہے، ان کے بارے میں تمام قول یہی ہیں جیسا کہ تقریب میں ہے کہ وہ فقیہ، صدوق اور زیادہ وہم والا ہے۔ قلت (میں کہتا ہوں) عام محدثین کرام جیسے بخاری، ابن المدینی، ابو حاتم، ابو داؤد اور ناجی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود وہ ساقط الاعتبار نہیں ہے۔ حدیث ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اقول (میں کہتا ہوں) اس میں شریک ہے وہ امام مسلم، اصحاب اربعہ اور تعالیق میں امام بخاری کے رجال میں سے ہے۔ یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہا کہ شریک حسن الحدیث، امام، فقیہ، محدث اور مالدار شخص تھا مگر اتقان میں حماد

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ مسلم بن خالد ۸۴۸۵ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۰۲
تہذیب التہذیب 〃 〃 〃 ۲۲۸ 〃 ۱۰/ ۱۲۹
[2] تقریب التہذیب حرف المیم ترجمہ مسلم بن خالد ۶۶۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۸۸

بن زید[1] الخ وفی تھذیب التھذیب قال العجلی کوفی ثقۃ وکان حسن الحدیث، قال عبد الرحمٰن وسألت ابی عن شریک وابی الاحوص ایھما احب الیک قال شریک وقد کان لہ اغالیط وقال ابن عدی الغالب علی حدیثہ الصحۃ، وقال ابن سعد کان ثقۃ مامونا کثیر الحدیث وکان یغلط، وقال ابوداؤد ثقۃ یخطی عن الاعمش وقال ابراھیم الحربی کان ثقۃ وقال معٰویۃ بن صالح سألت احمد بن حنبل عنہ فقال کان عاقلا صدوقا محدثا شدیدا علی اھل الریب والبدع[2] الخ لاسیما وروایتہ ھٰھنا عن ابی اسحٰق وقد قال الامام احمد بن حنبل شریک فی ابی اسحٰق اثبت من زھیر واسرائیل وزکریا قال وسمع منہ قدیما[3] وقال یحیٰی بن معین شریک فی ابی اسحٰق احب الینا من اسرائیل[4] و لامجرح فی السند سوی ھذا غیر ان الفضیل

بن زید کی مثل نہیں تھا الخ۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے عجلی کوفی نے کہا کہ شریک ثقہ اور حسن الحدیث ہے۔ عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ شریک اور ابوالاحوص میں سے آپ کو زیادہ پسند کون ہے تو انھوں نے کہا شریک، حالانکہ اسکی کئی غلطیاں بھی ہیں۔ ابن عدی نے کہا اس کی حدیث پر غالب صحت ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ، مامون اور کثیر الحدیث ہے حالانکہ وہ غلطی کرتا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ وہ ثقہ ہے اور اعمش سے روایت میں خطا کرتا ہے۔ ابراہیم حربی نے کہا ثقہ ہے۔ معاویہ بن صالح نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ عاقل، صدوق، محدث اور شک و بدعت والوں پر سخت ہے الخ خصوصًا یہاں پر اس کی ابواسحاق سے روایت۔ اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا شریک ابواسحٰق کے بارے میں اثبت ہے بنسبت زہیر، اسرائیل اور زکریا کے حالانکہ اس سے بہت پہلے سنا ہے یحیٰی بن معین نے کہا کہ شریک ابواسحٰق کے بارے میں ہمارے نزدیک اسرائیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کو سوائے اس کے سند میں کوئی عاجز کرنے والا نہیں مگر فضیل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شریک بن عبد اللہ ۲۳ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱/۲۱۴
[2] تہذیب التہذیب ترجمہ شریک بن عبد اللہ الکوفی ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۴/۳۳۵ تا ۳۳۷
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴/۳۳۴
[4] میزان الاعتدال 〃 〃 ۳۶۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۷۱

بن مرزوق يرويه عن ابي اسحٰق
وفيه قال النبي صلى الله تعالٰى عليه
وسلم اشربا ولا تشربا مسكرا تابعه
عبد الله بن رجاء عن اسرائيل عن
ابي اسحٰق اوعن شريك عنه على
اختلاف النسخ رواهما الطحاوي[1] و
اخرجه البخاري في المغازي من
طريق سعيد بن ابي بردة عن ابيه عن
ابي موسٰى وفيه قال صلى الله تعالٰى عليه
وسلم كل مسكر حرام[2] واحضره
النسائي واخرج كذلك من
طريق طلحة الايامي واخرى
من جهة الشيباني كليهما عن
ابي بردة واخرج من طريق
اسرائيل عن ابي اسحٰق عن
ابي بردة وفيه قال صلى الله
تعالٰى عليه وسلم اشرب
ولا تشرب مسكرا[3] ومن طريق
ابي بكر بن ابي موسٰى عن ابيه
وفيه قال رسول الله صلى الله تعالٰى
عليه وسلم لاتشرب مسكرا فاني

بن مرزوق نے اس کو ابو اسحٰق سے روایت کیا اور
اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ پیو
اور نشہ کی حد تک مت پیو۔ اس کی متابعت کی عبد اللہ
بن رجاء نے انھوں نے اسرائیل سے انھوں نے
ابو اسحٰق سے روایت کی یا شریک نے ابو اسحاق سے
روایت کی بعض نسخوں میں اختلاف ہے۔ ان دونوں
کو ان دونوں کو امام طحاوی نے روایت کیا۔ امام
بخاری نے مغازی میں بطریق سعید بن ابو بردہ تخریج
کی، سعید نے ابو بردہ سے اور انھوں نے ابو موسٰی
اشعری سے روایت کی اور اس میں یوں ہے کہ
رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور
حرام ہے۔ امام نسائی نے اس کو ذکر کیا اور اسی
طرح بطریق طلحہ ایامی اور ایک دوسری روایت کی
بطریق شیبانی تخریج کی، دونوں ہی ابو بردہ سے
مروی ہیں، اور بطریق اسرائیل تخریج کی اسرائیل نے
ابو اسحاق سے، اور اس نے ابو بردہ سے روایت
کی، اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے فرمایا کہ پی اور نشے کی حد تک مت پی،
اور بطریق ابو بکر بن ابو موسٰی بحوالہ ابو موسٰی تخریج کی،
اس میں یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے
فرمایا نشہ کی حد تک مت پی اس لئے کہ میں نے

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۶۰
[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث ابی موسٰی ومعاذ الی الیمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۶۲۲
[3] سنن النسائی کتاب الاشربۃ تحریم کل شراب اسکر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۲۵

حرمت کل مسکر[1] وقد علمت ان لا تنافی
بین هذه وبین روایة اشربوا ولا تسکروا
فان المسکر هو المسکر بالفعل کما
ان القاتل هو القاتل بالفعل
لا من یقدر علیه ویصح منه
فاذن تتوافق الآثار ولا تتضاد کما
سمعت من کلام الامام الطحاوی
حدیث القیسی **اقول** هذا
حدیث حسن رجاله کلهم
ثقات. قال فی المیزان اما محمد
بن خزیمة شیخ الطحاوی فمشهور
ثقة[2] اھ ونص فی التقریب فی بقیة
الرجال انهم ثقات غیر ان قال
فی عثمان المؤذن من رجال البخاری
ثقة تغیر فصار تلقن[3] اھ وقد نص
المحقق علی الاطلاق فی باب الشهید من
الفتح ان الآخذ من المختلط اذا لم یعلم
متی اخذ منه لم ینزل الحدیث عن الحسن[4]
حدیث قیس بن حبتر عن ابن عباس
اقول حدیث حسن صحیح

ہر نشہ آور کو حرام کر دیا ہے۔ تحقیق تجھے معلوم ہو گیا کہ اس
روایت میں اور دوسری روایت میں جس میں حضور
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیو اور نشہ میں مت
آؤ کوئی منافات نہیں، اس لئے کہ نشہ آور وہی ہے
جو بالفعل نشہ آور ہو، جیسا کہ قاتل وہی ہے جو بالفعل
قاتل ہو نہ کہ وہ جو قتل پر قادر ہو۔ تو اس طرح آثار میں
باہم موافقت ہو گئی اور کوئی تضاد نہ رہا، جیسا کہ
امام طحاوی کے کلام سے تُو نے سُنا۔ **حدیث قیسی**
اقول (میں کہتا ہوں) یہ حدیث حسن ہے، اس کے
تمام رجال ثقہ ہیں۔ میزان میں کہا کہ محمد بن خزیمہ جو
امام طحاوی کا شیخ ہے وہ مشہور اور ثقہ ہے الخ۔
تقریب میں باقی رجال کے بارے میں تصریح کی گئی کہ
وہ ثقہ ہیں مگر عثمان المؤذن کے بارے میں کہا کہ وہ
امام بخاری کے رجال میں ہے ثقہ ہے متغیر ہو گیا تھا
اسے تلقین کی جاتی تھی الخ۔ محقق علی الاطلاق نے
فتح کے باب الشہید میں تصریح کی کہ مختلط سے حدیث لینے
والا اگر یہ نہ جانے کہ کب اُس سے حدیث لی تو وہ
حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی۔ **حدیث قیس**
بن حبتر بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما،
اقول (میں کہتا ہوں) حدیث حسن صحیح ہے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة تغییر البتع والمزر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۲۵
[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن خزیمہ ۷۴۰۶ دار المعرفۃ بیروت ۳/۵۳۷
[3] تقریب التہذیب ترجمہ عثمان بن الہیثم ۴۵۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۶۶
[4] فتح القدیر

لامغمز فیه اصلا رجاله کلهم ثقات اجلاء ۔ **حدیث** ابن مسعود من اصح الاحادیث واجلها مروی بسلسلة الذهب کما تری ولله الحمد ۔

الثانی الآثار فی الباب عن امیر المؤمنین قد تواترت ولم تقدر الخصوم علی ردها فعدلوا الی التاویل وادعاء الرجوع اما التاویل فاسند النسائی عن ابن المبارک ما تقدم من قوله من قبل ان یشتد واسند عن عتبة بن فرقد قال کان النبیذ الذی یشربه عمر بن الخطاب قد خُلِّل[۱] **اقول** من نظر الآثار التی اتت عن امیر المومنین کالشمس تیقن ان لا مساغ لهذین التاویلین فیها اصلا وان لم تکن فیها جلائل تصریحات الاشتداد لکان حسبک ما فی المؤطا من قول عبادة رضی الله تعالٰی عنه احللتها[۲] والله فای مساغ کان لهذا لوکان لم یشتد او

اس میں کوئی عیب نہیں اس کے تمام رجال بلند مرتبہ ثقہ ہیں۔ **حدیث** ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ صحیح ترین اور عظیم ترین احادیث میں سے ہے جو بطور سلسلۃ الذہب مروی ہے جیسا کہ تُو دیکھتا ہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔

دوسری بحث: اس باب میں امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تواتر کے ساتھ آثار منقول ہیں۔ مخالفین اُن کے رَد پر قادر نہیں، لہذا انھوں نے تاویل کی طرف عدول کیا اور رجوع کا دعوٰی کیا۔ رہی تاویل تو وہ یوں کہ امام نسائی نے ابن مبارک سے امیر المومنین کے اس قول مذکور کے بارے میں بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبل اس کے کہ وہ سخت ہوجائے۔ اور عتبہ بن فرقد سے بیان کیا کہ جو نبیذ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ پیتے تھے وہ سرکہ بنالی گئی ہوتی۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) جس نے ان آثار میں نظر کی جو امیر المومنین سے سورج کی طرح واضح طور پر منقول ہیں وہ یقین کرلے گا کہ ان دونوں تاویلوں کی ان میں کوئی گنجائش نہیں اگرچہ اس میں نبیذ کی شدت کے بارے میں عظیم تصریحات نہ بھی ہوتیں، تو تجھے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مؤطا میں منقول وہ قول کفایت کرتا کہ انھوں نے امیر المومنین سے کہا کہ بخدا کیا آپ نے اس کو

۱؎ سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۲۳

۲؎ مؤطا الامام مالک " باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹۵

تخلل واما ادعاء الرجوع فقال النسائی
مما یدل علی صحة ھذا
حدیث السائب فذکر ما اسند
مالك عن ابن شهاب عن
السائب بن یزید ان عمر
بن الخطاب خرج علیهم
فقال انی وجدت من فلان
ریح شراب فزعم انه شراب
الطلاء وانا سائل عما شرب
فان کان مسکرا جلدته فجلده
عمر بن الخطاب رضی الله
تعالٰی عنه الحد تاما[1] اھ
ورواه ایضا الشافعی وعبدالرزاق
وابن وهب وابن جریر والطحاوی
والبیهقی وتبعه الزرقانی فی شرح
المؤطا فقال تحت حدیث محمود
بن لبید المار عن المؤطا
کان عمر اجتهد فی تلك المرة
ثم رجع عنه لحد ابنه فی شرب الطلاء
کما مر[2] اھ، **اقول**
رحم الله اباعبدالرحمٰن
کان مذهب امیرالمؤمنین

حلال کردیا، اگر وہ نبیذ سخت نہ ہوتی یا سرکہ بن چکی ہوتی
تو اس قول کی کیا گنجائش بنتی۔ رہا رجوع کا دعوٰی
تو امام نسائی نے کہا کہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل
حدیثِ سائب ہے، اس کے بعد پھر وہ حدیث
ذکر فرمائی جس کو مالک نے ابن شہاب انھوں نے
سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمر
ابن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور
فرمایا کہ میں نے فلاں سے شراب کی بُو پائی ہے اور
گمان کیا کہ وہ شرابِ طلاء ہے میں اس سے اس
شراب کے بارے میں پوچھوں گا اگر وہ نشہ آور ہوئی
تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا۔ پھر حضرت عمر
ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر مکمل
حد جاری فرمائی الخ، اور اس کو امام شافعی،
عبدالرزاق، ابن وہب، ابن جریر، طحاوی اور
بیہقی نے بھی روایت کیا، اور زرقانی نے شرح
مؤطا میں اس کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث
محمود بن لبید کے تحت فرمایا جو کہ مؤطا کے حوالے سے
گزر گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس
مرتبہ اس بارے میں اجتہاد فرمایا تھا پھر اس سے
رجوع فرمالیا، چنانچہ طلاء کے پینے پر حد جاری
فرمائی، جیسا کہ گزرا الخ۔ **اقول** (میں کہتا ہوں)
اللہ تعالٰی ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ امیرالمومنین

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱
[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الاشربہ جامع تحریم الخمر تحت حدیث ۱۶۴۵ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۲

تحليل القليل والحد في الكثير اما سمعت الى قوله في جواب المعتذر انما شربته من قربتك انما جلدناك لسكرك فاين جلد في السكر فاين الدليل على حرمة القليل و ليت شعري متى رجع وقد شربه في طعنته التي انتقل فيها الى الفرادیس العلى كما تقدم من حديث عمرو بن ميمون۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب یہ تھا کہ قلیل حلال ہے اور حد کثیر میں جاری فرمائی۔ کیا تو نے امیر المومنین کا وہ جواب نہیں سنا جو آپ نے اس شخص کو دیا جس نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ میں نے آپ کے مشکیزے سے شراب پی ہے، جواب یہ تھا کہ ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں، اگر کوڑے آپ نے نشہ کی وجہ سے لگائے ہیں تو اس میں قلیل کی حرمت پر دلیل کہاں سے آئی، کاش میرا علم حاضر ہو آپ نے رجوع کب فرمایا حالانکہ آپ نے اسے نیزے کے اس زخم کے موقع پر نوش فرمایا جس زخم میں آپ فردوس اعلٰی کی طرف منتقل ہو گئے جیسا کہ حدیث عمرو بن میمون کے حوالہ سے گزر چکا۔

الثالث حديث ابن عباس

رضی الله تعالٰی عنهما حرمت الخمر بعينها والسكر من كل شراب، اخرجه النسائي فقال اخبرنا ابوبكر بن علی اخبرنا القواريری ثنا عبد الوارث قال سمعت ابن شبرمة یذکره عن عبد الله بن شداد بن الهاد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر قليلها وكثيرها والسكر من كل شراب[1] وهو كما ترى

تیسری بحث: حدیث ابن عباس

رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام نسائی نے اس کی تخریج کی، چنانچہ فرمایا ہمیں ابوبکر بن علی نے خبر دی انھوں نے کہا ہمیں قواریری نے خبر دی انھوں نے کہا ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا کہ میں نے ابن شبرمہ کو عبداللہ بن شداد بن الہاد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کرتے ہوئے سنا، ابن عباس نے کہا کہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کر دیا گیا اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے، اور وہ جیسا کہ تو دیکھتا ہے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۳۱

سند نظيف نفيس، ابو بكر هو
احمد بن على بن سعيد ثقة حافظ،
والقواريرى عبيد الله بن عمر بن
ميسرة ثقة ثبت من رجال الشيخين،
وعبد الوارث هو ابن سعيد بن ذكوان
ثقة ثبت من رجال الستة، وابن شبرمة
ثقة فقيه من رجال مسلم، و
عبد الله بن شداد ثقة فقيه جليل من
رجال الستة ولد على عهد رسول الله
صلى الله تعالٰى عليه وسلم و مثله
او انظف واجود ما قدمنا من سند
الامام الطحاوى، فهد هو ابن سليمٰن
بن يحيٰى ثقة، وابو نعيم
هو الفضل بن دُكين ثقة
ثبت من رجال الستة من كبار
شيوخ خ، بينه الحافظ ابو بكر بن ابى خيثمة
اذ روى هٰذا الحديث فى تاريخه
فقال حدثنا ابو نعيم الفضل بن دُكين
ثنا مسعر عن ابى عون كما سيأتى،
ومسعر من لا يجهل ثقة
ثبت فاضل فقيه من رجال
الستة، وابو عون هو محمد
بن عبيد الله الثقفى ثقة
من رجال الستة الا ابن ماجة،
وعبد الله عبد الله بيد ان اباعبد الرحمٰن

صاف ستھری عمدہ سند ہے۔ ابوبکر احمد
بن علی بن سعید ثقہ اور حافظ ہے۔ قواریری
عبید اللہ بن عمر بن میسرہ ثقہ، ثبت اور شیخین کے
رجال میں سے ہے۔ عبد الوارث ابن سعید بن
ذکوان ثقہ، ثبت اور اصحاب صحاح ستہ
کے رجال میں سے ہے۔ ابن شبرمہ عبد اللہ ابو شبرمہ
ثقہ، فقیہ اور امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔
عبد اللہ بن شداد ثقہ، فقیہ جلیل اور صحاح ستہ
کے رجال میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوا، اور
اس کی مثل یا اس سے زیادہ نظیف اور زیادہ
جیّد امام طحاوی کی وہ سند ہے جسے ہم پہلے ذکر
کر آئے۔ فہد ابن سلیمان بن یحیٰی ثقہ ہے۔ ابو نعیم
فضل بن دُکین ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے
رجال اور بڑے شیوخ میں سے ہے، "خ"
اس کو حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے بیان کیا جب انھوں
نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے
کہا کہ ہمیں ابو نعیم فضل بن دُکین نے حدیث بیان
کی انھوں نے مسعر سے انھوں نے ابو عون
سے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ مسعر وہ ہے
جو مجہول نہیں ثقہ، ثبت، فاضل، فقیہ اور
صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابو عون
محمد بن عبید اللہ ثقفی ثقہ اور صحاح ستہ کے
رجال میں سے ہے سوائے ابن ماجہ کے،
اور عبد اللہ عبد اللہ ہے مگر جب ابو عبد الرحمٰن.

حاول ان یخدشه، فاتی بوجھین احدھما ان ابی شبرمة لم یسمعه عن عبداللہ بن شداد اخبرنا ابوبکر بن علی ثنا سریج بن یونس ثنا ھشیم عن ابن شبرمة قال حدثنی الثقة عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر بعینھا قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب[1] اھ اقول الحمد للہ قد علم الثقة اخرج البزار فی مسندہ حدثنا محمد بن حرب ثنا ابوسفین الحمیری ثنا ھشیم عن ابن شبرمة عن عمار الدھنی عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما فذکرہ قال وقد رواہ عن ابوعون عن عبداللہ بن شداد و رواہ عن ابی عون مسعر و الثوری و شریک لانعلم رواہ عن ابن شبرمة عن عمار الدھنی عن ابن شداد عن ابن عباس الا ھشیم ولا عن ھشیم الا ابوسفین ولم یکن

نے ارادہ کیا کہ اس پر عیب لگائے تو وہ دو وجہیں لایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابن ابی شبرمہ نے اس کو عبداللہ بن شداد سے نہیں سنا۔ ہمیں خبر دی ابوبکر بن علی نے انھوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی سریج بن یونس نے اور انھیں بیان کی ہشیم نے ابن شبرمہ سے انھوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی ثقہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انھوں نے فرمایا کہ خمر بعینہ یعنی قلیل وکثیر حرام کردی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام کیا گیا الخ اقول (میں کہتا ہوں) الحمدللہ معلوم ہوگیا کہ وہ ثقہ ہے۔ بزار نے اپنی مسند میں تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی اور انھیں ابوسفیان حمیری نے انھیں ہشیم نے ابن شبرمہ سے حدیث بیان کی اور ابن شبرمہ نے عمار الدہنی سے اس نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی پھر اسی حدیث کو ذکر کیا اور کہا کہ اس کو روایت کیا ہے ابوعون نے عبداللہ بن شداد سے اور اس کو روایت کیا ابوعون سے مسعر، ثوری اور شریک نے اور معلوم نہیں کہ اس کو روایت کیا ہے ابن شبرمہ سے انھوں نے عمار دُہنی سے انھوں نے ابن شداد سے انھوں نے ابن عباس سے سوائے ہشیم کے اور نہ ہشیم سے سوائے ابوسفین کے۔ اور یہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱

هٰذا الحديث الا عند محمد بن حرب وكان واسطيا ثقة[1] اھ **قلت** و ابو سفيٰن الحميری هو سعيد بن يحيٰی صدوق وسط من رجال البخاری قال الحافظ المنذری فی الترغيب ثقة مشهور[2] اھ و قد قال الذهبی فی الميزان فی بيان مجاهيل الاسم اعنی تعيين من ابهم اسمه عبد الله بن شبرمة عن الثقة فی الخمر جاء مبينا انه عمار الدهنی[3] اھ وعمار هو ابن معٰوية ابو معٰوية الكوفی صدوق من رجال الستة الا البخاری قال الذهبی وثقه احمد وابن معين و ابو حاتم والناس وما علمت احدا تكلم فيه الا العقيلی فتعلق عليه بما سأله ابو بكر بن عياش اسمعت عن سعيد بن جبير قال لا قال فاذهب[4] اھ **قلت** و ناهيك توثيق الائمة و انه شيخ شعبة و السفيانين

حدیث نہیں مگر محمد بن حرب کے نزدیک، اور وہ واسطی ہیں اور ثقہ ہیں اھ۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) ابو سفیٰن حمیری وہ سعید بن یحیٰی ہے جو صدوق وسط اور بخاری کے رجال میں سے ہے۔ حافظ منذری نے ترغیب میں کہا کہ وہ ثقہ مشہور ہے الخ۔ ذہبی نے میزان میں ان لوگوں کے بیان میں جن کے نام مجہول اور مبہم ہیں اس کی تعیین کرتے ہوئے کہا کہ اس کا نام عبداللہ بن شبرمہ ہے اس نے خمر کے معاملے میں ثقہ سے روایت کی وہاں اس بات کو واضح کیا ہے کہ وہ عمار الدہنی ہے الخ عمار وہ ابن معاویہ ابو معاویہ کوفی صدوق اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے بخاری کے۔ ذہبی نے کہا اس کو احمد، ابن معین، ابو حاتم اور کئی لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس میں کلام کیا ہے سوائے عُقیلی کے۔ چنانچہ عُقیلی نے اس پر تعلق کیا جو اس سے ابوبکر بن عیاش نے پوچھا کہ کیا تو نے سعید بن جبیر سے سنا اس نے کہا نہیں تو ابوبکر نے کہا کہ جا الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) تجھے یہ بات کافی ہے کہ جن ائمہ کرام نے عمار کی توثیق کی ہے وہ شیخ شعبہ اور دو سفیان

---

[1] نصب الرایة بحوالہ البزار فی مسندہ کتاب الاشربة تحت الحدیث التاسع المکتبة الاسلامیہ ۴/۳۰۷

[2] الترغیب والترہیب

[3] میزان الاعتدال فصل فی المجاہیل الاسم ترجمہ عبداللہ ابن شبرمة ۱۰۹۲۷ دار المعرفة بیروت ۴/۶۰۳

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 عمار بن معاویہ ۶۰۰۵ 〃 〃 〃 ۳/۱۷۰

ولا عليك من دندنة العقيلي
فقد اخذ يلين ذاك الجبل
الشامخ علي بن المديني الذي
قال فيه البخاري مااستصغرت
نفسه الا عنده وقد اورد الامام
موسى الكاظم في الضعفاء فحسبنا
الله ولا حول ولا قوة الا بالله وبالجملة
ان كان ابن شبرمة يرسله
تارة ويبهم اخرى ويبين
مرة فتبين العدل فكان
ماذا ثم اخذ ابو عبد الرحمن
يلين هذا بهشيم قال وهشيم
بن بشير كان يدلس و
ليس في حديثه ذكر السماع
من ابن شبرمة **اقول** هشيم
ثقة ثبت من رجال الستة
وقد ثبت سماعه هذا الحديث
عن ابن ابي شبرمة اخرج ابوبكر
بن ابي خيثمة قال حدثنا
ايوب عن يزيد بن هارون عن
قيس ثنا ابي ثنا هشيم اخبرني
ابن شبرمة عن عبد الله
بن شداد عن ابن عباس
قال حرمت الخمر
بعينها قليلها وكثيرها و

ہیں اور تُو مت توجہ دے عُقیلی کی بھنبھناہٹ کی
طرف، وہ تو علی مدینی جیسے بلند پہاڑ کو نرم اور
کمزور قرار دیتا ہے جس کے بارے میں امام بخاری
نے کہا کہ میں اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا مگر
علی بن مدینی کے پاس، اور اس نے امام
موسیٰ کاظم کو ضعفاء میں وارد کیا، پس اللہ تعالیٰ
ہی ہمیں کافی ہے اور اللہ تعالےٰ کی توفیق کے
بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی
کرنے کی طاقت۔ بخلاصہ یہ کہ ابن شبرمہ کبھی اس میں
ارسال کرتا ہے کبھی اس کو مبہم بیان کرتا ہے اور
کبھی اس کو ظاہر کرتا ہے۔ پس عدل ظاہر
ہوگیا تو یہ کیا ہے، پھر ابو عبد الرحمٰن اس کو
ہشیم کے سبب سے نرم قرار دینے لگے، اور کہا
کہ ہشیم بن بشیر تدلیس کرتا تھا اور اس کی حدیث
میں ابن شبرمہ سے سماع کا ذکر نہیں۔ **اقول**
(میں کہتا ہوں) ہشیم ثقہ، ثبت اور اصحاب ستہ
کے رجال میں سے ہے اور اس کا اس حدیث
کو سُننا ابن شبرمہ سے ثابت ہے۔ ابوبکر بن ابو خیثمہ
نے تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ایوب نے
یزید بن ہارون سے انھوں نے قیس سے حدیث
بیان کی، قیس نے کہا مجھے میرے باپ نے
انھوں نے کہا مجھے ہشیم نے انھوں نے کہا مجھے
ابن شبرمہ نے عبد اللہ بن شداد سے بحوالہ ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث بیان کی، ابن عباس
نے کہا کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کردی گئی اور

السکر من کل شراب[1]، وقد علمت
من کلام البزار ان عامة
الحفاظ انما رووہ عن ابن شبرمة
عن ابن شداد و لم یدخل بینهما
رجلا الا هُشَیم حیث عنعن و وافق
الجماعة حیث نص علی سماع
نفسه من ابن شبرمة وسماع ابن شبرمة من
ابن شداد صحیح فاذن انما کان
الاولی بالطرح کونه بواسطة انه لم یثبت
بسند یثبت و ثانیها ان خالفه ابو عون
اخبرنا محمد بن عبد الله بن الحکم
ثنا محمد (یعنی غندر) ح واخبرنا
الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا
محمد بن جعفر ثنا شعبه عن مِسعَر عن
ابی عون عن عبد الله بن شداد عن ابن
عباس رضی الله تعالی عنهما
قال حرمت الخمر بعینها قلیلها و
کثیرها و المسکر من کل شراب لم یذکر
ابن الحکم قلیلها وکثیرها اخبرنا
الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا
ابراهیم بن ابی العباس ثنا
شریک عن عباس بن
ذریح عن ابی عون

ہر شراب سے نشہ حرام کیا گیا، اور تحقیق بزار کے کلام سے
تجھے معلوم ہو چکا کہ عام حفاظ نے اس کو روایت کیا۔
ابن شبرمہ سے اس نے ابن شداد سے ان دونوں کے
درمیان سوائے ہشیم کے کسی مرد کو داخل نہیں کیا۔
ہشیم نے جہاں عنعنہ کے طور پر حدیث بیان کی اس
میں انھوں نے جماعت کی موافقت کی کیونکہ انھوں نے
اس بات پر نص کی کہ انکا ابن شبرمہ سے سماع اور ابن شبرمہ کا
ابن شداد سے سماع صحیح ہے تو اس صورت میں اسکا ترک اولیٰ ہے
کیونکہ سند ثابت سے اسکا ثبوت نہیں ہوا، اور دوسری وجہ یہ کہ
ابوعون نے اسکی مخالفت کی ہمیں خبر دی عبداللہ بن حکم نے، اس نے کہا
ہمیں حدیث بیان کی محمد یعنی غندر نے، اس نے کہا ہمیں خبر دی
حسین بن منصور نے، اس نے کہا ہمیں امام احمد
ابن حنبل نے انھوں نے کہا ہمیں محمد بن جعفر نے،
انھوں نے کہا ہمیں شعبہ نے مسعر سے، اس نے
ابوعون سے، اس نے عبداللہ ابن شداد سے،
اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث
بیان کی کہ خمر لعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کر دیا گیا اور
ہر شراب سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ ابن حکم
نے قلیل وکثیر کا ذکر نہیں کیا۔ ہمیں حسین بن منصور
نے خبر دی اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے،
اور انھیں ابراہیم ابن ابوالعباس نے، انھیں
ابن شریک نے حدیث بیان کی اور شریک نے
عباس بن ذریح سے، اس نے ابوعون سے،

---

[1] حواشی مسند امام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خثیمہ فی تاریخہ کتاب الاطعمۃ والاشربۃ نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۰۳
سنن النسائی ذکر اخبار التی اعتل بہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱

عن عبد الله بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر قلیلها وکثیرها وما اسکر من کل شراب قال ابو عبد الرحمٰن وھذا اولی بالصواب من حدیث ابن شبرمۃ[1]

اقول رحم اللہ ھؤلاء المحدثین لوانا قدمنا روایۃ الامام العابد الفاضل شریک الذی کان یخطئ کثیرا وقد تغیر ولم یحتج البخاری ولا مسلم فی شیئ من الاصول و قال یحیی بن سعید ضعیف جدا و قال ابن المثنی مارأیت یحیٰی ولا عبد الرحمٰن حدثا عن شریک شیئا و قال عبد الجبار بن محمد قلت لیحیٰی بن سعید زعموا ان شریکا انما خلط باٰخرہ قال مازال مخلطا و عن ابن المبارک قال لیس حدیث شریک بشیئ وقال الجوزجانی سیئ الحفظ مضطرب الحدیث مائل وقال ابراھیم بن سعید الجوھری اخطأ شریک فی اربعمائۃ حدیث وروی معاویۃ بن صالح عن ابی معین صدوق ثقۃ الا انہ اذا خالف فغیرہ

اس نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کر دیا گیا اور ہر شراب سے وہ مقدار حرام کر دی گئی جو نشہ دے۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا یہ ابن شبرمہ کی حدیث سے درست ہونے میں اولٰی ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ان محدثین کرام پر رحم فرمائے۔ اگر ہم امام عابد فاضل شریک کی روایت کا عیب تسلیم کرلیں جو کثرت سے خطا کرتے اور متغیر ہوگئے۔ امام بخاری اور امام مسلم کسی بھی اصول میں اس سے استدلال نہ کرتے۔ یحیٰی بن سعید نے کہا وہ بہت ضعیف ہے۔ ابن مثنٰی نے کہا میں نے نہیں دیکھا نہ عبدالرحمٰن نے شریک سے کوئی حدیث بیان کی۔ عبدالجبار بن محمد نے کہا کہ میں نے یحیٰی بن سعید کو کہا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ شریک نے آخر میں خلط ملط کیا ہے اس نے کہا کہ وہ ہمیشہ خلط ملط کرتا رہا۔ ابن مبارک نے کہا کہ حدیث شریک کوئی شَے نہیں۔ جوزجانی نے کہا کہ وہ کمزور حافظے والا، مضطرب حدیث والا اور کجرو تھا۔ ابراہیم بن سعید جوہری نے کہا کہ شریک نے چار سو حدیثوں میں خطا کی۔ معاویہ بن صالح نے ابو معین سے روایت کی کہ وہ صدوق اور ثقہ ہے مگر جب وہ کسی کی مخالفت کرے تو اس کا

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱

[2] میزان الاعتدال ترجمہ شریک بن عبداللہ ۳۶۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۰

احب الینا منه وقال مرة ثقة الا انه یغلط ولا یتیقن وقال الدارقطنی لیس بالقوی فیما ینفرد به[1] وقال ابو احمد الحاکم لیس بالمتین[2] وکذلك قلت انت مرة یا ابا عبد الرحمٰن انه لیس بالقوی وقال الازدی کان صدوقا الا انه سیئ الحفظ کثیر الوهم مضطرب الحدیث کما فی تهذیب التهذیب[3] علی روایة ابن شبرمة ذاك الامام الشهیر الثقة الفقیه المحتج به فی صحیح مسلم وثقه احمد و ابو حاتم فضلا عن حدیث الامام الاجل الثقة الثبت مسعر لکانوا قاموا باشد الانکار ثم الرجل[عـه] مدلس قال عبد الحق الاشبیلی کان یدلس وقال ابن القطان کان مشهورا بالتدلیس[4] وقد عنعن فمالکم تنقمون عنعنة هُشَیم ذاك الجبل الشامخ ثم تعودون تحتجون بعنعنة شریك واما شعبة فقد تفرد به من بین الجماعة ونقص

غیر مجھے اس کی بنسبت زیادہ پسند ہوتا ہے۔ مرۃ نے کہا کہ وہ ثقہ ہے مگر وہ غلطی کرتا ہے اور ثابت نہیں رہتا۔ دارقطنی نے کہا کہ شریک ان حدیثوں میں قوی نہیں جن میں وہ منفرد ہے۔ ابو احمد حاکم نے کہا کہ وہ متین نہیں۔ اور یوں ہی اے عبدالرحمٰن! ایک بار تُو نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے۔ ازدی نے کہا کہ وہ صدوق تھا مگر وہ کمزور حافظے والا، کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث تھا، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ابن شبرمہ کی روایت پر ہے کہ وہ مشہور امام، ثقہ، فقیہ اور مقتدیٰ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ امام احمد نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ ابو حاتم نے اسکو امام اجل ثقہ ثبت مسعر کی حدیث سے افضل قرار دیا تو لوگوں نے اس کا شدید انکار کیا۔ پھر وہ مدلس شخص ہے، عبدالحق اشبیلی نے کہا کہ وہ تدلیس کرتا تھا۔ ابن قطان نے کہا کہ وہ تدلیس میں مشہور تھا۔ تحقیق اس نے عنعنہ کے ساتھ روایت کی تمھیں کیا ہے کہ تم ہشیم کے عنعنہ کو برا سمجھتے ہو جو کہ ایک بلند پہاڑ ہے پھر لوٹ کر شریک کے عنعنہ سے استدلال کرتے ہو مگر شعبہ اس کے ساتھ جماعت میں سے متفرد ہے، اس سلسلہ میں

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ شریک بن عبداللہ ۳۶۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۰ و ۲۷۱
[2] تہذیب التہذیب " " " " " ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ ۴/ ۳۳۶
[3] " " " " " " " " " " " ۴/ ۳۳۷
[4] " " " " " " " " " " " " "
عـه متعلق باقول رحمہ اللہ ہولاء المحدثین لو انا قدمنا
عـه ای شریک

علیك الامر فی ذٰلك روی ھٰذا الحدیث عن ابن عباس سعید بن المسیب و عون بن ابی جحیفۃ و عکرمۃ وعبد اللہ بن شداد اما الاولان فروی عنہما الرفع الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما تقدم، و اما عکرمۃ وقال الطبری فی تھذیب الاٰثار حدثنا محمد بن موسٰی ثنا عبد اللہ بن عیسٰی ثنا داؤد بن ابی ھند عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال حرم اللہ الخمر بعینہا و السکر من کل شراب[1]، واما ابن شداد فروی عنہ ابو عون وعمار الدھنی وابو شبرمۃ علی الوجوہ التی علمت وعیاش العامری عن ابی بکر بن ابی خیثمۃ قال حدثنا محمد بن الصباح البزار اخبرنا شریك عن عیاش العامری عن عبد اللہ بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر لعینہا والسکر من کل شراب وقال وعیاش العامری ھو عیاش بن عمرو[2]، **قلت** ثقۃ من رجال مسلم و سلیمٰن الشیبانی وعنہ شعبۃ عن ابن ابی خیثمۃ ایضا

تجھ پر معاملہ ناقص ہوگیا، اس حدیث کو ابن عباس سے سعید بن مسیب، عون بن ابوجحیفہ، عکرمہ اور عبد اللہ بن شداد نے روایت کیا۔ پہلے دونوں سے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع ہونا مروی ہے جیسا کہ گزرچکا۔ رہا عکرمہ، تو طبری نے تہذیب الآثار میں کہا کہ ہمیں محمد بن موسٰی نے انھیں عبد اللہ بن عیسٰی نے انھیں داؤد بن ابی ہند نے عکرمہ سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حدیث بیان کی، ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے خمر کو بعینہٖ اور ہر شراب سے نشہ کو حرام فرمایا۔ رہا ابن شداد تو اس سے ابو عون، عمار دُہنی اور ابوشبرمہ نے ان وجوہ پر روایت کیا جو تو جان چکا۔ عیاش عامری نے ابوبکر بن ابوخثیمہ سے روایت کی انھوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن صباح البزار نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہمیں شریک نے عیاش عامری سے خبر دی اور انھوں نے عبد اللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ اور عیاش عامری وہ عیاش بن عمر ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ ثقہ ہے اور امام مسلم اور سلیمان شیبانی کے رجال میں سے ہے اور اسی سے شعبہ نے بھی ابن ابی خثیمہ کے نزدیک روایت کیا

[1] البنایۃ بحوالہ الطبرانی فی التہذیب کتاب الاشربہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۲۸

[2] حواشی مسند الامام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خثیمہ فی تاریخہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۲

وبلغه الى ام المومنين ميمونة حيث قال
حدثنا على الجعد اخبرنا شعبة
عن سليمان الشيبانى عن
عبد الله بن شداد عن عبد الله
بن عباس عن خالته ميمونة بنت
الحارث رضى الله تعالى عنهم
ورواه عن ابى عون الامام الاعظم
وسفين الثورى ومسعر بن كدام و
عبد الله بن عياش وقد وقعت روايتهم
جميعا فى مسند الامام وشريك و
ابوسلمه عند البزار ورواه عن مسعر
ابونعيم الفضل بن دكين عند الطحاوى
وابن ابى خيثمة ومن طريقه القاسم بن
اصبغ فقال حدثنا احمد بن
زهير (يعنى ابابكر بن ابى خيثمه) ثنا
ابونعيم الفضل بن دكين عن مسعر
عن ابى عون عن عبد الله بن
شداد عن ابن عباس رضى الله تعالى
عنهما قال حرمت الخمر بعينها
القليل منها والكثير والسكر من
كل شراب[1]، قال البدر محمود
عينى فى البناية قال
ابن حزم صحيح قال

جس کو اس نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالٰی
عنہا تک پہنچایا جہاں اس نے یہ کہا کہ ہمیں حدیث
بیان کی علی الجعد نے اس نے کہا کہ ہمیں خبر دی شعبہ نے
سلیمان شیبانی سے اور اس نے عبداللہ بن شداد
سے اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما
سے اور انھوں نے اپنی خالہ سیدہ میمونہ بنت حارث
رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی اور اس کو
ابوعون سے امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر بن کدام
اور عبداللہ بن عیاش نے روایت کیا ان سب کی
روایت سید امام اعظم میں واقع ہے۔ اور بزار کے
نزدیک اس کو شریک اور ابوسلمہ نے روایت کیا،
طحاوی اور ابن ابی خیثمہ کے نزدیک اس کو مسعر سے
ابونعیم فضل بن دکین نے روایت کیا اور اسی کے
طریق سے قاسم بن اصبغ نے روایت کرتے ہوئے
کہا کہ ہمیں احمد بن زہیر یعنی ابوبکر بن ابی خیثمہ نے حدیث
بیان کی انھوں نے کہا ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے
مسعر سے حدیث بیان کی اور مسعر نے ابوعون سے،
اس نے عبداللہ ابن شداد سے، اور اس نے
عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت
کی کہ ابن عباس نے فرمایا خمر بعینہٖ یعنی اس کا
قلیل وکثیر اور ہر شراب سے نشہ حرام کردیا گیا۔
بدر محمود عینی نے بنایہ میں کہا کہ ابن حزم نے فرمایا کہ
ابن حزم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس نے

---

[1] البنایہ بحوالہ قاسم بن اصبغ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۲۸

وتابعه ابانُعَيم جعفر بن عون فرواه
عن مسعر كذٰلك[1] الخ وكذا تابعه
قال ابن حزم صحيح خلاّد بن يحيٰى
عند ابي نعيم في الحليه وسفين الثوري
وشعبة وسفين وابراهيم ابنا عيينة
فرفعه عن مسعر فقال عن النبي صلى الله
تعالٰى عليه وسلم كما في الحلية و
بالجملة هٰؤلاء اربعة عن ابن عباس
منهم ابن شداد وعنه خمسة منهم
ابوعون وعنه ستة منهم، مسعر
وعنه سبعة منهم شعبة لم يذكر
احد منهم والمسكر بزيادة الميم
الا شعبة قال ابونعيم تفرد شعبة
بلفظه عن مسعر فيه فقال والمسكر
من كل شراب[2] اه فرواية
الجماعة هي الاحق بالقبول
ان فرض التنافي واين
التنافي فان المسكر من
كل شراب اوما اسكر من
كل شراب يحتمل القدر
المسكر من كل شراب احتمالا
جليا واضحا فكيف يقضي بالمحتمل على المتعين

ابونعیم جعفر بن عون کی متابعت کی چنانچہ اس کو مسعر سے
اسی طرح روایت کیا الخ ابن حزم نے کہا کہ صحیح ہے۔
خلاد بن یحیٰی نے ابونعیم کے نزدیک حلیہ میں اور سفیان
ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اور ابراہیم بن عیینہ
نے مسعر کے حوالے سے اس کو مرفوعاً روایت کیا، مسعر
نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے
جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ان چاروں نے
ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا انھیں
میں سے ابن شداد ہے جس سے پانچ حدیثیں مروی
ہیں انھیں میں سے ابوعون ہے جس سے چھ حدیثیں
مروی ہیں، انھیں میں سے مسعر ہے جس سے سات
حدیثیں مروی ہیں، انھیں میں سے شعبہ ہے سوائے
شعبہ کے ان میں سے کسی نے بھی لفظِ مُسکر میم کی
زیادتی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ ابونعیم نے کہا کہ مسعر
سے یہ روایت کرنے میں شعبہ متفرد ہے کیونکہ اس نے
کہا کہ ہر شراب میں مُسکر حرام ہے الخ اگر ان میں تنافی
فرض کی جائے تو شعبہ کی بنسبت جماعت کی روایت
قبولیت کی زیادہ حقدار ہے اور ان میں تنافی
کہاں ہے اس لئے کہ ہر شراب میں سے مُسکر
یا ہر شراب میں سے وہ جو نشہ دے وہ ہر شراب
میں سے مقدارِ مُسکر کا واضح احتمال رکھتی تو محتمل کے
ساتھ متعین پر کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالٰی

---

[1] البنایہ بحوالہ قاسم بن اصبغ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/۳۲۸
[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ مسعر بن کدام ۲۸۹ دار الکتاب العربی بیروت ۷/۲۲۳

وباللہ التوفیق وبہ ثبت وللہ الحمد
ان اباعون لم یخالف شعبۃ عن
مسعر سائر الجملۃ من مسعر وعن
ابی عون وعن ابن شداد
وعن ابن عباس رضی اللہ
تعالٰی عنہم، والعجب من
الامام ابن الہمام کیف تبع
النسائی علی ھذا الکلام
وزعم ان لفظ السکر
تصحیف وما التوفیق الا باللہ
الخبیر اللطیف والحمد للہ
رب العلمین۔

ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی توفیق سے
ہی ثابت قدمی ہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے
حمد ہے۔ بیشک ابوعون نے ابوشعبہ کی مخالفت
نہیں کی البتہ شعبہ نے مسعر سے روایت کرتے
ہوئے باقی تمام حضرات کی مخالفت کی جوانھوں
نے مسعر سے کی اور مسعر نے ابوعون سے، اس
نے ابن شداد سے، اور اس نے ابن عباس
رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور امام
ابن الہمام پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس کلام
پر نسائی کی پیروی کیسے کرلی! اور یہ گمان کیا کہ
لفظِ مُسکر غلط ہے اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ تعالٰی
سے جو خبر رکھنے والا باریک بین ہے اور سب
تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں
کا پروردگار ہے۔

الرابع حدیث الطحاوی عن
علقمۃ سالت ابن مسعود عن قول
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
فی السکر قال الشربۃ الاخیرۃ[1] رواہ
الدارقطنی فی سننہ عن عمار
بن مطر ثنا جریر بن عبد الحمید
عن الحجاج عن حماد عن ابراھیم عن
علقمۃ عن عبد اللہ فی قولہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ و
سلم کل مسکر حرام قال
عبد اللہ ھی الشربۃ التی

چوتھی بحث: طحاوی کی سند علقمہ سے کہ میں نے
ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کے نشہ سے متعلق قول کے بارے
میں سوال کیا تو انھوں نے کہا وہ آخری گھونٹ ہے؛
اس کو دارقطنی نے اپنی سُنن میں عمار بن مطر سے
روایت کیا، عمار نے کہا ہمیں جریر بن عبد الحمید
نے حجاج سے، اس نے حماد سے اس نے ابراہیم سے اس نے
علقمہ سے، اور اس نے عبداللہ سے رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے
بارے میں حدیث بیان کی کہ ہر نشہ آور حرام ہے،
عبداللہ نے کہا کہ وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

اسکرتك ثم اسند عن عمار بن مطر ثنا شريك عن ابي حمزة عن ابراهيم قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم كل مسكر حرام قال هي الشربة التي اسكرتك قال هذا اصح من الذي قبله ولم يسنده غير الحجاج واختلف عنه وعمار بن مطر ضعيف وحجاج ضعيف وانما هو من قول ابراهيم النخعي ثم اخرج عن ابن المبارك انه ذكر عنده حديث ابن مسعود كل مسكر حرام هي الشربة التي تسكرك فقال هذا حديث باطل[1] اھ وتبعه المحقق في الفتح **اقول** سند الطحاوی حدثنا ابن ابي داؤد ثنا نعيم وغيره انا حجاج عن حماد[2] الخ وليس فيه عمار كما ترى والحجاج هو ابن ارطاة من رجال مسلم والاربعة وهو وان كان من شيوخ شعبة وشعبة من قد علم في شدة ورعه واحتياطه وقد كان يقول اكتبوا

نشہ دیا۔ پھر دارقطنی نے اس کا اسناد بیان کیا عمار بن مطر سے، اس نے شریک سے، اس نے ابوحمزہ سے، اس نے ابراہیم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کہ ہر نشہ آور حرام ہے، فرمایا وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا۔ دارقطنی نے کہا یہ پہلی سند سے زیادہ صحیح ہے سوائے حجاج کے کسی نے اس کا اسناد بیان نہیں کیا اور اس سے روایت میں اختلاف ہے۔ عمار بن مطر ضعیف ہے یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔ پھر ابن المبارک سے اس کی تخریج کی کہ اس کے پاس حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ "ہر مسکر حرام ہے" سے مراد وہ گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا، تو ابن المبارک نے کہا یہ حدیث باطل ہے اھ۔ اور اس کی پیروی کی محقق نے فتح میں۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) طحاوی کی سند یہ ہے کہ ہمیں ابن داؤد نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا کہ ہمیں نعیم وغیرہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا ہمیں حجاج نے حماد سے خبر دی الخ اس میں جیسا کہ تُو نے دیکھا عمار نہیں ہے اور حجاج وہ ابن ارطاۃ ہے جو مسلم اور اصحاب سُنن اربعہ کے رجال میں سے ہے۔ وہ اگرچہ شعبہ کے شیوخ میں سے ہے اور شعبہ کی تقوٰی واحتیاط میں سختی جانی ہوئی ہے کہا کرتے تھے حجاج بن ارطاۃ اور ابن اسحاق سے لکھ لیا کرو

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربۃ وغیرہا حدیث ۲۳ و ۲۵ دار المحاسن للطباعۃ القاہرۃ ۴/ ۲۵۰ و ۲۵۱

[2] شرح معانی الآثار ؍؍ باب ما یحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

عن حجاج ابن ارطاة و ابن اسحٰق فانهما حافظان[1] و قد اثنی علیه غیر واحد منهم الثوری و ابو حاتم بین انه کثیر التدلیس قال الذھبی اکثر ما نقم علیه التدلیس[2] و قال ابو حاتم یدلس عن ضعفاء[3] فالحدیث و ان لم یصح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه کما قاله عبد اللہ لکنه قد صح عن ابراھیم کما قدمناه عن مسند الامام الاعظم عن حماد عنه فما کان ینبغی لابی عبد الرحمٰن ان یقول لیس کما یقول ابو عون لانفھم تحریمھم اٰخر الشربة و تحلیلھم ما تقدمھا اما ما تعلل به قائلا لا خلاف بین العلم ان المسکر بکلیته لا یحدث علی الشربة الاٰخر دون الاولٰی والثانیة بعدھا اقول ارأیت اذا کان لا یسکر المسک و العنبر و الزعفران و اشباھھا

کیونکہ وہ دونوں حافظ ہیں۔ نیز متعدد ائمہ نے اسکی تعریف کی جن میں ثوری اور ابو حاتم شامل ہیں سوائے اس کے کہ وہ تدلیس میں کثرت کرتا ہے۔ ذہبی نے کہا اکثر اس پر جس شئی میں ملامت کی جاتی ہے وہ تدلیس ہے۔ ابو حاتم نے کہا وہ تدلیس کرتا ہے اور ضعفاء میں سے ہے۔ تو یہ حدیث اگرچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح نہیں جیسا کہ عبد اللہ نے کہا مگر ابراہیم سے صحیح ہے جیسا کہ ہم مسند امام اعظم کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں کہ حماد نے ابراہیم سے روایت کی۔ لہذا ابو عبد الرحمٰن کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا کہ ابن عون کا کہنا درست نہیں کیونکہ ان کا آخری گھونٹ کو حرام اور اس سے پہلے والے گھونٹ کو حلال قرار دینا ہمیں سمجھ نہیں آتا لیکن ابو عبد الرحمٰن کا وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا کہ مسکر کے آخری گھونٹ پر اثر انداز ہونا اور پہلے اور دوسرے پر نہ ہونا علمی اعتبار سے یہ فرق درست نہیں ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) تیرا کیا خیال ہے کہ کستوری، عنبر، زعفران اور ان جیسی دیگر اشیاء

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۱۷۲۶ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۶۰

[2] ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

[3] تہذیب التہذیب ؎ ؎ ۳۶۵ دائرۃ المعارف النظامیہ ۲/۱۹۷

الا اذا بلغ عشر حبات مثلاً فاذا تناول
حبة حبة فهل تناول الحرام فان
قلت نعم فقد اعظمت القول وان
قلت لا قلنا فان تناول اخرى
حتى بلغ تسعا فلابد ان
تقول في الكل بالحل قلنا
فاخبرنا اذا تناول العاشرة
فسكر فان قلت الآن ايضا
حل فقد اعظمت القول وان
قلت حرم فقد قضيت على نفسك
ولا شك ان السكر انما
اتى للمجموع لكن الحرمة
انما هي للاكلة الاخيرة دون
الاولى والتي تليها اي تسع
ومن عرف ان المعلول و
هي الحرمة المعلولة بالكسر المعلول
بالعشر انما يتحقق عند تحقق
الجزء الاخير من اجزاء
العلة عرف المرام ولم تذهب به الاوهام
وبهذا التقرير ولله الحمد تبين انزهاق
مالمع به الشوكاني في نيل الاوطار ناقلا
عن الطبري مانصه يقال لهم
(اي لائمتنا رضي الله تعالى عنهم)
اخبرونا عن الشربة التي يعقبها
السكر اهي التي اسكرت

مثلاً اگر نشہ نہ دیں جب تک وہ دس رتی کے برابر
نہ ہو جائیں۔ جب کسی شخص نے ان میں سے ایک رتی
کے برابر کھایا تو کیا اس نے حرام کھایا، اگر تو کہے کہ
ہاں تو تُو نے بہت بڑی بات کہہ دی اور اگر کہے کہ
نہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر دوسری رتی کھائی تو کیا حکم
ہے یہاں تک کہ نو تک پہنچ جائے۔ تیرے لئے
اس سے چھٹکارا نہیں کہ تو ان سب کے حلال ہونے
کا قول کرے۔ پھر کہیں گے کہ بتاؤ اگر وہ دسویں رتی
کھائے اور نشہ آجائے تو اب کیا حکم ہے۔ اگر
تو کہے کہ اب بھی حلال ہے تو تم نے بہت بڑی
بات کہہ دی۔ اور اگر کہے کہ حرام ہے تو خود اپنے
خلاف تُو نے فیصلہ دے دیا۔ اس میں کوئی شک
نہیں نشہ اس مجموعے سے آیا ہے لیکن حرمت
آخری رتی کو کھانے پر ہے نہ کہ پہلی اور اس کے
بعد والیوں پر جو کہ نَو ہیں۔ جس نے یہ سمجھا کہ معلول
جو کہ وہ حرمت ہے جس کی علت نشہ ہے وہ معلول
پوری دس رتیاں ہیں مگر اس کا تحقق علت کی
آخری جزء کے تحقق کے وقت ہوا تو اس نے
مقصد کو پہچان لیا۔ اس کو وہم نہ بہکائے گا۔
الحمدللہ اس تقریر سے شوکانی کا نیل الاوطار میں
حد سے تجاوز کرنا ظاہر ہو گیا دراں حالیکہ وہ طبری
سے نقل کرنے والا ہے جس کی اس نے تصریح کی کہ
ان (ہمارے ائمہ) کو کہا جائے گا کہ اس گھونٹ
کے بارے میں بتاؤ جس کے بعد نشہ آیا ہے
کہ کیا اس نے ماقبل والے گھونٹوں کے بغیر

صاحبها دون ما تقدم من الشراب ام اسکرت باجتماعها مع ما تقدم واخذت کل شربة بحظها من الاسکار فان قالوا انما احدث له السکر الشربة الاٰخرة التی وجد خبل العقل عقبها قیل لهم وهل هٰذه التی احدثت له ذالك الا کبعض ما تقدم من الشربات قبلها فی انها لو انفردت دون ما قبلها کانت غیر مسکرة وحدها، وانها انما اسکرت باجتماعها واجتماع عملها فحدث عن جمیعها السکر[1] فان التقریر بحذافیرہ جار فی الحبة العاشرة من المسك ونظائرہ والوهم انما نشأ من عدم الفرق بین الجزء الاخیر وبین سائر العلل الناقصة المقدمة علیه وکذا استبان بحمد الله انخساف ما زوق به الشوکانی تحت حدیث "کل شراب اسکر فهو حرام" بقوله ان الشراب اسم جنس فیقتضی ان یرجع التحریم الی الجنس کله کما یقال هذا الطعام مشبع، الماء مرو ویرید به الجنس و کل جزء منه یفعل ذٰلك الفعل، فاللقمة تشبع العصفور وما هو اکبر منها یشبع ما هو اکبر من العصفور

نشہ دیا یا ماقبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہوکر نشہ دیا اور ہر گھونٹ کا نشہ دینے حصہ ہے، اگر وہ کہیں کہ اس کو نشہ آخری گھونٹ نے دیا ہے جس کے بعد اس کی عقل میں خلل واقع ہوا تو ان کو کہا جائے گا کہ یہ آخری پہلے والے گھونٹوں کی طرح ہی ہے اس بات میں کہ اگر یہ ان سے منفرد ہوتا تو اکیلے نشہ نہ دیتا۔ اس نے ماقبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہوکر نشہ دیا ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ نشہ ان تمام گھونٹوں کے مجموعے سے پیدا ہوا ہے اھ، بیشک یہی تقریر تمام شقوں کے ساتھ کستوری اور اس جیسی دیگر اشیاء میں جاری ہوتی ہے۔ وہم صرف اس لئے پیدا ہوا کہ آخری جزء اور اس سے پہلے والی باقی ناقص علتوں میں فرق نہیں کیا گیا۔ یونہی الحمدﷲ حدیث "ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے" کے تحت شوکانی کا یہ کلام بھی زنگ آلود ہوگیا جس کو اس نے یوں منقش کیا کہ شراب اسم جنس ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تحریم تمام جنس کی طرف لوٹے جیسا کہ کہا جاتا ہے طعام سیر کرنے والا ہے اور پانی سیراب کرنے والا ہے، یہاں طعام اور پانی سے مراد جنس ہے اور جنس کی ہر جزء جنس والا عمل کرتی ہے، چنانچہ طعام کا ایک لقمہ چڑیا کا پیٹ بھر دیتا ہے اور اس سے زیادہ مقدار چڑیا سے بڑے جانور کا پیٹ بھر دیتی

---

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربۃ باب ما یتخذ منہ الخمر الخ مصطفی البابی مصر ۸/ ۲۰۲

وکذلک جنس الماء یروی الحیوان علی ھذا الحد فکذلک النبیذ[1]. **اقول** نعم وقع التحریم علی الجنس مقیدا بصفۃ الاسکار فاذا اسکر حرم والالا وانما انشدک اللہ والانصاف اذا قیل لک انھاک عن کل طعام اشبع ھل یفھم منہ النھی عن الاکل مطلقا ولو لقمۃ اولقیمۃ اصغر ما تکون، ما ھذہ الامکابرۃ الا تری ان الاجماع ماض علی تحریم کل ضار کالسموم والطین وغیر ذلک ثم لم ینطلق ھذا الحکم الا الی قدر یضرک ایاک لا ما یضر ولو ذبابا او نملۃ وقد اخرج احمد وابوداؤد عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر[2] و معلوم ان من الادویۃ ما اذا اکثر منہ اورث التفتیر والتخدیر ثم لم یرجع التحذیر الا الی ذلک القدر الکثیر ولو کان الامر کما زعمت لوجب القول بحرمۃ المسک و

ہے اسی طرح پانی کی جنس عمل کرتی ہے اور یہی حال نبیذ کا ہے۔
اقول (میں کہتا ہوں) ہاں تحریم جنس پر واقع ہے درانحالیکہ وہ نشہ آور ہونے کی صفت سے مقید ہے۔ لہذا جب نشہ دے تو حرام ہے ورنہ نہیں۔ میں تجھے اللہ تعالٰی کی قسم دے کر انصاف کا مطالبہ کرتا ہوں کہ جب تجھے کہا جائے کہ میں تجھے ہر ایسے طعام سے منع کرتا ہوں جو سیر کردے تو کیا اس سے مطلق طعام کی ممانعت سمجھی جائے گی اگرچہ ایک لقمہ کی مقدار یا اس سے بھی کمتر ہو؟ یہ تو محض انکارِ حق ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نقصان دہ چیز کی حرمت پر اجماع جاری ہے جیسے زہر اور کیچڑ وغیرہ، پھر یہ حکم نہیں جاری ہوتا مگر اتنی مقدار پر جو تجھے نقصان پہنچائے نہ مطلق نقصان پہنچانے والی شئ پر اگرچہ وہ مکھی یا چیونٹی کو نقصان پہنچائے۔ امام احمد و ابوداؤد نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور عقل میں خلل ڈالنے والی چیز سے منع فرمایا۔ یہ بات معلوم ہے کہ بعض دواتیوں کی زیادہ مقدار عقل میں خلل ڈالتی ہے جس سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ پھر یہ پرہیز اور ممانعت صرف اسی مقدار کثیر کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر معاملہ ایسے ہوتا جیسے تُو نے گمان کیا ہے تو کستوری اور اس جیسی

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربۃ باب ما یتخذ منہ الخمر الخ مصطفی البابی مصر ۸/ ۲۰۱
[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳

امثالہ مطلقا وکل ذلك خلاف الاجماع هذا ثم اتفقت المراجعة الی البنایة فرایت الامام البدر محمود ارحمه الله تعالیٰ اتی ھٰھنا بکلام حسن نقلا عن الامام تاج الشریعة زاد فیه من النظائر فاحببت ایراده قال روح روحه الحرام هو المسکر واطلاقه علی ما تقدم مجاز وعلی القدح الاخیر حقیقة وهو مراد فلا یکون المجاز مرادا وقد قال تاج الشریعة المسکر ما یتصل به السکر بمنزلة المتخم من الطعام وهو ما یتصل به من التخمة فان تناول الطعام بقدر ما یغذیه حلال وما یتخم وهو الاکل فوق الشبع حرام ثم المحرم منهما هو المتخم وان کان لایکون ذلك متخما الا باعتبار ما تقدمه من الاکلات وکذلك فی الشراب وقد قال ابو یوسف رحمه الله ذلك مثل دم فی ثوب ما دام قلیلا فلا باس بالصلٰوة فیه فاذا اکثر لم یحل ومثل رجل ینفق علی نفسه واهله من کسبه

اشیاء کی مطلقاً حرمت کا قول کرنا واجب ہوتا حالانکہ یہ سب خلافِ اجماع ہے۔ پھر بنایہ کی طرف مراجعت کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام بدر محمود رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر امام تاج الشریعۃ سے نہایت عمدہ کلام نقل فرمایا جس میں کئی نظائر کا اضافہ کیا۔ اس کلام کو یہاں ذکر کرنا مجھے پسند ہے۔ اس نے کہا اس کی رُوح کشادہ ہو کہ حرام وہ ہے جو نشہ آور ہے۔ اس سے پہلے والی شراب پر حرام کا اطلاق مجازاً ہے جبکہ آخری پیالہ پر اس کا اطلاق حقیقتاً ہے اور وہی مراد ہے لہٰذا مجاز مراد نہیں ہوگا۔ اور تاج الشریعۃ نے فرمایا کہ نشہ آور شراب جس کے ساتھ نشہ متصل ہے وہ بدہضمی پیدا کرنے والے طعام کی طرح ہے اور وہی طعام ہے جس کے ساتھ بدہضمی متصل ہے اس لئے کہ بقدرِ غذا طعام کھانا حلال ہے۔ اور جو بدہضمی پیدا کرتا ہے وہ وہ ہے جو سیر ہوجانے کے بعد کھایا جائے وہ حرام ہے۔ پھر اس میں حرام وہی ہے جو بدہضمی پیدا کرنے والا ہے اگرچہ پہلے والے لقموں کا اعتبار کئے بغیر وُہ بدہضمی پیدا نہیں کرتا، اور یہی حکم شراب میں ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ کپڑے میں لگے ہوئے خُون کی طرح ہے کہ جب تک وہ قلیل ہو اس کپڑے میں نماز ادا کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور جب وہ زیادہ ہوجائے تو حلال نہیں۔ اور اس شخص کی کی طرح ہے جو اپنی کمائی میں سے اپنی ذات اور

فلاباس بذلك فاذا اسرف فى النفقة لم يصلح له ذلك ولاينبغى وكذلك النبيذ لاباس ان يشربه على طعامه ولاخير فى السكر منه لانه اسراف واظهر من ذلك ان الضمان يضاف الى واضع المن الاخير فى السفينة وان لم يحصل الغرق بدون ماتقدم من الامناء وهذا لانه لايوجد التلف حكما بما تقدم من الامناء وانما وجد ذلك بفعل فاعل مختار فاضيف الغرق الى المن الاخير فكذا هنا اضيف السكر الى القدح الاخير الذى يحصل به السكر حقيقة لا ماتقدم من الاقداح[1] اھ ثم ان البیھقی فی المعرفة اراد الرد علی حدیث الحجاج بوجه آخر فذکر مارواه ابن المبارك عن الحسن بن عمرو الفقیمی عن فضیل بن عمرو عن ابراھیم قال کانوا یقولون اذا سکر لم یحل له ان یعود فیه ابدا[2]۔

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں مگر جب وہ خرچ میں زیادتی کرے تو اس کے لئے یہ درست نہیں اور اُسے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح کھانے کے اوپر نبیذ پینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے نشہ میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ یہ اسراف ہے اور اس میں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ضمان اس شخص کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے کشتی میں آخری مَن رکھا اگرچہ اس سے پہلے رکھے جانے والے منوں کے بغیر کشتی کا غرق ہونا متحقق نہیں ہوا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ پہلے والے منوں سے حکمی طور پر تلف نہیں پایا گیا تو وہ فاعل مختار کے فعل سے پایا گیا لہٰذا غرق کی نسبت آخری مَن والے کی طرف کی جائے گی۔ یوں ہی یہاں نشہ کی اضافت آخری پیالے کی طرف کی جائیگی جس سے حقیقتاً نشہ حاصل ہوا نہ کہ پہلے والے پیالوں کی طرف الخ۔ پھر بیہقی نے المعرفۃ میں حدیث حجاج پر ایک اور وجہ سے رَد کرنا چاہا تو ذکر فرمایا جس کو ابن مبارک نے حسن بن عمرو فقیمی سے، اس نے فضیل بن عمرو سے اور اس نے ابراہیم سے روایت کیا ابراہیم نے کہا وہ کہتے تھے کہ جب کسی کو نشہ آجائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کبھی بھی اس نشہ والی نبیذ کی طرف عود کرے۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۴۳

[2] نصب الرایۃ بحوالہ البیھقی فی المعرفۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الاسلامیۃ ۴/ ۳۰۶

قلت واسندہ النسائی من طریق ابن ابی زائدۃ عن الحسن بن عمر بالسند قال کانوا یرون ان من شرب شرابا فسکر منہ لم یصلح ان یعود فیہ[1]، قال البیہقی فکیف یکون عند ابراھیم قول ابن مسعود ھکذا (یعنی مارواہ الحجاج) ثم یخالفہ قال فدل علی بطلان مارواہ الحجاج بن ارطاۃ[2]، **اقول** لاننکر ان حدیث الحجاج لایصلح الاحتجاج لکن فی الرد بھذا الوجہ خفاء لایخفی فان القول وان لم یصح عن عبداللہ قد صح عن ابراھیم فاذا لم یمنعہ ھذا عن قول نفسہ فکیف یمنع ان یکون عندہ عن عبداللہ مثلہ اما ابوعبدالرحمن فجعل ھذا اختلافا عن ابراھیم قال ذکر الاختلاف علی ابراھیم فی النبیذ فروی ھذا ثم قال **اخبرنا** سوید اخبرنا عبداللہ عن ابی عوانۃ عن ابی مسکین قال سألت ابراھیم قلت انا ناخذ دُردی الخمر او الطلاء فننظفہ

قلت (میں کہتا ہوں) امام نسائی نے اس کو بطریق ابن ابی زائدہ حسن بن عمر سے مسنداً بیان کیا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس نے شراب پی اور اسکو نشہ آگیا اس کے لئے ایسی شراب کی طرف عود کرنا درست نہیں۔ بیہقی نے کہا کہ ابراہیم کے نزدیک ابنِ مسعود کا قول اس طرح کیسے ہوگیا یعنی جس کو حجاج نے روایت کیا پھر اس کی مخالفت کی اس نے کہا کہ اس کے بطلان پر دلیل وہ ہے جس کو حجاج بن ارطات نے روایت کیا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ حدیثِ حجاج قابلِ استدلال نہیں لیکن اُسے اس وجہ کے ساتھ رُد کرنے میں خفاء ہے جو کہ مخفی نہیں اس لئے کہ یہ قول اگرچہ عبداللہ سے صحیح نہیں مگر ابراہیم سے صحیح ہے مگر جب اس نے اپنا قول ہونے سے اس کا انکار نہیں کیا وہ کیسے انکار کرے گا، اس کے نزدیک عبداللہ سے اس کی مثل منقول ہے لیکن ابوعبدالرحمن نے اس کو ابراہیم کی نقل کے خلاف قرار دیا ہے انھوں نے اس کو ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ کے باب میں روایت کیا پھر کہا کہ ہمیں خبر دی سُوَید نے، اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے ابوعوانہ سے، اس نے ابومسکین سے کہ میں نے ابراہیم سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہم خمر یا طلاء کا تلچھٹ لیتے ہیں پھر اس کو صاف کرتے

[1] سُنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵
[2] نصب الرایۃ بحوالہ البیہقی کتاب الاشربۃ المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۳۰۶

ثم ننقع فيه الزبيب ثلثا ثم نصفيه ثم ندعه حتى يبلغ فنشربه قال يكره[1] اھ فزعم ان في هذين خلاف ما ثبت عن ابراهيم من تحليل القليل **اقول** ولا متمسك له في شیئ منهما فان معنى الاول على مانری واللہ تعالٰی اعلم ان من استخفه الشيطان في شراب فلم يصبر على قليله حتى اكثر فاسکر لا ينبغي له ان يعود فيه كيلا يستجره العدو اخری فیکون معناه على وزان قول النبي صلى الله تعالٰی علیه وسلم لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين[2] او يكون المعنى لا يعود الى ما اسکر فقد علمه بالتجربة وذلك ان من ظن في شراب انه لا يسكره منه ثلث كؤس مثلا فشرب فسکر لم یحل له

ہیں پھر تین دنوں تک اس میں کشمش بھگو دیتے ہیں پھر اس کو صاف کر کے رکھ چھوڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ تیزی کی حد تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کو پی لیتے ہیں تو ابراہیم نے کہا یہ مکروہ ہے الخ ابو عبدالرحمٰن نے گمان کیا ان دونوں میں اس کے خلاف ہے جو قلیل مقدار کے حلال ہونے سے متعلق ابراہیم سے ثابت ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) ان دونوں روایتوں میں ابو عبدالرحمٰن کے لئے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ پہلی کا معنٰی جیسا کہ ہم سمجھے ہیں اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے یہ ہے کہ بیشک جس کی نظر میں شیطان نے شراب کو ہلکا کر دیا اس نے قلیل پر صبر نہیں کیا یہاں تک کہ زیادہ پی کر مست ہوگیا تو اس کو دوبارہ شراب کی طرف نہیں لوٹنا چاہئے تاکہ دشمن پھر اس کو نہ کھینچ لے۔ چنانچہ اس کا معنٰی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہوگیا کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ جس شراب کا نشہ آور ہونا اس کو تجربہ سے معلوم ہوگیا اس کی طرف عود نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا گمان تھا اس شراب کے تین گلاس مجھے نشہ نہیں دیں گے اس نے تین گلاس پی لئے تو اس کو نشہ آگیا اب ہمیشہ کیلئے اس کو

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاختلاف علی ابراہیم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵
[2] کنز العمال عن ابی ہریرہ حدیث ۸۳۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۶۶

العود الی الثالثة ابدا۔ و اما الاثر الاٰخر فانما الکراھة فیہ لاجل دورة الخمر والطلاء بالاشتراك یطلق علی معان بینھا العلامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام، منھا العصیر العنبی الذی ذھب اقل من ثلثیہ، وھو الباذق والذی ذھب نصفہ وھو المنصف والذی ذھب ثلثاہ وھو المثلث والذی ذھب ثلثہ وھو الباذق قال ویسمی بالطلاء کل ما طبخ من عصیر العنب مطلقا[1] والکل غیر المثلث حرام کثیرہ وقلیلہ نجس نجاسة غلیظة کالخمر عندنا وعند الجمھور خلافا للامام الشافعی و الاوزاعی وبعض الظاھریة والمعتزلة واللہ تعالٰی اعلم۔

تیسرے گلاس کی طرف عود حلال نہیں رہا۔ رہی دوسری اثر تو اس میں خمر و طلاء کے تلچھٹ کی وجہ سے جو حرمت ہے اور وہ بطور اشتراک کئی معنوں پر بولی جاتی ہے جنھیں علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں بیان فرمایا ہے ان میں انگور کے جس شیرہ کا دو تہائی سے کم جل کر خشک ہوجائے اسکو باذق، جس کا نصف خشک ہوجائے اس کو منصف، جس کا دو تہائی خشک ہوجائے اس کو مثلث اور جس کا ایک تہائی خشک ہوجائے اسکو باذق کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ انگور کے جس شیرہ کو پکایا جائے اس کو مطلقاً طلاء کہتے ہیں الخ مثلث کے سوا تمام خمر کی طرح حرام اور انکا قلیل و کثیر نجاست غلیظہ کے ساتھ نجس ہے ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک بخلاف امام شافعی' اوزاعی، بعض ظاہریہ اور معتزلہ کے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

الخامس قال النسائی حدثنا عبید اللہ بن سعید عن ابی اسامة قال سمعت ابن المبارك یقول ما وجدت الرخصة فی المسکر عن احد صحیحا الاعن ابراھیم[2] **اقول** رحم اللہ الامام الجلیل و

پانچویں بحث: امام نسائی نے کہا ہمیں عبید اللہ بن سعید نے ابو اسامہ سے حدیث بیان کی کہ میں نے ابن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نشہ آور نبیذ کے بارے میں سوائے ابراہیم کے کسی سے رخصت صحیح نہیں پائی۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی امام جلیل پر

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر الحکام کتاب الاشربۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۸۷

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/۳۳۵

نفعنا ببرکاته فی الدنیا والاٰخرۃ بلی قد صح عن امیر المؤمنین عمر وقد مر حدیث مالك عن داؤد بن الحصین من رجال الستۃ قال الحافظ ثقۃ الا فی عکرمۃ[1] عن واقد بن عمر وثقۃ من رجال خ عن محمود بن لبید صحابی صغیر وفیه قول عبادۃ احللتها[2] واللّٰه و فیه ادعی الزرقانی ان کان عمر اجتهد فی تلك المرۃ ثم رجع عنه[3] کما تقدم حدیث ابی حنیفۃ عن ابی اسحٰق السبیعی ثقۃ من رجال الستۃ ولم یکن ابوحنیفۃ لیذهب الیه بعد ما اختلط فیاخذ عنه کما نص علیه المحقق حیث اطلق و ذکرناہ فی منیر العین عن عمرو بن میمون مخضرم مشهور ثقۃ عابد نزل الکوفۃ من رجال الستۃ وبه وبما تقدم من روایۃ ابن ابی شیبۃ عن ابی الاحوص عن ابی اسحٰق عن عمرو بن میمون ابو الاحوص

رحم فرمائے اور ہمیں دنیا و آخرت میں ان کی برکات سے نفع پہنچائے۔ کیوں نہیں تحقیق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی صحت ثابت ہے، اور حدیثِ مالک بروایت داؤد بن حصین گزرچکی جو کہ صحاحِ ستّہ کے رجال میں سے ہیں۔ حافظ نے کہا وہ ثقہ ہے مگر اس روایت میں جو عکرمہ نے واقد بن عمرو سے کی کہ وہ ثقہ اور "خ" کے رجال میں سے ہیں، محمود بن لبید صحابی صغیر سے روایت ہے اور اس میں حضرت عبادہ کا یہ قول مذکور ہے کیا آپ نے بخدا اس کو حلال کردیا؟ اس میں زرقانی نے دعوٰی کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی نے اس موقع پر اجتہاد کیا پھر اس سے رجوع کرلیا جیسا کہ پہلے گزرا، حدیثِ ابی حنیفہ بروایت ابواسحٰق سبیعی وہ ثقہ اور صحاحِ ستّہ کے رجال میں سے ہے، اسکے اختلاط کے بعد امام ابوحنیفہ اس کے پاس جاکر حدیث اخذ نہ کرتے جیسا کہ اس پر محقق علی الاطلاق نے نص فرمائی اور ہم نے اس کو منیر العین میں عمرو بن میمون مخضرم سے ذکر کیا ہے وہ مشہور ثقہ عابد ہے جو کہ کوفہ میں ٹھہرے صحاحِ ستّہ کے رجال میں سے ہیں۔ اس روایت سے اور ماقبل میں مذکور حدیث ابن ابی شیبہ سے جو انھوں نے اپنی سند کے ساتھ ابوالاحوص سلام بن سلیم ثقہ از رجال صحاح ستہ سے روایت کی ان دونوں

---

[1] تقریب التہذیب حرف الدال ترجمہ داؤد بن الحصین ۱۷۸۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۷۸
[2] مؤطا امام مالک کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹۵
[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الاشربۃ جامع تحریم الخمر حدیث ۱۶۴۵ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۲

13

هو سلام بن سليم ثقة المصيصي من رجال الستة تأيد الحديثان المارّان للطحاوي عن عمرو أحدهما، حدثنا ابوبكرة ثنا ابوداؤد ثنا زهير بن معٰوية عن ابي اسحٰق عن عمرو بن ميمون[1]، والاٰخر حدثنا روح بن الفرج ثنا عمرو بن خالد ثنا زهير ثنا ابواسحٰق عن عمرو بن ميمون[2] رجالهما جميعا ثقات اجلاء ابوبكرة هو بكار بن قتيبة و ابوداؤد هو الطيالسي ثقة حافظ من رجال مسلم والاربعة اهل الستة فقد كنى عنه خ في تفسير المدثر حيث قال في سند حديث مرفوع حدثني محمد بن بشار ثنا عبدالرحمٰن بن مهدي وغيره قالا حدثنا حرب بن شداد[3] الخ غيره هو ابوداؤد كما بينه ابونعيم في مستخرجه و زهير ثقة ثبت من رجال الستة و روح بن الفرج شيخ الطحاوي هو القطان المصري ثقة

گزشتہ حدیثوں کی تائید ہوگئی جو انھوں نے عمرو سے روایت کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں ابوبکرہ نے ان کو ابوداؤد نے، ان کو زہیر بن معاویہ نے ابواسحٰق سے حدیث بیان کی اور ابواسحاق نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ ہمیں روح بن الفرج نے، ان کو عمرو بن خالد نے، ان کو زہیر نے ابواسحاق سے حدیث بیان کی اور انھوں نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ ان دونوں حدیثوں کے تمام رجال جلیل القدر ثقہ ہیں۔ ابوبکرہ وہ بکار بن قتیبہ ہے۔ ابوداؤد طیالسی ثقہ، حافظ، مسلم وسنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور اصحاب صحاح ستہ میں سے ہیں۔ خ نے سورۃ المدثر کی میں ان سے بطور کنایہ روایت کی ہے جہاں اس نے سند مرفوع میں کہا کہ مجھے حدیث بیان کی محمد بن بشار نے اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن مہدی اور اس نے غیر نے، انھوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی حرب بن شداد نے الخ اس کے غیر سے مراد ابوداؤد ہیں جیسا کہ ابونعیم نے اپنی مستخرج میں بیان کیا۔ زہیر ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ روح بن الفرج امام طحاوی کے شیخ ہیں وہ قطان مصری ثقہ

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۵۹

[2] " " "

[3] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ المدثر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۳۲

وثقه فی تهذیب التهذیب[1] وعمرو بن خالد شیخ روح وتلمیذ زهیر هو الحرانی الخزاعی ثقة من رجال البخاری فبموافقة الامام ومتابعة سلام زال ماکان یختشی من سماع زهیر عن ابن اسحٰق اخیرا و

حدیث ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان عمر اُتی باعرابی[2] صحیح علی اصولنا فان الجمهور علی قبول المراسیل ولاسیما مراسیل ابراهیم فقد قال الامام احمد مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات و مرسلات ابراهیم النخعی لا بأس بها ذکرہ فی التدریب[3] وقد اخرج ابن عدی عن یحیٰی بن معین قال مراسیل ابراهیم صحیحة الاحدیث تاجر البحرین وحدیث القهقهة[4] قال فی نصب الرایة اما حدیث القهقهة فقد عرف واما حدیث تاجر البحرین فرواه ابن ابی شیبة فی مصنفه ثنا وکیع ثنا الاعمش عن ابراهیم

ہیں تہذیب التہذیب میں ان کی توثیق کی گئی ہے۔ عمرو بن خالد روح کے شیخ اور زہیر کے شاگرد ہیں وہ حرانی خزاعی، ثقہ اور بخاری کے رجال میں سے ہیں لہذا امام کی موافقت اور سلام کی متابعت کے سبب سے اس خدشہ کا ازالہ ہوگیا جو ابو اسحٰق سے زہیر کے سماع سے متعلق کیا جا رہا تھا الخ۔

حدیث ابو حنیفہ جو انھوں نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس ایک اعرابی کو لایا گیا ہمارے اصول کے مطابق صحیح ہے اس لئے کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ مراسیل خصوصاً ابراہیم کی مراسیل مقبول ہیں۔ امام احمد نے فرمایا سعید بن مسیّب کی مراسیل صحیح ترین مراسیل ہیں اور ابراہیم نخعی کی مراسیل میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تدریب میں مذکور ہے۔ ابن عدی نے یحیٰی بن معین سے تخریج کی کہ ابراہیم کی مراسیل صحیح ہیں سوائے تاجر البحرین اور قہقہہ کی حدیث کے۔ نصب الرایہ میں کہا حدیث قہقہہ تو معروف ہے۔ رہی حدیث تاجر البحرین تو اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یوں روایت کیا ہے کہ ہمیں وکیع نے اور ان کو اعمش نے ابراہیم سے حدیث بیان کی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ روح بن الفرج ۵۵۴ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۲/۲۹۷

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبۃ الاسلامیہ سمندری ۲/۱۱۲

[3] تدریب الراوی النوع التاسع المرسل وبیان اطلاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۸

[4] نصب الرایہ کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ الاسلامیہ ۱/۵۲

قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین یعنی القصر[1] اھ وکذا حدیث کتاب عمر المروی فی المسند بالسند وحدیث الطحاوی حدثنا فھد ثنا عمر بن حفص ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی ابراھیم عن ھمام بن الحارث عن عمر انہ کان فی سفر[2] الحدیث، عمر بن حفص ثقۃ من رجال الشیخین وابوہ حفص بن غیاث ثقۃ[3] من رجال الستۃ وابراھیم ھو النخعی وھمام النخعی ثقۃ من رجال الستۃ وحدیثہ حدثنا فھد ثنا عمر بن حفص ثنا ابی عن الاعمش ثنی حبیب بن ابی ثابت عن نافع عن ابن عمر قال امر بنبیذ لہ[4]، الحدیث، رجالہ کلھم ثقات

ابراہیم نے کہا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک تاجر شخص ہوں بار بار بحرین جاتا رہتا ہوں، تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وُہ دو رکعتیں یعنی نماز قصر پڑھا کرے۔ یونہی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خط والی حدیث جو کہ مسند میں سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور امام طحاوی کی حدیث کہ ہمیں فہد نے، اس کو عمر بن حفص نے، اس کو اس کے باپ نے، اس کو اعمش نے، اس کو ابراہیم نے ہمام بن حارث سے حدیث بیان کی، ہمام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ سفر میں تھے (الحدیث)۔ عمر بن حفص ثقہ اور شیخین کے رجال میں سے ہیں اور ان کا باپ حفص بن غیاث ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابراہیم وہ نخعی ہیں۔ ہمام نخعی ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ اور اسکی حدیث یہ ہے کہ ہمیں فہد نے اور ان کو عمر بن حفص نے، ان کو ان کے باپ نے اعمش سے حدیث بیان کی، کہا مجھے حبیب بن ابی ثابت نے نافع سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ آپ نے اپنے لئے نبیذ کا حکم دیا (الحدیث)۔ اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

[1] نصب الرایۃ کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ الاسلامیہ ۵۲/۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۹/۲

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عمر بن حفص ۴۸۹۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷۱۴/۱

[4] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۹/۲

حبیب ثقة امام جلیل من رجال الستة وقد سمع ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم قاله البخاری[1] قلت وهو من اقران نافع لیس بین موتهما الا سنة او سنتان فلو دلس لامکنه ان یقول عن ابن عمر لکن اوضح وبین فرحمه اللہ تعالٰی، وحدیثه حدثنا ابن ابی داؤد ثنا ابو صالح ثنی اللیث ثنا عقیل عن ابن شهاب اخبرنی معاذ بن عبد الرحمٰن بن عثمٰن اللیثی[عه] ان اباه عبد الرحمٰن بن عثمٰن قال صحبت عمر[2] الحدیث۔ ابن ابی داؤد هو ابراهیم ثقة صحح له الطحاوی فی رفع الیدین، و عبد الرحمٰن بن عثمان صحابی، والبقیة کلهم ثقات۔

حبیب ثقہ، امام جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث سُنی ہے یہ امام بخاری نے کہا ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ نافع کا ہمعصر ہے ان دونوں کی موت کے درمیان ایک یا دو سال کا فرق ہے اگر وہ تدلیس کرتا تو اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ یوں کہتا عن ابن عمر، لیکن اس نے تدلیس نہیں کی بلکہ وضاحت فرمائی، اللہ تعالٰی اس پر رحم فرمائے۔ امام طحاوی کی حدیث ہے کہ ہمیں ابوداؤد نے انھیں ابوصالح نے، اس کو لیث نے، اس کو عقیل نے ابن شہاب سے حدیث بیان کی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمان لیثی نے خبر دی کہ اس کے باپ عبدالرحمٰن بن عثمان نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحبت پائی (الحدیث)۔ ابن ابی داؤد وہ ابراہیم ہے جو کہ ثقہ ہے۔ امام طحاوی نے رفع یدین کے بارے میں اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ عبدالرحمٰن بن عثمان صحابی ہیں۔ اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں،

عه وقع فی نسخة طبع اللیثی وانما هو التیمی کما فی الاصابة والتقریب ۱۲ منه

عه مطبوعہ نسخہ میں اللیثی ہے جبکہ یہ تیمی ہے جیسا کہ اصابہ اور تقریب میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال بحوالہ البخاری ترجمہ حبیب ابن ابی ثابت ۱۶۹۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب ماحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۵۹

مشهورون من رجال البخاری فان الصحیح انه خرج فی الصحیح لعبد اللّٰه بن صالح ابی صالح کاتب اللیث قاله المنذری فی الترغیب والذہبی فی المیزان[1]۔ وحدیث النسائی اخبرنا زکریا بن یحیٰی ثنا عبد الاعلٰی ثنا سفیٰن عن یحیٰی بن سعید سمع سعید بن المسیّب یقول تلقت ثقیف[2] الخ زکریا ثقۃ حافظ والبقیۃ ثقات مشاہیر من رجال الستۃ وحدیثہ اخبرنا محمد بن عبد الاعلٰی ثنا المعتمر سمعت منصورا عن ابراہیم عن نباتہ عن سوید بن غفلۃ[3] الخ محمد ثقۃ[4] نباتۃ مقبول[5] والبقیۃ کلہم ثقات مشہورون من رجال الستۃ وبالطریق رواہ عبد الرزاق عن

اور بخاری کے رجال میں سے مشہور ہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن ابوصالح کاتب اللیث کے لئے اس کی تخریج کی، یہ بات منذری نے ترغیب میں اور ذہبی نے میزان میں کہی۔ اور نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبدالاعلٰی نے، اس نے کہا ہمیں سفیان نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی اس نے سعید بن مسیّب کو کہتے ہوئے سنا کہ بنی ثقیف کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک شراب پیش کی الخ۔ زکریا ثقہ اور حافظ ہے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستّہ کے رجال میں سے مشہور ہیں۔ امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن عبدالاعلٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی کہ میں نے منصور کو ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے سنا، اس نے نباتہ سے اور اس نے سوید بن غفلہ سے الخ۔ محمد ثقہ ہے، نباتہ مقبول ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستّہ کے رجال سے مشہور ہیں۔ اور اسی طریق سے اسکو عبدالرزاق

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن صالح ۴۳۸۳ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۴۴۰

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۳۳

[3] " " ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء " " " ۲/۳۳۴

[4] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن عبدالاعلٰی ۶۰۸۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۰۲

[5] " " " نباتۃ کوفی ۷۱۱۶ " " ۲/۲۴۰

منصور و **حدیثه** اخبرنا سوید اخبرنا عبد اللہ عن ھشام عن ابن سیرین ان عبد اللہ بن یزید الخطمی قال[1] الخ ھم کما تری کلھم ائمة اجلاء ثقات اثبات مشھورون من رجال الستة غیر سوید بن نصر فمن رجال الترمذی و النسائی ثقة معروف راوی الامام الجلیل عبد اللہ بن مبارک وھو المراد بعبد اللہ وھشام ھو الدستوائی وعبد اللہ بن یزید صحابی وقد مناان الحافظ صححه فی الفتح و

حدیثه اخبرنا محمد بن المثنی ثنا ابن ابی عدی عن داؤد سالت سعید[2] الخ ابن ابی عدی محمد بن ابراھیم و داؤد ھو ابن ابی ھند وسعید ھو ابن المسیب والسند کله ثقات من رجال الستة الا داؤد فمن عدا البخاری، فھذہ اکثر من عشرة احادیث صحاح عن امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنه

نے منصور سے روایت کیا۔ امام نسائی کی حدیث ہے ہمیں سوید نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبد اللہ نے ہشام سے اور اس نے ابن سیرین سے ہمیں خبر دی کہ عبد اللہ بن یزید خطمی نے کہا الخ وہ تمام راوی جیسا کہ تو دیکھتا ہے جلیل القدر ائمہ، ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سوید بن نصر کے وہ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے ہے ثقہ ہے معروف ہے۔ راوی امام جلیل عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں اور عبد اللہ سے وہی مراد ہے۔ ہشام وہ دستوائی ہے۔ عبد اللہ ابن یزید صحابی ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ نے فتح میں اس کی تصحیح کی۔ امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن مثنی اس نے کہا کہ ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی داؤد سے اس نے کہا میں نے سعید سے پوچھا الخ۔ ابن ابی عدی محمد بن ابراہیم ہے۔ داؤد وہ ابن ابی ہند ہیں۔ سعید وہ ابن مسیب ہیں۔ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں سوائے داؤد کے کہ وہ بخاری کے علاوہ باقیوں کے رجال میں سے ہیں۔ یہ دس سے زائد صحیح حدیثیں ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں،

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر ما یجوز شربه من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۲۲

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

وكذا اصح عن ابن مسعود وعن
ابنه عامر ابي عبيدة وعن علقمة
وعن حماد فان ابي حنيفة عن
حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله
ان لم يفق مالكا عن نافع عن
ابن عمر فلا ينزل عنه ولا عن شئ
مما قيل اصح الاسانيد عندنا و
عند كل من نور الله بصيرته
بنور الانصاف، وعن ابن عباس
كما علمت مر تصحيحه عن
ابن حزم وكذا عن عتبة
بن فرقد السلمي وكذلك
صحت الاثار وحسن في
الطلاء مثلثا او منصفا وغيره
عن انس بن مالك حديثه
الاول عن الوليد بن سريع
الكوفي صدوق[1] والثاني
عند النسائي قال اخبرنا
اسحق بن ابراهيم ثنا
وكيع ثنا سعد بن اوس
عن انس بن سيرين[2]
رجاله كلهم ثقات

اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے
بیٹے عامر ابو عبیدہ، علقمہ اور حماد سے صحیح حدیث
منقول ہے۔ بیشک یہ سند ابو حنیفہ نے حماد سے،
اس نے ابراہیم سے، اس نے علقمہ سے اور اس نے
عبداللہ سے روایت کی اگر نہیں فوقیت رکھتی اس
سند پر جو مالک نے نافع سے اور اس نے ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی تو اس سے کمتر
بھی نہیں ہے، اور نہ اس شئی سے جس کے بارے
میں کہا گیا کہ یہ تمام سندوں سے صحیح ترین ہے ہمارے
نزدیک اور ہر شخص کے نزدیک جسے اللہ تعالیٰ نے
نورِ انصاف کے ساتھ نورانی بصیرت عطا فرمائی،
اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے
جیسا کہ تو جان چکا ابن حزم سے اس کی تصحیح گزر چکی ہے،
اور یونہی عتبہ بن فرقد سلمی سے، اسی طرح صحیح اور حسن
آثار اس طلاء کے بارے میں وارد ہیں جو مثلث ہو
(یعنی جس کا دو ثلث خشک ہوگیا) یا منصف ہو
(جس کا نصف خشک ہوگیا) یا اس کے علاوہ۔
حضرت انس بن مالک سے ان کی پہلی حدیث ولید
بن سریع کوفی سے مروی ہے جو صدوق ہے۔ اور
دوسری نسائی سے، انھوں نے کہا کہ ہمیں اسحٰق بن
ابراہیم نے خبر دی اس نے کہا ہمیں وکیع نے
اس نے کہا ہمیں سعد بن اوس نے انس بن سیرین سے

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ الولید بن سریع ۷۴۱۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۸۵
[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

مشهورون من رجال الستة الاسعدا
وسعد ان کان هوالعبسی الکوفی
کمایظن من روایة وکیع
فثقة وثقه العجلی و یحیٰی و
ابوحاتم و ذکره ابناحبان و
شاهین فی الثقات قال الحافظ
لم یصب الأزدی فی تضعیفه[1]
وان کان هوالعدوی البصری
کمایفهم من تهذیب التهذیب[2]
فصدوق لاینزل حدیثه عن
درجة الحسن وثقة ابن حبان
وغیره والثالث عند ابن ابی شیبة عن
وکیع بعین هذا السند و عن
ابن سیرین عند النسائی اخبرنا
سوید اخبرنا عبدالله عن هارون
بن ابراهیم عن ابن سیرین قال
بعه[3] الخ هذا کما تری سند
صحیح هارون ثقة[4] و عن
علی امیرالمؤمنین کرم الله تعالٰی
وجهه حدیثه عند النسائی

حدیث بیان کی، اس کے تمام رجال ثقہ اور صحاح ستہ
کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سعد کے اور سعد
اگر عبسی کوفی ہے جیساکہ وکیع کی روایت سے گمان
کیا جاتا ہے تو وہ ثقہ ہے۔ اس کو عجلی، یحیٰی اور
ابوحاتم نے ثقہ قرار دیا ہے، اس کو ابن حبان اور
شاہین نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ حافظ
نے کہا کہ اس کو ضعیف قرار دینے میں ازدی نے
درست نہیں کیا، اور اگر وہ عدوی بصری ہے جیسا
کہ تہذیب التہذیب میں سمجھا جاتا ہے تو وہ صدوق
ہے اس کی حدیث درجۂ حسن سے ساقط نہیں
ہوتی۔ ابن حبان وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ اور
تیسری حدیث ابن ابی شیبہ کے نزدیک وکیع سے
بعینہٖ اسی سند کے ساتھ ہے اور ابن سیرین سے
امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں خبر دی
سوید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے
ہارون بن ابراہیم سے اور اس نے ابن سیرین سے
انھوں نے کہا اس کو بیچ دو الخ یہ جیسا کہ تو دیکھتا
ہے صحیح سند ہے، ہارون ثقہ ہے۔ اور
امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ان کی
حدیث امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ سعد بن اوس ۲۲۳۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۴۳
[2] تہذیب التہذیب " " " ۸۷۱ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/۴۶۷
[3] سنن النسائی کتاب الاشربۃ الکراہیۃ فی بیع العصیر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۲۳
[4] تقریب التہذیب ترجمہ ہارون بن ابراہیم ۷۲۳۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۵۷

اخبرنا سوید اخبرنا عبد اللہ عن جریر عن مغیرة عن الشعبی قال کان علی یرزق[1] الخ رجالہ کلھم ثقات وکلھم ماخلا سویدا من رجال الستة جریر ھو ابن عبد الحمید صاحب منصور و مغیرة ھو ابن مقسم کوفیان بنیان وشاھدہ ابن ابی شیبة بسند جید اما حدیث ضربہ الحد من سکر من اداوتہ فطریق الدارقطنی فیہ حسن شریک من قد علمت وفراس من رجال الستة وثقہ احمد و یحیٰی والنسائی قال القطان ما انکرت من حدیثہ الاحدیث الاستبراء[2] و بہ یعتضد طریق ابی بکر فیہ مجالد تکلم فیہ الناس وقال الحافظ لیس بالقوی وقد خرج لہ مسلم والاربعة وعن ابی الدرداء وعن امہ حدیثہ عند النسائی **اخبرنا** زکریا بن یحیٰی

خبر دی سوید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبد اللہ نے جریر سے اس نے مغیرہ سے اس نے شعبی سے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو شراب دیتے تھے الخ۔ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں سوید کے سوا تمام صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ جریر وہ ابن عبد الحمید ہے جو کہ منصور کا صاحب ہے۔ مغیرہ وہ ابن مقسم ہیں، جریر و مغیرہ دونوں کوفی ہیں، اور اس حدیث کے شاہد ابن ابی شیبہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا، لیکن وہ حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو حد لگائی جس نے آپ کے مشکیزے سے نبیذ پی اور اس کو نشہ ہوگیا، وہ بطریق دارقطنی حسن ہے، شریک جس کے بارے میں تو جان چکا ہے۔ اور فراس صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس کو امام احمد، یحیٰی اور نسائی نے ثقہ قرار دیا۔ قطان نے کہا میں نے اس کی حدیث کا انکار نہیں کیا سوائے حدیث استبراء کے۔ اور طریق ابوبکر کو اسی سے قوت ملی۔ اس میں مجالد ہے جس میں لوگوں نے کلام کیا۔ حافظ نے کہا وہ قوی نہیں ہے اس کے لئے امام مسلم نے اور اصحاب سنن اربعہ نے تخریج کی۔ ابوالدرداء اور ام درداء سے اس کی حدیث مروی ہے امام نسائی کے نزدیک حدیث اس طرح ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۳۲۴/۲

[2] میزان الاعتدال ترجمہ فراس بن یحیٰی ۶۶۹۵ دار المعرفة بیروت ۳۴۳/۳

ثنا عبد الاعلٰی ثنا حماد بن سلمة عن داؤد عن سعید بن المسیب[1] ھذا اسناد صحیح نظیف زکریا ھو خیاط السنة سکن دمشق[2]، و عبد الاعلٰی ھو ابن مسھر ابو مسھر الدمشقی، وحماد من لا یجھل و داؤد ھو ابن ابی ھند کلھم ثقات جلة مشاھیر وحدیثھما عند ابی بکر والسند کما رأیت من اجل الاسانید میمون بن مھران ثقة فقیہ[3] وعن ابی موسٰی الاشعری رواہ النسائی بطریق سوید عن عبد اللہ عن ھشیم اخبرنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی موسٰی[4] ھٰؤلاء کلھم من اکابر الائمة الثقات الاثبات کما لایخفی وعن سعید بن المسیب بالطریق[ع] عن سفین عن یعلٰی بن عطاء یعلی ثقة[5] من رجال مسلم و

اس نے کہا ہمیں عبد الاعلٰی نے اس کو حماد بن سلمہ نے داؤد سے حدیث بیان کی اور اس نے سعید بن مسیب سے روایت کی۔ یہ سند صحیح اور ستھری ہے زکریا وُہ خیاط السنۃ ہے جو دمشق میں سکونت پذیر ہوا۔ عبد الاعلٰی وہ ابن مسہر ابو مسہر دمشقی ہے۔ حماد یہ مجہول نہیں ہے۔ داؤد وہ ابن ابی ہند ہے۔ وہ تمام ثقہ، برگزیدہ اور مشہور ہیں۔ ابوبکر کے نزدیک ان کی حدیث اور سند جیسا کہ تُو نے دیکھا مضبوط ترین سند ہے۔ میمون بن مہران ثقہ اور فقیہ ہے۔ اور ابوموسٰی اشعری سے مروی ہے اس کو نسائی نے بطریق سوید عبد اللہ سے اور اس نے ہُشیم سے روایت کیا۔ ہشیم نے کہا ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے اور اس نے ابوموسٰی اشعری سے خبر دی۔ یہ تمام اکابر ائمہ میں سے ہیں ثقہ اور ثبت ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ سعید بن مسیب سے اسی طریق سے سفیان سے مروی ہے سفیان نے یعلٰی بن عطاء سے روایت کی۔ یعلٰی ثقہ اور مسلم کے رجال میں سے ہے اس نے

ع: ای طریق سوید بن عبد اللہ ۱۲ منہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ زکریا بن یحیٰی ۲۰۳۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۱۴

[3] " " " میمون بن مہران ۷۰۴۵ " " ۲/ ۲۳۷

[4] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[5] تقریب التہذیب ترجمہ یعلٰی بن عطاء ۷۸۴۳ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۴۱

قال اخبرنا احمد بن خالد عن معن ثنا معوية بن صالح عن یحیٰی بن سعید[1]، احمد بغدادی ثقة معن القزاز ویحیی المدنی کلاھما ثقة ثبت من رجال الستة، ومعویة صدوق من رجال الخمسة، وعن الحسن البصری بالطریق عن بشیر بن المهاجر مختلف فیه وثقه ابن معین وغیرہ وقال النسائی لیس به بأس واخرج له مسلم والاربعة، وقال ابوحاتم لا یحتج به[2] قلت وقول احمد منکر الحدیث ربما لایکون للجرح کما بیناہ فی غیر ھذا الکتاب فاذن حدیثه فی عداد الحسن، وعن عمر بن عبدالعزیز بالطریق عن عبدالملك بن طفیل الجزری مقبول[3]، وعن ابی عبیدة وعن معاذ بن جبل وقد علق عنهما البخاری جازما وعن ابی طلحة اسند عن ثلثتهم رضی اللہ تعالٰی عنهم ابوبکر وغیرہ والسند کله من جلة ثقات رجال الستة عن خالد بن الولید۔

کہا ہمیں احمد بن خالد نے معن سے خبر دی اس نے کہا ہمیں معاویہ بن صالح نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی، احمد بغدادی ثقہ ہے۔ معن القزاز اور یحیٰی مدنی دونوں ثقہ، ثبت اور صحاحِ ستّہ کے رجال میں سے ہیں۔ معاویہ صدوق اور اصحابِ خمسہ کے رجال میں سے ہے۔ حسن بصری سے اسی طریق کے ساتھ بشیر بن مہاجر سے مروی ہے جس میں اختلاف کیا گیا۔ ابن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ مسلم اور اصحابِ سننِ اربعہ نے اس کے لئے تخریج کی۔ اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ قابلِ استدلال نہیں۔ قلت (میں کہتا ہوں) امام احمد کا قول "منکر الحدیث" لبسا اوقات جرح کے لئے نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے غیر میں بیان کیا ہے، چنانچہ اس کی حدیث کا شمار حَسَن میں ہوگا۔ اور عمر بن عبدالعزیز سے اسی طریق کے ساتھ عبدالملک بن طفیل جزری سے روایت ہے جو کہ مقبول ہے۔ ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے امام بخاری نے بطورِ جزم تعلیق بیان کی، اور ابوطلحہ سے۔ ابوبکر وغیرہ نے ان تینوں سے مسنداً حدیث بیان کی۔ تمام سند کے راوی برگزیدہ، ثقہ اور صحاحِ ستّہ کے رجال میں سے ہیں، اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ (ت) (رسالہ الفقه التسجیلی ختم ہوا)

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر ما یجوز شربه من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۲۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ بشیر بن المہاجر ۱۲۴۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۲۹-۳۳۰

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عبدالملک بن الطفیل ۴۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۱۶

مسئلہ ۲۶ تا ۲۸ از مسجد جامع مسئولہ حامد حسین خاں بن الطاف علی ۶ جمادی الآخرہ ۲۹ھ

جناب مولوی صاحب معظم ومکرم دام ظلکم! یہ چند امور حضور سے دریافت کئے جاتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیشتر اور جو نبی گزرے ہیں اُن کے وقت میں شراب حلال تھی یا حرام؟

(۲) دوسرے یہ کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں شراب پی اور حالتِ نشہ میں نماز میں سورہ غلط پڑھی؟

(۳) اور تیسرے یہ بیان کیا کہ حضرت امیر حمزہ صاحب نے حالتِ نشہ میں ایک اونٹنی بلا ذبیحہ کا دل اور جگر کھایا۔

الجواب

(۱) اگلی شریعتوں میں بلکہ خود شریعتِ اسلام کی ابتداء میں شراب کی تحریم نہ تھی ہاں نشہ ہمیشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔

(۲ و ۳) امیر المومنین سیدنا مولانا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نسبت امرِ مذکور کا بیان کرنے والا اگر اُس شانِ اقدس مرتضوی پر طعن چاہتا ہے تو خارجی ناصبی مردود جہنمی ہے ورنہ بلا ضرورتِ شرعیہ عوام کو پریشان کرنے والا سفیہ، احمق، بدعقل، بے ادب ہے۔ یہی حال سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت کا ہے بلکہ اس میں قائل نے جھوٹ ملایا ہے اسے توبہ لازم ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطاعتِ والدین و برادران واجب ہے یا فرض؟ اور درصورتِ ارتکاب ان کے یہ گناہِ کبیرہ مثلاً زنا کرنا، چوری کرنا، ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا ترکِ اطاعت واجب ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے؟ اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ ضرور کروں گا۔ اس حالت میں اطاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے تو؟ ہوا یا نہیں؟

الجواب

اطاعتِ والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکبِ کبیرہ ہوں اُن کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اُس کے سبب یہ امورِ جائزہ میں اُن کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات

کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی بھی شخص کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ ت)، ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں اُن سے بہ نرمی و ادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ اُن کے لئے دُعا کرے، اور ان کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ تو ضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگر مطلقاً کفر نہیں جب تک کہ حرام قطعی کو حلال جاننا یا حکم شرع کی توہین کے طور پر نہ ہو اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت کی جائے گی ہاں اگر معاذاللہ یہ انکار بروجہ کفر ہو تو وہ مُرتد ہوجائیں گے، اور مُرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔ رہا بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر نہیں، ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہے اور بلاوجہ شرعی ایذارسانی تو کسی مسلمان کی حلال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳: بیجاپور گجرات ضلع بڑودہ شمالی کڑی پرانت مرسلہ حافظ فقیر محمد بن حافظ سلیمان میاں محلہ بھوڑواڑہ ۱۵ شعبان ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں جو شراب مہوہ سے بناتے ہیں اور عرق کی طرح کھینچے جاتے ہیں اور اس کا نام شراب ہے اور تمام ملک میں مستعمل ہے پس ایک حکیم صاحب فقہ اور اہلِ علم ہے ان کی رائے ہے کہ یہ شراب کی طرح نکالا جاتا ہے اگرچہ بسبب مسکر کے حرام تو ہے لیکن دوا میں استعمال کرنا یا دوا کے واسطے پینا جائز ہے اور آٹھ قسم فقہ میں جو ہے اُس میں سے کسی قسم میں یہ شراب نہیں ہاں مسکر ہے جب حرام ہے دوا میں پینا تھوڑا پینا کسی بیماری میں حرام نہیں اور حد اس پر نہیں۔ یہ کہنا حکیم صاحب کا صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر ایک درمختار کا مسئلہ افیون بھی پیش کرتے ہیں،

الافیون حرام الالصاحب التداوی وغیرہ۔ افیون (افیم) حرام ہے سوائے اس شخص کے جو بطورِ علاج استعمال کرے۔ (ت)

کی طرح اس کو بھی سمجھنا یا خمر کے موافق یہ شراب کیسے ہے اور حکم اس کا کیا ہے؟ بینوا توجروا اجرکم اللہ اجرًا وافیا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ مائعاتِ مسکرہ یعنی جتنی چیزیں رقیق وسیال ہوکر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوے سے بنائی جائیں یا گڑ یا اناج یا لکڑی یا کسی بلا سے وہ سب شراب ہیں اُن کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس و ناپاک بھی اور اُن سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی اُن کا استعمال حرام ہی ہے بخلاف ان چیزوں کے جو بغیر سیال ہونے کے نشہ رکھتی ہیں جیسے افیون، مُشک و زعفران وغیرہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۶ و ۶۷

کو ناپاک نہیں اور بقدرِ سکر مطلقاً حرام ہیں یونہی بقصد لہو وفساد بھی مطلقاً حرام اگرچہ بقدرِ سکر نہ ہو، ورنہ مقدار قلیل بغرضِ صحیح مثلِ دوا وغیرہ بے تشبّہ فاسقین حلال ہے، تو درمختار کی اس عبارت کو مہوؤ کی شراب سے کوئی تعلق نہیں، درمختار میں ہے:

حرمها محمد مطلقا قليلها وكثيرها و به يفتي وهو نجس ايضا ولو سكر منها المختار في زماننا انه يحد وبه يفتي اما عند قصد التلهي فحرام اجماعا[1] اهـ ملتقطا۔

امام محمد نے اس کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور وہ نجس بھی ہے، اگر اس سے نشہ آئے تو ہمارے زمانے میں مختار یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائیگی اور اسی پر فتوٰی ہے اور لہو ولعب کے ارادے سے پینا بالاجماع حرام ہے اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انه لايلزم من حرمة الكثير المسكر حرمة قليله ولا نجاسته مطلقا الا في المائعات لمعنى خاص بها واما الجامدات فلايحرم منها الا الكثير المسكر ولا يلزم من حرمته نجاسته[2] الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حُرمت سے اُس کے قلیل کی حُرمت و نجاست لازم نہیں آتی سوائے مائعات کے اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جامد اشیاء میں سے صرف زیادہ مقدار جو کہ نشہ آور ہے وہی حرام ہے۔ اور اسکے حرام ہونے سے اسکا نجس ہونا لازم نہیں آتا الخ (ت)

درمختار میں ہے:

المحرم شرعا لايجوز الانتفاع به للتداوي[3] والله سبحنه وتعالى اعلم۔

جو چیز شرعاً حرام ہے اس سے علاج معالجہ کیلئے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (ت)
واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: ۴ صفر مظفر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، حُرمتِ بنگ مثل حرمت شراب کے ہے

---

[1] درمختار کتاب الاشربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۰
[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۹۳
[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۰

یا اس سے کم ہے؛ اور پینے والا بنگ کا مرتکب کبیرہ ہے یا صغیرہ؛ اور مستحل اس کا کافر ہے یا مبتدع یا زندیق؛ اگر کوئی طبیب کسی شارب خمر کو بجائے شراب کے استعمالِ بنگ تجویز کرے اور اس طبیب کا منشا یہ ہو کر استعمالِ بنگ سے پینا شراب کا چھوٹ جائے گا تو یہ حلال ہوگا یا حرام اور اس کا مجوز گنہگار ہوگا یا نہیں؛ اور نشہ بنگ کا اس مضمون حدیث میں کہ کل مسکر حرام[1] (ہر نشہ آور حرام ہے۔ ت) و ایضاً ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام[2] (جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ ت) داخل ہے یا نہیں؛ اگر کوئی شخص اس کے رنگ سے کپڑا رنگے اور اس کپڑے سے نماز پڑھے تو جائز ہوگا یا ناجائز؛ عبارتِ فتاوٰی بزازیہ سے تو صراحتاً اس کی نجاست معلوم ہوتی ہے جیسا کہ منقول ہے:

قال محمد رحمۃ اللہ علیہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وھو نجس ایضا قالوا و بقول محمد ناخذ[3] انتہی۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا جس کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ نجس بھی ہے۔ علماء نے کہا کہ ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں انتہی (ت)

الجواب

خمر کی حرمت قطعیہ بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے اس کے ایک قطرہ کی حرمت کا منکر قطعاً کافر ہے باقی مسکرات میں یہ حکم نہیں۔ ہاں بنگ وغیرہ کسی چیز سے نشہ کی حرمت کا منکر گمراہ و مخالفِ اجماع ہے شراب کی حرمت لعینہا ہے اور بنگ کی حرمت بعلتِ اسکار ہے نشہ بازی بنگ یا افیون کسی بلا سے ہو مطلقاً کبیرہ ہے، شراب کسی طرح کی ہو صرف حرام ہی نہیں بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس ناپاک ہے ھو الصحیح وعلیہ الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) اور بنگ و افیون وغیرہما اشیاء جن کی خشکی میں بھی نشہ ہے ان کا مسکر ہونا ان کے مائع و سیال پانی کی مثل بہنے والی ہونے پر موقوف نہیں وہ نجس نہیں ان کا نشہ حرام ہے یہیں سے ظاہر ہوا کہ بنگ کے رنگ سے یا بنگ کپڑے میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب امر الوالی اذا وجہ امیرین الی موضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۳
صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب النہی عن الانتباذ فی المزفت الخ " " ۲/ ۱۶۷
جامع الترمذی ابواب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر امین کمپنی دہلی ۲/ ۸

[2] جامع الترمذی " باب ماجاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام " " ۲/ ۹

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاشربۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۷

بندھی ہو تو نماز جائز ہے وہ کل مسکر حرام میں داخل ہے فانہا عرفیۃ عامۃ ای مادام مسکرا (اس لئے کہ یہ عرفیہ عامہ ہے یعنی جب تک وہ نشہ آور ہے۔ ت) مگر ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں صرف مسکرات مائعہ مراد ہیں جن کا نشہ لانا اُن کے سیّال کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مشک وعنبر وزعفران بھی مطلقاً حرام ونجس ہوجائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے یقیناً نشہ جبکہ مطلقاً اجماعاً حرام قطعی ہے شراب سے ہو خواہ بنگ وغیرہا کسی شیئ خراب سے، تو شرابی کو بجائے شراب بنگ سے کی تجویز محض جہالت ہے اور ضرور معصیت ہے، حرام کا کرنا اور رائے دینا دونوں حرام ہیں، دوسرے کو ایک حرام سے بچانے کے لئے خود بھی حرام کا ارتکاب اور اُسے بھی دوسرے حرام میں ڈالنا کیا مقتضائے عقل و دیانت ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم[1]

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہ پہنچاسکے گا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انہ لایلزم من حرمۃ الکثیر المسکر حرمۃ قلیلہ ولا نجاستہ مطلقاً الا فی المائعات لمعنی خاص بھا اما الجامدات فلا یحرم منہا الا الکثیر المسکر ولا یلزم من حرمتہ نجاستہ[2] واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت ونجاست مطلقاً لازم نہیں آتی سوائے مائعات یعنی بہنے والی اشیاء کے، اس معنٰی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے، رہیں جامدات یعنی ٹھوس اشیاء، تو ان میں سے صرف کثیر نشہ آور مقدار ہی حرام ہے اور اس کی حرمت سے اسکی نجاست لازم نہیں آتی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: المرسل عبدالحکیم از ملک بنگلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارہ میں کہ بعض جاہل بلکہ عالم یہ کہتے ہیں کہ

---

[1] القرآن الکریم ۵/۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الاشربۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۹۳

حقہ پینا مکروہ ہے اور اس کا پانی اگر کپڑے پر گر جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

الجواب

حقے کے پانی کو ناپاک بتانا محض جہالت اور شریعتِ مطہرہ پر افترا ہے، اور حقہ جس طرح بعض جاہل افطارِ رمضان کے وقت پیتے ہیں جس سے کہ حواس میں خلل آتا ہے ضرور ناجائز اور گناہ ہے، اور تکیے وغیرہ کا حقہ جو مدتوں تازہ نہ ہوتا ہو اور کریہہ بدبو دے مکروہ ہے، اور عام حقہ جیسا کہ اہلِ تہذیب پیتے ہیں جس میں بدبو نہیں ہوتی وہ محض مباح ہے، وقد فصلناہ فی فتاوانا (اس کی تفصیل ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کر دی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ از مارہرہ بنام شیخ امیر احمد ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادویہ انگریزی استعمال ہوں یا نہ ہوں اور اگر ہوں تو وہ کون سی ہے جس کو بلا تکلف استعمال کر لیں، اور عام فتوٰی ان کا مطلوب ہے کُل ادویات کی نسبت قابلِ استعمال اور ناقابلِ استعمال، آیا کُل ادویہ ممنوع ہیں یا وہ صرف جن میں اثرِ شراب ہے خواہ پینے کی ہو خواہ مالش کی ہو، جواب جلد آئے تاکہ استعمال اور عطریات کا بھی معلوم ہو جائے کہ کُل عطر منع ہیں یا جس میں آمیزش شراب کی ہو بظاہر آمیزش شراب معلوم ہوتی ہو مگر اس میں خلط ہو اور ایسے عطریات کی مالش کے جائیں یا سونگھے جائیں؟ اس کی تفصیل بھی ہو جائے۔

الجواب

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کا کھانا حرام، لگانا حرام، بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شئے لگی ہوئی نماز نہ ہوگی ہاں خشک دوا جس میں کسی نجاست کی خلط کا حال معلوم نہ ہو لگانا جائز ہے اور اگر کسی حرام شئے کا اختلاط معلوم نہ ہو تو کھانے کی بھی اجازت ہے، اور افضل احتیاط ہے۔ انگریزی عطروں کا حال فقیر کو معلوم نہیں سوا اس کے کہ بہت بدبو کریہہ الرائحہ ہوتی ہیں رقیق اشیاء میں ان کی قوت رکھنے کے لئے ڈاکٹری نسخوں میں اسپرٹ ہی کا مطلقاً استعمال ہے لہٰذا ان سے احتراز ہی چاہئے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان میں اسپرٹ ہے تو ان کا نہ صرف لگانا بلکہ سونگھنا بھی ناجائز ہے کہ شراب کے مول لینے والے اٹھانے والے پر بھی لعنت فرماتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴ بتاریخ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بروزِ قیامت حقہ پینے والے سے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام رُوئے مبارک پھیر لیں گے اور درود شریف اس کا پڑھا قبول نہ ہوگا' یہ بیان غلط ہے یا صحیح؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ سب دروغ کاذب ہے اور شریعتِ مطہرہ محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر افترار، حقہ تو مباح ہے، اگر بالفرضِ غلط حرام بھی ہوتا تو اتنا گناہ نہ ہوتا جس قدر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر افترا کرنا کبیرہ شدیدہ ہے جس کے بعد بس کفر ہی کا درجہ ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالٰے اعلم۔

مسئلہ ۳۵، ۳۶ مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب از بہرام پور ضلع مرشدآباد بنگال ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُنتے ہیں کہ تاڑی کے خمیر سے ڈبل روٹی پکائی جاتی ہے مسلمانوں کے لئے کھانا کیسا ہے؟

(۲) اس ملک میں اکثر کھجوروں کا رس نکالتے ہیں اس رس کا گڑ بناتے ہیں اکثر کھیر بھی پکاتے ہیں اگر تازہ رس جوکہ شیریں ہوتا ہے اور لوگ پیتے بھی ہیں دودھ یا کہ خمیر ملاکر تاڑی بناتے ہیں تاڑی کے پینے سے نشہ ہوتا ہے مسلمانوں کے لئے یہ کیسا ہے، از رُوئے شرع جواب فرمایئے۔ اللہ تعالٰے اجر عطا فرمائے گا۔

الجواب

(۱) اگر ثابت ہو تو اس سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالٰے اعلم

(۲) جب تک اُس میں نشہ نہیں حلال ہے اور اس کی کھیر اور گڑ بھی جائز ہیں اور نشہ لانے کے بعد حرام بھی ہیں اور پیشاب کی طرح نجس بھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۷ مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی دانمباڑ

اسپرٹ کا استعمال خوردنی اشیاء میں یا رنگ وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ اس کو شراب کہتے ہیں۔

الجواب

اسپرٹ واقعی شراب بلکہ سب شرابوں سے تیز و تند ہے حتّٰی کہ اپنی تیزی کے سبب سم ہوگی

مذہبِ معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر مائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے لہذا اشیائے خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے انگریزی ٹنچروں میں عموماً اسپرٹ ہوتو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وُہ بھی ممنوع دنا جائز ہے صرف کپڑوں میں فقیر کے نزدیک عموم بلوی حکم طہارت ہے اخذا باصل المذھب والتفصیل فی فتاوینا (اصل مذہب کا اعتبار کرتے ہوئے، اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)۔

مسئلہ ۳۸ مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی وانباڑ

پاؤ روٹی جو ہندوستان میں اکثر جگہ تاڑی کے لگاؤ سے پکاتے ہیں اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؛ اور جو نہ معلوم ہو کہ یہ روٹی تاڑی سے بنی ہے اس کا کھانا کیسا ہے ؛ اور جو تاڑی شامل ہو اس کو جان کر جو کھائے اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں ؛ اور وہ شخص حرام شَے کا حلال سمجھنے والا ہُوا یا نہیں ؟

الجواب

مسئلہ تحریم حلال کو تو یہاں کوئی تعلق نہیں جب تک نشہ کو حلال نہ جانے،

لانھا فی الحرمۃ القطعیۃ و لیست فی تلك المشروبات الا فی الخمر المسکر حرام قطعا اجماعا۔ اس لئے کہ یہ حرمتِ قطعیہ میں ہے حالانکہ ان مشروبات میں حرمتِ قطعیہ نہیں سوائے نشہ آور خمر کے کہ وہ بالاجماع حرام قطعی ہے (ت)

اور جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں روٹی میں تاڑی پڑتی ہے یا نہیں تو اس کا کھانا بھی حرام نہیں لان الاصل الاباحۃ ولایثبت حکم بالشك (کیونکہ اصل اباحت ہے اور شک کے ساتھ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ت) ہاں اہلِ تقوٰی کو بچنا بہتر۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

فمن اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ[1] جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ (ت)

اور نہ بچیں تو مواخذہ نہیں۔ اشباہ و درمختار میں ہے :

لیس زماننا زمان اتقاء الشبھات[2] ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۸

اور جہاں تاڑی پڑنا معلوم ہو تو اس سے احتراز لازم ہے لان کل مائع مسکر نجس وحرام (کیونکہ ہر بہنے والی نشہ آور شَی حرام اور نجس ہے۔ ت) مگر جب ثابت ہوا کہ اس میں وُہ تاڑی ملائی جاتی ہے جو نشہ کی حالت تک نہ پہنچی یا اس طرح ملائی جاتی ہے کہ نمک وغیرہ کی وجہ سے اس کا نشہ قطعاً زائل ہوجاتا ہے اس وقت جواز ہوگا اور نرا احتمال کہ شاید نشہ نہ رہا ہو کافی نہ ہوگا لان الیقین لایزول بالشك (کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ ت) اس صورت میں جو اسے کھائے اس پر توبہ لازم ہے اور ہاتھ اور منہ اور برتن پاک کرنا بھی جبکہ شیرہ یا شوربا میں کھائی گئی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹ از ڈاکخانہ مہر گنج محلہ چرکھی ضلع بریسال ملک بنگالہ مرسلہ محمد حسین صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک جماعت ظاہر شدہ اند تمباکو را حرام گویند وحقہ نوشیدرا حرام زادہ گویند قول امام وصاحبانرا اتباع نکنند۔

ایک جماعت ظاہر ہوئی جس کے لوگ تمباکو کو حرام اور حقہ پینے والے کو حرامزادہ کہتے ہیں۔ وہ لوگ امام صاحب اور صاحبین کی اتباع نہیں کرتے (ت)

الجواب

تمباکو خوردن وکشیدن وشمیدن ہمہ رواست کما حققناہ فی حقۃ المرجان، وقد قال فی غمز العیون منہ یعلم حل شرب الدخان[1] وآنکہ حرام زادہ گفت تعدی بر شرع کرد وظلم بر مسلمانان عجب ست کہ بمقتضائے حدیث حرامزادہ نباشد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایبغی علی الناس الا ولد بغی او من فیہ عرق منہ[2] وہرکہ اتباعِ ائمہ نکند بری از اتباع نتواں بود متبع شیطان ست

تمباکو کھانا، پینا اور سونگھنا سب جائز ہے جیسا کہ ہم نے رسالہ "حقۃ المرجان" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ غمز العیون میں فرمایا کہ اس سے تمباکو نوشی کا حلال ہونا معلوم ہوا۔ اور جس نے حرامزادہ کہا اس نے شریعت پر زیادتی اور مسلمانوں پر ظلم کیا۔ عجب نہیں کہ وُہ خود حدیث کے تقاضے کے مطابق حرامزادہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو زنا کار وہی قرار دیتا ہے جو ولدِ زنا ہو یا اس میں زنا کی کوئی رگ ہو اور جو ائمہ کرام

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

[2] شعب الایمان حدیث ۶۶۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۸۶
کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۳۰۴۵۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۹

گو متبع ائمہ مباش ۔ واللہ تعالٰی اعلم

کی اتباع نہیں کرتا وہ اتباع سے بری نہیں ہوتا، وہ شیطان کی اتباع کرنیوالا ہوتا ہے اگرچہ ائمہ کی اتباع کرنیوالا نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۲ از پندول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور نعمت بوڑہا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کھجور کا رس جو اس کے درخت کو چھیل کر ہنٹنی کے پاس سے نکالتے ہیں اس کا پینا کیسا ہے؟

(۲) تاڑ کا پھل جس میں رس ہوتا ہے اس رس کو نکال کر تاڑی پیتے ہیں اور نشہ کی وجہ سے بدمست ہوجاتے ہیں لیکن پھل کھانے سے نہیں بدمست ہوجانا پھل کا کھانا کیسا ہے؟

(۳) تاڑی جو نشہ کی چیز ہے اس کا سرکہ بناکر کھانا کیسا ہے؟

الجواب

(۱) جب تک نشہ نہ لائے جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) پھل کھانا جائز ہے اور تاڑی پینا حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) جب حقیقۃً سرکہ ہوجائے جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۳ اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ سوائے شراب کے بھنگ، افیون، تاڑی، چرس کوئی شخص اتنی مقدار میں پیئے کہ اس سے نشہ نہ آئے وہ شخص حرام کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

نشہ بذاتہٖ حرام ہے، نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے یہاں تک کہ علمائے نے تصریح فرمائی ہے کہ خالص پانی دورِ شراب کی طرح پینا بھی حرام ہے ہاں اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہئے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کردیتی ہے جو افیون کے سوا کسی بلا سے نہیں بھرتے تو خواہی نخواہی بڑھانی پڑتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴ شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ عبدالرحیم تاریخ ۲۱ ماہ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک سائل کوچہ و بازار میں

پھرتا ہے اور ہر ایک سے سوال کرتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے روٹی یا کپڑا یا پیسہ دو۔ بعض دیتے ہیں اور اکثر نہیں دیتے۔ اوّل اکثروں کے واسطے جو نہیں دیتے ہیں کیا حکم ہے؟ و نیز ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ تُو اپنی بیٹی کا اللہ کے واسطے میرے ساتھ نکاح کردے، لیکن وہ نہیں کرتا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ و نیز ایک شخص کسی صاحبِ ریاست و امارت سے کہتا ہے کہ ایک ہزار روپیہ مجھے اللہ کے واسطے دے دے مگر وہ نہیں دیتا اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بعض سائل ان الفاظ میں سوال کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کے واسطے مجھے کچھ دو، یا کوئی شخص کسی سے کہہ بیٹھے کہ خدا و رسول کے واسطے مجھے معاف کرو۔ ان پر ہر شخص کے واسطے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بالتفصیل جواب عنایت ہو۔ یہ سوالات خالصاً لوجہ اللہ ہیں اس میں رُو رعایت کسی کی نہ پائی جائے، جو شرع شریف کا حکم ہو وہ بیان فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من سأل بوجہ اللہ و ملعون من سئل بوجہ اللہ ثم منع سائلہ مالم یسأل ھجرا، رواہ الطبرانی[1] فی المعجم الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

ملعون ہے جو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ مانگے اور ملعون ہے جس سے خدا کا واسطہ دے کر مانگا جائے پھر اس سائل کو نہ دے جبکہ اس نے کوئی بیجا سوال نہ کیا ہو (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم:

من سأل باللہ فاعطی کتب لہ سبعون حسنۃ، رواہ البیہقی[2] فی شعب الایمان عن

جس سے خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگا جائے اور وہ دے دے تو اس کے لئے ستّر نیکیاں لکھی جائیں (اس کو بیہقی نے شعب الایمان

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الادعیۃ باب السؤال بوجہ اللہ الکریم دار الکتاب بیروت ۱۰/۱۵۳
الترغیب والترھیب ترھیب السائل ان یسأل بوجہ اللہ حدیث ۱۱ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۱
کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۱۶۷۲۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۵۰۲
[2] 〃 〃 حب عن ابن عمر ۱۶۰۷۶ 〃 〃 〃 ۶/۳۶۳

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔ (امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سألکم باللہ فاعطوہ وان شئتم فدعوہ۔ رواہ الامام الحکیم الترمذی[1] فی النوادر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ یعنی جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے اسے دو اور اگر نہ دینا چاہو تو اس کا بھی اختیار ہے (اس کو امام حکیم ترمذی نے نوادر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایسئل بوجہ اللہ الا الجنۃ۔ رواہ ابوداؤد[2] والضیاء عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔ اللہ کے واسطے سے سوائے جنت کے کچھ نہ مانگا جائے (اس کو امام ابوداؤد اور ضیاء نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

علمائے کرام نے بعد توفیق و تطبیق احادیث یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی دینی شیئ کے کچھ نہ مانگا جائے اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شیئ کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو تو مستحب و موکد دینا ہے ورنہ نہ دے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اُسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب واضح ہوگیا۔ جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے مناکحت کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے یا دوسرا اس سے بہتر ہے تو ہرگز نہ مانا جائے کہ دختر کے لئے صلاح و اصلح کا لحاظ اُس بیباک سے اہم و اعظم ہے اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت و حالت اور سائل کے کیفیت و حاجت پر نظر درکار ہے اگر یہ سائل قوی تندرست گدائی کا پیشہ ور جوگیوں کی طرح ہے تو ہرگز ایک پیسہ نہ دے کہ اسے سوال حرام ہے اور اسے دینا حرام پر اعانت کرنا ہے دینے والا گنہگار ہوگا اور اگر صاحبِ حاجت ہے اور

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحکیم عن معاذ حدیث ۱۶۲۹۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۴۰۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراہیۃ المسألۃ بوجہ اللہ تعالٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۵

جس سے مانگا اس کا عزیز و قریب بھی حاجتمند ہے اور اسکے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کی مواسات کرے تو اقربا کی تقدیم لازم ہے ورنہ بقدرِ طاقت وسعت ضرور دے اور رُوگردانی نہ کرے۔ یہ سوالات کا جواب تھا اور اتنی بات اور گزارش ہے کہ بے ادب سائل ہونا نہ چاہئے، سوال کیا جائے علمائے کرام سے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین، اور آخر میں یہ ہدایت کی جائے کہ رُو رعایت کسی کی نہ پائی جائے، یہ کھلی دریدہ دہنی ہے علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کو کسی کی رُو رعایت سے کیا تعلق' جو احکام انہیں ہیں بتاتے ہیں جو کسی کی رُو رعایت سے معاذ اللہ قصدًا حکم غلط بتائیں وہ علمائے دین کب ہُوئے نائبانِ شیطان ہوئے، عوام پر علمائے دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلٰثة لایستخف بحقهم الا المنافق بین النفاق ذوالشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔ رواہ ابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر[1] بسند حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنهما۔

تین شخص ہیں جن کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق کھلا منافق ازانجملہ ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم کہ مسلمان کو نیک بات بتائے، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔ (اس کو ابوالشیخ نے توبیخ میں حضرت جابر سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سندِ حسن کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اسی سائل نے لکھے تھے اس پر چشم پوشی کی گئی اب یہ دوسری بار ہے لہذا اطلاع دی گئی سائل کو اگر ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی تو شروع سوال میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین مطلق نہ لکھا کرے جس سے توہینِ علماء پیدا ہو بلکہ خاص اس فقیر کا نام لکھ کر اخیر میں جیسے الفاظ چاہے لکھے واللہ الهادی ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۳۸
کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ والتوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۳۲

کتاب الرھن

(رہن کا بیان)

مسئلہ ۴۵ ۲۲ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شئی مرہونہ کو اپنے استعمال میں لانا یا اُس میں سکونت کرنا کسی طور سے جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

کسی طرح جائز نہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربوا[1]۔ اخرجہ الحارث عن سیدنا علی کرّم اللہ تعالٰی وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یعنی قرض کے ذریعہ سے جو منفعت حاصل کی جائے وُہ سود ہے۔ (اس کی تخریج حارث نے سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے کی اور حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے اس کو نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ت)

علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ

لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شئی دیتے وقت نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی الباب الثانی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[1] انتہی اقول ولا شك ان ھذا بعینہ حال اھل الزمان یعرفہ منھم کل من اختبر ومعلوم ان احکام الفقہ انما تبتنی علی الکثیر الشائع ولا تذکر حال شذت و ندرت فیہ الجواز کما نص علیہ المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر وغیرہ من العلماء الکرام فالحکم فی زماننا ھو اطلاق المنع لایرتاب فیہ من لہ المام بالعلم والکلام ھھنا وان کان طویلا فجملۃ القول ما ذکرنا واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اگر یہ نفع اٹھانا مطلوب نہ ہو تو وہ قرض کیلئے درہم ہی نہ دیگئے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا اس لئے کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے اور یہ بات ممانعت کو معین کرتی ہے انتہی، میں کہتا ہوں کہ بیشک بعینہٖ یہی حال ہمارے زمانہ والوں کا ہے جس کو ہر باخبر شخص جانتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد کثرت سے واقع ہونے والے مروج حال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیا جاتا جس میں جواز شاذو نادر ہو۔ جیسا کہ اس پر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دیگر علماء کرام نے نص فرمائی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں مرہون سے نفع حاصل کرنے کی مطلقاً ممانعت کا حکم ہے، اور اس میں علم سے کچھ بھی تعلق رکھنے والے شخص کو شك نہیں ہوگا۔ یہاں گفتگو اگرچہ طویل ہے مگر اجمالی بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کردی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۶ ۲۲ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مثلاً سَو روپیہ کو زید نے عمرو کے پاس رہن رکھا عمرو نے اس خیال سے کہ مجھ کو مکان مرہونہ میں سکونت ناجائز ہے بکر ہندو کے ہاتھ بعوض اُسی قدر یعنی زرِ رہن کے رہن کردیا اور اپنا اتنا ہی روپیہ بلا کسی نفع کے بکر سے لے لیا، اب اُس مکان میں عمرو کو بکر سے کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں اور معاملہ مذکورہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

الجواب

شرع مطہر نے عقدِ رہن صرف اس لئے مشروع فرمایا ہے کہ قرض دہندہ کو اپنے روپیہ کا اطمینان ہوجائے اور وصول نہ ہونے کا اندیشہ جاتا رہے اس کی مالیت سے ایک حق مرتہن کا متعلق ہوجاتا ہے اور عین شئی میں سوا حفظ و حبس کے کوئی استحقاق نہیں ہوتا مرہون کے رہن یا اجارہ کا اُسے اختیار نہیں کہ وہ شے اس کی مملوک نہیں صرف اس کے پاس محبوس ہے۔

فی الدر المختار له حبس رهنه لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدامه ولا سکنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة الخ و فی رد المحتار عن التتارخانیة عن شرح الطحاوی لیس للمرتهن ان یرهن الرهن[۲]

درمختار میں ہے مرتہن کو مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہے اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کی اجازت نہیں، نہ اس سے خدمت لینے کی، نہ سکونت کی، نہ پہننے کی، نہ اُجرت پر دینے کی اور نہ عاریت پر دینے کی الخ، ردالمحتار میں ہے تاتارخانیہ سے بحوالہ شرح الطحاوی منقول ہے کہ مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون کو رہن پر

یہاں تک کہ اگر بے اذن راہن ان تصرفات کا ارتکاب کرے گا گنہگار ہوگا اور غاصب ٹھہرے گا۔

کما نص علیه فی غایته ولذا لو هلك هلك بالقیمة بالغة ما بلغت لا بالدین، فی الدر المختار ضمن بایداعه واعارته واجارته واستخدامه وتعدیه کل قیمته[۳] اھ وفی الهندیة عین الرهن امانة فی ید

جیسا کہ غایۃ البیان میں اس پر نص کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مرہون ہلاک ہوجائے تو وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہوجائے گا چاہے جتنی بھی قیمت ہوجائے نہ کہ قرض کے بدلے میں، درمختار میں ہے کہ مرتہن مرہون کی کل قیمت کا ضامن ہوگا جبکہ وہ مرہون کو ودیعت رکھے، عاریت پر دے، اجارہ پر دے، اس سے خدمت لے یا تعدی کرے الخ ہندیہ میں ہے

---

[۱] الدر المختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۶

[۲] رد المحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۲۹

[۳] الدر المختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۷

المرتہن بمنزلۃ الودیعۃ ففی کل موضع لوفعل المودع بالودیعۃ لایغرم فکذلك اذا فعل المرتہن ذلك بالرھن اھ[1] ملتقطا

کہ مرہون شَیٔ بعینہٖ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے جیسا کہ ودیعت۔ چنانچہ جس جگہ ودیعت میں کچھ تصرف کرنے سے اس شخص پر تاوان لازم نہیں آتا جس کے پاس ودیعت رکھی گئی اسی طرح وہاں رہن میں جب مرتہن کوئی تصرف کرے تو اس پر بھی تاوان لازم نہیں آئے گا اھ (التقاط)۔(ت)

اور اگر باذن راہن واقع ہوں تو یہ تصرفات اگرچہ جائز و نافذ ہوں گے مگر وہ رہن زائل ہوجائیگا اور مرتہن مذکور مرتہن نہ رہے گا،

فی الدر المختار الاجارۃ والرھن من اجنبی اذا باشرھا احدھما باذن الاٰخر یخرج عن الرھن ثم لایعود الا بعقد مبتدأ لانھا عقود لازمۃ بخلاف العاریۃ اھ[2] ملخصا۔

درمختار میں ہے اجنبی شخص سے مرہون کا اجارہ یا عقد رہن جبکہ راہن اور مرہون میں سے کوئی ایک دوسرے کی اجازت سے اس کا مباشر ہو تو وہ رہن سے خارج ہوجاتا ہے پھر سوائے نئے عقد کے رہن کی طرف عود نہیں کرتا اس لئے کہ مذکورہ بالا عقود لازم ہیں بخلاف عاریت کے الخ ملخصا (ت)

بہرحال یہ حیلہ عمرو کو کچھ مفید نہیں کہ اگر زید کا اذن نہ تھا تو یہ عقود مال غیر میں تصرف بیجا و گناہ ہے نہ اس مکان میں رہنا جائز، اور اگر باذن زید واقع ہوئے یا بعد وقوع اس نے جائز کردیئے تو اجارہ صحیح اور مکان میں سکونت حلال بعد اجازت اور جو کرایہ ہو اس کا مالک زید مگر مکان رہن سے نکل گیا۔

فی شرح الطحاوی ثم التتارخانیۃ ثم الشامیۃ ان رھن باذن الراھن صح الثانی و بطل الاول[3] اھ، وفی الھندیۃ ان آجرالمرتہن

شرح طحاوی پھر تاتارخانیہ پھر شامیہ میں ہے اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے مرہون شَیٔ کو کسی کے پاس رہن رکھا تو دوسرا رہن صحیح اور پہلا باطل ہوگیا الخ ہندیہ میں ہے کہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] الدر المختار " باب التصرف فی الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیۃ عن شرح الطحاوی " دار احیاء التراث العربی ۵/ ۳۲۹

من اجنبي باصر الراهن يخرج من الرهن وتكون الاجرة للراهن[1] الخ۔

اگر مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شئی کسی کو اجارہ داری پر دی تو وہ رہن سے نکل جائیگی اور اُجرت راہن کے لئے ہوگی الخ (ت)

شقوق اس مسئلہ میں بکثرت ہیں،

لان رهن المرتهن اما ان يكون باذن الراهن اولا وعلى الثاني اما ان يجيز اويرد اولا ولا فهذه اربعة وعلى كل منها مثلها في الاجارة فتكون ستة عشر وان جعل الاولان من التشقيقين واحدا لاتحاد الحكم فان الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة كما في الخيرية[2] فتبقى تسعة۔

کیونکہ مرتہن کا مرہون کو رہن رکھنا یا تو راہن کی اجازت سے ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا، بصورت ثانی راہن اجازت دے دے گا یا رَد کردے گا یا نہ اجازت دے گا اور نہ ہی رد کرے گا تو اس طرح چار صورتیں ہوجائینگی پھران میں سے ہر ایک میں یوں ہی چار صورتیں اجارہ کی بنیں گی، چنانچہ مجموعی احتمالات سولہ ہوجائیں گے۔ اور اگر دونوں تشقیقوں کی پہلی صورت کو اتحادِ حکم کی وجہ سے ایک بنا دیا جائے کیونکہ اجازتِ لاحقہ، وکالت سابقہ کی طرح ہوتی ہے جیسا کہ خیریہ میں ہے، تو باقی نو صورتیں بچیں گی۔ (ت)

لیکن حاصلِ حکم اُسی قدر ہے کہ یا تو رہن معدوم یا یہ اجارہ بیجا اور سکونت ناجائز۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴

۲۲ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرتہن سے مکانِ مرہون کرایہ پر لینا مالک مرہون یا غیر مالک کو مُباح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مرتہن سے راہن کا شئی مرہون کو کرایہ پر لینا اصلاً وجہِ صحت نہیں رکھتا کہ مالک کا اپنی ملک کو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۶

دوسرے سے کرایہ پر لینا محض بے معنٰی ہے،

فی الھندیۃ آجرھا من الراھن لا تصح الاجارۃ[1] ہندیہ میں ہے مرتہن نے مرہون شیئ راہن کو اجرت پر دی تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔ (ت)

اور اجنبی کو بھی مرتہن سے اجارہ پر لینا مباح نہیں کہ وہ غیر مالک ہے اور کرایہ پر دینے کا اصلاً اختیار نہیں رکھتا تو جس طرح مرتہن اس فعل سے گناہ گار ہوگا کہ اس نے ملکِ غیر میں تصرف بیجا کیا اس لئے کرایہ اُسے حلال نہ ہوگا بلکہ شرع حکم دے گی کہ خیرات کردے یا راہن کو دے دے اور یہی اولٰی ہے کما حققناہ فی تحریر مستقل (جیسا کہ ہم نے مستقل تحریر میں اسکی تحقیق کردی ہے۔ ت) اسی طرح یہ مستاجر بھی جبکہ جانتا ہو کہ مکان اس کی مِلک نہیں بلکہ اس کے پاس بطور رہن ہے اس سے کرایہ پر لے کر مبتلائے گناہ ہوگا کہ یہ غیر کے مکان میں بے اسکے اجازت کے رہا اور مرتہن کو گناہ پر معاون ہوا،

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2]، ومن القواعد المقررۃ ان ما حرم اخذہ حرم اعطاؤہ[3]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو" اور مسلّمہ قواعد میں سے ہے کہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر یہ اجارہ باذن راہن واقع ہوا یا راہن بعد وقوع اجازت دے دے تو بے شک عقد جائز و نافذ اور رہنا حلال ومباح ہوجائے گا مگر اس تقدیر پر درحقیقت راہن سے اجارہ لینا ہوا نہ مُرتہن سے ولہذا بعد اجازت جو کرایہ آئے گا اس کا مالک راہن ہوگا اور اس صورت میں مکان مرہون رہن سے نکل جائے گا کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸: از جالندھر محلہ راستہ بھگواڑہ دروازہ مرسلہ میاں شمس الدین شعبان ۱۳۱۰ھ

گروی زمین ومکانات سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۶۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

الجواب

اس قسم کے مسائل میں قول منقح ومحرر واصل محقق ومقرر یہ ہے کہ بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود وحرام ہے، حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ رواہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیر المومنین المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث نے اپنی مسند میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اگر اس بنا سے جدا ویسے ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تو وہ مدیون کی مرضی پر ہے اس کے خالص رضا واذن سے ہو تو روا ورنہ حرام، اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یا بطور سلوک اس کے لئے معیار شرط وقرارداد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا، اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا پھر آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت بطور احسان ومروت حاصل ہوئی تو وہ بربنائے حُسنِ سلوک ہے نہ بربنائے قرض تو مدار کار شرط پر ٹھہرا یعنی نفع مشروط سود اور نفع غیر مشروط سود نہیں بلکہ باذنِ مالک مباح، پھر شرط کی دو صورتیں ہیں: نصاً یعنی بالتصریح قرارداد انتفاع ہو جائے، اور عرفاً کہ زبان سے کچھ نہ کہیں مگر بحکم رسم ورواج قرارداد معلوم اور داد وستد خود ہی ماخوذ ومفہوم ہو ان دونوں صورتوں میں وہ نفع حرام وسود ہے،

فان المعھود کالمشروط لفظا۔

اس لئے کہ بے شک جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے لفظوں میں مشروط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قالوا اذا لم تکن المنفعۃ مشروطۃ ولا متعارفۃ

مشائخ نے کہا جو منفعت مشروط نہ ہو اور نہ ہی متعارف ہو تو اس میں کوئی

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸
[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعا الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

فلا باس[1]۔

حرج نہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

فی الفتاوی الصغری وغیرھا ان کان النفع مشروطا فی القرض فھو حرام والقرض بھذا الشرط فاسد والاجاز الاتری انہ لو قضاہ احسن مما علیہ لایکرہ اذا لم یکن مشروطا وقالوا انما یحل ذلک عند عدم الشرط اذا لم یکن فیہ عرف ظاھر فان کان یعرف ان ذلک یفعل لذلک فلا[2] اھ ملخصا۔

فتاوی صغری وغیرہ میں ہے کہ اگر قرض میں نفع کی شرط لگائی گئی تو نفع حرام، اور قرض اس شرط کے ساتھ فاسد ہوگا، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو جائز ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس پر قرض ہے اگر وُہ قرض سے زیادہ بہتر واپس کرے تو یہ مکروہ نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ مشائخ نے کہا عدمِ شرط کی صورت میں یہ حلال تب ہوگا جب زیادہ واپس کرنے کا عرف ظاہر نہ ہو اور اگر یہ معروف ہے تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں اھ اختصار (ت)

منح الغفار میں جواہر الفتاوٰی سے ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ فھو ربا والافلاباس بہ[3]

جب شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہوگیا جس میں نفع ہے لہذا وُہ سود ہوا اور اگر مشروط نہیں تو کوئی حرج نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما فی الجواھر یصلح للتوفیق وھو وجیہ وذکروا نظیرہ فیما لو اھدی المستقرض للمقرض

جو کچھ جواہر میں ہے وہ موافقت کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ وجیہ ہے۔ اس کی نظیر مشائخ نے ذکر کی کہ جب مقروض قرض دہندہ کو

---

[1] الدرالمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۶
[3] ردالمحتار بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

15

ان کانت بشرط کرہ و الا فلا[1] | ہدیہ دے تو اگر اس کی شرط لگائی گئی ہے تب تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

جب یہ اصل کلی معلوم ہولی حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ اگر مکان وغیرہ شئی مرہون سے مرتہن کا بذریعۂ سکونت وغیرہ نفع لینا مشروط ہوچکا ہے جیسا کہ دخلی رہن ناموں میں اس کی صاف تصریح ہوتی ہے جب تو اس کا صریح سُود حرام ہونا ظاہر، ورنہ غالب عرف و عادت رسم و رواج زمانہ صراحۃً حاکم ابنائے زمان اسی نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے دینے والے سب بغیر ذکر اُسے قرار یافتہ سمجھتے ہیں اگر مرتہن جانے کہ مجھے انتفاع نہ ملے گا ہرگز عقد نہ کرے اور راہن بوجہ قرض دبا ہُوا نہ ہو تو کبھی مجبوراً اجازت انتفاع نہ دے ولہذا مرتہن اس نفع وسود کو اپنا حق واجب جانتے ہیں اور راہن کو اس پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ انتفاع اگرچہ لفظاً مشروط نہ ہو عرفاً بیشک مشروط ومعہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔ علامہ احمد طحطاوی پھر علامہ محمد شامی قدس سرہما ایسا ہی حواشی دُر میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم و ھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[2] | لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو تو قرض پر درھم ہی نہ دیں گے، اور وہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف کا حکم مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے اور یہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے اور صرف بغرض وثوق وصول جو تشریع رہن سے مقصود شارع ہے رہن لے اور عاقدین وقتِ عقد صراحۃً شرط کرلیں کہ مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مجاز نہ ہوگا،

وذٰلک لان ماصار معروفا لایصیر مرفوعا بالسکوت | یہ اس لئے ہے کہ جو چیز معروف ہوچکی ہو وہ چُپ رہنے سے مرفوع نہیں ہوجاتی

---

[1] ردالمحتار | کتاب الرھن | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۳۱۱

[2] " | " | " " " " | ۵/۳۱۱

فلایکفی عدم الشرط بل شرط العدم یفوق الصریح الدلالۃ۔ لہذا شرط نہ لگانا کافی نہیں بلکہ عدم نفع کی شرط ضروری ہوگی تاکہ صریح، دلالت پر فوقیت پاجائے۔ (ت)

پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے اور مرتہن صرف بربنائے اجازت نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اُس وقت روک دے تو فوراً رُک جائے یعنی بعد اس شرطِ عدم انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکانِ رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تو معاً باز رہے اور اصلاً چون وچرا نہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا، مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں، اللہ عزوجل مسلمانوں کی اصلاح فرمائے، آمین! واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹

۴ رجب ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے مبلغ دو ہزار روپیہ بابت قرض لے ایک موضع اپنا بطور رہن کے عمرو کے قبضہ میں دے دیا توفیر اس موضع کی تقریباً تین سو روپیہ ہے اس صورت میں بعوض حق المحنت تحصیل وصول زر وادائے سامان حاکم وقت ودیگر کاروبار متعلقہ موضع مذکور کے مبلغ دس روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سو بیس روپیہ سالانہ عمرو کو دیا چاہتا ہے پس لینا اجرت مذکور کا عمرو کو زید سے بحالت مسطورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے کاموں کا انجام دینا اور توفیر وصول کرکے پہنچانا باخذ اجرت وحق المحنت درست ہے یا نہیں؟

الجواب

رہن واجارہ باہم دو عقد متنافی ہیں کہ شرعاً جمع نہیں ہوتے جو اُن میں بوصف نفاذ دوسرے پر وارد ہوگا اسے باطل کردے گا کما نص علیہ الکبار فی معتمدات الاسفار (جیسا کہ اس پر معتمد کتابوں میں علماء کبار نے نص فرمائی ہے۔ ت) تو رہن دیہات کا یہ طریقہ کہ زمین مزارعین پر کے اجارہ پر رہے اور گاؤں مرتہن کے پاس رہن ہو محض باطل وبے معنی ہے بلکہ یہ رہن اجازت مستاجران زمین پر موقوف رہے گا اگر وہ باطل کردینگے رہن باطل ہوجائے گا اجازت دیں گے تو ان کا اجارہ باطل ہو کر ان کی طرف سے استعفا قرار پائے گا پھر بعد استعفا جب رہن صحیح ہوا تو اب زمین اجارہ زراعت پر نہیں اُٹھ سکتی اگر راہن بے اجازت مرتہن زمین

اٹھائے گا اجازت مرتہن پر موقوف رہے گی، اگر باطل کر دے گا اجارہ زمین باطل ہو جائے گا رہن قائم رہے گا اجازت دے گا تو رہن باطل اجارۂ زمین صحیح ہو جائے گا، بہر حال رہن واجارہ دونوں جمع ہوں یہ ہرگز نہ ہوگا کل ذٰلک مصرح بہ فی الکتب الفقھیۃ (اس تمام کی تصریح فقہ کی کتابوں میں کر دی گئی ہے۔ت) پس صورتِ مستفسرہ میں کہ زید نے اپنا گاؤں عمرو کے پاس رہن رکھا ظاہر ہے کہ مزارعین دِہ سے استعفا نہ لیا ہوگا کما ھو المعروف والمعھود فی ھذا العھود (جیسا کہ اس زمانے میں مشہور و معروف ہے۔ت) تو شرعًا وہ رہن صحیح ہی نہ ہوا اور اگر بالفرض استعفا لے بھی تو اب کہ مزارعوں کے پاس اجارہ پر ہے ضرور ہے کہ یہ اجارہ بعد رہن یا راہن نے کیا اور مرتہن نے اُسے جائز رکھا کہ تحصیل زر اجارہ پر نوکر رکھنا چاہتا ہے یا مرتہن نے کیا اور راہن نے اسے جائز کر دیا کہ تحصیلِ زر اجارہ پر اسے نوکر رکھنا چاہتا ہے بہر حال گاؤں رہن سے نکل گیا اب نہ زید راہن نہ عمرو مرتہن، نوکری کا اختیار ہے قرضۂ عمرو ذمۂ زید جدا رہا۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس بارے میں کہ ایک مکان پختہ زید کا اور بعد فوت زید کے وہ مکان بیع قبض ودخل دونوں لڑکوں زید کے رہا ایک طفل کلاں کا نام عمرو اور طفلِ خورد کا نام بکر بباعث تنگدستی کے بکر حصہ اپنا غیر شخص کے ہاتھ مبلغ چہار صد روپیہ کو فروخت کرتا تھا عمرو نے ظلم تعدی کرکے مبلغ تین سو روپیہ کو خرید کر لیا اس میں سے مبلغ ایک سو روپیہ نقد بکر کو دیئے اور بالعوض مبلغ صد روپیہ کے مکان سکونت اپنے کا عمرو نے پاس بکر کے رہن دخلی کر دیا بعدہٗ وہ مکان بکرایہ سہ روپیہ ماہواری کرایہ پر بکر نے دے دیا وہ کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں برتقدیر صحتِ بیع اگر بکر نے مکانِ مرہون باجازت عمرو کرایہ پر دیا تو رہن باطل ہو گیا اور زر کرایہ عمرو کو ملے گا بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جو عمرو کی اجازت نہ تھی تو زر کرایہ بکر کا ہے مگر اس کے لئے وہ مال طیب نہیں زرِ خبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے مانع اجابتِ دُعا ہوتا ہے کما فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ت) بلکہ تصدق کر دے یا مالک کو دے دے کما فی غمز العیون للحموی عن البزازیۃ ونحوہ فی الھندیۃ عن فتاوٰی قاضی خان (جیسا کہ حموی کی غمز العیون میں بحوالہ بزازیہ منقول

ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں فتاوٰی قاضی خان سے منقول ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۱: از ریاست رامپور

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ ہندہ از زید نابالغ کہ دراں زمان ہشت سالہ بود قرضے گرفت ومکان خود بمیعاد دو ماہ نزد او گرو داشت و ہندہ بدستور دراں مکان ساکن بود پس ازاں زید آں مکان را بذریعہ مرتہنی بعمرو پسر ہندہ بحساب یازدہ روپیہ چہار آنہ ماہوار بکرایہ داد در کرایہ گرفتن لفظ عمرو ہم چنیں بودہ کہ مکان فلانی از زید بچندیں اجرت ماہانہ بکرایہ گرفتم و اقرار میکنم کہ تا انفکاک رہن اجرت ماہ بماہ دہم ویک اقرار نامہ نوشت کہ میان دو ماہ میعاد مندرجہ رہن نامہ موضع ملنی عوض مکان نزد مرتہن رہن خواہم کرد روپیہ کرایہ یکساں بمرتہن دہم لیکن عمرو دراں مکان یکروز ہم سکونت نورزید بمکانِ مملوک خود کہ ہمدراں محلہ واقع است ساکن ماند نہ آں مکان فارغ بود کہ ہندہ خود در وسکونت میداشت کہ ازیں بیازدہ ماہ فک رہن و تبدیلش بموضع ملنی رو نمود زید تاچہار و نیم سال از مطالبہ اجرت

کیا ارشاد ہے آپ کا اے علمائے کرام، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے آٹھ سالہ نابالغ زید سے قرض لیا اور اپنا مکان دو ماہ کی مدت کے لئے اس کے پاس رہن رکھ دیا، اس کے باوجود ہندہ حسبِ سابق اس مکان میں مقیم رہی، پھر زید نے وہ مکان بحیثیت مرتہن لے کر ہندہ کے بیٹے عمرو کو گیارہ روپے چار آنے کے ماہانہ کرائے پر دے دیا، کرائے پر مکان لیتے ہوئے عمرو نے یہ الفاظ کہے کہ میں نے فلاں مکان زید سے اتنے ماہانہ کرائے پر لیا اور میں اقرار کرتا ہوں کہ رہن کے چھڑانے تک ہر ماہ کرایہ ادا کرتا رہوں گا، اور ایک اقرار نامہ لکھا کہ رہن نامہ میں مندرج دو ماہ کی مدت میں موضع ملنی مرتہن (زید) کے پاس مکان کے بدلے رہن رکھ دوں گا' اور کرائے کے روپے باقاعدگی سے ادا کرتا رہوں گا، لیکن عمرو نے ایک دن بھی اس مکان میں رہائش اختیار نہیں کی بلکہ اپنے مکان ہی میں رہا جو اسی محلے میں ہے۔ وہ مکان فارغ نہیں تھا کیونکہ خود ہندہ اس مکان میں رہائش پذیر تھی، گیارہ ماہ میں رہن کی واگزاری اور موضع ملنی کے ساتھ اس کی تبدیلی رُونما ہوتی، زید ساڑھے چار

مہر سکوت برلب نہاد بعد ایں قدر مدت مدید برائے اجرت یافتن استغاثہ کرد گواہانش بوقوع رہن و اجارہ شہادت دادہ بیان می کنند کہ مدعا علیہ پس از تصدیق اجارہ نامہ و سپردنش بمدعی قبضہ بر مکان کردہ بہ متعلقان خویش درو سکونت ورزید بلکہ ہنوز قبضہ مدعا علیہ بر آں مکان آشکار ست حالا از علمائے دینِ متین ایدہم اللہ توفیقہ استفسار میرود کہ درصورت مذکورہ حکم شرعی چیست و رہن و اجارہ مسطورہ صحیح است یا نہ و زر کرایہ کل یا بعض بر ذمہ عمرو واجب الادا ست یا چہ و گواہی مذبور صالح استناد و شایان اعتماد است یا خیر۔ بینوا توجروا۔

سال تک کرائے کے مطالبے سے خاموش رہا ، اس طویل مدت کے بعد اس نے کرایہ وصول کرنے کے لئے دعوٰی کردیا ، اس کے گواہوں نے گواہی دی کہ عقد رہن بھی پایا گیا اور عقد اجارہ بھی پایا گیا ، گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ مدعا علیہ نے کرایہ نامہ کی تصدیق اور اسے مدعی کے سپرد کرنے کے بعد مکان پر قبضہ کیا اور اپنے متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار کرلی ، بلکہ اب بھی مدعا علیہ کا قبضہ اس مکان پر ظاہر و باہر ہے ۔ اب علماءِ دین متین سے دریافت کیا جاتا ہے اللہ تعالٰی اپنی توفیق سے انھیں تقویت عطا فرمائے کہ صورتِ مذکورہ میں شرعی حکم کیا ہے کیا رہن اور اجارہ مذکورہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کرایہ پورا یا اس کا کچھ حصہ عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ گواہی قابلِ اعتماد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رہن مذکورہ ہرگز صحیح نیست و اگر نباشد درو جز تقرر اجل تا ایں قدرہم افساد را بسند است فی الاشباہ الاجل فی الرھن یفسدہ[1] ہم چنیں آں اجارہ نیز وجہ صحت ندارد کہ تقریر سوال سپید می گوید کہ مدت درپردہ جہالت ماند نفس ایجاب و قبول از ذکر اجل

رہن مذکور ہرگز صحیح نہیں ہے ، اگر اس میں مدت کے معین کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو یہ بھی رہن کے فاسد کرنے کے لئے کافی تھا' الاشباہ میں ہے ، رہن میں مدت کا مقرر کرنا اسے فاسد کردیتا ہے ، اسی طرح اس اجارہ (کرائے پر دینے) کے صحیح ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے ، سوال کی عبارت سے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۴

را معزول واں لفظ کہ تا فکاک رہن کرایہ ماہ بماہ دہم وعدہ الیست جداگانہ از سنخ قبول بیگانہ او اگر نہ آنچناں گیریم تا فکاک رہن خود امر لیست نامعین چہ دانی امروز مے شود یا در دہ سال ومعلوم ہست کہ جہالت مدت در اجارہ فساد آرد فی الدر المختار کل ما افسد البیع یفسدھا کجھالۃ مدۃ اھ[1] ملخصا پس درصورت مستفسرہ بحساب اجر مثل حدیث باید کرد یعنی یازدہ روپیہ چار آنہ کلًا یا بعضًا چیزے لازم نیاید بلے اگر انیجا سخن مے تواں گفت اجر مثل حدیث باید کرد یعنی آنچہ اجرت ہمچو خانہ در ہمچو جائے در ہمچو زمانے باشد بشرطیکہ بر زر مسمّٰی نیفزاید کما ھو حکم الاجارۃ الفاسدۃ اذا فسدت لالجھالۃ المسمّٰی لیکن در اجارۃ فاسدہ اجر مثل ھم لازم نیاید الا بدو شرط یکے حقیقت انتفاع مستاجر بداں چیز مستاجر کہ قوۃ تمکن

واضح ہے کہ مدتِ اجارہ مجہول رہی، محض ایجاب قبول کا مدت کے ذکر سے کوئی نہیں ہے، اور یہ کہنا کہ ہرماہ کرایہ دیتا رہوں گا صرف ایک وعدہ ہے جس کا قبول کرنے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اور اگر اس پہلو کو نہ لیا جائے تو "رہن کی واگزاری تک" یہ خود غیر معین (اور مجہول ہے) کیا پتا آج ہوتا ہے یا دس سال میں، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اجارہ میں مدت کا مجہول ہونا اسے فاسد کردیتا ہے، درمختار میں ہے: جو چیز بیع کو فاسد کردیتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کردے گی' جیسے مدت کی جہالت اھ تلخیص۔ لہٰذا جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں بیان کردہ کرائے یعنی گیارہ روپے اور چار آنے کے حساب سے تمام کرایہ یا اس کا کچھ حصہ لازم نہیں آتا، ہاں اس جگہ اگر بات کی جاسکتی ہے تو "اجرِ مثل" کی بات کرنی چاہئے، یعنی ایسی جگہ اور ایسے وقت میں ایسے گھر کا جو کرایہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ بیان کردہ کرائے سے زیادہ نہ ہو، جیسے کہ اجارۂ فاسد کا حکم ہے جبکہ وہ فاسد ہو لیکن بیان کردہ کرائے کی جہالت کی وجہ سے نہ ہو، لیکن فاسد اجارے میں اجرِ مثل بھی تب لازم آتا ہے جب دو شرطیں پائی جائیں: (۱) کرائے

---

[1] الدر المختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۷

انتفاع را اینجا برگ و بار نیست فی الاشباہ التمکن من الانتفاع یوجب الاجر الا فی مسائل الاولی اذا کانت الاجارۃ فاسدۃ فلا یجب الا بحقیقۃ الانتفاع کما فی فصول العمادی[1] دوم وقوع تسلیم از جانب مواجر بروجہ اجارہ کما فی غمز العیون والبصائر عن البزازیۃ انما یجب الاجر فی الفاسد بحقیقۃ الاستیفاء اذا وجد التسلیم من جہۃ الاجارۃ[2] وفی الہندیۃ بعد ما وجب الاستیفاء حقیقۃ انما یجب الاجر اذا وجد التسلیم الی المستاجر من جہۃ المواجر[3] پس درصورتیکہ عمرو مستاجر دراں مکان یکروز ہم سکونت نورزید نہ آں مکان فارغ بود کہ خود ہندہ مالکہ در وسکونت میداشت دگر ہیچ مپرس کہ مواجرین رہن عقد تا چند سال تناسخ فکر کردند یا فکاک رہن و تبدیل

پر لینے والا کرائے کی چیز سے حقیقۃً نفع اٹھائے، کیونکہ نفع حاصل کرنے کی قوت کا اس جگہ کوئی اعتبار نہیں ہے۔ الاشباہ میں ہے: حقیقۃً نفع حاصل کرنے پر قادر ہونا کرائے کو واجب کرتا ہے مگر چند مسائل میں (۱) جب اجارہ فاسد ہو تو اجر صرف اس وقت واجب ہوگا جب حقیقۃً نفع حاصل کیا جائے گا جیسے فصول عمادی میں ہے۔ (۲) اجرت پر دینے والا بطور کرایہ کرایہ دار کے سپرد کردے، جیسے کہ غمز العیون والبصائر میں بزازیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اجارۂ فاسدہ میں کرایہ صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کیا جائے اور بطور کرایہ، کرایہ دار کو چیز سپرد کی جائے۔ فتاوی ہندیہ (عالمگیری) میں ہے کہ جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کرنا پایا جائے تو کرایہ صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کرایہ پر دینے والا کرائے کی چیز کو کرایہ دار کے سپرد کردے گا۔ پس جس صورت میں کرائے دار عمرو نے اس مکان میں ایک دن بھی قیام نہیں کیا، نہ ہی وہ مکان خالی تھا، کیونکہ ہندہ جو اس مکان کی مالک تھی اس مکان میں رہائش پذیر تھی، یہ مت پوچھئے کہ رہن کو بطور کرایہ دینے والوں نے کتنے سال عقد کو فسخ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰
[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر
[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الاجارہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۱۳

مرہون درچہ قدر مدت پدید آمد کائنا
ماکان وانچہ از اجرت بر ذمۂ او لازم
نیست زیرا کہ چوں حقیقت انتفاع
پر بہوائے عدم گشاید لزوم اجر نیز
عنان معاتش درگو تمکن هزار باشد
وخود ازینجا چہ مے پرسی کہ جائے تمکن
ہم مفقود دست زید را گو کہ از گریبان عمرو
دست کوتاہ دارد از شہادت شہدائے
زید ہم اینجا کارے نکشاید و آبے
بر روئے کار نیاید کہ از بیان
شان بر تقدیر استجماع شرائط
قبول ہمیں قدر بثبوت می پیوندد کہ
مدعا علیہ بر اں مکان قبضہ آورد
با وابستگان خویش در وسکونت کرد
از کجا کہ مدعی نیز آں مکان را از سامان
خود تفریغ نمودہ بدست مدعا علیہ
سپرد وخود باتو گفتہ ایم کہ مجرد سکونت
بے تسلیم مواجر بر وجہ اجارہ
اینجا ثمرے ندارد می تواند کہ سکونت
عمرو بر سبیل ہماں انبساط معہود
کہ درمیان اصول وفروع بودہ باشد
کہ اولاد را چنانکہ دانی اگرچہ مساکین
جداگانہ باشد گاہے از سکونت
نزد والدین ہم مانع نیست نہ ازیں
بیان گواہان مدت انتفاع رنگ

کرنے کی فکر کی ہوگی؟ یا رہن کو چھڑانے اور رہن
رکھی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے پر کتنی مدت
صرف ہوئی ہوگی؟ بہرصورت عمرو کے ذمہ پر
کرایہ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ جب
حقیقتِ انتفاع ہوائے عدم میں پر کھولتی
ہے تو کرائے کا لازم ہونا بھی اپنی لگام پھیر
لے گا (یعنی جب حقیقۃً نفع حاصل نہیں
کیا گیا تو کرایہ بھی لازم نہیں ہے ۱۲ مترجم)
اگرچہ نفع حاصل کرنے کی قوت ہزار مرتبہ ہو،
آپ اس جگہ کیا پوچھتے ہیں کہ یہاں تو نفع
حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں ہے، زید
کو کہیں کہ عمرو کا گریبان چھوڑ دے، زید
کے گواہوں کی گواہی سے بھی اس جگہ کوئی
کام نہیں بنتا اور پانی کار آمد ثابت نہیں
ہوتا، کیونکہ قبولیت کی شرطیں جمع ہونے
کی صورت میں بھی ان کے بیان سے صرف
یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مدعا علیہ
نے اس مکان پر قبضہ کر لیا اور اپنے
متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار
کر لی، یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ مدعی
نے بھی وہ مکان اپنے سامان سے خالی کر کے
مدعا علیہ کے سپرد کر دیا۔ ہم اس سے پہلے
بیان کر چکے ہیں کہ محض رہائش کا اس جگہ
کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ مالک
بطور کرایہ کرائے دار کے سپرد نہ کرے،

ظہور یافت وقول ایشاں کہ بلکہ ہنوز
قبضۂ مدعا علیہ براں مکان آشکار
ست باچہ کار آید کہ قبضہ انتفاع
وتمکن انتفاع را شامل واینجا
محض تمکن از ثمر عاطل کما
قد القینا علیک سخن گفتنی
ماند از اقرار نامہ کہ مدعا علیہ
بتحریرش پرداخت اگر نیک بنگری
ہمانا سراسر لغو ومہمل ست و
بربیانش حکمے نمی رسد اینکہ مجرد
وعدہ وآں ہم بچیزے کہ شرعا
وجہ صحت ندارد از چہ رو مواخذہ
ومدعی را مطالبہ روا باشد بالجملہ
ہرچند در اجارہ ملک غیر
بے رخصت شرع مطہر اگر پیش از
استیفائے منافع اجازتے از مالک
رونماید استحقاق اجرت مرعاقد
مواجر را می باشد شرع
فرمائش دہد کہ بقصد قدوہ یا بدامان
مالک نہ کما فی منیۃ المفتی
والخانیۃ والغمز والہندیۃ
وغیرہا اما درصورت مستفسرہ
بربنائے وجوہ مذکورہ گردن عمرو
از بار اجرت آں فرو می بینم فقیر
غفر اللہ تعالٰی لہ ایں مباحث را

ہوسکتا ہے کہ عمرو کی رہائش اسی معلوم بے تکلفی
پر مبنی ہو جو ماں باپ اور اولاد کے درمیان
ہوتی ہے، جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ مسکین
اولاد اگرچہ الگ رہتی ہو ان کے لئے گاہے بگاہے
والدین کے پاس رہنے سے کوئی چیز مانع
نہیں ہے، گواہوں کے اس بیان سے
نفع حاصل کرنے کی مدت بھی واضح نہیں ہوتی
اور ان کا یہ کہنا کہ "تاحال مدعا علیہ کا اس
مکان پر قبضہ ظاہر و باہر ہے" کس کام
آئے گا؟ کیونکہ قبضہ دونوں صورتوں کو شامل
ہے (۱) نفع حاصل کرنے اور (۲) نفع حاصل
کرنے کی قوت کو (یعنی بالفعل اور بالقوۃ نفع
حاصل کرنے کو شامل ہے) اور اس جگہ صرف
نفع حاصل کرنے کی قوت بے فائدہ ہے،
جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔
کہنے والی ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ مدعا علیہ
نے جو اقرار نامہ تحریر کیا وہ بالکل لغو اور
مہمل ہے، اس کے بیان پر کوئی حکم نہیں
لگایا جا سکتا، اس نے صرف ایک وعدہ
کیا ہے اور وہ بھی ایسی چیز کا جو شرعاً صحیح
نہیں ہے، لہذا نہ تو مواخذہ ہوسکتا ہے
اور نہ ہی مدعی کا مطالبہ جائز ہے۔ مختصر
یہ کہ غیر کی ملکیت کو شریعت مطہرہ کی اجازت
کے بغیر کرائے پر دینے میں اگر منافع کے
حاصل کرنے سے پہلے مالک اجازت دے بھی دے

در فتوٰی مفصلہ ہرچہ تمامتر زنگ الفاح وادا است ازانجا می باید گرفت کہ دریں رہ پالغزرفتار نہایت ضرررساں وسخت ودشوارگزار یاراں پیشیں راکارچہ بلادشوار افتادہ است کل حزب بما لدیھم فرحون[1] والعلم بالحق عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد البدر وآلہ وصحبہ الاقمار والنجوم۔

کرائے کا مستحق وہ ہے جو کرائے کا عقد کرنے والا ہے، شریعت مبارکہ کا حکم ہے کہ یا تو صدقہ کردے یا پھر مالک کو واپس کردے جیسے کہ منیۃ المفتی، خانیہ، غمز العیون، عالمگیری وغیرہ میں ہے، جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر مجھے عمرو کی گردن کرائے کے بوجھ سے آزاد نظر آتی ہے۔ فقیر، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے، نے ان مباحث کو ایک تفصیلی فتوے میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے، کیونکہ اس راستے میں لغزش کھانے والا پاؤں بہت نقصان دہ ہے اور یہ راستہ بہت مشکل اور دشوار ہے پہلے حضرات کو اس معاملے میں بڑی دشواری پیش آئی ہے، ہر گروہ اپنی رائے پر خوش ہے، حق کا علم اس کے پاس ہے جو علوم کا دینے والا اور ہر راز کا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا ومولا چودھویں کے چاند محمد مصطفٰی اور آپ کی آل اور صحابہ کرام ہدایت کے چاندوں اور ستاروں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین! (ت)

مسئلہ ۵۲ ازقصبہ پاڑہم ضلع مین پوری پرگنہ مصطفٰی آباد مسئولہ محمد صادق علی خاں صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب نے پانچ بسوہ زمینداری ایک موضع کی بقرار داد مبلغ سالعہ[١٣١٩] مالیانہ حق مالکانہ کے مسمّٰی خالد سے واسطے معاش اپنے کے تامدت گیارہ سال رہن دخلی کی اور مرتہن یعنی خالد مذکور قابض شیئ مرہون ہوا بعد چند سال مسماۃ زینب راہنہ فوت ہوئی تو بعد ازیں بحث مقدمہ اثبات وراثت مسماۃ مریم مدعیہ وارثہ راہنہ جب میں سوت راہنہ اور دوسرا مرتہن جا بدا دمرہونہ مدعا علیہما مجیب تھے ازروئے شرع محمد علیہ الصلوات والتسلیم

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۵۳

شے مرہون جزواً یعنی ۱۶ بسوانسہ ۱۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ ملکیت حقیت راہنہ کی اور مدعیہ وارثہ کی ٹھہری اور جزواً شے مرہون یعنی ۴ بسوہ ۳ سوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسی شی مرہون مال غصب اور حقیت ملکیت شخص ثالث جو فریق مقدمہ مذکور نہ تھا قرار پائی، چنانچہ ۱۶ بسوانسہ ۱۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ مدعیہ وارثہ راہنہ کو ملے اور بعد ازیں فک الرہن بھی ہوگئی اور ۴ بسوہ ۳ بسوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ یعنی بمقدار مال غصب معلق رہے چنانچہ آج تک وہ مال غصب بہ قبضہ رہن قائم مقام مرتہن ہے اور اب وارثہ راہنہ بھی مرچکی ہے مگر اس کی اولاد باقی ہے یعنی وارثہ راہنہ کی تو مستدعی فرماؤ بقید نام و باب کتاب کے جس سے مسئلہ اخذ کرو کہ حق انفکاک رہن مذکورہ بالا کا وارثان وارثہ راہنہ کو ہے یا نہیں، اجر دے تم کو اللہ صاحب نیک اجر۔

الجواب

بلاشبہہ ہے۔ تقریر سوال و بیان سائل سے واضح کہ یہاں شخص ثالث نہ فریق مقدمہ تھا نہ راہنہ یا اس کے وارث اپنے غصب کے مقر، تو بالائی طور پر غاصب سمجھ لینا ان کے حق فک کو کیا زائل کرسکے جبکہ علماء تصریح فرماتے ہوں کہ راہن اگر اقرار بھی کردے کہ شی مرہون دوسرے کی ملک ہے تاہم اسے یہی حکم دیں گے کہ فک رہن کرا کر مالک کو واپس دے، درمختار باب التصرف فی الرہن میں ہے:

لو رھن شیئا ثم اقر بالرھن لغیرہ لایصدق فی حق المرتھن ویؤمر بقضاء الدین وردہ الی المقرلہ[1]

اگر کوئی شئ رہن رکھی پھر راہن نے اقرار کیا کہ مرہون شئ کسی اور کی ملک ہے تو مرتہن کے حق میں راہن کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور راہن کو حکم دیا جائے گا قرض کی ادائیگی کا اور مرہون شئ مقر لہٗ کی طرف لوٹانے کا۔ (ت)

معہذا جب ملک غیر بے اذن غیر کوئی شخص راہن کو دے تو راہن غاصب اور مرتہن مثل غاصب الغاصب ہوتا ہے۔ ہدایہ باب الرھن الذی یوضع علی ید العدل میں ہے:

ان مات العبد المرھون فی ید المرتھن ثم استحقہ رجل

اگر مرہون غلام مرتہن کے قبضے میں مرگیا پھر کوئی اور شخص اس کا مستحق نکل آیا تو اُس کو

---

[1] الدر المختار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۷۴

فلہ الخیار ان شاء ضمن الراھن و ان شاء ضمن المرتھن لان کل واحد منھما متعد فی حقہ بالتسلیم او بالقبض[1]

اختیار ہوگا چاہے تو راہن کو ضامن ٹھہرائے اور چاہے تو مرتہن کو۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے بسبب رہن کی سپردگی کے یا بسبب اس پر قبضہ کرنے کے۔ (ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی باب مذکور میں ہے:

ای متعد فی حق المستحق اما الراھن فبتسلیم الرھن الی المرتھن واما المرتھن فبالقبض فصار الراھن کالغاصب والمرتھن کغاصب الغاصب[2]۔

یعنی مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے۔ راہن اس لئے کہ اس نے مرہون شے مرتہن کے سپرد کی اور مرتہن اس لئے کہ اس نے مرہون پر قبضہ کیا لہذا راہن غاصب کی مثل اور مرتہن غاصب سے غصب کرنے والے کی مثل ہوگیا۔ (ت)

راہن جب کہ مالک سے غاصب اور مرتہن کا مدیون ہوا تو آخر اسے یہی حکم ہوگا کہ مرتہن کا دَین دے اور مالک کو اُس کی شَے واپس کرے اور جب مرتہن اپنا دَین پالیتا ہے تو اُسے کوئی حقِ حبس نہیں رہتا اور جس سے وہ چیز لی تھی یعنی راہن اگرچہ وہ حقیقۃً غاصب ہی ہو اُسے سپرد کردینے سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ عالمگیری کتاب الغصب باب ثانی عشر میں ہے:

غاصب الغاصب یرد الی الغاصب الاول لیخرج عن العھدۃ[3]۔

غاصب سے غصب کرنے والا غاصب اول کی طرف مغصوب کو لوٹادے تاکہ ذمہ داری سے نکل جائے۔ (ت)

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں بعد ادائے دَین وارثانِ راہنہ کو شَے مرہون واپس دینے میں مرتہن یا اس کے قائم مقام کوئی عذر نہیں ہوسکتا اب اگر حقیقۃً اُس میں شخص ثالث کا

---

[1] الہدایۃ کتاب الرہن باب الرہن الذی یوضع علی ید العدل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۳۷

[2] غایۃ البیان " " " " "

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

حصہ ہے تو ورثہ راہنہ پر فرض ہوگا کہ مستحق کو اس کا حق پہنچائیں۔ یہ دوسری بحث ہے جس سے مرتہن کو تعلق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۳ مسئولہ حاجی غلام حضرت ۵ رجب المرجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کچھ زیور سونے کا عمرو کے پاس لے کر گیا کہ مجھے روپے کی ضرورت ہے زیور رکھ لو اور روپیہ دے دو میں روپیہ دے کر زیور اپنا لے لوں گا عمرو نے کہا اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں زید نے کہا تم کسی اور سے یہ کام کرادو عمرو وہ زیور بکر کے پاس لے گیا اور زید کا مقولہ بکر سے کہا بکر نے جواب دیا بیس روپے تولہ کے حساب سے اس زیور کے دام دیتا ہوں اور یک ماہ تک وعدہ پر واپسی کرتا ہوں یک ماہ تک اگر روپیہ نہ دیا تو میں واپس نہ کروں گا عمرو نے یہ شرط منظور کرکے روپیہ لے لیا۔ زید کا روپیہ عمرو کے پاس قبل وعدہ کے جمع تھا زید نے اپنے زیور کا تقاضا عمرو سے کیا اور کرتا رہا، عمرو اپنے کاروبار میں مصروف تھا بکر سے تقاضا مابین وعدہ نہ کرسکا یہاں تک کہ وعدہ سے عرصہ زیادہ ہوگیا اب عمرو نے بکر سے زید کا وہ زیور طلب کیا اور روپیہ دینا چاہا تو بکر نے زیور واپس کرنے سے انکار کیا اور کہا میں نے بعد گزرنے وعدے کے زیور فروخت کردیا لیکن بدون اطلاع اور بلا اجازت زید و عمرو کے فروخت کیا اور وہ زیور اس قدر روپیہ سے جو زید کو دیا گیا تھا سوائی قیمت سے بھی زائد کا تھا پس صورت مسئولہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے آیا وہ بکر کو وہ زیور واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کے نفع کا مالک اور نقصان کا متحمل زید یا عمرو یا بکر؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب

یہ صورت بیع الوفا کی ہے اور بیع الوفا مذہب معتمدین محض رہن ہے اور مرتہن جب بلا اذن راہن شیئ مرہون کو بیع کردے تو وہ بیع اجازت راہن پر موقوف رہتی ہے بشرطیکہ شیئ مبیع ہنوز موجود ہو اور اگر مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو راہن کو اختیار ہوتا ہے کہ مرتہن یا مشتری جس سے چاہے اپنی چیز کا تاوان لے لے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع رجلا اخر دارا بثمن معلوم الی اجل معلوم بیعا معادا

ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے شخص کے ہاتھ معین ثمنوں کے عوض مدت معلومہ تک کے لئے گھر بیچا ایسی بیع کے

علیٰ انہ فی شھر کذا یحضر الثمن ویسترجع الدار ثم مضی الزمن المعین بینھما ولم یقدر البائع علی الثمن الابعد مدۃ والثمن دون قیمۃ الدار فھل للبائع دفع الثمن واسترجاع الدار اجاب یجبر المشتری علیٰ قبول الثمن من البائع ورد الدار علیہ، والذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام[1] اھ ملخصا۔

ساتھ جو لوٹائی جائے گی اس شرط پر کہ فلاں مہینے بائع ثمن حاضر کر دے گا اور گھر واپس لے لے گا۔ پھر ان دونوں کے درمیان طے شدہ مدت گزر گئی درآنحالیکہ بائع ثمن حاضر کرنے پر قادر نہ ہوا مگر اس کے کچھ عرصہ بعد وہ دینے پر قادر رہا جبکہ ثمن قیمت سے کم ہیں۔ تو کیا بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثمن دے کر گھر واپس لے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مشتری کو بائع سے ثمن وصول کرنے اور گھر واپس لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اکثر مشائخ اس موقف پر ہیں کہ یہ بیع رہن ہے کیونکہ اس میں اور رہن میں کسی بھی حکم میں فرق نہیں اھ تلخیص (ت)

جواہر الفتاوٰی پھر حاشیہ جامع الفصولین پھر ردالمحتار میں ہے:

حکمہ حکم الرھن وھو الصحیح[2]۔

اس کا حکم وہی ہے جو رہن کا حکم ہے اور وہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح جواہر الاخلاص میں ہے کما رأیتہ فیھا (جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ ت) شرح الطحاوی پھر جامع الرموز پھر حاشیہ شامی میں ہے:

توقف علیٰ اجازۃ الراھن بیع المرتھن فان اجازہ جاز والافلا ولہ ان یبطلہ ویعیدہ رھنا ولو ھلك فی ید المشتری قبل الاجازۃ لم تجز الاجازۃ بعدہ و

مرتہن اگر مرہون کو بیچ دے تو یہ بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اگر راہن نے اجازت دے دی تو جائز ورنہ نہیں۔ راہن کو اختیار ہے کہ بیع کو باطل کرکے اُسے رہن کی طرف لوٹا دے۔

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار بحوالہ جواھر الفتاوی " باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۴۶

للراهن ان یضمن ایھما شاء[1]

اگر مرہون مشتری کے قبضہ میں راہن کی اجازت سے قبل ہلاک ہوجائے تو اس کے بعد کی اجازت جائز نہیں اور راہن کو اختیار ہوگا کہ مرتہن اور مشتری میں سے جسے چاہے ضامن ٹھہرائے۔ (ت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

ضمن بتعدیہ (کالبیع بلا اذن قہستانی) کل قیمتہ (ای بالغۃ مابلغت لانہ صار غاصبا اتقانی) فیسقط الدین بقدرہ[2] اھ مختصرا۔

مرتہن اپنی تعدی کی وجہ سے (جیساکہ بلا اجازت بیع، قہستانی) کل قیمت کا ضامن ہوگا (یعنی وہ قیمت جس قدر بھی ہو، اتقانی) لہٰذا اس کے برابر قرض ساقط ہوجائے اھ اختصار (ت)

پس صورت مستفسرہ میں بکر پر لازم ہے کہ زیور ہنوز نہیں بیچا تو فوراً اپنا دیا ہوا روپیہ لے کر کل زیور واپس کردے اور اس مہمل و باطل قرارداد کی آڑ نہ لے اور اگر بکر نے واقع میں بیع کردیا اور زیور ہنوز مشتری کے پاس موجود ہے تو زید کو اختیار ہے چاہے اس میں بیع کو جائز کردے اور زرثمن تمام وکمال خود لے یا رد کردے اگر رد کردے تو مشتری پر فرض ہے کہ روپے واپس کرے، اور اگر زیور تلف ہوگیا یا اب اس کا پتا نہیں چلتا قابو سے باہر ہے تو زید اس کا پورا تاوان بکر سے لے سکتا ہے مثلاً اگر بکر نے ستّر روپے اسے دیئے اور زید کا بازار کے بھاؤ سے سَو روپے کا نکلا تو بکر کے ستّر روپے ساقط و برابر ہوگئے زیادہ کے تیس روپے زید کو دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: از شہر کہنہ مرسلہ عبدالصمد صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو شیئ مرہون سے نفع اٹھانا باجازت راہن جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مرہون سے انتفاع حرام محض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرہن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۷

[2] الدرالمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۳

کل قرض جرمنفعۃ فھو ربا[1] جو قرض منفعت کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

بر اجازتِ راہن نفع اٹھانے کے یہ معنٰی تھے کہ قرض کے دباؤ سے نہ ہو اور اس کی اجازت ہی کا پابند رہے جب وہ خوشی سے کہہ دے انتفاع کرے اور جس وقت منع کر دے فوراً باز رہے مثلاً اس نے اپنی خوشی سے کہہ دیا کہ مکان میں رہو یہ آکر رہا اسی وقت اس نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فوراً نکل جائے کچھ عذر حیلہ درمیان میں نہ لائے ایسا یہاں ہرگز نہیں ہوتا بلکہ قطعاً دباؤ پر رہتے ہیں اور راہن دباؤ ہی کے باعث اجازت دیتا ہے اور وہ رجسٹری کے کاغذوں میں لکھی جاتی ہے کہ اس کے سبب انتفاع بالجبر کر سکیں اور اگر لاکھ کہے کہ نکل جاؤ ہرگز نہ نکلیں گے اور یہی جواب دیں گے کہ پہلے ہمارا قرض دے دو تو جائیں تو یہ صورت اجازت سے اصلاً متعلق نہیں بالاجماع حرام و ربا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۵۵: از جائس رائے بریلی محلہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرہون شَیٔ سے فائدہ اٹھانا مثلاً زمین رہن رکھا اس کو جوتتا ہے اور اس میں زراعت لاتا ہے اور اس کے مینڈھ وغیرہ بندھواتا ہے اس کے نیچے اس کا منافع کھاتا ہے اور اس کو قیاس کرتا ہے بکری اور گھوڑے کے اوپر جائز ہے اس کے منافع کھانا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا حرام اور نرا سُود ہے،

کما افادہ العلامۃ الطحطاوی و العلامۃ الشامی فی حاشیتی الدر و حققناہ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے درمختار کے حاشیوں میں افادہ فرمایا ہے ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۶: از ریاست رامپور متصل کوتوالی مکان مرحوم مجددی مرسلہ مولوی احمد حسین صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

چند شخص نے ایک مِلک مشترک اپنے چند شخصوں کے پاس بالاشتراک رہن کی زر رہن

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لے لیا اور ملک پر مرتہنان کو قبضہ دے دیا رہن نامہ میں یہ لکھ دیا کہ ہم نے منافع ملک مرہون مرتہنان کو ہبہ معاف کر دیا اور بخش دیا۔ اکثر راہنان مرگئے اور بعض زندہ ہیں۔ مرتہنان نے بعد موت راہنان متوفی منافع ملکِ مرہون زائد از مقدارِ زرِ رہن حاصل کریں یہ ارشاد فرمایا جائے کہ منافع مذکورہ حق جائز و شرعی مرتہنان کا ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مرتہنان نے منافع ملکِ مرہون بقدر مقدار زرِ رہن یا زائد از زرِ رہن خود کا وصول کرلیا پھر بھی وہ مستحق پانے زرِ رہن کے ہیں یا وارثانِ راہن زرِ رہن یا فتنی مرتہن کو منافع وصول شدہ میں مجرا و محسوب کرسکتے ہیں اور بلا ادائے زرِ دیگر ملک کو چھڑا سکتے ہیں، ہبہ و بخشش زرِ منافع مذکورہ رہن نامہ عموماً اور بعد موت راہنان خصوصاً کیا اثر رکھتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زرِ منافع مرہون مرتہنوں کے حق میں ضرور حرام اور سُود ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كل قرض جر منفعة فهو ربا، اخرجه الحارث في مسنده[1] عن امير المؤمنين علی كرم الله تعالٰی وجهه۔

جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ حارث نے اپنی مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس کی تخریج کی (ت)

عقود الدریہ میں محیط سے ہے:

ليس للمرتهن ولا للراهن ان يزرع الارض ولا يؤاجرها لانه ليس لهما الانتفاع بالرهن[2]

راہن اور مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون زمین میں کاشت کریں کیونکہ انھیں رہن سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

يكره للمرتهن الانتفاع بالرهن باذن الراهن[3]

راہن کی اجازت سے مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] العقود الدریۃ کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

تہذیب وجامع المضمرات میں ہے:

یکرہ للمرتہن ان ینتفع بالرھن وان اذن له الراھن[1]

مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے اگرچہ راہن اجازت دے دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قال المصنف وعلیه یحمل ماعن محمد بن اسلم انه لایحل للمرتہن ذٰلك ولوبالاذن لانه ربا[2]

مصنف نے کہا اور اسی پر محمول ہے وہ جو محمد بن اسلم سے مروی ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن کے اذن سے ہو کیونکہ وہ سود ہے۔ (ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی الجامع لمجد الائمة عن عبدالله بن محمد بن اسلم انه لایحل له ان ینتفع بشیئ منه وان اذن له الراھن لانه اذن فی الربا لانه یستوفی دینه فتکون المنفعة ربا[3]

مجد الائمہ کی جامع میں عبداللہ بن محمد بن اسلم سے منقول ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن نے اس کی اجازت دی ہو کیونکہ یہ سود کی اجازت ہے اس لئے کہ مرتہن اپنا قرض پورا وصول کرتا ہے تو منفعت سود ہوگی۔ (ت)

تحقیق یہ ہے کہ انتفاع مرتہن جب مشروط ہوجائے تو باہم اُس کی قرارداد عمل پر آئے تو بالاجماع حرام ہے اور جو امر عرف ظاہر سے معلوم ومعہود ہو وہ بلا ذکر بھی مثل مشروط ہے اور شک نہیں کہ اب انتفاع مرتہنان کی بلاضرور داتر وسائر وعالمگیر ہے تو رہن میں اگر اس کا ذکر بھی نہ آتا عرفاً مشروط قرار پاتا اور حرام ہوتا راہنوں کی اجازت قطعاً اسی عرف پر مبنی اور اُسی قرض کے دباؤ سے ناشئی ہے یہ نہ ہو تو ہرگز وہ اجازت نہ دیں کہ ہماری جب مدا د کا منافع زید وعمرو لیں اور ہم نہ پاسکیں، مرتہنوں کا قرض دینا بھی اسی منافع پر ہے اور وہ ضرور

---

[1] الدرالمختار بحوالہ التہذیب کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷
[2] ؎ " " " " " " " " "
[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

راہنوں کو اس پر مجبور کرتے ولہذا دستاویز میں لکھا لیتے ہیں اور اگر بعد تحریر راہن انھیں انتفاع سے منع کریں کبھی باز نہ رہیں گے بلکہ تا ادائے زرِ رہن اپنا حق جانیں گے یہ ہرگز راہنوں کی طرف سے بطور خود محض احساناً بے دباؤ اپنے ملک کی منفعت جب تک اپنا جی چاہے مباح کرنا ہے نہ مرتہنوں کی طرف سے نرے اجنبی طور پر بے کسی دعوٰی بے کسی داب کے صرف اجازت دہندہ کی خوشی پر جب تک وہ چاہے اس کی ملک سے نفع پاتا ہے بلکہ قطعاً وہی شرط و قرارداد لزومی اور وہ بالاجماع حرام وربا ہے، طحطاوی علی الدرالمختار و ردالمحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیئ دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ورنہ قرض پر درہم نہ دیں گے اور یہ شرط کی طرح ہوگیا کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

راہنوں کا منافع مرتہنوں کو ہبہ کر دینا محض لغو بے معنٰی ہے منافع کہ ہبہ کئے گئے اس وقت موجود نہ تھے اور معدوم کا ہبہ باطل ہے اور باطل کے لئے کوئی اثر نہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا اعلم عدم صحۃ ھبۃ ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر[2]۔

اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ دونوں قریوں سے اب جو آمدنی حاصل ہوگی اس کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ہبہ کرنیوالے نے ابھی خود اس پر قبضہ نہیں کیا تو کسی کو اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

مسئلہ ۵۷: از شہر متصل کچی سرائے مرسلہ ابوتراب بوساطت محمد عبدالرشید صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تین سال کا ہوا کہ ایک دکان زید نے ما عـــہ ۱۲۵ روپیہ پر رہن دخلی بمیعاد پانچ سال حسب فتوٰی ایک مولوی صاحب کے لیا تھا (یعنی اس عرصہ میں جو کچھ اس کی مرمت میں صرف ہوا وہ میرا اور کچھ آمدنی اس مدت میں ہوگی وہ میری ہوگی جب روپیہ واپس کروگے دکان چھوڑ دوں گا) اور تین سال تک اسی طرح کرتا رہا یعنی اس کی مرمت وغیرہ اپنے پاس سے کرکے منافع کو لیتا رہا اب وہی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے اب آپ حضرات سے التجا ہے کہ مولوی صاحب کے ان قولوں میں کون صحیح ہے اگر وہ واقعی حرام ہے تو اس مدتِ تین سال میں جو کچھ روپیہ مولوی صاحب نے کھلایا اُس کا گناہ کن پر ہوگا اور وہ روپیہ کس طرح پاک ہوسکتا ہے؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ مولوی صاحب ماخوذ وگنہگار ہیں کہ انہوں نے حرام غذا کو حلال بتایا اور ایک مسلمان کو حرام کھانے میں مبتلا کیا اور مسئلہ کوئی ایسا خفی نہ تھا کہ عالم پر مخفی رہتا، رہا زید اُس کی دو حالتیں ہیں، وہ مولوی صاحب جس کے فتوٰی پر اُس نے عمل کیا کوئی ایسا ہی نام کا مولوی تھا جب تو زید بھی ماخوذ گنہگار ہے، عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین مفتیانِ مستندین کے فتوٰی پر عمل کریں نہ یہ کہ ہر کس وناکس سے پوچھ کر، اور اگر وہ عالم معتمد تھا تو جب تک اس فعل کے حرام ہونے پر زید کو اطلاع نہ ہوئی اس کے لئے امید آسانی ہے کہ اس نے ایک عالم معتمد کے فتوٰی پر عمل کیا وہ اسی قدر کرسکتا تھا۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔[1] اللہ تعالٰی کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۸: از شہر بریلی محلہ گندہ نالہ مرسلہ جناب سید حاجی ابوالحسن صاحب پارچہ فروش ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

زید وعمرو نے ایک جائداد باہمی خریدی اور نفع نقصان اس کا برابر ٹھہرایا اسی جائداد کا ایک جُز ایک اور شخص کے پاس رہن تھا مبلغ ســـہ روپے پر، تو اس کو کہا گیا کہ تو ہماری

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

جائداد واگزاشت کردے اُس نے جواب دیا کہ میں مع سود روپیہ لوں گا زید نے ایک دستاویز اسی شخص کے نام ایک دوسرے شخص سے جس کا وہ مقروض تھا خریدی پھر چند مدت تک وہ دستاویز زید کے پاس رہی بعد کو اس سے کہا گیا کہ تو ہماری جائداد کا جز چھوڑ دے اس نے بخوف دستاویز خریدکردہ کے ۱۲۵ روپے پر چھوڑ دیا اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے ماف ۱۲۵ روپے میرے حصے کے دے اب عمرو پر ازروئے شریعت ماف ۱۲۵ اسے دینا لازم ہے یا للعہ ۲۴۵ کر نصف ہے بینوا توجروا۔

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے سو روپے دے کر مکان رہن کرایا اور کاغذ میں مرتہن سے ڈھائی سو روپے پانا لکھ لیا اس صورت میں اُس کا سوا سو روپے مانگنا محض ناجائز ہے صرف پچاس ۵۰ روپے لے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۹ از ریاست رامپور محلہ گنج مرسلہ شیخ محمد نور ۳ صفر مظفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ۲۴ اگست ۱۸۹۸ء کو ایک دستاویز بمضمون بیع نامہ بعوض مبلغ یکصد روپیہ بابت یکمنزل دکان مملوکہ خود بنام عمرو تحریر کی ہے جس میں شرط مندرجہ ذیل تحریر ہے:

مضمونِ شرط

اگر میں بائع اندر مدت دس سال کے کل زرثمن یکمشت مشتری کو ادا کروں تو مبیعہ مذکورہ واپس لے لوں ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور کے اسی زرثمن میں یہی بیع قطعی تصور ہوگی لہٰذا بیعنامہ بالوفا لکھ دیا گیا کہ سند ہو۔

عمرو فوت ہوگیا زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ دکان کا خود وصول کیا ورثائے عمرو نے اول زید پر عدالت میں دعوی دلاپانے دخلی کا باستحقاق رہن کیا عدالت سے ڈگری باستحقاق رہن دلاپانے دخلی کی ہوگئی مگر تاہنوز ورثائے عمرو نے دخلی حاصل نہیں کیا ہے اب ورثائے عمرو بنام زید دعوی کرتے ہیں کہ جس قدر کرایہ زید نے ایام قبضہ رہنے میں کرایہ دار سے وصول کیا ہے وہ ہم کو زید سے دلایا جائے، زید یہ عذر کرتا ہے کہ ورثائے عمرو شرعاً مجھ سے رقم زرکرایہ جو میں نے اپنی مملوکہ دکان سے وصول کیا ہے مجھ سے دلاپانے کے مستحق نہیں ہیں شرعاً کیا ہونا چاہیے؟ جواب بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیے۔

بینوا توجروا فقط سائل زید۔

الجواب

بیع بالوفاء خالص رہن ہے رہن سے زیادہ کچھ اثر نہیں رکھتی۔

فی رد المحتار عن حاشیۃ جامع الفصولین عن جواھر الفتاوٰی ھذا البیع باطل وھو رھن وحکمہ حکم الرھن وھو الصحیح[1]

درمختار میں حاشیہ جامع الفصولین سے بحوالہ جواہر الفتاوٰی منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور وہ رہن ہے اس کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے اور وہی صحیح ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

والذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیہ مفسدۃ عظیمۃ وفتواك انہ رھن وانا ایضا علٰی ذلك فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علٰی ھذا ونظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر ذلك بین الناس فمن خالفنا فیہ فلیبرز نفسہ ولیقم دلیلہ[2]

اور اکثر مشائخ اس موقف پر ہیں کہ بے شک وہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سید امام نے کہا کہ میں نے امام الحسن ماتریدی سے کہا یہ بیع لوگوں میں پھیل چکی ہے اور اس میں فساد عظیم ہے۔ آپ کا فتوٰی یہ ہے جس کے ساتھ میں بھی متفق ہوں کہ یہ رہن ہے، درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کرام اجماع کرلیں اور اس پر متفق ہوجائیں، اس فتوٰی کو لوگوں میں ظاہر کریں، تو انھوں نے فرمایا کہ آجکل ہمارا فتوٰی معتبر ہے اور وہ لوگوں میں ظاہر ہے۔ لہذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود کو ظاہر کرے اور اپنی دلیل قائم کرے۔ (ت)

اور شرع مطہرہ میں رہن واجارہ دو عقد متنافی ہیں کہ کسی حال جمع نہیں ہوسکتے جو چیز

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۶
[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶

کسی کے اجارہ میں ہے اگر مالک اُسے رہن کرے گا یہ رہن اجازت مستاجر پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ چھوڑ کر مرتہن کا قبضہ کرادے تو اجارہ جاتا رہے گا رہن پورا ہوجائیگا ورنہ رہن تمام نہ ہوگا اور اجارہ باقی رہے گا، اور جو چیز کسی کے رہن ہے اگر مالک اسے اجارہ پر دے یہ اجارہ اجازتِ مرتہن پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ مرتہنی چھوڑ کر قبضہ مستاجر کرادے تو رہن جاتا رہے گا اجارہ نافذ ہوجائے گا اور رد کردے تو اجارہ باطل ہوجائیگا اور رہن بدستور رہے گا، یہ جو عوام زمانہ میں رائج ہے کہ مکان یا دکان کرایہ پر ہے وہ اجارہ قائم رکھ کر مالک اُسے رہن رکھ دیتا ہے اور روزِ رہن سے اس کرایہ کا مستحق مرتہن سمجھا جاتا ہے محض بیہودہ و بے معنیٰ و حرام ہے اور اصلاً کوئی عقد شرعی نہیں کہ اجارہ میں بھی قبضہ کی حاجت ہے، اذلا یمکن الانتفاع الابہ (اس لئے کہ اس کے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہیں۔ ت) اور رہن تو بے قبضہ تمام ہی نہیں ہوتا۔ فقال اللہ تعالٰی فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ[1] (تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔ ت) اور شئی واحد وقتِ واحد میں دو مختلف جہت سے دو قبضوں میں نہیں ہوسکتی۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا کان البیت مقبوضا فی الرھن دون الاجارۃ اعتبر وکان المرتھن احق بمالیتہ من المستاجر، وان کان مقبوضا فی الاجارۃ دون الرھن کان المستاجر احق بہ من المرتھن، وان اتصل بکل منھما قبض فالعبرۃ للاسبق تاریخا منھما ما لم یجز صاحب القبض السابق العقد المتأخر لانفساخ السابق بالاجازۃ منہ للعقد اللاحق[2]۔

اگر مکان پر بطورِ رہن قبضہ ہو نہ کہ بطور اجارہ تو رہن معتبر ہوگا اور مرتہن اس کی مالیت کا بنسبت مستاجر کے زیادہ حقدار ہوگا، اور اگر قبضہ بطور اجارہ ہے نہ کہ بطور رہن تو مستاجر اس کا زیادہ حقدار ہوگا بنسبت مرتہن کے، اور اگر اس کے ساتھ دونوں کا قبضہ متصل ہوگیا تو دونوں میں سے اس کا اعتبار ہوگا جو تاریخ میں مقدم ہے جب تک سابق قبضے والا بعد والے عقد کی اجازت نہ دے کیونکہ اس کی طرف سے بعد والے عقد کی اجازت سے پہلے والا عقد فسخ ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الرہن دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۹۳ - ۱۹۲

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دکان پہلے سے بنیے کے پاس کرایہ پر تھی، اور اب تک کرایہ پر ہے کرایہ دار نے کسی وقت مرتہن کے لئے خالی نہ کی نہ اپنا قبضہ چھوڑ کر عمرو کا قبضہ کرایا اس صورت میں یہ رہن محض ناتمام و بے اثر و بے معنٰی ہے وارثانِ عمرو کو کوئی دعوٰی وخلیابی کا نہ پہنچتا تھا حاکم کو ایسا بے اصل دعوٰی سُننا بھی نہ تھا نہ کہ ڈگری دینا کہ قبضہ جو رہن میں شرط ہے کہ باذنِ راہن ہو نہ یہ کہ قاضی جبراً قبضہ دلادے عقد کہ ناتمام رہا قاضی کو اس کے تمام کرنے پر جبر کا کیا اختیار، عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز الرھن الامقبوضا و شرط صحۃ القبض ان یأذن الراھن فان قبض بغیر اذن الراھن لم یجز قبضہ[1] اھ مختصرا۔

رہن جائز نہیں جب تک اس پر قبضہ نہ کیا جائے اور اس کے قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے۔ اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو جائز نہیں ہوا اھ اختصاراً۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتھن الرھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم[2]۔

اگر مرتہن نے رہن کا قبضے سمیت دعوٰی کیا تو اس کے گواہ رہن اور قبضے پر قبول کرلئے جائیں گے۔ اور اگر فقط رہن کا دعوٰی کیا تو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ محض عقد سے رہن لازم نہیں ہوتا۔ (ت)

اور جب خود عمرو کا کوئی حق اُس دکان میں ثابت نہیں تو ورثائے عمرو کا کیا حق ثابت ہوسکتا ہے سائل کا کہنا کہ زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ خود وصول کیا اُسی غلط فہمی پر مبنی ہے جو عوام میں پھیلی ہوئی ہے کہ شئی مواجر کے رہن کو بھی باوصف بقائے اجارہ اپنے زعم میں رہن صحیح و تام سمجھتے ہیں ورنہ حقیقۃً قبضہ مستاجر کا ہے اور ملک زید کی ہے اور عمرو کی ہنوز نہ مرتہنی پوری ہوئی نہ اس کا کوئی قبضہ، بالجملہ شک نہیں کہ زرکرایہ کا مالک خاص زید ہے عمرو یا وارثان عمرو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

[2] العقود الدریۃ " ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

کا اس میں کچھ حق نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی رہن صحیح و تام ہوا اور مرتہن بلا اجازت راہن اسے کرایہ پر دے یا بے اجازت دے اور راہن جائز کردے تو اس صورت میں بھی کرایہ کا مالک خاص راہن ہوتا ہے اور کرایہ پر اٹھانے سے رہن باطل ہوجاتا ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

امرأۃ باعت دارھا من رجل بیع وفاء منزلا منزلۃ الرھن ثم ان الرجل اٰجرھا باذنھا من بعلھا باجرۃ معلومۃ قبضھا الرجل ویزعم ان الاجرۃ لہ تکون الاجرۃ للراھنۃ ویبطل الرھن[1]

کسی عورت نے اپنا گھر کسی مرد کے ہاتھ بیع وفا کے طور پر فروخت کیا درانحالیکہ اس کو بمنزلہ رہن کے کیا، پھر مشتری مرد نے وہی مکان اس عورت کے شوہر کو ایک معین اجرت کے عوض اجارہ پر دے دیا اور اجرت پر یہ گمان کرتے ہوئے قبضہ کیا کہ یہ اجرت اس کے لئے ہے تو یہ اجرت راہنہ کے لئے ہوگی اور رہن باطل ہوجائے گا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

واٰجرہ احدھما بغیر اذنہ ثم اجاز صاحبہ صحت الاجارۃ وبطل الرھن وتکون الاجرۃ للراھن[2]

راہن اور مرتہن میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ اجارہ پر دے دی پھر دوسرے نے اسکو جائز قرار دے دیا تو اجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔ (ت)

یہاں کہ رہن سرے سے خود ہی بے قبضہ و ناتمام ہے اور کرایہ دینے والا خود زید مالک دکان ہے تو عمرو یا وارثان عمرو کا زرکرایہ میں کوئی حق ہونا محض بے معنٰی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶: از کانپور محلہ پٹکا پور مطبع نظامی مرسلہ مولوی ابوسعید صاحب سوم صفر ۱۳۲۶ھ

زید نے اپنی جائداد رہن کرکے کچھ روپیہ عمرو سے قرض لیا، شرائط رہن یہ تھے: میعاد اس رہن کی صرف ایک مہینہ ہے اگر بعد میعاد فوراً فک نہ کرالوں تو یہی دستاویز

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴
[2] الفتاوی " الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

رہن نامہ بجائے بیعنامہ اور یہی زرِ رہن بجائے زرِ ثمن مقرر ہوگا اور جائداد مرہونہ بیع شدہ سمجھی جائے گی اور اُسی وقت سے قبضہ جائداد مرہونہ پر مرتہن کا مالکانہ ہوجائے گا اور مرتہن مثل میرے اُن تمام حقوق کے مالک کامل مشتریانہ ہوجائیں گے جو مجھ کو جائداد مرہونہ میں اس وقت حاصل ہیں لہذا یہ چند کلمہ بطور دستاویز بیع بالوفاء کے لکھ دیئے ـــــ اس رہن کے پہلے سے ایک مکان میں خود راہن رہتا تھا باقی مکانات و دکانات میں کرایہ دار راہن کی طرف سے تھے بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں اور جس مکان میں خود راہن رہتا تھا اس کا کرایہ بھی ایک مدت تک راہن ادا کرتا رہا۔ اب حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی سے بکمال ادب یہ سوال ہے:

(۱) صورت مذکورہ میں شرعاً جائدادِ مرہونہ بعد گزرنے ایک ماہ کے رہن رہی یا بیع ہوگئی؟

(۲) جو کرایہ جائداد مرہونہ کا کرایہ داروں اور نیز زید راہن سے عمرو مرتہن کو وصول ہوتا رہا وہ ملکِ راہن تھا یا ملکِ مرتہن شرعاً اصل زرِ رہن میں محسوب ہوتا گیا یا نہیں؟

(۳) عمرو مرتہن کو اب اسی قدر اصل روپیہ رہن کا لینا حلال ہے جو بعد مجرائے کرایہ وصول شدہ کے باقی ہو یا کل زرِ رہن بدون وضع کرایہ وصول شدہ کے لینا حلال ہے۔

(۴) جس وقت زید راہن اس قدر روپیہ جو بعد وضع کرایہ وصول شدہ کے عمرو مرتہن کا اصل زرِ رہن باقی ہو ادا کرے تو عمرو مرتہن پر جائداد مرہونہ چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

وہ بیع بھی باطل محض اور وہ رہن بھی محض بے معنی، اور مرتہن کے لئے وہ زرِ کرایہ کہ خود راہن یا اور کرایہ داروں سے لیتا رہا حرام محض، اور جبکہ دَین بھی روپے تھے اور کرایہ کہ لیا گیا وہ بھی روپے ہیں لسبب اتحادِ جنس مقاصہ ہوگیا یعنی جس قدر زرِ کرایہ عمرو کو وصول ہوا دَین میں مجرا ہوگا اصل زرِ رہن میں اس مجرائی کے بعد جو باقی ہے اُسی قدر کا مطالبہ عمرو کو حلال ہے زیادہ حرام ہے اور جائداد ہنوز کامل مرہون ہوئی ہی نہیں چھوڑنا نہ چھوڑنا کچھ معنی نہیں رکھتا، زید کو اختیار ہے کہ بے ادائے بقیہ زرِ دین اپنا قبضہ جائداد پر رکھے عمرو صرف اپنے بقیہ دَین کا مطالبہ کرسکے گا جائداد کے قبضہ پر جبر کا اُسے کوئی اختیار نہیں، بیع تو یوں باطل محض ہے کہ ایک شرط پر معلق کی گئی اور بیع قابلِ تعلیق نہیں۔ اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع والشراء[1] — تملیک والے معاملات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے جیسے بیع اور شراء۔ (ت)

اور رہن یوں بے معنٰی ہے کہ وہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

قال اللہ تعالٰی فرھٰن مقبوضۃ۔[2] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔ (ت)

قدوری میں ہے:

الرھن یتم بالقبض۔[3] — رہن کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔ (ت)

اور جب رہن ہنوز تام نہیں ہوا تو مرتہن کو تحصیلِ قبضہ پر جبر نہیں پہنچتا، نہ بے اذن راہن قبضہ کرسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الرھن لایجوز الرھن الا مقبوضا کذا فی المحیط و شرط صحۃ القبض ان یکون باذن الراھن فان قبض بغیر اذن الراھن لم یجز قبضہ۔[4] (مختصرا) — امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الرھن میں فرمایا قبضہ کے بغیر رہن جائز نہیں، محیط میں یوں ہے، اور قبضہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے، اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو اس کا قبضہ جائز نہ ہوا، مختصراً۔ (ت)

راہن کو اختیار ہے کہ بے ادائے دین اپنا قبضہ رکھے۔ عنایہ میں ہے:

ان قبضہ المرتھن علٰی ھذا الوجہ تم العقد ولزم وان لم یقبضہ فان الراھن بالخیار بین التسلیم — اگر مرتہن نے مرہون پر رہن کی بنا پر قبضہ کرلیا تو عقد تام اور لازم ہوگا ورنہ راہن کو سونپنے اور نہ سونپنے کا اختیار

---

[1] الاشباہ والنظائر — الفن الثالث القول فی الشرط — ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۵
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳
[3] القدوری — کتاب الرہن — مطبع مجیدی کانپور ص ۱۰۰
[4] الفتاوٰی الہندیۃ — کتاب الرہن — الفصل الاول — نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

وعدمہ[1]۔ ہوگا۔(ت)

یہاں کہ تمام اشیائے مرہونہ یا قبضہ مستاجران میں تھیں یا قبضہ خود مالک مکان میں اور بعد رہن بھی مالک ومستاجران ہی کا قبضہ رہا تو مرتہن کا قبضہ متحقق نہ ہوا اور رہن بے اثر و بے معنیٰ رہا جو کچھ زرکرایہ عمرو نے وصول کیا محض ناحق تھا اور اصل دین میں مجرا ہو کر صرف باقی زرِ اصل کا اس کو مطالبہ جائز رہا۔ عقود الدریہ میں ہے:

رھن زید دارہ عند عمرو بدین ثم اٰجر عمرو الدار من زید مدۃ معلومۃ باجرۃ معلومۃ قبضہا من زید فالاجرۃ باطلۃ فلیرجع زید بما دفع ان لم یکن من جنس الدین وان کان من جنسہ تقع المقاصۃ[2]۔

زید نے اپنا گھر قرض کے عوض عمرو کے پاس رہن رکھا پھر عمرو نے وہی گھر معین مدت کے لئے معین اجرت کے بدلے میں زید کو بطور اجارہ دے دیا اور زید سے اجرت وصول کر لی تو وہ اجرت باطل ہے۔ زید کو چاہئے کہ جو کچھ اس نے دیا وہ اس سے واپس لے اگر وہ رہن کی جنس سے نہیں ہے۔ اور اگر وہ دین کی جنس سے ہے تو وہ قرض میں مجرا ہوگا۔ (ت)

اور بالفرض اگر یہ خیال قابل تقسیم ہو سکے کہ زید کا کرایہ دار وں اور عمرو کا سامنا کرا دینا اور ان سب کی اس پر تراضی گویا اس کی مفید ہوئی کہ آج سے عقد اجارہ کہ زید ومستاجران میں تھا بتراضی فریقین منتہی ہو کر عمرو ومستاجرین میں باذن زید عقد اجارہ منعقد ہوا اور اسی قدر کو قبضہ مرتہن فرض کر لیا جائے تو اب بھی ہماں آش در کاسہ (وہ سب کچھ کاسہ میں رہا۔ ت) کا مضمون ہوگا مرتہن جب باذنِ راہن شیئ مرہون کسی شخص ثالث کو بطور اجارہ دے رہن فوراً باطل ہو جاتا ہے اور اجرت کا مالک خاص راہن قرار پاتا ہے تو مرتہن نے جو کچھ لیا غصب تھا دَین سے مجرا ہو کر صرف باقی زر اصل کا اسے مطالبہ پہنچے گا اور رجاءً داد اس کی رہن سے نکل گئی باقی لے کر چھوڑنا کیا معنیٰ۔ ہندیہ میں ہے:

لو اٰجر واحد منہما (ای من الراھن والمرتھن) باذن

اگر ان دونوں (راہن ومرتہن) میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شیئ

---

[1] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الرھن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۷۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

صاحبہ او بغیر اذنہ ثم اجاز صاحبہ صحت الاجارۃ وبطل الرھن فتکون الاجرۃ للراھن وکذٰلک لو استاجرہ المرتھن صحت الاجارۃ وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ ھٰکذا فی شرح الطحاوی[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اجرت پر دے دی یا دوسرے کی اجازت کے بغیر دی پھر دوسرے نے اس کی اجازت دے دی تو اجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔ اور یونہی اگر مرتہن نے مرہون کو اجارہ پر لے لیا اجارہ صحیح اور رہن باطل ہوگیا جبکہ اجارہ کیلئے نیا قبضہ پایا گیا یونہی شرح الطحاوی میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ از مقام قصبہ بلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سید محمد تجمل حسین صاحب ڈاکٹر

مخدوم ومکرم بندہ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیک کے التماس ہے کہ میں نے ایک مکان رہن یا قبضہ لیا تین سو روپے پر اور یہ مکان اور دکان ایک ہندو کا ہے اور اسی شخص نے پھر مجھ سے یہ مکان دکان تین روپے مہینے پر کرائے پر لے لیا ہے میعاد دو سال کی ہے مگر شرط یہ بھی دستاویز مذکور میں ہے کہ اگر اندر دو سال کے مکان دکان نہ چھڑائے تو رہن نامہ بجائے بیعنامہ کے سمجھا جائے مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ فعل ناجائز ہے براہِ بندہ نوازی اس مسئلہ سے مطلع فرمائیے کہ جو کرایہ نامہ میں نے لکھا ہے وہ روپے لوں یا نہ لوں؛ جائز ہے لینا یا نہیں؛ اور وہ روپیہ کسی غریب یا کسی حاجتمند کو دیا جاسکتا ہے یعنی کسی کام میں یہ روپیہ کرایہ کا صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؛ اگر یہ روپیہ کسی کام میں آسکتا ہے تو خیر، اور اگر کسی کام میں نہیں آسکتا تو اتنے روپیہ کو لیا کیا جائے یا جس کے یہ روپیہ ملے اسی کو واپس کیا جائے؛ جواب صاف مرحمت ہو۔ ایک شخص مجھ سے کہتا ہے کہ اگر یہ روپیہ ناجائز ہے اور آپ اپنے صرف میں نہیں لاسکتے ہیں تو میں قرضدار ہوں جس کی ادا میرے امکان سے باہر ہے مجھ کو دے دیجئے کہ میں قرضہ ادا کروں۔

الجواب

سید صاحب سلمہٗ فی الواقع رہن دخلی بھی سود ہے اور شیئ مرہون کا راہن کو کرایہ پر دینا اور اس سے کرایہ لینا بھی سود ہے اور سود لینا حرام مگر جب کہ وہ شخص ہندو ہے اگر اس نے کسی مسلمان سے سود لیا ہو تو اس سے یہ رقم نہ بہ نیت سود بلکہ اس نیت سے کہ اس نے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۶-۴۶۵

جو ناجائز رقم لی تھی وہ اس مسلمان کی اُس پر شرع کی رُو سے آتی ہوئی وصول کرکے مستحق کو پہنچاتا ہوں لینا جائز ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگوں میں سود خواری سے نام مشہور ہوگا اور جس طرح بُرا کام بُرا ہے بُرا نام بھی پسندیدہ نہیں تو یہ جواز خالص بلا کراہت ہوتا یونہی یہ بھی کہ سود کی نیت نہ کی جاتی بلکہ ایک نامسلم غیر ذمی کا مال طریق جائز قانونی سے لے کر اس محتاج مدیون مسلمان کی مدد کرتے جو آپ سے استمداد کر رہا ہے اور مساکین مسلمین کے صرف میں لاتے کوئی حرج نہ رکھتا غرض ان نیتوں کے ساتھ حرام نہیں بُرے نام کے سبب بچنا چاہیے فقط، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲-۶۳ از دھاروپور مرسلہ جناب فوجدار خاں صاحب ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

علمائے دین واتباع شرع متین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی اہل ہنود کی حقیت اگرچہ رہن دخلی رکھی جائے اور اس کی مالگزاری سرکاری سال بسال بموجب بندوبست سرکاری سرکار کو ادا کی جائے تو اس کا منافع جو کچھ اراضی میں ہوگا وہ سود میں شمار کیا جائے گا یا نہیں یا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی اسامی دخیل کار کی اراضی موروثی چند سال معین کے لئے رہن رکھی جائے اور اس اراضی مرہونہ کا لگان زمین دار کو رہن دار سال بسال ادا کرے تو اس اراضی کے کاشت کرنے سے جو کچھ منافع ہوگا اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) ہنود کی حقیت رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے قرض پر نفع لینے یا سود کی نیت کرے بلکہ یہ کہ ہنود کی رضامندی سے اس کے مال پر قبضہ جائز ہے اور اس مباح سے نفع حاصل کیا جاتا ہے،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بے شک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) دخیل کار زمین موروثی کا شرعًا مالک نہیں ہوتا اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تامدت رہن ادا کرتا رہے

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

اُس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ دخیل کار کو ہم نے قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط و باطل ہے اور قصد گناہ سے گناہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمیندار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہٰذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے اس میں حکم یکساں ہے خواہ وہ دخیل کار مسلمان ہو یا ہندو،

لانه رهن ملك غيره فالمالك ان لم يقع منه اجازة الرهن واذن لهذا فی الزرع بالاجر المعهود فهذه اجارة نافذة وقد كان الرهن موقوفا على اجازته وكل موقوف طرأ عليه بات بطل وان فرض انه اجاز الرهن ولو دلالة فالرهن الى اجل فاسد والفاسد واجب الفسخ ويستبد به كل منهما فلما آجر من هذا بطل الرهن لان الرهن والاجارة متنافيان لا يجتمعان كما صرحوا به، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ یہ ملکِ غیر کا رہن ہے، چنانچہ مالک نے اگر رہن کی اجازت نہ دی اور مرہون زمین میں معین اجرت کے بدلے کاشت کی اجازت دے دی تو یہ اجارہ نافذ ہوگا۔ اور تحقیق رہن اس کی اجازت پر موقوف تھا اور ہر موقوف جب اس پر قطعیت طاری ہو تو وہ باطل ہوجاتا ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے رہن کی اجازت دی اگرچہ بطورِ دلالت ہو تو یہ ایک مدت تک رہن ہوا جو کہ فاسد ہے، اور فاسد کا فسخ واجب ہوتا ہے۔ عاقدین میں سے ہر ایک اس کو فسخ کرنے میں مستقل ہوتا ہے کہ جب مالک نے اس کو اجارہ پر دے دیا تو رہن باطل ہوگیا کیونکہ رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جو جمع نہیں ہوسکتے جیسا کہ مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

قال فی رد المحتار فی مسئلة من اعار ليرهن افتی فی الحامدية فيما لو قيد العارية بمدة معلومة

ردالمحتار میں اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کوئی شیئ بطورِ عاریت دی تاکہ آگے رہن رکھے۔ حامدیہ میں فتوٰی دیا ہے کہ اگر عاریت کو معین مدت کے ساتھ مقید کیا ہے

ومضت المدۃ بان للمعیر اخذھا من المستعیر قال وبہ افتی فی الخیریۃ والاسمٰعیلیۃ ومثلہ فی فتوی ابن نجیم قائلا، ولیس لہ مطالبتہ بالرھن قبل مضی المدۃ فاذا مضت وامتنع من خلاصہ من المرتھن اجبر علیہ اھ اقول ولا یخالفہ مافی الذخیرۃ استعارہ لیرھنہ بدینہ فرھنہ بمائۃ الی سنۃ فللمعیر طلبہ منہ وان اعلمہ انہ یرھنہ الی سنۃ اھ لان الرھن ھنا فاسد لتاجیلہ کما مر وکلامنا فی تاجیل العاریۃ تامل اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور وہ مدت گزرچکی ہے تو مُعیر اس کو مُستعیر سے لے سکتا ہے۔ فرمایا اسی کے ساتھ خیریہ اور اسمٰعیلیہ میں فتوٰی دیا ہے اور اسی کی مثل فتاوٰی ابن نجیم میں ہے کہ معیر کو مدت گزرنے سے پہلے رہن کے مطالبہ کا اختیار نہیں اور جب مدت گزرجائے اور وہ مرتہن سے عاریت والی شیئ چھڑانے سے انکاری ہو تو اس پر جبر کیا جائے اھ میں کہتا ہوں یہ اس کے مخالف نہیں جو کچھ ذخیرہ میں ہے۔ مستعیر نے اس لئے عاریت پر لیا کہ وہ اس شیئ کو اپنے قرض کے بدلے رہن رکھے گا چنانچہ اس نے اس شیئ کو سَو روپے کے بدلے میں ایک سال تک کے لئے رہن رکھا تو معیر اس کا مطالبہ کرسکتا ہے اگرچہ معیر نے اسے بتادیا ہو کہ وہ سال تک رہن رکھے گا کیونکہ رہن یہاں مدت مقرر کرنے کی وجہ سے فاسد ہے جیسا کہ گزرگیا۔ اور ہمارا کلام عاریت کی مدت مقرر کرنے میں ہے غور کر اھ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۴: از ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(نوٹ) ادھار خرید اور اطمینان کے لئے پاس زیور رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ پھر اگر زیور مرتہن کے پاس تلف ہوجائے تو اگر جنس کے بدلے رہن تھا مثلاً نوٹ روپوں کو خریدا اور چاندی کا زیور رہن رکھا یا اشرفیوں کو مول لیا اور سونے کا زیور گروی کیا جب تو اس کا وزن معتبر ہوگا، اور اگر خلاف جنس کے بدلے رہن تھا مگر نوٹ روپوں کو خریدا اور سونے کا زیور رہن رکھا یا اشرفیوں کو مول لیا اور چاندی کا زیور گرو کیا تو زیور کی قیمت معتبر ہوگی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۰-۳۱

17

مثلاً نوٹ سَو روپے کو مول لیا اور چاندی کا زیور کہ وزن میں سَو روپے بھر اور قیمت میں دو سَو روپے کا تھا رہن رکھا اور وہ جاتا رہا تو برابر ہوگئے کہ وزن یکساں تھا اور اگر پچاس روپے بھر کا زیور رہن کیا جو قیمت میں سَو روپے کا تھا اور تلف ہوگیا تو دَین میں سے صرف پچاس ساقط ہوئے کہ یہاں قیمت میں سَو روپے کا تھا رہن رکھا اور وہ ہلاک ہوگیا تو برابر ہوگئے دَین ساقط ہوگیا کہ یہاں قیمت کا اعتبار ہے، درمختار میں ہے:

صح رهن الحجرين والمكيل والموزون فان رهن بخلاف جنسه هلك بقيمته وهو ظاهر وان بجنسه هلك هلك بمثله وزنا او كيلا لا قيمة ولا عبرة بالجودة عند المقابلة بالجنس ثم ان تساويا فظاهر وان الدين ازيد فالزائد فی ذمة الراهن وان الرهن ازيد فالزائد امانة[1] درر وصدر الشريعة والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اور صحیح ہے رہن رکھنا سونے، چاندی اور کیلی و وزنی چیزوں کا۔ اگر اس نے مذکورہ چیزوں کو ان کی جنس کے خلاف کے عوض رہن رکھا اور مرہون ہلاک ہوگیا وہ قیمت کے ساتھ ہلاک ہوا اور یہ ظاہر ہے۔ اور اگر مذکورہ چیزیں ان کی جنس کے مقابل رہن رکھیں اور مرہون ہلاک ہوگیا تو وہ اپنی مثل قرض کے مقابل ہلاک ہوگا باعتبار وزن یا کیل کے نہ کہ باعتبار قیمت کے۔ اور جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت مرہون کے کھرے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر اگر قرض اور مرہون برابر ہیں تو ظاہر ہے، اور اگر قرض زائد ہے تو وہ زائد راھن کے ذمے ہوگا۔ اور اگر مرہون زائد ہے تو وہ زائد امانت ہوگا، درر و صدر الشریعۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵: حیدرآباد دکن محلہ قاضی پورہ دفتر قادری تفسیر مرسلہ جناب مولوی سید عبدالجبار صاحب سلمہ
۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر سے زید نے مکان رہن لیا اور اب زید اس مکان کے کرایہ سے یا خود رہ کر منتفع ہونا چاہتا ہے آیا درست و جائز ہے یا نہیں؟ زید کا بیان ہے کہ کچھ خفیف ترمیم یا آہک پاشی میں اپنی ذات سے کرلیتا ہوں اس صورت میں کیا انتفاع جائز ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۰

7/7

الجواب

مرتہن کو رہن سے کسی طرح کا انتفاع جائز نہیں نہ رہ کر نہ کرایہ پر، سب حرام اور سود ہے۔
حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔ رواہ الحارث فی مسندہ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔

جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سُود ہے۔ اسکو حارث نے اپنی مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

یہاں جو انتفاع ہوتا ہے معروف ومعہود ہے اور معروف مشروط اور مشروط بالاجماع حرام اور وہ یقیناً روپے کے دباؤ سے ہوتا ہے تو یہاں اذنِ راہن کی صورت متحقق نہیں اگرچہ حیلۂ باطلہ کے طور پر اس کا نام کرلیا ہے کہ انتفاع بالاذن کے یہ معنٰی ہیں کہ نہ اُس کی شرط ہو نہ اُس پر اصرار بلا شرط اگر راہن بطور خود مثلاً کسی وقت سکونت کی اجازت دے تو صرف اس کے اذن کی بنا پر رہنا چاہے اور اس میں اپنے کو ہر وقت اُس کے اذن کا محتاج جانے یہاں تک کہ وہ اسی وقت کہہ دے کہ باہر نکل جاؤ تو وہ فوراً بلا عذر چلا جائے یا اس نے اجازت دی اور نہ اسباب لایا ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہے کہ راہن نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فوراً قدم باہر نکال لے یہ صورت اذنِ راہن کی ہے مگر حاشا اس کا وجود کہاں بلکہ بالیقین بزور رہتے ہیں اور تا ادائے دَین راہن ہرگز نہیں منع کرسکتا ہے اور منع کرے تو ہرگز نہیں مانتے۔ لاجرم حکم مطلقاً تحریم ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار پھر ردالمحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[2] انتھی۔

لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، اگر نہ وہ قرض کے لئے درھم ہی نہ دیں گے۔ اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے انتہی۔ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸
[2] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

آپ ہاشمی وغیرہ کا حیلہ مفید نہیں کہ اگر اسے اُجرت ٹھہرائیں تو اول تو رہن و اجارہ دو عقد متنافی ہیں جمع نہیں ہوسکتے اور رہن چھوڑ کر اجارہ مانیں تو اجرت مجہول ہے اور ایسا اجارہ حرام اور عاقدین گنہگار اور دونوں پر اس کا فسخ واجب، اور وہ نہ کریں تو حاکم پر لازم کہ جبراً فسخ کردے دفعًا للمعصیۃ کما فی الدر المختار وغیرہ (معصیت سے بچتے ہوئے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۶: از بھڑوچ مسئولہ محمد عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس عمرو نے باغ وزمین گرو رکھا چند عرصہ میں عمرو مع آل اولاد مرگیا اب اس کے باغ وزمین کا واپس لینے والا کوئی نہ رہا وہ باغ وزمین زید ہی کے پاس ہے، اب اگر زید اس باغ وزمین کی آمدنی کے روپے سے خیرات وحج کرے تو از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ باغ وزمین اس کے روپے سے جو اس نے راہن کو دیا تھا زیادہ قیمت کی ہوں جیساکہ اکثر اشیاء مرہونہ میں یہی ہوتا ہے تو یہ اس سب کا مالک نہیں ہوسکتا بقدر اپنے روپے کے لے سکتا ہے باقی فقرائے مسلمین کا حصہ ہے جبکہ فی الواقع مالک کا کوئی وارث نہ رہا ہو جس قدر اس کا حصہ ہے اس سے حج کرسکتا ہے اور تصدق سب کا ممکن ہے اپنے حصہ کا باختیار خود اور حصہ فقراء اس طرح کہ وہ انھیں کا مال ہے اور اگر اس کی مالیت اس کے روپے سے کم یا برابر ہو تو اس سب کو اپنے دین میں سے لے سکتا ہے،

علٰی ما نقل الفتوٰی علیہ فی ردالمحتار ان فی زماننا اخذ حقہ من خلاف جنسہ[1]

جیساکہ اس پر فتوٰی منقول ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے زمانے میں اس کو خلافِ جنس سے اپنا حق وصول کرنے کا اختیار ہے۔ (ت)

اُس وقت اُس سے حج وتصدق کا جواز خود ظاہر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب السرقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰
" کتاب الحجر ۵/ ۹۵ و کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۵/ ۲۷۱

مسئلہ ازقصبہ دوکانہ خاص پارٹھم ضلع مین پوری مرسلہ حکیم ظہور الدین صاحب ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

جناب فضیلت مآب فیض اکتساب دام اقبالکم، بعد سلام علیکم آنکہ مژدۂ صحتوری مزاج کا مدام دعاگو اور جواب باصواب کا آپ کے اسلامی معاملات شہرہ ویکتائے آفاق ہے منتظر مثل ماہی بے آب ہوں۔

یہ مسئلہ بذریعہ سوال مندرجہ صدر کے بجواب مندرجہ تحت کہ جس کے نقل منسلک ہذا ہے آنجناب نے عرصہ گزرا کہ حل فرمایا تھا تو ۴ بسوہ ۳ بسوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ مال غصب اس وقت معلق تھا کہ بعدہٗ جس کا دعوٰی ورثائے شخص ثالث نے باستحقاق مستغفہ مجوزہ عدالت بابت دخلیابی یا انفکاک الرہن وزیر عدالت کہ جو ۱۳ مئی ۱۸۹۱ء کو بعارض تمادی قانون انگریزی ڈسمس ہوا تو اب جو ورثاء راہنہ کو جو ۱۶ سوانسہ ۱۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ اور منجملہ پانچ بسوہ رہن کردہ مذکورہ کی پاچکے ہیں اس ۴ بسوہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ ملکیت مال معلق کو فک الرہن کرادیں تو اب بھی ہوسکتا ہے یا کہ بوجہ اس کے ورثائے شخص ثالث مستغفہ کا دعوٰی ڈسمس ہونے سے قائم مقام مرتہن شرعاً مالک اصل ہوگیا اور ورثہ راہنہ غاصبہ کو انفکاک الرہن کا کوئی حق باقی نہ رہا اور اگر شرعاً استحقاق ہے تو اب بصورت استحقاق ورثہ راہنہ فک الرہن کرادیں تو اصل مالک یہ بھی رہے گی یا کہ ورثائے شخص ثالث کو استحقاق پھر بھی ورثہ راہنہ پر پہنچانے کا رہے گا یا کہ کوئی حق ورثائے ثالث کا اب بوجہ اس کے اس کا دعوٰی ڈسمس ہوچکا ہے نہیں رہا امید کہ جیسی صورت شرعاً ہو بجواب مفصل صاف صاف بحوالۂ کتب بواسطے خدا و رسول جواباً ارقام فرما کر معزز ممتاز فرمائیں، والسلام

الجواب

اٹھارھواں سال ہے کہ ذی القعدہ ۱۳۱۳ھ میں یہ مسئلہ یہاں سے لکھا گیا وہی جواب اس کا اب بھی ہے جو جیب تھا حق انفکاک وارثان راہنہ کو ہے ادائے دین مرتہن راہنہ ہی کے ترکہ سے ہوگا جزء معلق کی نسبت اگر ثابت یا وارثان راہنہ کو معلوم ہے کہ وہ شخص ثالث کا ہے تو ان پر فرض ہے کہ بعد انفکاک وارثان ثالث کو پہنچادیں شرع مطہر میں تمادی سے حق نہیں جاتا، جوہرہ نیرہ کتاب الطلاق باب اللعان، پھر اشباہ والنظائر فن ثانی کتاب القضاء والشہادات والدعاوی میں ہے:

الحق لایسقط بتقادم الزمان قذفا اوقصاصا اولعانا او حقا لعبد[1] | حق زیادہ زمانہ گزرجانے کے سبب سے ساقط نہیں ہوتا چاہے قذف ہو یا قصاص ہو یا لعان ہو یا حق عبد ہو۔ (ت)

اور اگر نہ ان کو معلوم نہ کوئی ثبوت تو وہ جز بھی ملک راہنہ سمجھا جائے گا جو اس پر قابض تھی اور جس نے بدعوٰی مالکانہ اس کو رہن کیا لان القبض دلیل الملك (کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے۔ ت) اس صورت میں وہ خود وارثان راہنہ کا ہے بہرحال وارثان مرتہن کا کسی طرح نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۸: از لکھنؤ نئی سڑک جوتا بازار نخاس مرسلہ حاجی قدرت اللہ خاں تاجر جفت پاپوش ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

استفتاء مزید (یعنی نسبت مسئلہ آمدہ از کانپور ۳ صفر ۱۳۲۶ھ)

واقعات مندرجہ استفتاء سابق میں لکھا ہے (بعد اس زمین کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں) اس کی نسبت عمرو مرتہن نے ظاہر کیا ہے کہ صحیح واقعہ اس طرح ہے کہ بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد راہن نے کرایہ داروں سے کہا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں، اگر یہ صحیح واقعہ استفتاء میں تحریر ہوتا تو فتوٰی یہ ہوتا کہ شرعًا بیع صحیح ہوگئی اور کرایہ وصول شدہ ملک مرتہن ہے۔ لہٰذا حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی کی خدمت والا میں بکمال ادب گزارش ہے کہ عبارت استفتاء منسلکہ (بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) عبارت صحیح یہ ہے کہ (بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد کرایہ داروں سے راہن نے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) پس اس تصحیح واقعہ و تبدیل عبارت کے بعد احکام مندرجہ فتوٰی میں کیا تبدیلی ہوگی، اور کیا اس صورت میں جائداد بیع ہوجائے گی اور کرایہ وصول شدہ ملک مرتہن ہوگا، بملاحظہ حالات مندرجہ استفتاء سابق و تصحیح واقعہ مندرجہ استفسار مزید ہٰذا و فتوٰی منسلکہ جواب بحوالہ کتب عطا ہو۔

---

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

الجواب

اس تبدیلی سے ایک تغیر ضرور ہوا سوال سابق میں اگر عبارت یوں صاف مصرح ہوتی تو جواب میں بہت تخفیف رہتی، عبارتِ اولیٰ سے ظاہر یہ تھا کہ رہن کے بعد ہی راہن نے کرایہ داروں سے ایسا کہہ دیا اور جب کہ یہ شرط رہن نامہ نہ تھا کہ اس میں حصول بیع و ملک مرتہن انقضاء میعاد ایک ماہ و عدم فکِ رہن پر مشروط تھا پیش از میعاد رہن کے اس کہہ دینے سے ناواقف کو وہم ہو سکتا تھا کہ راہن نے کرایہ داروں سے اپنا اجارہ فسخ کرکے مرتہن سے اجارہ کرا دیا اور گویا اس طرح رہن پر مرتہن کا قبضہ ہو گیا جس کے دفع کو فتوائے سابقہ میں وہ تقدیر لکھی گئی نیز یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب کہ اجازت قبل میعاد بر بنائے شرط نہیں تو یہ راہن کا مرتہن کو محض احساناً بلا شرط اپنی طرف سے منافع مرہون کی اجازت دینا ہوا تو وہ کرایہ حق مرتہن میں حلال ہونا چاہئے۔ تنویر الابصار میں ہے:

له حبسه رهنه لا الانتفاع به مطلقا الا باذن[1]

مرتہن کو مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہے نہ کہ اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنے کا سوائے اس کے کہ راہن اس کو اجازت دے دے۔ (ت)

جواہر الفتاوٰی پھر منح الغفار پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة وهو ربا والا لا باس[2]

اگر مرہون سے نفع اٹھانے کی شرط لگا دی گئی تو یہ ایسا قرض ہو گیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے۔ اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اور اس جواب کی حاجت ہوتی جسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں منقح کیا جس کا خلاصہ یہ کہ محض بروجہ تبرع و احسان اجازت انتفاع یہاں لفظ بے معنی و اسم بے مسمّی ہے یقیناً قرض ہی کے دباؤ سے اجازت ہوتی ہے مرتہن اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور معروف مثل مشروط ہے تو وہ

---

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۶

[2] ردالمحتار بحوالہ الجواہر کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۱۰

خالص ربا ہی ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار پھر ردالمحتار میں ہے:

والغالب من احوال الناس انھم یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھومما یعین المنع[1]

لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن رکھتے وقت نفع اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ قرض پر درہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔ (ت)

نیز یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شرعًا بوجہ تعلیق و عدم قبضہ نہ یہاں بیع ہوئی نہ رہن تمام اور یہ اجازت پیش از میعاد اس قرارداد پر مبنی نہیں کہ کہا جائے جب وہ عقد باطل ہوا یہ اجازت بھی باطل ہوگئی اذا بطل المتضمن بطل المتضمن (جب متضمِن باطل ہوگیا تو متضمَن بھی باطل ہوگیا۔ت) بلکہ یہ ایک اجازت مستقلہ ہے تو اپنا عمل کرے گی لصدورھا عن اھلھا فی محلھا (اس لئے کہ یہ اپنے اہل سے اپنے محل میں صادر ہوئی۔ت) اور جواب کی حاجت ہوتی ہے کہ رہن نہ سہی قرض تو ہے اور اُسی کی وجہ سے یہ اجازت ہے ورنہ راہ چلنے کے لئے کہہ دیتا کہ میری تمام مکانات ودکانات کا کرایہ آج سے فلاں کو دیا کرو اور خود اپنے مکان سکونت کا کرایہ دینا اس پر دلیل قاطع ہے تو اجازت اگرچہ مستقلہ ہے اجازت حرام و ربا ہے اور ربا ہندہ کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جرمنفعۃ فھو ربا[2]، رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث بن ابی اسامہ نے بروایت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام عبداللہ ابن محمد ابن اسلم سمرقندی نے فرمایا:

اذن لہ فی الربا لانہ یستوفی

راہن کا مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانے کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

دینه کاملا فتبقیٰ له المنفعة فیکون ربا وھذا امر عظیم[1]

اجازت دینا سود کی اجازت ہے کیونکہ وہ اپنا قرض مکمل وصول کرتا ہے تو اس کے لئے نفع باقی رہا جوکہ سود ہوگیا اور یہ امرِ عظیم ہے۔ (ت)

اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ فضل ربا نہیں بلکہ فضل مستحق بالعقد اور یہ جبکہ پیش از میعاد و وقت قرارداد ہے مستحق بالعقد نہیں اور پھر اسی تنبیہ کی ضرورت ہوتی کہ:

المعهود عرفا کالمشروط لفظا[2]

جو عرف میں معہود ہو وہ لفظوں میں مشروط کی مثل ہے۔ (ت)

غرض اس عبارت سابقہ میں متعدد اوہام اور اس کے دفع کی مؤنت تھی اب کہ سوال میں آپ کی تصریح ہوگئی کہ حسبِ قرارداد و بعد مرورِ میعاد اُسی شرط کی بنا پر راہن نے یہ اجازت دی سب مؤنتیں اٹھ گئیں اور خود ہی ظاہر ہوگیا کہ یہ اجازت اُسی شرط باطل پر مبنی تھی اور باطل پر جو کچھ مبنی ہو باطل ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله ماکان من شرط لیس فی کتاب الله فھو باطل ان کان مائة شرط فقضاء الله احق وشرط الله اوثق۔ رواہ الشیخان عن امّ المومنین رضی الله عنها۔[3]

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سَو شرطیں ہوں پس اللہ کا فیصلہ زیادہ حق والا ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے۔ اس کو شیخین نے ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کیا۔ (ت)

تو اس تبدیل سے احکام فتوائے سابقہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اور ان کی تائید و توکید ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ عبداللہ ابن محمد بن اسلم السمرقندی کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان الولاء لمن اعتق " " ۱/ ۴۹۴

مسئلہ ۶۹ از مقام مذکور ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ قبل اس کے دو عریضے خدمتِ اقدس میں روانہ کئے ہیں مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی افسر مدرس مدرسہ ندوہ کی رائے یہ معلوم ہوئی کہ وہ منافع جائداد مرہونہ ملک مرتہن بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالمگیری میں ایک جزئیہ موجود ہے الا أن یأذن الراھن (مگر یہ کہ راہن اجازت دے دے۔ ت) براہِ دستگیری عاجزان اس کے متعلق جو تحقیق صحیح حضور والا کی رائے میں ہو اس سے آگاہ فرما کے سرفرازی بخشی جائے بعید بندہ نوازی سے نہ ہوگا، زیادہ حدِ ادب۔ عریضہ قدرت اللہ خاں از لکھنؤ نئی سڑک چوتا بازار۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج چوتھا روز ہے جوابِ فتوٰی حاضر کرچکا ہوں، غالباً اس کے وصول سے پہلے آپ نے یہ کارڈ لکھا۔ اُس فتوٰی میں اس وہم کے تین رد موجود ہیں:

(۱) یہاں رہن ہی نہیں محض قرض ہے اور قرض پر نفع سود اور سود کسی کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر رہن بھی مانیے تو اجازت راہن جسے شرع اجازت مانتی ہے یہاں عنقا ہے ہرگز محض اسکی اجازت بروجہ احسان وتبرع کے طور پر نفع نہیں لیتے بلکہ دَین کے دباؤ سے جس پر اس مرتہن کا راہن کو دوبارہ کرایہ نوٹس دینا شاہد ہے احسان وغیرہ پر نوٹس نہیں ہوتا لاجرم اُسے اپنا حق سمجھا اور بالجبر حاصل کرنا چاہا پھر اجازت سے ہونا کیسا۔

(۳) ان سب سے قطع نظر ہو تو جیب سائل نے تصریح کردی کہ یہ اجازت بعد انقضائے میعاد بربنائے قرارداد تھی تو قطعاً نفع کی شرط ہوگئی اور دَین پر جو نفع شرط کرلیا جائے بالاجماع ربا وحرام قطعی ہے اسے بہ اجازت راہن لینا نہیں کہہ سکتے بلکہ معاہدہ فاسدہ محرمہ۔

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وھو تعالٰی اعلم۔

بلندی وعظمت والے رب کی توفیق کے بغیر نہ تو بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ از ریاست رامپور محلہ زینہ عنایت خاں مرسلہ حامد علی خاں صاحب ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین از روئے شرع مبین اندریں مسئلہ کہ زید بکر کا مقروض ہے بکر نے زید پر عدالت میں دعوٰی دائر کرکے عدالت سے اپنے وصول کرلینے قرضہ کی ڈگری حاصل کی ہے زید کو ایک جائداد متروکہ عمرو اپنے مورثِ اعلٰی سے منجلہ ۱۶ سہام کے ۶ سہام شرعًا پہنچی، جائداد متروکہ عمرو اس کی حیات سے منجانب عمرو ایک شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور کوئی جائداد زید کی سوائے سہام مذکورہ نہیں ہے جس سے وصول ڈگری ہوسکے اندریں صورت بکر حق و حصہ مرہونہ زید بہ تحفظ حق مرتہنی بکر عدالت سے نیلام کراکر زرڈگری اپنا وصول کرنے کا مختار ہے یا نہیں اگر شے مرہونہ مذکورہ شرعًا بغیر انفکاک نیلام نہیں ہوسکتی اور کیا صورت ہوسکتی ہے کہ بکر اپنا زرڈگری زید سے وصول کرسکے بکر مجبورًا کل زررہن یا فقتی مرتہن قابض عدالت میں داخل کرکے اور انفکاک کرکے حق و حصہ زید جائداد مذکورہ سے نیلام کرادے اور بصورت مذکورہ بکر زررہن ادا کرکے وہ خود کو دے کر بکر حصہ داران شرکاء زید سے شرعًا وصول کرنے کا مختار ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ وہ جائداد گاؤں ہے اور اس کی زمین زمانۂ عمرو سے مزارعوں کو اُٹھی ہوئی ہے وہ اس پر بدستور قابض رہے اُن سے زمین نکالی نہ گئی اور اسی حالت پر وہ گاؤں ایک شخص کے پاس دخلی رکھ دیا اور واقعی یہاں پر یہی معمول ہے یوں ہی کرتے ہیں اجارہ مقدم ہوتا ہے رہن مؤخر بلاتخلیہ مزارعین ہرگز نہ زمین سے دست بردار ہوتے ہیں نہ اپنا عقد فسخ کرتے ہیں بلکہ اسی مقبوض فی اجارہ کو محض زبانی و کاغذی باتوں سے معًا مقبوض فی الرہن تصور کرلیا جاتا ہے حالانکہ شیئ واحد پر وقتِ واحد میں دو قبضہ مختلف وارد نہیں ہوسکتے تو حقیقۃً رہن بے قبضہ و بے اثر رہتا ہے اگرچہ براہِ نادانی اسے زمین پر قبضہ ہونا سمجھیں اور رہن دخلی کہیں اعتبار حقائق کا ہے نہ مزعومات عوام کا، لہٰذا اس صورت میں اصل حکم شرعی یہ ہے رہن سرے سے جائز ہی نہیں، نہ مرتہن کو جائداد میں کوئی حق کہ اور قرضخواہوں پر مقدم ہو حاکم زید کو حکم دے کہ اپنے سہام بیع کرکے ڈگری ادا کرے اگر وہ نہ مانے حاکم نیلام کردے اور حق مرتہنی کوئی نہیں جس کا تحفظ کیا جائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الواجب فی ذٰلک شرعا النظر فی | اس میں شرعی طور پر واجب یہ ہے کہ دونوں

كلا العقدين (الرهن والاجارة) فان كان البيت مقبوضا فى الرهن دون الاجارة اعتبر وكان المرتهن احق بماليته من المستاجر ومن سائر غرماء الميت وان كان مقبوضا فى الاجارة دون الرهن كان المستاجر (اى الذى عجل الاجرة) احق من المرتهن ومن سائر الغرماء (حتى يستوفى الاجرة المعجلة اھ در) وان خلا العقد ان عن القبض كان جميع الغرماء اسوة فيه يتقاسمونه بقدر حقوقهم وان اتصل بكل منهما قبض فالعبرة للاسبق تاريخا منهما مالم يجز صاحب القبض العقد المتاخر لانفساخ السابق بالاجازة منه للعقد اللاحق وكل هذه الاحكام صرح بها علمائنا الاعلام[1] اھ مختصرا موضحا بزيادة ما بين الاھلة۔

عقدوں یعنی رہن واجارہ میں نظر کی جائے۔ اگر اس گھر پر قبضہ بطور رہن ہے نہ کہ بطور اجارہ تو وہ معتبر ہوگا اور مرتہن مرہون کی مالیت کا مستاجر اور میت کے دیگر قرضخواہوں سے بڑھ کر حقدار ہوگا، اور اگر قبضہ بطور اجارہ ہے نہ کہ بطور رہن تو کرایہ دار (جس نے پیشگی کرایہ ادا کر دیا ہے) مرتہن اور دیگر قرضخواہوں سے بڑھ کر مرہون کی مالیت کا حقدار ہوگا (یہاں تک کہ وہ پیشگی ادا کیا ہوا کرایہ پورا وصول کرلے اھ در) اور اگر دونوں عقد قبضہ سے خالی ہوں تو تمام قرضخواہ اس میں برابر ہونگے جو اپنے حقوق کے مطابق اس کو تقسیم کریں گے۔ اور اگر دونوں عقدوں میں سے ہر ایک کے ساتھ قبضہ متصل ہے تو جو قبضہ تاریخ میں مقدم ہے اس کا اعتبار کیا جائیگا جب تک سابق قبضہ والا بعد والے عقد کی اجازت نہ دے کیونکہ اس کی طرف بعد والے عقد کی اجازت کے باعث پہلا عقد فسخ ہوجائے گا۔ ان تمام احکام کی ہمارے علمائے کبار نے ایسی تصریح فرمائی جو مختصر مگر چاند سے بڑھ کر واضح ہے۔ (ت)

اور اس کے سوا یہاں ایک اور نکتہ ہے رہن تو شرع میں نہیں ہوتا مگر وہ جو مقبوض ہو،
قال تعالٰی فرھن مقبوضة[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ میں کیا ہوا۔ ت)

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الرہن دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹۲ و ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

مگر عوام جسے رہن دخلی کہتے ہیں جس میں مرہون سے مرتہن کا انتفاع شرط ہوتا ہے جیسے مکان رہن میں اس کا رہنا یا دیہہ رہن کی توفیر لینا یہ قطعاً سود اور محض حرام اور مردود ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کر دی۔ ت) حدیث میں ہے:

کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا[1] — جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

جواہر الفتاوٰی میں ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ فھو ربا[2] — جب شرط لگا دی گئی تو یہ ایسا قرض ہو گیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے (ت)

اور از آنجا کہ مزارعوں سے عقد کرنے والا راہن ہی ہوا،

لانہ العاقد والمنافع انما تتقوم بالعقد۔ — کیونکہ عقد کرنے والا راہن ہے اور منافع عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں (ت)

تنویر میں ہے:

ما ھو بدل عن المنفعۃ کالکسب و الاجرۃ یکون للراھن[3] — جو منفعت کا بدل ہے جیسے کسب واجرت وہ راہن کا ہے۔ (ت)

تو راہن نے مرتہن نے اتنی توفیر پائی کہ اس کے تمام وکمال دَین کے برابر یا زائد تھی اور دَین وتوفیر ایک جنس ہوں مثلاً روپے قرض دیے تھے اور مزارعوں پر بھی لگان میں روپیہ ہی دیا ہے نہ بٹائی تو مرتہن نے اپنا دَین وصول پا لیا اور وہ چاہے یا نہ چاہے مقاصہ ہو گیا یعنی یہ توفیر کہ اس نے لی غصباً لی تو اس قدر راہن کا دَین مرتہن پر لازم ہوا اور جبکہ یہ اس مقدار کو پہنچ گیا تھا جتنا اس کا دَین راہن پر تھا دونوں کا معاوضہ ہوا اتنی توفیر کا تاوان مرتہن پر سے جاتا رہا اور مرتہن کا دَین راہن پر سے اتر گیا اور جائداد رہن سے نکل گئی اب اسے اس پر کوئی حق ومطالبہ باقی نہیں ہے ڈگری دار بلا مزاحمت اپنا حصہ زید سے وصول کرے، اشباہ والنظائر

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] رد المحتار بحوالہ الجواہر الفتاوٰی کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

میں ہے:

آخر الدینین قضاء للاول[1]

دو قرضوں میں سے بعد والا پہلے کی ادائیگی ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

للزوج علیہا دین وطلبت النفقۃ لاتقع المقاصۃ بدین النفقۃ بلا رضاء الزوج بخلاف سائر الدیون لان دین النفقۃ اضعف فصار کاختلاف الجنس فشابہ ما اذا کان احد الحقین جیدا والاٰخر ردیا لاتقع التقاص بلا تراض[2]

خاوند کا بیوی پر قرض ہے اور بیوی نے نفقہ کا مطالبہ کیا تو خاوند کی رضامندی کے بغیر قرض میں سے نفقہ کا مجرا نہیں ہوگا بخلاف دوسرے قرضوں کے کیونکہ نفقہ کا قرض ضعیف ہوتا ہے تو وہ اختلافِ جنس کی طرح ہو کر اس صورت کے مشابہ ہوگیا جس میں دو حقوں میں سے ایک جید اور دوسرا ردی ہوتا ہے، جس میں باہمی رضامندی کے بغیر دونوں کو ایک دوسرے کا بدلہ قرار نہیں دیا جاتا۔(ت)

اور اگر لگان روپے سے ہوا اور موت راہن تک مرتہن کی توفیر بقدر اپنے دین کے نہ ملی اگرچہ ایک ہی روپیہ کم ہو تو اس صورت میں اگرچہ جائداد راہن سے نہ نکلی اور اسے حق حبس حاصل ہے، درمختار میں ہے:

لایکلف من قضی بعض دینہ تسلیم بعض رھنہ حتی یقبض البقیۃ[3]

جس مرتہن کا بعض قرض ادا کر دیا گیا ہو اس کو بعض رہن راہن کے حوالے کرنے کا مکلّف نہیں ٹھہرایا جائے گا جب تک وہ اپنا باقی قرض وصول نہ کر لے۔(ت)

ولہٰذا وہ صورت کہ صرف بقدر سہم زید ادائے دَین کر کے اتنے حصے کو فک کرائیں بے رضائے مرتہن ناممکن ہے اور بعد موت راہن جو توفیر مرتہن لیتا رہا اس سے مقاصہ نہ ہوگا کہ اب عاقد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷
[2] " " " " ۲/ ۴۹
[3] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

خود مرتہن ہے تو بعد کی توفیر کا یہ خود ہی مالک ہوگا،

لما قدمنا ان المنافع فی الاجارۃ وتتقوم الابالعقد فلا یملکہا الا العاقد کائنا من کان۔

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ منافع کا قیام عقد کے ساتھ ہی ہوتا ہے لہذا سوائے عاقد کے چاہے وہ کوئی ہو مکان کا مالک نہیں ہوتا۔(ت)

اگرچہ بوجہ ربا ملک خبیث وحرام ہے اور اس پر فرض ہے کہ یہ توفیر مالکان جائداد کو دے اور یہی بہتر ہے یا تصدق کردے کما حققناہ فی فتاوینا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر از انجا کہ ملک حرام ہے اور اولٰی یہی ہے کہ مالکوں کو دے تو مرتہن کے لئے خیر یہی ہے کہ بعد موت راہن بھی اگر توفیر بقدر دَین وصول ہوگئی جائداد سے دست بردار ہو۔یونہی توفیر اگر روپیہ نہ تھی بلکہ بٹائی ہے تو اس کا غلہ بھی اگر موت راہن تک یا اُس کے بعد آج تک اتنا وصول ہوگیا کہ بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت دَین کے برابر ہو جب بھی اُس کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنا دَین وصول سمجھے اور جائداد چھوڑدے بلکہ جتنا روپیہ یا غلہ دَین سے زائد آیا ہو مالکان جائداد کو واپس دے۔عقود الدریہ میں ہے:

یرد ما قبض علی المالک وھو الاولٰی ثم سئل أیلزم المسمّٰی للمالک ام للعاقد فقال للعاقد ولا یطیب لہ بل یردہ علی المالک[1]

مرتہن نے جو کچھ قبضہ میں لیا ہے وہ مالک کو لوٹادے وہی اولٰی ہے۔پھر پوچھا گیا کہ مقررشدہ بدل مالک کے لئے لازم ہوگا یا عاقد کیلئے، فرمایا عاقد کیلئے مگر وہ اُس کیلئے اچھا نہیں بلکہ وہ مالک کو لوٹادے۔(ت)

وجیز کردری وغمز العیون میں ہے:

أجرالمرتہن الرھن من اجنبی بلا اجازۃ الراھن فالغلۃ للمرتہن ویتصدق بھا کالغاصب اویردھا علی المالک[2]

مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر مرہون کو اجارہ پر دے دیا تو آمدن مرتہن کے لئے ہوگی تو وہ غاصب کی طرح اس کو صدقہ کرے یا مالک کو لوٹادے۔(ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۱۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳-۱۱۲

خیریہ میں ہے:

والثانی افضل لخروجہ من الخلاف[1] | اختلاف سے نکلنے کے لئے دوسری صورت افضل ہے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہاں رہن تسلیم کرلیں ورنہ ہم ثابت کرچکے کہ سرے سے رہن جائز ہی نہیں بہرحال ان صورتوں میں مرتہن کو کوئی مزاحمت پہنچتی ہی نہیں اور اگر ابنائے زمانہ اسے ثمانیں نہ مجوزین سے اس تجویز کی امید ہو کہ مدت سے نہ صرف کفار بلکہ دنیا بھر کے عامہ حکام نے اپنے تراشیدہ قوانین باطلہ کے آگے شرع مطہر کے احکام حقہ عادلہ کو منسوخ سمجھ رکھا ہے تو بحر فقط اُتنا دَین کہ حصہ زید پر ہے ادا کرکے اتنا استخلاص کرالے اور اگر یہ ناممکن ہو جب تک کل دَین ادا نہ کیا جائے تو مرتہن کا سارا مطالبہ ادا کرکے جمیع جائداد رہن سے چھڑا کر اپنا دَین حصہ زید سے وصول کرے اور جو کچھ اس میں سے مرتہن کو دینا پڑے وہ تمام وکمال ورثاء عمرو سے وصول کرے کہ جو شخص دوسرے کا دَین بے اُس کے کہے بطور خود ادا کرے وہ اُس وقت متبرع ٹھہرتا ہے کہ اس کی ادا میں مضطر نہ ہو اور جسے بے اس کے چارہ کار نہ ہو وہ متبرع نہیں اور اُسے اصل مدیون سے وصول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے اور اپنے حق تک بے اس کے نہ پہنچ سکنے کی بھی صورت اضطرار ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ درمختار میں ہے:

اشتری اثنان شیئا وغاب واحد منہما فللحاضر دفع کل ثمنہ و یجبر البائع علی قبول الکل ودفع الکل للحاضر ولہ قبضہ وحبسہ عن شریکہ اذا حضر حتی ینقد شریکہ الثمن[2]	دو شخصوں نے مل کر کوئی چیز خریدی پھر ان میں سے ایک غائب ہوگیا، تو جو حاضر ہے اس کیلئے جائز ہے کہ وہ کل ثمن ادا کرے اور بائع کو کل ثمن وصول کرنے اور کل مبیع حاضر مشتری کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور

حاضر مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسرے شریک سے روک رکھے یہاں تک کہ وہ شریک سے اس کے ثمن وصول کرلے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۲۵

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۱

قولہ غاب واحد منھما قید بہ لانہ لوکان حاضرا یکون متبرعا بالاجماع لانہ لایکون مضطرا فی ایفاء الکل اذ یمکنہ ان یخاصمہ الی القاضی فی ان ینقد حصتہ ولیقبض نصیبہ فتح[1]

ماتن کا قول کہ "دونوں میں سے ایک غائب ہوجائے" یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ حاضر ہو تو کل ثمن ادا کرنے والا بالاتفاق متبرع ہوگا کیونکہ وہ کل ثمنوں کی ادائیگی پر مجبور نہیں۔ اس لئے کہ قاضی کے پاس مخاصمہ کرکے وہ اپنے حصے کے ثمن دے کر اپنے حصے کا مبیع حاصل کرسکتا ہے، فتح۔ (ت)

درمختار میں ہے:

رھن الاب من مال طفلہ شیئا بدین علی نفسہ جاز ولو ادرک الابن و مات الاب لیس للابن اخذہ قبل قضاء الدین ویرجع الابن فی مال الاب ان کان رھنہ لنفسہ لانہ مضطر کمعیر الرھن[2]

باپ نے اپنے ذاتی قرض کے عوض اپنے بیٹے کی کوئی چیز رہن رکھ دی تو جائز ہے اگر بیٹا بالغ ہوگیا اور باپ مرگیا ہے تو قرض کی ادائیگی سے پہلے بیٹا مرہون کو لینے کا حقدار نہیں۔ وہ بیٹا باپ کے مال میں رجوع کرے گا اگر باپ نے وہ چیز اپنی ذات کے لئے رہن رکھی ہو کیونکہ بیٹا اس میں مجبور ہے جیسے رہن کو عاریت پر دینے والا۔ (ت)

ردالمحتار مسئلہ معیر میں ہے:

لانہ یرید بذلك تخلیص ملکہ فھو مضطر الیہ[3]

کیونکہ اس عمل سے اس کا مقصد اپنی ملکیت کی خلاصی کرانا ہے چنانچہ وہ اس میں مجبور ہے۔ (ت)

اور شرعًا اگرچہ یہ مرتہن نہ ہوا اس کا دَین بتمامہ توفر سے ادا ہوگیا جس کے سبب

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۷

[2] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۱

اُس کا مطالبہ شرعاً باطل ہو مگر قانونِ زمانہ کے اعتبار سے اسے بے اس کے دیئے اپنے حق تک وصول ناممکن ہے تو ادا میں مضطر ہوا اور رجوع کا اختیار ملا۔ غرض مدار کار اضطرار پر ہے نہ اس مطالبہ کے حق ہونے پر، درمختار میں ہے:

وکذا النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا فانہا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقہا حتی لو اخذت من الاکار فلہ الرجوع علی مالک الارض وعلیہ الفتوٰی[1]۔

یونہی شاہی ٹیکسوں کی کفالت صحیح ہے اگرچہ وہ ناحق ہوں جیسے ہمارے زمانے میں مظالم سلطانیہ کیونکہ وہ مطالبہ میں قرضوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی برتر ہیں یہاں تک کہ اگر مزارع سے وہ مظالم وصول کئے گئے تو وہ زمین کے مالک کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی اخر اجارات القنیۃ برمز ظہیرالدین المرغینانی وغیرہ المستاجر اذا اخذ منہ الجبایۃ الراتبۃ علی الدور والحوانیت یرجع علی الاٰجر وکذا الاکار فی الارض وعلیہ الفتوٰی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قنیہ کی کتاب الاجارات کے آخر میں ہے ظہیرالدین مرغینانی وغیرہ نے ظاہر کیا ہے کہ اگر کرایہ دار سے مروّج ٹیکس جو کہ گھر اور دکانوں پر عائد ہے وصول کیا گیا تو وہ آجر کی طرف رجوع کرے گا۔ اور فتوٰی اسی پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۴: مسئولہ ظہورالدین صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ایک مسلمان کچھ زیور دوسرے مسلمان کے پاس لے کر گیا اور اس سے کچھ روپیہ قرض لیا اور زیور اپنا اس کے پاس روپیہ کی ضمانت میں رکھ دیا جس مسلمان کے پاس زیور رکھا گیا ہے وہ زیور کا حق حفاظت یا کرایہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الدرالمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۲

زیور جس کے پاس رکھا گیا وہ بندۂ خدا سُود سے بچنا چاہتا ہے اور اس طرح سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۲) اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس کچھ روپیہ لینے گیا اور اس روپیہ کی ضمانت میں ایک دستاویز لکھا جس میں کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اس روپیہ کی ضمانت میں تحریر کی اب جس مسلمان نے کہ روپیہ دوسرے مسلمان کو دیا اور اس جائداد کی حفاظت کرنے کا روپیہ مانگتا ہے لہذا اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

مکرّر یہ ہے کہ یہ سُنا ہے کہ حضور نے رہن دخلی کی کوئی ایسی صورت نکالی ہے جو جائز ہے امید کہ اس سے بھی مطلع فرمایا جاؤں گا۔

(۳) مکرّر یہ کہ شرعی طور پر ایسی کون کون سی ۔۔۔تیں پیدا ہوسکتی ہیں کہ جن سے مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے یا غیر قوم سے روپیہ کا لین دین کرسکیں اور فائدہ بھی اٹھا سکیں، امید کہ ایک یا دو صورتیں تحریر فرمادی جائیں جو حسبِ تصریح فقہائے کرام ثابت یا حدیثِ نبوی میں واقع ہوں۔ اللہ تعالٰی اس کا اجر دے گا، فقط۔

الجواب

(۱) زیور کہ روپیہ کی ضمانت میں دیا گیا اس کے معنی بعینہٖ رہن رکھنے کے ہیں اور رہن کی حفاظت ذمہ مرتہن ہے کہ وہ اسی کے حق میں محبوس ہے اس پر اُجرت لینے کے کوئی معنی نہیں اگر لے گا خالص سُود ہوگا، یہ نفع جائز نہیں ہوسکتا بلکہ قطعی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جائداد ضمانت میں دینا یہاں دو طریقے پر رائج ہے، ایک یہ کہ جائداد مالک ہی کے پاس رہتی ہے اور وہ دائن کو لکھ دیتا ہے کہ میں نے تیرے دین میں مکفول کی اسے کفالت یا استغراق کہتے ہیں یہ شرعاً محض باطل و مہمل ہے، نہ اس میں کسی حق حفاظت کا وہم ہوسکتا ہے کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی نہیں جاتی۔ دوسری صورت رہن دخلی کی ہے وہ خود ہی حرام و سُود ہے۔ تیسری صورت جو شرعی ہے اور یہاں جاری نہیں وہ یہ کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی جائے اور مرتہن صرف اُس پر قبضہ رکھے کسی طرح کا نفع اس سے حاصل نہ کرے، یہ صورت جائز اور یہی رہن شرعی ہے اور اس کی حفاظت کا وہی حکم ہے جو جوابِ اوّل میں گزرا کہ اُس پر کچھ لینا محض سُود اور حرام قطعی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) رہن دخلی کے جواز کی یہاں کوئی شکل نہیں، نہ میں نے نکالی ہے نہ کوئی نکال سکتا ہے اُسکے

جواز کی صرف یہ صورت ہے کہ زید نے عمرو کے پاس اپنا مکان رہن رکھا اور کوئی شرط اُس کی سکونت کی قرار نہ پائی، پھر زید نے محض اپنی خوشی سے صرف بطورِ احسان اُسے سکونت کی اجازت دی اور وہ اُس کی اجازت ہی کی بنا پر اس میں رہنا چاہتا ہے، نہ اُس پر اصرار کرے گا نہ قرض کا بار ڈالے گا یہاں تک کہ اگر اس نے اجازت دی اور یہ مکان میں رہنے کو آیا ایک پاؤں دروازے کے باہر اور ایک اندر ہے کہ اس نے کہا اب میں اجازت نہیں دیتا تو فوراً پاؤں باہر نکال لے ایسا رہنا ہو تو ممکن ہے مگر کیا یہاں ایسی صورت کا احتمال ہے، حاشا ہرگز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سبحان از موضع پورا کوٹھی ڈاکخانہ شمشیر نگر ضلع گیا
۱۶ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں مسلمانوں کی رائے ہے کہ شاہراہ بیچ بستی کے جو عام لوگ کو فائدہ پہنچ سکے ایک کنواں پختہ تیار کریں اور قیمت چرم قربانی کا اُس میں خرچ کریں کیونکہ اس بستی میں ایک شخص کو کسی کو لیاقت نہیں جو ایک آدمی کنواں بندھوا سکے پانی پینے کی ازحد تکلیف ہے ایسی حالت میں قیمت چرم قربانی کنویں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

(۲) ہم نے ایک بیگھہ کھیت گروی مبلغ پچاس روپے اس شرط پر دے کر لیا کہ تا ادائے روپیہ ہم نے اُس کھیت کو آباد کیا اور اس کی مالگزاری لگان وغیرہ ہر سال ادا کرتے گئے اور پیداوار اُس کی اپنے مصرف میں لائے اس طور کا کھیت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) قربانی کی کھال ہر نیک ثواب کے کام میں صرف ہوسکتی ہے حدیث میں ہے،

کلوا و ادخروا واتجروا[1] کھاؤ، ذخیرہ کرو اور کارِ ثواب میں خرچ کرو۔ (ت)

ہاں جس نے دام حاصل کرنے کے لئے بیچی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دام فقیروں ہی کو دے۔ حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیۃ جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نبیشۃ الہذلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/۷۵-۷۶

لا اضحیة لہ[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کی قربانی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

(۲) کاشت کار کھیت کا مالک نہیں ہوتا، نہ اُسے بے اجازتِ زمین دار رہن کرنے کا اختیار، اور یہاں اگر زمیندار بھی اجازت دے گا تو نہ اس طرح کہ کھیت معطل ہے اور اس کی لگان نہ ملے بلکہ یونہی کہ کھیت تم جوتو اور لگان ادا کرو، یہ اجارہ ہوگا نہ کہ رہن، اس صورت میں اُس نے جو روپیہ اس کاشتکار کو دیا وہ اس کے ذمہ رہا اور کھیت کا مستاجر اس کی جگہ یہ ہوگیا اُسے کھیت سے کوئی تعلق نہ رہا، زمیندار کو اختیار ہے اس کے پاس رکھے خواہ اسے واپس دے، یہ جو کچھ جوتے بوئے اس کا ہے لگان زمین دار کا ہے اور اس کا قرض کاشتکار پر ہے، صورت شرعی تو اس میں یہ ہے، اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ کھیت اسی کاشتکار سابق کے اجارہ میں ہے ہمارے پاس رہن ہے اور زمیندار نے بھی اسے مستاجر نہ بنایا بلکہ اس کو رکھا اور اُس نے اس کا قائم مقام ٹھہرا کر لگان لیا تو یہ صورت باطل ہے مرتہن کو رہن سے نفع لینا جائز نہیں تو امر ناجائز کا قصد کیا اور ناجائز کا قصد بھی گناہ ہے اگرچہ واقع کے خلاف ہو کر یہ نہ رہن شرعی ہے نہ رہن و اجارہ جمع ہوسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۶: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ایک کاشتکار کی زمین ملکیت سرکاری اُس کا کھاتہ بند ہے اور وہ لگان اُس کا فی بیگہ دو روپیہ ماہوار بابت کاشتکار دینا رہتا ہے یہی زمین اس نے رفع ہونے کی غرض سے مبلغ ایک صد روپے یا اس سے زیادہ کم میں کسی مسلمان کے رہن بالقبض کر دی اب مرتہن نے اس کو کاشت کیا اور وہی سرکاری زمین کا جو سابق کاشتکار دیا کرتا تھا سرکار نے اس سے وصول کر لیا یا اُس نے کسی قدر منافع پر دے کر شخص کو کاشت کرادی تو جو منافع زمین سرکاری سے مرتہن نے بحالت ادائگی کھاتہ معہودہ سرکاری حاصل کیا وہ زرِ رہن میں محسوب کریگا یا کیا؟

الجواب

رہن و اجارہ جمع نہیں ہوسکتے یہ زمین کہ اجارہ میں ہے رہن نہ ہوئی اور ظاہرا یہاں یہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ گورنمنٹ اس کی جگہ اس کو مستاجر زمین سمجھے بلکہ مستاجر وہی رہتا ہے

---

[1] کنز العمال بحوالہ ک۔ ھق عن ابی ہریرہ حدیث ۱۲۲۰۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۹۴

اور یہ مثل ذیلی اور اُس کا اُس زمین سے انتفاع نہیں مگر بربنائے قرض اور قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل کیا جائے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] جو قرض نفع لائے وہ سُود ہے۔ (ت)

لگان جو مرتہن نے گورنمنٹ کو ادا کی خود کاشت کی اور اُس کے بدلے دی نہ کہ راہن کی طرف سے، تو اس کا جس طرح راہن سے مطالبہ کوئی وجہ نہیں رکھتا، ہاں اگر راہن کہے کہ میرے ذمّہ جو لگان ہے وہ ادا کیا کر اب وہ اس بنا پر ادا کرتا ہے تو اُس کا مطالبہ راہن سے کرسکتا تھا اسی طرح جب کہ اس نے زمین میں کاشت کی تو جو پیداوار ہے اُس کا یہی مالک ہے اگرچہ یہ انتفاع اُس کو ناجائز تھا اس کے سبب زرِرہن سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ازموہن پور مسئولہ سالار بخش خیاط ۱۲ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کھیت رہن ۶ بیگہ مبلغ ایک سو روپیہ میں رکھا گیا اور لگان اس کا ۶ روپیہ ہے اور کاشت خود کرتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زمین داری ۱۲ البسوانسی رہن دخلی ۱۲ سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) صورتِ مسئولہ میں اگر موروثی کھیت دخیلکار آسامی سے بالعوض ایک سو روپے کے رہن رکھا ہے تو اس میں خود کاشت کرنا اُس وقت تک جائز نہیں کہ اصل مالک یعنی زمین دار سے اجازت حاصل کریں دخیلکار آسامی موروثی ہونے سے شرعاً مالک نہیں ہوتا، صورتِ جواز یہ ہے کہ اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اُس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تامدتِ رہن ادا کرتا رہے اُس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے دخیل کار کو قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط و باطل ہے اور قصد گناہ سے گنہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمیندار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہٰذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1] جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۹: اودے پور میواڑ مرسلہ احمد خاں وکیل دربار مارواڑ متعینہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب عالی! عرض ہے کہ زمین داری ۱۲ بسوا قسی رہن دخلی ۱۲ سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ میں، وہ جائز ہے یا نہیں؟

مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1] جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۸۳: از ریاست رام پور مرسلہ منا بھائی ۲۰ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مبلغ ایک ہزار روپیہ پر چند قطعہ دکانات ومکانات اپنے جو بقبضہ کرایہ داران زید کی طرف سے تھیں بذریعہ رہن نامہ مصدقہ بکر کے پاس رہن کیں بعدازاں اُس زرِ رہن پر مبلغ پانچسو روپے اور اضافہ کرکے دوسری دستاویز بحوالہ دستاویز سابقہ تصدیق کرادی دستاویز مذکور میں اقرار تسلیم قبضہ بکر نے تحریر کرالیا اور یہ بھی دستاویز میں تحریر کرالیا کہ جو منافع بذریعہ سکونت وغیرہ کرایہ داروں سے مرتہن وصول کرے وہ حق مرتہن ہے چنانچہ مبلغ چار ہزار نوسو سینتالیس روپے بکر نے بذریعہ زید کرایہ داران سے وصول پائے اور حسبِ مضمون دستاویز دکانات کو کرایہ پر قائم رکھ کر اس کرایہ کی منفعت بکر نے حاصل کی اس کے بعد پھر بکر نے عدالت میں نالش زرِ رہن بغرض نیلام جائداد مرہونہ دائر کی۔

زید مدعا علیہ کو یہ عذرات ہیں:

(۱) قبضہ مرتہن مرہونہ پر نہیں ہوا اس وجہ سے کہ مرہونہ پہلے سے بقبضہ کرایہ داران تھی جس کا مرتہن کو خود اقرار ہے اور رہن میں قبضہ واقعیہ وتسلیم خاص کی ضرورت ہے تصریحات فقہیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسلیم وقبضہ کی تحریر کافی نہیں ہے۔ درمختار میں فاذا سلمہ وقبضہ المرتھن[2] (جب راہن مرہون سونپ دے اور مرتہن اس پر قبضہ کرلے۔ ت) یوں نہیں ہے کہ فاذا کتب تسلیمہ وقبض المرتھن (جب اس کی سپردگی کی تحریر ہوگئی اور مرتہن نے قبضہ کرلیا۔ ت)

(۲) دستاویز میں یہ الفاظ ہیں کہ جو منافع بذریعہ سکونت وکرایہ مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے یہ اذن راہن برائے اجارہ ہے چنانچہ منافع کرایہ مرتہن نے بذریعہ اجازت راہن کے حاصل کئے اور یہ صورت ہے اجارہ دینے کی مرتہن کا باذن راہن کے اور یہ امر

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] الدرالمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

مبطل رہن رہے یہ مانا کہ نئے دکانداروں کو بکر نے دکان نہ دی لیکن پرانے دکانداروں کو قائم رکھ کر منفعت باجازت راہن حاصل کی۔

(۳) رہن میں زیادتی فی الدین حضرت امام الائمہ سیدی ابوحنیفہ الکوفی وحضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز نہیں حالانکہ پہلے ایک ہزار روپے میں رہن ہونا اس کے بعد پانسو روپے اور لے کر ایک ہزار پانسو میں رہن ہونا خود بکر کو تسلیم ہے۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی کا اس زیادتی فی الدین کو جائز کہنا حجت نہیں ہے کہ فتوٰی اختلاف کی صورت میں امام صاحب کے قول پر ہوتا ہے چہ جائیکہ ان کے ساتھ امام محمد بھی ہیں۔ درمختار میں ہے:

والاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق[1]

اصح یہ ہے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی مطلقاً امام اعظم کے قول پر ہے۔ (ت)

(۴) بکر مرتہن نے جو زرکرایہ تعدادی چار ہزار نوسو بیناليس روپے آٹھ آنے کرایہ داروں سے بذریعہ زید وصول کیا ہے وہ حق راہن یعنی زید ہے چنانچہ

وان باذنہ فلمالك کما فی درمختار[2] وتکون الاجرۃ للراھن کما فی قاضی خان[3]

اگر اس کی اجازت سے ہے تو اجرت مالک کے لئے ہے جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اجرت راہن کے لئے ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ (ت)

اس پر بتین دلیلیں ہیں (بکر مدعی یہ کہتا ہے)

(۱) اقرار قبضہ جبکہ دستاویز میں تحریر ہے تو ضرورت کسی دیگر ثبوت کی نہیں کیونکہ مکانات مرہونہ کو راہن نے جب اپنے حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا جس پر دستاویز شاہد ہے تو مرتہن کا قبضہ پورا ہوگیا۔

(۲) دستاویز کے یہ الفاظ کہ جو منافع بذریعہ سکونت وکرا مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے اور اس پر بذریعہ راہن مرتہن کا عملدرآمد بہ صورت اجارہ باذن راہن ہے اور اجارہ باذن راہن مبطل ہی نہیں تو بلکہ

---

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴
[2] الدرالمختار کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ " " " ۲/ ۲۷۸
[3] فتاوٰی قاضی خاں " فصل فیما یجوز رہنہ ومالایجوز الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۹۵

دینا مرتہن کا باذن راہن مبطل ہوتا ہے یہاں اجارہ دینا مرتہن کا ثابت نہیں کیونکہ اس نے دکانات پر نئے دکانداروں کو نہیں بٹھایا۔

(۳) زیادتی فی الدین امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک جائز ہے اور معاملات میں اکثر فتوٰی انھیں کے قول پر ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عذرات مندرجہ بالا بکر کے صحیح ہیں یا اقوال زید کے صحیح ہیں ہر سوال کا جواب بالتفصیل نمبروار بحوالہ کتب فقہ عنایت ہو، بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور روزِ حساب اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

عذراتِ زید صحیح و مسموع اور شبہاتِ بکر باطل و مدفوع ہیں۔

(۱) رہن اور یہ اجارہ تو دو عقد ہیں جن کا حکم قبضہ کا دست نگر، رہن بے قبضہ باطل اور اجارہ بے قبضہ نفاذ سے عاطل۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

القبض شرط جواز الرھن لقولہ سبحٰنہ وتعالٰی فرھٰن مقبوضۃ وصف سبحٰنہ وتعالٰی الرھن بکونہ مقبوضا فیقتضی ان یکون القبض فیہ شرطا ولانہ عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسہ کسائر التبرعات[1]

جوازِ رہن کے لئے قبضہ شرط ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا" اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رہن کو اس وصف کے ساتھ موصوف فرمایا کہ وہ مقبوض ہو، یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رہن پر قبضہ شرط ہو اور اس لئے بھی رہن حال کے لئے عقدِ تبرع ہے تو باقی تبرعات کی طرح باعتبار اپنی ذات کے حکم کا فائدہ نہیں دیتا۔ (ت)

اسی میں شرائط نفاذ اجارہ میں ہے:

الحکم فی الاجارۃ المطلقۃ لا یثبت بنفس العقد عندنا لان العقد فی حق الحکم ینعقد علی حسب حدوث المنفعۃ فکان العقد فی حق الحکم مضافا

اجارہ مطلقہ میں ہمارے نزدیک نفسِ عقد سے حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حکم کے حق میں عقدِ اجارہ منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔ چنانچہ حکم کے حق میں عقدِ منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے،

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۷

الٰی حین حدوث المنفعۃ فیثبت حکمہ عند ذٰلک حتی لو انقضت المدۃ من غیر تسلیم المستأجر لایستحق شیئًا من الاجر ولو مضٰی بعد العقد مدۃ ثم سلم فلا اجر لہ فیما مضٰی لعدم التسلیم فیہ[1]

لہٰذا منفعت کے پیدا ہونے کے وقت حکم ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مدتِ اجارہ گزر گئی اور آجر نے شیئ مستاجر کے حوالے نہ کی تو اجرت میں سے کسی شیئ کا حقدار نہ ہوگا۔ اور اگر عقد کے بعد کچھ مدت گزر گئی پھر آجر نے وہ شیئ مستاجر کے حوالے کی گزری ہوئی مدت کی اجرت کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ اس میں سپردگی نہیں پائی گئی۔(ت)

رہن قبضہ مرتہن چاہتا ہے کہ اس کا مقتضی حبس ہے اور حبس بے قبض ناممکن اور اجارہ قبضہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس سے مقصود انتفاع ہے اور انتفاع بے قبض نامتصور اور شیئ واحد کا وقتِ واحد میں دو مختلف قبضوں میں ہونا محال، ولہٰذا اگر راہن بہ اجازت مرتہن یا مرتہن باجازت راہن شۓ مرہون شخص ثالث کے اجارہ میں دے یا راہن خود مرتہن کو اجارہ دے، تینوں صورتوں میں رہن باطل ہوجاتا ہے۔ بدائع میں ہے:

لیس لہ ان یؤاجرہ من اجنبی بغیر اذن المرتہن لان قیام ملک الحبس لہ یمنع الاجارۃ ولان الاجارۃ تعقد للانتفاع وھو لایملک الانتفاع بہ بنفسہ فکیف یملکہ غیرہ ولو فعل وقف علی اجازتہ فان ردہ بطل وان اجازہ جازت الاجارۃ وبطل عقد الرھن لان الاجارۃ اذا جازت وانھا عقد لازم لایبقی الرھن

راہن کے لئے جائز نہیں کہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دے کیونکہ مرتہن کا ملک حبس اجارہ سے مانع ہے اور اس لئے بھی کہ اجارہ کی بنیاد انتفاع پر ہے جبکہ راہن خود مرہون سے انتفاع کا مالک نہیں تو کسی غیر کو اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور اگر راہن نے ایسا کردیا تو یہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مرتہن نے اسے رد کردیا تو باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائز جبکہ عقدِ رہن باطل ہوجائے گا کیونکہ اجارہ جب جائز ہوگیا اور وہ عقد لازم ہے

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارہ فصل واما شرائط الرکن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۷۹

ضرورة والاجرة للراهن لانها بدل منفعة مملوکة لہ وولایة قبض الاجرة لہ ایضا لانہ ھو العاقد[1] وکذا لیس للمرتھن ان یؤاجرہ من غیر الراھن بغیر اذنہ لان الاجارة تملیک المنفعة والثابت لہ ملک الحبس لا ملک المنفعة فکیف یملکھا من غیرہ فان فعل وقف علی اجازة الراھن فان اجاز جاز وبطل الرھن لما ذکرنا وکانت الاجرة للراھن وولایة قبضھا للمرتھن لان العاقد ھو المرتھن، ولا یعود رھنا اذا انقضت مدة الاجارة لان العقد قد بطل فلا یعود الا بالاستیناف[2]

تو رہن ضرورۃً باقی نہیں رہے گا اور اجرت راہن کی ہوگی اس لئے کہ وہ راہن کے مملوک کی منفعت کا بدل ہے۔ اور اجرت پر قبضہ کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ عقد کرنے والا وہی ہے۔ اور اسی طرح مرتہن کے لئے جائز نہیں کہ وہ مرہون شَی راہن کے غیر کو اس کی اجازت کے بغیر اجارہ پر دے کیونکہ اجارہ منفعت کی تملیک ہے جبکہ مرتہن کے لئے ملک حبس ثابت ہے نہ کہ ملک منفعت تو وہ کسی غیر کو اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے۔ اگر مرتہن نے ایسا کر دیا تو وہ راہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر اس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائز اور رہن باطل ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں، اور اجرت راہن کے لئے ہوگی جبکہ اجرت پر قبضہ کی ولایت مرتہن کو حاصل ہوگی کیونکہ عقد کرنے والا وہی مرتہن ہے۔ اور وہ شَی رہن کی طرف عود نہیں کرے گی جبکہ اجارہ کی مدت ختم ہو چکی ہو کیونکہ عقد رہن باطل ہو چکا تو وہ عود نہیں کرے گا مگر یہ کہ نئے سرے سے عقد کیا جائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یخرج المرھون عن کونہ مرھونا ویبطل عقد الرھن بالاجارۃ بان آجرہ الراھن من اجنبی باذن المرتھن او المرتھن

مرہون شَی مرہون ہونے سے نکل جائیگی اور عقد رہن اجارہ کے ساتھ باطل ہو جائیگا اس صورت میں کہ راہن نے وہ شَی مرتہن کی اجازت سے یا مرتہن نے راہن کی اجازت

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرہن فصل واما حکم الرھن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۴۶

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۶/۱۴۷

باذن الراھن او استاجرہ المرتھن[1]۔

سے کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دی یا مرتہن خود اس کو اس اجرت پر لے لے۔ (ت)

یہاں کہ فریقین کو اقرار ہے کہ دکان و مکان رہن سے پہلے سے منجانب زید کرائے پر ہیں اور جب سے اب تک برابر قبضہ کرایہ داران میں ہیں کبھی اُن سے خالی نہ کرائی گئیں، تو تخلیہ کہ شرطِ رہن تھا کبھی نہ ہوا اور رہن سرے سے ناجائز و ناتمام رہا۔ عوام عموماً اور آج کل کے قانون دان خصوصاً نرے زبانی یا کاغذ کے تلفظ کو قبضہ کہتے اور سمجھتے ہیں نہ وہ تخلیہ کے معنیٰ سے آگاہ ہیں نہ اس کی

عہ مشی فی الھدایۃ والملتقی و التنویر وغیرھا علی ان القبض شرط اللزوم فلایتم الرھن[2] الا بہ قال فی العنایۃ وھو اختیار شیخ الاسلام وھو مخالف لروایۃ العامۃ قال محمد لایجوز الرھن الا مقبوضا ومثلہ فی کافی الحاکم الشھید و مختصر الطحاوی والکرخی[3] قال الکرخی انہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد والحسن بن زیاد وصححہ فی الذخیرۃ قہستانی، والمجتبی درمختار، والمحیط ھندیۃ وبہ جزم

ہدایہ، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں یہ روش اختیار کی ہے کہ رہن میں مرہون پر قبضہ کرنا عقد کے لازم ہونے کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ اسکے بغیر عقد تام نہیں ہوتا۔ عنایہ میں کہا اور وہی شیخ الاسلام کا مختار ہے اور وہ عام مشائخ کی روایت کے مخالف ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ مرہون پر قبضہ ہوئے بغیر رہن جائز نہیں ہوتا اور اسی کی مثل حاکم شہید کی کافی اور امام طحاوی کی مختصر اور امام کرخی کی مختصر میں ہے الخ کرخی نے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور حسن بن زیاد کا قول ہے، اس کو ذخیرہ میں صحیح قرار دیا (قہستانی) اور مجتبٰی میں اس کو صحیح قرار دیا (درمختار) اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا (ہندیہ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل اما بیان مایخرج بہ المرہون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۴۱

[2] الہدایہ کتاب الرہن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۵۱۳

[3] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الرھن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۶۶

حاجت جانتے ہیں زید اگر اپنا مکان جس میں اس کا مال اسباب رکھا ہوا ہے عمرو کو ہبہ کرے اور کنجی اُسے دے دے وہ کہیں گے قبضہ دے دیا حالانکہ ہرگز شرعاً قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔ بدائع میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی البدائع کما تری وکذا ذکرہ فی الرھن من العقود الدریۃ انہ الصحیح اقول والھدایۃ مع مشیہا علی انہ شرط اللزوم کلامہ فی الدلائل فی مسئلۃ لایجوز رھن المشاع وغیرھا یدل علی انہ شرط الانعقاد فتدبرہ وراجع العنایۃ ونتائج الافکار وکذا التنویر مع اتباعہ للھدایۃ قال لایصح رھن المشاع[1] قال فی الدر الصحیح انہ فاسد[2] اھ تأمل وراجع ما علقنا علی ردالمحتار ویستفاد من العنایۃ ان معنی شرط الجواز عند قائلیہ ان الرھن باطل ان لم یقبض فاخترناہ لما علمت لہ من القوۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔

اور اسی پر بدائع میں جزم کیا جیسا کہ تُو دیکھ رہا ہے، اور یونہی عقود الدریہ کی کتاب الرھن میں ذکر کیا کہ بے شک وہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں ہدایہ کی اس روش کے باوجود کہ قبضہ شرطِ لزوم ہے رھن مُشاع وغیرہ کے عدم جواز پر دلائل کے ضمن میں صاحبِ ہدایہ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبضہ شرطِ انعقاد ہے پس اس میں تو غور کر، اور عنایہ اور نتائج الافکار کی طرف رجوع کر۔ یونہی تنویر میں ہدایہ کی اتباع کرتے ہوئے کہا کہ مشاع کا رھن صحیح نہیں۔ دُر میں کہا صحیح یہ ہے کہ وہ فاسد ہے الخ غور کر اور ردالمحتار پر ہماری تعلیق کی طرف رجوع کر۔ عنایہ سے مستفاد ہے کہ شرطِ جواز کا معنیٰ اس کے قائلین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مرہون پر قبضہ نہیں ہوا تو رہن باطل ہے۔ چنانچہ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ تو اسکی قوت کو جان چکا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب مایجوز ارتہانہ الخ مجتبائی دہلی ۲/۲۶۴
[2] " " " " " " " " "

وعلٰی ھذا یخرج ما اذا وھب دارا فیھا متاع الواھب و سلم الدار الیہ او سلم الدار مع ما فیھا من المتاع فانہ لایجوز لان الفراغ شرط صحۃ التسلیم والقبض ولم یوجد[1]

اور اسی سے اس صورت کا حکم ظاہر ہوجاتا ہے کہ جب کسی نے ایسا گھر ہبہ کیا جس میں واہب کا کچھ سامان موجود ہے اور اس نے وہ گھر موہوب لہ کے حوالے کردیا یا اس نے وہ گھر اس میں پڑے ہوئے اپنے سامان سمیت موہوب لہ کے حوالے کردیا تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ موہوب کو خالی کرنا سپردگی اور قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گئی۔ (ت)

دستاویز میں کہ بکر کو قابض کردینا مسطور، یقیناً اسی سے یہی محاورہ جہال منظور، تو بکر کا اس سے استدلال ہبار منثور، اور اگر فرض کیجئے کہ اسے شرطِ قبضہ ہی پر محمول رکھیں تو اب دو وجہ سے مردود ہے:

اوّلاً جب یقیناً معلوم کہ کرایہ داروں سے تخلیہ کرکے قبضہ کسی وقت نہ دلایا پہلے سے اب تک کرایہ داران کا قبضہ مستمر ہے اور اُوپر بیان ہوچکا کہ شے واحد پر وقتِ واحد میں دو مختلف قبضے محال تو یہ اقرار بالمحال ہوا اور اقرار بالمحال باطل و نامسموع ہے مثلاً بھائی اقرار کرے اور رجسٹری کرادے کہ متروکہ پدری اُس میں اور اُس کی بہن میں بذریعہ میراث پدر نصف نصف ہے یہ اقرار مردود ہے بہن اس سے استدلال نہیں کرسکتی کہ وہ شرعاً محال ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ پائے گی۔ یوں ہی یہاں باوصف استمرار قبضہ مستاجران قبضہ مرتہن شرعاً محال ہے لہٰذا اقرار واجب الابطال ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الاقرار بشئ محال باطل کما لواقر لہ بارش یدہ التی قطعھا خمسمائۃ درھم و یداہ صحیحتان لم یلزمہ شئ کما فی

محال شئ کا اقرار باطل ہے جیسے کسی کے لئے پانچسو روپے دیت کا اقرار کیا اس کے ہاتھ کے بدلے میں جو مقر نے کاٹا ہے حالانکہ اسکے دونوں ہاتھ سلامت ہیں تو مقر پر کچھ بھی لازم

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ فصل واما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۵

التاتارخانية وعلى هذا افتيت ببطلان اقرار انسان بقدر من السهام لوارث وهو ان يد من الفريضة الشرعية لكونه محالا شرعا مثلا لو مات عن ابن وبنت فاقر الابن أن التركة بينهما نصفان بالسوية فالاقرار باطل لما ذكرنا اھ[1] وقيده السيد العلامة زيرك زاده في حاشيته على الاشباه كما رأيت فيها و نقله السيد العلامة الحموي في الغمز بلفظه قيل واقره بان يزيد في اقراره بالارث قال اذ يتصور ان يكون التركة بينهما نصفين بالوصية مع الاجازة او غيرها من وجوه التمليك كما هو ظاهر[2] اھ اقول يمكن التنصيف بينهما بالارث ايضا كما اذا ماتت عن زوج و

نہیں جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ اسی بنیاد پر میں نے فتویٰ دیا ہے کہ کسی انسان کا کسی وارث کے لئے اس قدر سہام کا اقرار کرنا باطل ہے جو اس کے شرعی مقرر حصے سے زائد ہو کیونکہ یہ شرع کی رُو سے محال ہے مثلاً کوئی شخص ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا بیٹے نے اقرار کیا کہ ترکہ ان دونوں کے درمیان برابری کے طور پر نصف نصف ہے تو یہ اقرار اس دلیل کی وجہ سے باطل ہوگا جس کو ہم ذکر کرچکے ہیں الخ سید علامہ زیرک زادہ نے اشباہ پر اپنے حاشیہ میں اس کو مقید کیا جیسا کہ میں نے اس حاشیہ میں دیکھا اور سید علامہ حموی نے غمز میں لفظ "قیل" کے ساتھ نقل کرکے اس کو برقرار رکھا مقید بایں صورت کیا کہ مقر اپنے اقرار میں میراث کا ذکر بڑھائے کیونکہ یہ بات متصور ہے کہ ترکہ ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان وصیت کے سبب سے نصف نصف ہوجائیگا وصیت کی اجازت کے ساتھ یا اس کے علاوہ دیگر وجوہِ تملیک کے ساتھ جیسا کہ ظاہر ہے الخ میں کہتا ہوں ان دونوں کے درمیان میراث کے اعتبار سے بھی ترکہ کا نصف نصف ہونا ممکن ہے جیسے کوئی خاتون فوت ہوگئی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر " " " " " ۲/ ۲۵

بنت منه وابن من زوجها الاول ثم مات هذا الزوج ولم یورثہ الابنتہ فلابد ان یزید فی الاقرار باس ثہما عن ھذا المورث۔

جس کے ورثاء میں اس کا خاوند اور اسی خاوند سے ایک بیٹی اور اپنے پہلے خاوند سے ایک بیٹا ہے پھر یہ خاوند فوت ہوگیا جس کا وارث سوائے اس کی بیٹی کے اور کوئی نہیں لہذا مقر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقرار میں اسی مورث سے ان دونوں کے وارث بننے کی قید کا اضافہ کرے۔ (ت)

ثانیاً بالفرض زید قبضۂ بکر کا مقر ہے مگر بکر خود اپنے قبضہ سے منکر ہے کہ تسلیم کرتا ہے کہ اب تک قبضۂ مستاجران مستمر ہے اور مقرلہٗ جب اقرار کی تکذیب کرے اقرار باطل ہوجاتا ہے۔ اشباہ میں ہے:

المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ الخ واستثنی سبعۃ اشیاء لیس ھذا منہا۔[1]

مقرلہٗ جب مقر کو جھٹلادے تو اس کا اقرار باطل ہوجائے گا الخ صاحبِ اشباہ نے سات چیزوں کا استثناء کیا ہے اور یہ اُن میں سے نہیں ہے۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ بکر کا کہنا کہ حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا صریح غلط ہے۔

(۲) بلاشبہ جب باتفاق فریقین یقیناً ثابت کہ دکان ومکان پہلے سے کرایہ پر ہیں اور یہ کہ راہن ومرتہن دونوں اس اجارے اور اس کی بقا پر راضی مرتہن اب تک اس کرایہ سے متمتع ہوتا رہا تو بعد رہن اگر یہ اجارہ از جانب راہن ہے تو مرتہن کا اذن ہے اور از جانب مرتہن فرض کیجئے تو راہن کا اذن ہے، اور ہم بدائع ملک العلماء سے لکھ آئے کہ دونوں صورتوں میں رہن باطل ہے، نیز فتاوٰی امام قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

ان آجر المرتہن من اجنبی بامر الراھن یخرج من الرھن وتکون الاجرۃ للراھن، وان آجرالراھن من اجنبی

مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شیئ کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دی وہ رہن سے نکل جائے گی اور اُجرت راہن کے لئے ہوگی، اور اگر راہن مرتہن کے حکم سے اجنبی کو اجرت

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

بامرالمرتهن یخرج من الرهن والاجر للراهن[1] | پر دے دے تو وہ رہن سے نکل جائیگی اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔ (ت)

بکر کا کہنا ہے کہ اجارہ باذن راہن مبطل رہن نہیں ہوتا۔ اگر یہ مقصود کہ کسی شخص ثالث فضولی کا باذن راہن اجارہ میں دینا مبطل رہن نہیں جب تک مرتہن بھی اس پر راضی نہ ہو تو صحیح ہے مگر معاملہ دائرہ سے بے علاقہ، یہاں کسی فضولی نے اجارہ نہ دیا اور بالفرض ہو بھی تو راہن و مرتہن دونوں کی رضا موجود، بہرحال رہن باطل ہوگیا۔ خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان آجرھا اجنبی بغیر اذن الراھن والمرتھن ثم اجازا جمیعا کان الاجر للراھن ویخرج من الرھن[2] | اگر اجنبی شخص نے راہن و مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شے اجارہ پر دے دی پھر دونوں نے اکٹھی اجازت دے دی تو اجرت راہن کے لئے ہوگی اور وہ شئے رہن سے نکل جائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ مقصود کہ مرتہن کا باذن راہن اجارہ دینا مبطل رہن نہیں تو صریح کذب اور تمام کتب کے خلاف ہے اور یہ عذر کہ یہاں اجارہ دینا مرتہن کا ثابت نہیں کہ اس نے نئے دکاندار کو نہ بٹھایا محض باطل و بے اثر ہے،

اوّلاً مرتہن کا اجارہ دینا ثابت نہ سہی راہن کا اجارہ دینا اور اس پر مرتہن کی رضا تو ثابت ہے یہ کیا بطلان رہن کو بس نہیں۔

ثانیاً عقد اجارہ وقتاً فوقتاً نیا ہوتا ہے کہ منفعت بتدریج پیدا ہوتی ہے اسی تدریج سے اجارہ تجدید پاتا ہے۔ بدائع میں ہے:

الطاری فی باب الاجارۃ مقارن لان المعقود علیہ المنفعۃ وانھا تحدث شیئا فشیئا فکان کل جزء یحدث | اجارہ کے باب میں مقارنت طاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً بتدریج پیدا ہوتی رہتی ہے چنانچہ منفعت کی ہر جز جو پیدا ہوتی ہے وہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرہن الباب الثامن فی تصرف الراہن الخ نورانی کتبخانہ پشاور ۵/ ۶۵-۴۶۴

[2] " " " " " " " " " " " ۵/ ۴۶۵

معقود علیہ مبتدأ[1]

نئے سرے سے معقود علیہ بنتی ہے (ت)

ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تنعقد ساعۃ فساعۃ حسب حدوث المنفعۃ[2]

اجارہ وقتاً فوقتاً منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

(جواز العقد لیس باعتبار ان المعدوم جعل موجودا حکما وکیف یقال ذلک والموجود من المنفعۃ لایقبل العقد لانہ عرض لایبقی زمانین فلا یتصور فیہ التسلیم بحکم العقد و القدرۃ علی التسلیم شرط لجواز العقد ومالا یتصور فیہ التسلیم لایکون محلا للعقد بل باعتبار ان العین التی ھی سبب وجود المنفعۃ اقیمت مقام المنفعۃ فی حق صحۃ الایجاب والقبول و فی حق وجوب التسلیم اذا العین ھی التی یمکن تسلیمھا دون العرض فانعقد فی حقھا فی الحال فوجب علیہ تسلیمھا

اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے نہیں کہ معدوم کو حکمی طور پر موجود بنادیا گیا ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے حالانکہ جو منفعت موجود ہو وہ عقد کو قبول نہیں کرتی اس لئے کہ وہ عرض ہے جو دو زمانوں میں باقی نہیں رہتی، لہٰذا اس میں عقد کے حکم سے سپردگی متصور نہیں جبکہ سپردگی پر قادر ہونا عقد کے لئے شرطِ جواز ہے، اور جس میں سپردگی متصور نہیں وہ عقد کا محل نہیں ہوسکتا بلکہ اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے ہے کہ عین شَی جو کہ وجودِ منفعت کا سبب ہے اس کو ایجاب وقبول کی صحت اور سپردگی کے وجوب کے حق میں منفعت کے قائم مقام کردیا گیا ہے اس لئے کہ اس عین ہی کی سپردگی ممکن ہے نہ کہ عرض کی، لہٰذا اس عین کے حق میں فی الحال عقد منعقد ہوجائیگا اور آجر پر اس کی سپردگی واجب ہوگی اور

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارۃ واما شرائط الرکن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۸۷

[2] الہدایۃ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱

وصار العقد مضافا غير منعقد للحال فی حق المنفعة لأن اقصی ما یتصور العقد علی المنفعة ان یکون العقد مضافا الی وقت حدوثها فینعقد العقد فی کل جزء من المنفعة علی حسب وجودها شیئاً فشیئاً وهو معنٰی قولنا ان عقد الاجارة فی حکم عقود متفرقة یتجدد انعقادها علی حسب حدوث المنافع وانما اقامت العین مقام المنفعة تصحیحا للعقد فی حق الانعقاد والتسلیم ضرورة عدم تصورهما فی المنفعة ولا ضرورة فی حق الملك فی البدل اذ ما ثبت للضرورة یثبت بقدرها فلا یظهر فی حق ملك البدل کما لا یظهر فی حق ملك المنفعة فیکون العقد مضافا الی وقت حدوثها غیر منعقد للحال فی حقهما[1] اھ وانما سقناه لما فیه من الفوائد ولا یکفینا بعضه کما لا یخفٰی۔

منفعت کے حق میں کہ عقد مضاف ہوگا فی الحال منعقد نہیں ہوگا کیونکہ منفعت پر عقد میں انتہائی تصور یہ ہے کہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہو۔ چنانچہ عقد منفعت کی ہر جز میں اس کے تدریجاً موجود ہونے کے مطابق منعقد ہوگا۔ اور یہی معنٰی ہے ہمارے اس قول کا کہ "اجارہ کا عقد متفرق عقود کے حکم میں ہے جن کا انعقاد منافع کے پیدا ہونے کے مطابق متجدد ہوتا رہتا ہے۔ انعقاد اور سپردگی کے حق میں ان دونوں کا تصور معدوم ہے اور بدل کے اندر ملک کے حق میں کوئی مجبوری نہیں اس لئے کہ جس شے کا ثبوت ضرورت کی وجہ سے ہو اس کا ثبوت بقدر ضرورت ہوتا ہے، چنانچہ وہ ملک بدل کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا جیسا کہ ملک منفعت کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا، وہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور ان دونوں کے حق میں فی الحال منعقد نہیں ہوگا اھ بے شک ہم نے اس عبارت کو ان فوائد کی وجہ سے ذکر کیا ہے جو اس میں موجود ہے ورنہ ہمیں اس میں سے بعض عبارت کافی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاجارہ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۰۷

توبعد میں جو ساعت آئی اس میں نیا عقد اجارہ ہوا یہ اگر مرتہن کی طرف سے باذن راہن ہے تو بلاشبہہ مرتہن نے جدید اجارہ کیا اور اس کے لئے دکانداروں کو جدید ہونا کیا ضرور عقد نیا ہونا چاہیے وہ بے شک حاصل۔ کیا اگر مرتہن باذنِ راہن اسی مستاجر کو دے جسے پہلے راہن دے چکا تھا تو رہن باقی رہے گا دوسرے کو دے تو جاتا رہے گا اس کا قائل نہ ہوگا مگر سخت جاہل، مرتہن کے عقد اجارہ باذنِ راہن کو تمام کتابوں نے مبطلِ رہن رکھا ہے نہ کہ صرف بحال تبدیل مستاجر۔ رہن پر اجارۂ نافذہ کا ورود یہی اسے باطل کرتا ہے کہ دوام حق حبس جو شرط رہن ہے زائل ہوتا ہے۔ تعیین مستاجر کو اس میں کیا دخل۔ بدائع میں ہے:

الاجارۃ تبطل الرھن[1]

اجارہ رہن کو باطل کردیتا ہے (ت)

اُسی میں ہے:

اخبر اللّٰہ سبحانہ وتعالٰی ان المرھون مقبوض فیقتضی کونہ مقبوضا مادام مرھونا[2]

اللہ سبحانہ وتعالٰی نے خبر دی ہے کہ مرہون مقبوض ہو۔ یہ خبر اس کے مقبوض ہونے کا تقاضا کرتی ہے جب تک وہ مرہون ہے (ت)

اسی میں ہے:

الرھن فی اللغۃ عبارۃ عن الحبس قال اللّٰہ تعالٰی عزّوجلّ کل امرئ بما کسب رھین ای حبیس فیقتضی ان یکون المرھون محبوسا مادام مرھونا ولو لم یثبت ملك الحبس علی الدوام لم یکن محبوسا علی الدوام فلم یکن مرھونا[3]

رہن لغت میں حبس کا نام ہے، اللہ تبارک و تعالٰی نے فرمایا: ہر شخص اپنے کئے میں مرہون یعنی محبوس ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرہون جب تک مرہون ہے محبوس ہو اور اگر ملکِ حبس دائمی طور پر ثابت نہ ہوئی تو وہ دائمی طور پر محبوس نہ ہوا، چنانچہ وہ مرہون نہ ہوا۔ (ت)

اسی سے گزرا:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۴۷

[2] " " فصل واما الشرائط الخ " " " ۶/۱۴۲

[3] " " " واما حکم الرھن " " " ۶/۱۴۵

الاجارۃ اذا جازت لایبقی الرھن ضرورۃ[1] — اجارہ جب جائز ہوجائے تو ضروری ہے کہ وہ رہن باقی نہ رہے۔ (ت)

(۳) بے شک زیادت فی الدین ناجائز ہے، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور اسی پر متون وشروح، اور یہی من حیث الدلیل اقوٰی، کما یظھر بمراجعۃ البدائع والتبیین وغیرھما (جیسا کہ بدائع اور تبیین وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت) اور بیشک فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر بضرورت، اس بارے میں ہمارا مبسوط رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوٰی مطلقاً علٰی قول الامام طبع ہوچکا ہے، بکر کا قول کہ معاملات میں اکثر فتوٰی قول امام ابو یوسف پر ہوتا ہے غلط ہے یہ صرف مسائل متعلقہ وقف وقضا میں کہا جاتا ہے اور وہ بھی کوئی ضابطہ نہیں کہ بے تصحیح صریح اُس سے خلاف قول امام وخلاف متون وشروح تصحیح کرلیں مگر یہ بحث یہاں کوئی نتیجہ خیز نہیں، نہ اُس کی اصلاً حاجت، جبکہ ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے کہ یہ رہن خود ہی باطل محض ہے، پھر بحث زیادت کی کیا گنجائش!

(۴) چار ہزار نوسو چھیالیس روپے آٹھ آنے کہ بکر کے کرایہ داروں سے وصول کئے وہ ضرور حق زید ہیں بکر کا ان میں کوئی حق نہیں کہ یہ اجارہ راہن باذن مرتہن ہے یا علی التنزل اجارہ مرتہن باذن راہن مگر ہم کتب معتمدہ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰی امام قاضی خان وفتاوٰی عالمگیریہ سے ثابت کر آئے کہ دونوں صورتوں میں اجر ملک راہن ہے فقط فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کا حق بھی راہن ہی کو ہے، اور دوسری صورت میں مرتہن کو کہ وہی عاقد ہے وہی وصول کرے اور راہن کو دے دے خود اُس میں سے کچھ نہیں لے سکتا، لہٰذا بکر پر لازم ہے کہ اپنا قرض پندرہ سو مجرا کرکے تین ہزار چار سو چھیالیس روپے آٹھ آنے زید کو ادا کرے، دستاویز میں زید کا لکھنا کہ جو منافع مرتہن وصول کرے حق مرتہن ہے باطل وبے اثر ہے کہ تغییر حکم شرع ہے، اور اگر یہ تاویل کی جائے کہ اگرچہ واقع میں عند الشرع وہ حق زید ہے مگر زید کا یہ لکھنا اپنی طرف سے بکر کو اُن منافع کا ہبہ ہے جب بھی باطل ہے کہ منافع بوقت تحریر معدوم تھے اور معدوم کا ہبہ باطل۔ بدائع میں ہے:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل واما حکم الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۶

لاتجوز هبة ما لیس بموجود وقت العقد بان وھب مایثمر نخلہ العام وماتلد اغنامہ السنة ونحو ذٰلك بخلاف الوصیة والفرق ان الھبة تملیك للحال وتملیك المعدوم محال والوصیة تملیك مضاف الی مابعد الموت والاضافة لاتمنع جوازھا ولاسبیل لتصحیحہ بالاضافة الی مابعد زمان الحدوث لان التملیك بالھبة مما لایحتمل الاضافة الی الوقت فبطل اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

جو شئ عقد کے وقت موجود نہ ہو اس کا ہبہ جائز نہیں اس کی صورت یہ کہ کوئی شخص ان پھلوں کا ہبہ کرے جو اس سال اس کے درختوں پر لگیں گے یا اپنی بکریوں کے ان بچوں کا ہبہ کرے جو اس سال وہ جنیں گی۔ اور اسی کی مثل دوسری اشیاء بخلاف وصیت کے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہبہ کے لئے تملیک ہے اور معدوم کی تملیک محال ہے اور وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے اور منسوب ہونا وصیت کے جواز کو منع نہیں کرتا' زمانہ حدوث کے مابعد کی طرف نسبت کرکے ہبہ کو صحیح قرار دینے کا راستہ نہیں کیونکہ ہبہ میں تملیک وقت کی طرف نسبت کا احتمال نہیں رکھتی لہٰذا وہ باطل ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳: از ریاست رامپور مرسلہ جناب مفتی عبدالقادر صاحب مفتی کچہری دیوانی ریاست ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مرہونہ پر بعد عقد رہن مرتہن کا قبضہ شرعی ہوگیا، اس کے بعد بطور عاریت یا اجارہ یا غصب مرہونہ راہن کے قبضہ میں پہنچ گیا تو علمائے محققین سے سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد رہن باطل ہوجائے گا یا وہ علٰی حالہٖ باقی رہے گا اور کیا مرتہن کو بربنائے رہن مذکور استرداد مرہونہ کا استحقاق شرعًا حاصل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع صورِ مذکورہ میں عقد رہن باطل نہ ہوگا اور مرتہن کو استرداد مرہون کا حق رہے گا' عاریت وغصب میں تو ظاہر کہ منافی رہن نہیں عقد اجارہ البتہ منافی رہن رہے ولہٰذا اگر

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۹

مرتہن باذنِ راہن یا راہن باذن مرتہن شخص ثالث کو یا راہن مرتہن کو اجارہ دے تو رہن باطل ہوجائے گا مگر یہاں کہ مرتہن نے راہن کو اجارہ دیا خود اجارہ ہی باطل ہوگا کہ مالک کو اُس کی مِلک اجارہ دینا کیا معنٰی، اور جب اجارہ باطل ہوا منافی رہن نہ پایا گیا اور عقد بحالہٖ باقی رہا والمسائل مصرح بہا فی البدائع وغیرھا (اور ان مسائل کی بدائع وغیرہ میں تصریح کردی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵ از ہوڑہ محلہ کوکربھو کا مکان مدار بخش گنیر مرسلہ جان محمد صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھیت رہن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کھیت کہ زمیندار کی مِلک ہو وہ بے اُس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتا اور اگر اس کی اجازت سے ہو یا رہن رکھنے والا خود اُس زمین کا مالک ہے تو رہن صحیح ہوجائے گا مگر اس میں کھیتی کرنی ناجائز ہوگی۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سُود ہے (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶ از قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ مرسلہ خضر محمد ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں عملداری غیر مسلم کی ہو اور ہر طرح سے انھیں استیلا ہو اور مسلمان باشندے مغلوب ہوں وہاں اگر کوئی غیر مسلم جائداد کسی مسلمان کے یہاں رکھے اور بخوشی خاطر جائداد کے منافع کو اُس مسلمان کے لئے حلال کردے تو بقول حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ منافع مسلمان کے لئے سُود تو نہ ہوں گے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں سُود نہیں، ہاں یہ سُود کی نیت سے لے تو اپنی نیت پر گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ از شہر بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی
۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زمین کو عمر کے پاس رہن رکھا مدت پانچ سال کی عمر اس زمین کو خرچ دے کر تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب

کاشتکار بے اجازت زمیندار زمین کو رہن نہیں رکھ سکتا اور با اجازتِ زمیندار ہو تو وہ اجارے پر نہ رہے گی اجارہ رکھیں گے کہ خراج دے اور کاشت کرے تو رہن نہ رہے گا نہ زید کو زمین سے تعلق رہے گا عمر کاشتکار مستقل ہو جائے گا روپیہ زید پر قرض رہا وہ ادا کرے اور اس کے بعد زمین واپس لینے کا اسے اختیار نہ ہوگا ہاں اگر عمر خود چھوڑ دے چھوڑ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے اور وہ مرتہن اس چیز پر برابر سود لیتا رہے اور فرض کرو کہ اس نے دو سو روپیہ کا سود لیا اب وہ شخص جس کی وہ چیز ہے رہن چھٹانا چاہتا ہے تو وہ مرتہن یہ کہتا ہے کہ دو سو روپیہ میں سے میں تم کو پانچ روپیہ واپس دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم شریعت کی رو سے جو سود کہ تم نے دیا ہے معاف کرو لیکن مالک چیز اس خوف سے کہ یہ پانچ روپیہ بھی ہاتھ سے جاتے ہیں معاف کرنے پر راضی ہو جائے تو یہ معافی جائز ہوگی یا ناجائز ؟ اگر ناجائز ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی ؟ اور ایسی صورت میں مرتہن کو اپنے سود کا کتنا حصہ دینا چاہئے ؟

الجواب

مرتہن پر فرض ہے کہ جتنا سود لیا ہے سب راہن کو واپس دے اور یہ اولیٰ ہے یا فقرائے مسلمین پر تصدق کرے اس میں سے اپنے صرف میں ایک حبہ لانا اسے حرام ہے اور اگر صرف کر چکا ہے اس کا معاوضہ راہن یا فقیروں کو دینا فرض ہے راہن کے معاف کئے سے معاف نہ ہوگا کہ یہ اس کا آتا ہوا نہیں جو اس کے چھوڑے سے چھوٹ جائے،

الا ترى انه لا يجب على الآخذ ردّه اليه انما حكموا عليه	کیا تو نہیں دیکھتا کہ لینے والے پر واجب نہیں کہ وہ راہن کو واپس کرے۔ مشائخ نے

بالاولویہ۔ اس کے اولٰی ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔(ت)

بلکہ وہ اللہ واحد قہار کے غضب کا خبیث مال ہے کسی حال میں مرتہن کے لئے حلال نہیں ہوسکتا اگر توبہ بھی کرے گا تو مقبول نہیں جب تک وہ سارا لیا ہوا راہن یا فقرا کو نہ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹ تا ۹۱ مرسلہ نیاز الدین احمد ۱۶ جمادی الاخرٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان صورتوں میں کہ:

(۱) شیئ مرہون میں تصرف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہمارے اطراف میں ایک قطعہ زمین اس طور پر لیتے ہیں کہ مثلاً صاحبِ زمین کو سَو روپے اس عہد وپیمان وقول پر دیتے ہیں کہ صاحبِ زمین روپیہ ادا کرسکے تو زمین مرتہن کے قبضہ سے چھوٹ کر راہن کے قبضہ میں آجاتی ہے اس میں بات اتنی ہے کہ مرتہن زمین کا خراج ادا کرتے ہیں اور پیداوارِ زمین کو خود لیتے ہیں اور جس وقت وہ دیئے ہوئے روپے لے گا وہ سَو روپے پورا پورا لے گا۔

(۳) یہ صورت بعینہٖ دوسری ہے مگر ذرا بیش وکم یہ ہے کہ ڈیل اس طور پر لکھتے ہیں کہ اگر راہن مدتِ معہودہ میں روپیہ ادا نہ کرے تو زمین فروخت ہوکر کے مرتہن کے قبضہ میں ہمیشہ کے لئے آجاتی ہے۔

الجواب

مرتہن کو مرہون سے انتفاع حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1] جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔(ت)

زمین رہن رکھنے والا اگر خود مالکِ زمین ہے جیسے زمین دار معافیدار اگرچہ خراج گورنمنٹ بطور مالگزاری یا ابواب اس پر موجب تو یہ وہی صورت مرہون سے انتفاع کی ہے اور حرام ہے، اور اگر رہن رکھنے والا کاشتکار ہے اور خراج وہ لگان ہے کہ زمیندار کو دیا جاتا ہے تو اسے بے اجازت زمیندار نہ رہن رکھنے کا اختیار نہ اُسے رہن لینے کا۔ اب کہ رہن رکھ دی اور مرتہن نے زمیندار کو لگان دیا اور اُس نے قبول کیا یہ عقد اجارہ زمیندار و

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مرتہن میں ہوا رہن باطل ہوگیا اور پہلا کاشتکار زمین سے بے تعلق ہوگیا یہ مرتہن ہی کا کاشتکار ہوگیا زراعت اسے جائز ہے اور اس کا روپیہ پہلے کاشتکار پر قرض ہے جب وہ روپیہ دے اس پر زمین چھوڑنا لازم نہیں جب تک سال تمام پر زمین دار اس سے نہ چھڑائے اور دوسری صورت جس میں میعاد گزر جانے پر زمین کا فروخت ہوجانا ہے اگر مالکِ زمین نے زمین رکھی تو رہی ہے اور یہ شرط مردود اور اگر کاشتکار نے رہن رکھی تو زمین فروخت ہوجانے کا بطلان اور بھی ظاہر، اسے پرائی زمین بیع کردینے کا کیا اختیار؟ غرض یہ سب جاہلانہ طریقے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲ — ۱۶ رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین علٰی وجہ الرہن خریدنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب

علٰی وجہ الرہن خریدنا بعینہٖ رہن لینا ہے اس پر تمام احکام رہن کے ہوں گے، خریدار کو اس سے نفع اٹھانا حرام، دَین اگرچہ بعد میعاد ملے زمین واپس نہ دینا حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۳ از شہر محلہ روہیلی ٹولہ متصل مسجد جہاں خاں مسئولہ طالب علم بنگالی — ۱۳ شوال ۱۳۳۸ھ

زید نے بکر سے ایک بیگہ زمین مبلغ ایک صد روپیہ دے کر لے لی اس شرط پر کہ جب تک روپیہ ادا نہیں کریں گے زمین ان کے قبضہ میں رہے گی اور نفع بھی اٹھائیں گے اور اصل روپے میں سے مبلغ عہ ہر سال میں کم ہوتا جائے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت رہن و اجارہ جمع کرنے کی ہے اور وہ جمع نہیں ہوسکتے رہن یوں باطل ہوا کہ دو روپے سال اُجرت منافع زمین رہن ٹھہرے، اجارہ یوں فاسد ہوا کہ مدت مجہول رہی کہ جب تک روپیہ ادا ہو، لہٰذا یہ شرعاً جائز نہیں گناہ ہے، اس کا فوراً فسخ کرنا دونوں پر واجب ہے زمین فوراً واپس کردے یا اُس اجارۂ فاسدہ کو فسخ کرکے از سرِ نو صحیح اجارہ متعین مدت کرلے جس میں یہ شرط نہ ہو کہ تا ادائے قرض زمین پر قبضہ رہے گا، رہا اس کا قرض ہے اسے اختیار ہے کہ اب وصول کرے یا جب چاہے، قرض کے لئے

کوئی میعاد لازم نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴ اظہار الحق ساکن چندوسی محلہ کاغذی مکان شیخ عبدالحق صاحب

۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مکان کا مرتہن ہے اگر وہ اس مکان کو راہن سے عاریۃً لے کر اس میں سکونت اختیار کرے یا اسکو کرائے پر اٹھائے تو یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمایئے۔

الجواب

با اجازت راہن عاریۃً رہے کہ جس وقت راہن منع کرے فوراً سکونت چھوڑ دے متصل کرکے صرف قبضہ رہن رکھے جائز ہے اور کرایہ پر چلانا بے اجازت راہن ہو تو حرام ہے اور با اجازت ہو تو رہن جاتا رہا کرایہ کا مالک راہن ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵ از میران پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب

۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود سے زمین دخلی رکھ کر پانچ برس کے واسطے اس میں زراعت خود کرے یا اُن کو بونے پر کسی دوسرے کو دے دے کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہنود سے اس عقد کے کرنے میں کوئی حرج نہیں لجواز العقود الفاسدۃ مع من لیس ذمیا ولا مستامنا (کیونکہ فاسد عقود ایسے کافروں کے ساتھ جائز ہیں جو ذمّی اور مستامن نہ ہوں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۶ و ۹۷ از الہ آباد مسئولہ سید سبحٰن الحسن صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فٹن گاڑی مبلغ ۲۰۰ روپیہ میں دخلی رہن رکھی راہن نے ہر قسم کی مالکانہ اجازت بخوشی دی راہن نے اس کو کرایہ مبلغ ۷ روپیہ ماہوار پر دے دیا یہ کرایہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری یہ کہ زید نے ایک گھوڑا اپنا اس میں لے کر ڈالا اور کرایہ پر اس شخص کو جس سے دخلی رہن رکھی ہے مبلغ سو روپیہ ماہوار دے دی۔ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) یہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

(۲) یہ بھی حرام ہے، مالک کو اس کی شے کرایہ پر دینا اور بھی بے معنٰی ہے، ہاں اگر رہن سے باز آئے اور اس کی گاڑی اسے واپس دے اور اپنا گھوڑا سات روپے مہینے کرایہ پر دے تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸: از ضلع رنگپور ڈاک خانہ مہی پور موضع کلقند مدرسہ ملک بنگال مسئولہ فضل علی صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے شرع متین ومفتیان دین مبین اندریں مسئلہ کہ شخصی چند بیگہ اراضی خود نزد کسے رہن داشتہ بعوضش یک صد روپیہ قرض گرفت ومرتہن بایں شرط کہ تامدت ایفائے زر مقروض از زمین مرہونہ باد ائے خراج زمینداران بکاشتکاری خود خواہد داشت، قرض داد پس ایں چنیں قرض دادن جائزست یانہ؟ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی چند بیگھ زمین کسی شخص کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے ایک سو روپیہ قرض لیا مرتہن نے اس شرط پر قرض دیا کہ مقروض سے قرض کی وصولی تک مرہون زمین کا خراج زمینداروں کو دینے کے عوض اس زمین میں کاشتکاری کرے گا تو کیا ایسا قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ گے (ت)

الجواب

قرض دادن رواست وآں شرط فاسد وبیجاست وآں رہن باطل وبے معنٰی ست در درمختارست کل ما کان مبادلۃ مال بمال یفسد بالشرط الفاسد کالبیع وما لا فلا

قرض دینا جائز ہے اور وہ شرط فاسد وبے جا ہے اور رہن باطل وبے معنٰی ہے، درمختار میں ہے: جس عقد میں مال کا مبادلہ مال سے ہو وہ شرطِ فاسد کے ساتھ فاسد ہوجاتا ہے جیسا کہ بیع، اور جو عقد ایسا نہ ہو

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

کالقرض[1] راہن مالکِ زمین نبود و نہ از مالک برائے رہن استعارہ نمود کاشتکاری برائے او گزاشت و خراج زمیندار ہم بسرش داشت چوں زمیندار ایں معنی رضا داد و خراج از یں مُقرِض گرفت ایں عقد اجارہ میان زمین دار و مقرض شد و راہن برکراں ماند و ذٰلک ان الراھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان، واللہ تعالٰی اعلم۔

وہ فاسد نہیں ہوتا جیسا کہ قرض۔ راہن زمین کا مالک نہیں تھا اور نہ اس نے مالک سے رہن کے لئے زمین عاریت پر لی، اس نے مرتہن کے لئے کاشتکاری چھوڑی اور زمیندار کا خراج بھی مرتہن کے سر پر رکھ دیا جب زمیندار نے اس پر رضامندی ظاہر کردی اور زمین کا خراج قرض دہندہ سے لے لیا تو یہ عقد اجارہ زمیندار اور قرض دہندہ کے درمیان ہوا اور راہن ایک طرف رہ گیا۔ اور یہ اس لئے کہ رہن و اجارہ دو متنافی عقد ہیں جو جمع نہیں ہوسکتے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۹ از رنگون سکی منولی سریٹ مکان ۲۱ کمرہ ۱۴ مسئولہ محمد ابراہیم خطیب

۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی جائداد عمرو کے پاس رہن رکھی عمرو نے زید کی موجودگی میں مدتِ رہن ختم ہونے سے پیشتر ہی کوٹ سے اجازت لے کر بے اطلاع اُس کی جائداد مرہونہ کو بیع کردیا، اب زید اس بیع کو فسخ کرے گا یا نہیں؟ اور ثمن مبیع ادا کرکے اپنی جائداد واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید بے شک اُس بیع کو فسخ کرسکتا ہے اور زرِ ثمن ادا کرنا اس کے ذمہ نہیں، زرِ ثمن کا مطالبہ مشتری اُس مرتہن سے کرے گا زید کے ذمہ صرف زرِ رہن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

توقف علی اجازۃ الراھن بیع المرتھن فان اجازہ جاز والا فلا ولہ ان

مرتہن کی بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر اس نے اجازت دی تو جائز ورنہ جائز نہیں ہوگی راہن کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات ما یبطل بالشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

یبطله ویعیدہ رھنا[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔ باطل کر دے اور اُسے رہن کی طرف لوٹائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ از آول ضلع رہتک مسئولہ محمد جمال مہتمم مدرسہ رونق الاسلام ۴ شوال ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع رہن جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور اس کے لئے کتاب الرھن درمختار مطبع منشی نولکشور صفحہ ۵۵۴ کی عبارت پیش کرتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مرہون شئی کا نفع باجازتِ راہن جائز ہے۔ کیا زید کی دلیل صحیح ہے؟ مگر قول ثانی درمختار کہ متقی کے لئے جائز نہیں یہ بھی سود ہے۔ زید کہتا ہے کہ اتقا نہایت مشکل ہے اور یہ متقی کے لئے ہے مگر عمرو کا جواب ہے کہ ہر مسلمان متقی ہے تو کیا عمرو کا جواب صحیح ہے اور کیا ہر مسلمان متقی ہے؟ اور تقویٰ اور فتویٰ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مرتہن کو رہن سے انتفاع جس طرح رائج ہے قطعاً مطلقاً اجماعاً حرام ہے اول تو وہ شرط سے ہوتا ہے رہن نامہ میں لکھا جاتا ہے اور پھر اذن بھی حقیقتاً اذن نہیں[عہ]

مسئلہ مدرسہ منظر اسلام مرسلہ محمد احمد طالب علم بنگالی مورخہ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ہزار روپیہ لیا اور اپنا مکان بکر کے پاس دخلی رہن چھوڑا یعنی جب تک زید وہ روپیہ نہ دے سکے اتنے روز بکر کو اختیار خاص ہے چاہے وہ خود اس مکان میں رہے بسے یا دوسرے شخص کے پاس کرایہ پر دے کر روپیہ لے آیا اس صورت میں بکر کے لئے ملکیت ثابت ہے اور بکر کا مکان سے کرایہ وصول کرنا مطابق شرع شریف سُود ہے یا نہیں؟

الجواب

خود رہنا بھی حرام اور کرایہ لینا بھی سُود۔ اگر کرایہ پر دیا تو از آنجا کہ اجازتِ زید سے تھا کرایہ کا مالک زید ہوا اور اب مکان رہن سے نکل گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ یہ فتویٰ ناتمام ہے۔ عبد المبین نعمانی

[1] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۶

باب القسم

(قسم کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از محلہ بہاری پور بریلی مرسلہ ریاض الدین احمد ۲۹ رجب ۱۳۳۸ھ

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اس کا اٹھا لینا گناہ ہے یا نہیں؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن شریف کو اٹھالے۔ اس کا اس نے یہ جواب دیا کہ میں سچائی میں ہوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اٹھا سکتا کیونکہ قرآن شریف اٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جھوٹا قرآن شریف اٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرماکر مطلع فرمائیے کہ ان دونوں باتوں میں کون سی بات سچی ہے؟

الجواب

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے، اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم بہت سخت کرنا ہے بلاضرورت خاصہ نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الوصایا

(وصیتوں کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سیدنا سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بزرگانِ دین قدس اللہ تعالٰی اسرارہم العزیزہ سے ایک بزرگ نے اپنے آباءِ کرام کے سجادہ نشین اور جائداد وقفیہ درگاہ وخانقاہ وقف کردہ امراءِ اسلام کے متولی تھے بنام اپنے صاحبزادہ حامد اور اپنے نبیرہ احمد بن محمد کے لئے وصیت فرمائی یہ دونوں بعد میرے متولی تمام جائداد ومصارف درگاہ خانقاہ اور جملہ امور متعلقہ ریاست درگاہی وخانقاہی میں شریک مساوی رہیں اور میری جائداد مملوکہ سے احمد بن محمد نبیرہ میرا ثلث حصہ بموجب وصیت شرعیہ پائے اور اس وصیت کو ایک کاغذ پر تحریر فرمایا اور جناب ممدوح نے اپنی صاحبزادی کو اُس قدر حصہ کہ بعد وفات انھیں پہنچنا تصور کیا جاتا خواہ اس سے کم اپنی حیات میں اس شرط پر دے کر قبض ودخل کرادیا کہ اب اُن کے لئے میراث میں حق نہ ہو اور یہ تخارج برضامندی اُن کی واقع ہوا اور صاحبزادی صاحبہ کی طرف سے حکام کے یہاں تصدیق اس مضمون کی گزرگئی کہ میں نے اپنا حصہ پالیا اب مجھے بعد انتقال حضرت مورث کچھ دعوٰی ترکہ میں نہ رہا جناب ممدوح نے یہ مضمون بھی اُسی وصیت نامہ میں ذکر فرمایا آیا اس صورت میں وہ وصیت کہ حضرت موصوف نے دربارہ تولیت فرمائی اور وصیت ثلث مال مملوک نسبت احمد بن محمد شرعاً جائز اور نافذ ہے یا نہیں اور یہ تخارج کہ حضرت ممدوح اور صاحبزادی صاحبہ میں واقع ہوا شرعاً معتبر ہے یا نہیں

اگر نامعتبر ہو تو وصیت نامہ مذکورہ میں اس کا ذکر آجانا کل وصیت نامہ کو باطل کردے گا یا صرف اسی قدر نامعتبر اور باقی وصایائے مذکورہ صحیح اور مقبول رہیں گے اسی طرح اُس کاغذ میں یہ بھی ذکر فرمایا تھا کہ بعد میرے اگر اہلِ خانہ میری زندہ رہیں تو خبرگیری اُن کی حامد اور احمد بن محمد بقدر معتد بہ کرتے رہیں یہ امر اُن دونوں کے ذمہ ہے مگر بی بی صاحبہ مورث کے سامنے ہی گزر گئیں آیا یہ کلمات بھی کچھ منافی صحت وصایائے مذکورہ ہیں یا نہیں اور بی بی صاحبہ اگر بعد کو زندہ رہتیں تو عام اس سے کہ یہ فقرہ اُن کی رضا سے تحریر ہے یا بے رضا بہر تقدیر وہ اس تحریر کی بناء پر ترکہ سے محروم رہتیں یا نہیں اگر نہ رہتیں تو دعویٰ اُن کا حامد پر تھا کہ بعد اخراج ثلث وصیت کل جائداد متروکہ پر وہی قابض ہوا یا احمد موصی لہٗ پر بھی کہ ثلث بحکم وصیت اس نے پایا یا بعد وصال حضرت ممدوح کے حامد اور احمد دونوں نے اس وصیت نامہ کو معتبر اور مقبول رکھا اور باہم بطریق مصالحت یہ امر قرار پایا کہ جس طرح جائداد مملوکہ میں احمد بن محمد کے لئے ثلث ہے یونہی تولیت اوقاف بھی اثلاثا رہے کہ دو ثلث میں حامد اور ایک میں احمد متولی اور متصرف ہوں آیا بر تقدیر و فرض بطلان کل وصیت نامہ مذکورہ یہ مصالحہ کہ باہم حامد اور احمد میں واقع ہوا معتبر ہے یا نہیں اور درصورت صحت وصیت نامہ اس صلحنامہ کا کیا حکم ہے اور اگر متولی دربارہ اوقاف دو امر کی وصیت کرے کہ ایک اُن میں سے مطابق تعامل قدیم ہے اور دوسرا مخالف تو اس مخالف کے بطلان سے کل وصیت باطل قرار پائے گی یا صرف یہی امر مخالف اور اگر متولی وقف کسی شخص کے نام تولیت کرے تو یہ وصیت اس کی مطلقاً معتبر رہے گی یا متولیان سابق کا تعامل یہاں بھی دیکھا جائے گا اور اگر اُن میں آج تک وصیت تولیت کا رواج نہ تھا تو متولی حال کی وصیت بسبب مخالفت تعامل باطل ہوجائے گی۔ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

دربارۂ تولیت اوقاف مذکورہ حامد اور احمد کے نام بزرگ ممدوح کی وصیت کہ دونوں شریک مساوی ہوں صحیح و نافذ ہے اور تولیت محل جریان ارث نہیں جس میں حق وارث کا لحاظ ہو کہ ثلث سے زائد میں وصیت بے اذن ورثاء نفاذ نہ پائے۔

فی الوجیز ان مات القیم و قد اوصی الی احد فوصی القیم بمنزلۃ القیم[1] وفی وقف العلمگیریۃ عن الحاوی

وجیز میں ہے اگر متولی مرجائے اور وہ کسی کے لئے وصیت کرے تو اس متولی کا وصی متولی کے حکم میں ہوتا ہے۔ عالمگیریہ کے باب الوقف میں حاوی

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوقف النوع الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲-۲۵۱

ان مات احد الوصیین واوصی الی جماعۃ لم ینفرد واحد بالتصرف ویجعل نصف الغلۃ فی ید الجماعۃ الذین قاموا مقام الوصی الھالك[1]

سے منقول ہے اگر دو وصیوں میں سے ایک مرگیا اور وہ ایك جماعت کے بارے میں وصیت کرگیا تو اکیلے تصرف میں مستقل نہ ہوگا، اور وقف غلہ میں سے نصف اس جماعت کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا جو مرنے والے کے قائم مقام ہوئی۔ (ت)

پس دونوں صاحب شرعًا متولی اوقاف مذکورہ ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ایک بے دوسرے کے تصرفات قوامت میں مستقل نہیں ہوسکتا۔

فقد صرحوا فی الوقف والوصایا ان القوامۃ والوصایۃ اذا کانت الی اثنین لم یجز ان ینفرد احدھما عن الاٰخر۔

تحقیق مشائخ نے وقف ووصایا کے بارے میں تصریح کی کہ تولیت اور وصیت جب دو شخصوں کے لئے ہو تو ان میں سے کسی ایک کا دوسرے سے منفرد ہونا جائز نہیں۔ (ت)

اور احمد بن محمد کے نام جائداد مملوکہ میں ثلث کی وصیت تو بلاشبہ الصحت والنفاذ ہے۔

فلقد قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم[2] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ تعالٰی نے تمہاری عمروں کے آخر میں تمہارے تہائی مال کے ساتھ تم پر صدقہ فرمایا یا جیسا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ت)

نہ احمد بن محمد باوجود حامد وارث نہ وصیت قدر ثلث سے متجاوز کہ کل یا مقدار زائد میں اجازت ورثا کی احتیاج ہوتی۔

فی تنویر الابصار و یجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلك[3] الخ۔

تنویر الابصار میں ہے کہ اجنبی کے لئے ایک تہائی کی وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کو جائز نہ رکھیں الخ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۰

[2] مجمع الزوائد باب الوصیۃ بالثلث دارالکتاب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۱۲

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

رہا مسئلہ تخارج بحالت مورث کہ بزرگ موصوف نے اپنی حیات میں صاحبزادی صاحبہ کو کچھ عطا فرماکر میراث سے علیحدہ کردیا اور وُہ بھی راضی ہوگئیں کہ میں نے اپنا حصّہ پالیا اور بعد انتقال مورث کے ترکہ میں مرا حق نہیں، اشباہ میں طبقات علامہ شیخ عبدالقادر سے اس صورت کا جواز نقل کیا اور اسے علامہ ابوالعباس ناطفی پھر جرجانی صاحب خزانہ پھر شیخ عبدالقادر پھر فاضل زین الدین صاحب اشباہ پھر علامہ سید احمد حموی نے مقرر و مسلّم رکھا اور فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے اس پر فتوٰی دیا اور ایسا ہی فقیہ محدث ابوعمرو طبری اور اصحاب احمد بن ابی الحارث نے روایت کیا۔

کما قال العلامۃ زین قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الھمزۃ فی احمد، قال الجرجانی فی الخزانۃ، قال ابوالعباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنا رحمھم اللّٰہ فی رجل جعل لاحد بنیہ دارا بنصیبہ علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث جاز وافتی بہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن شجاع البلخی وحکی ذٰلک اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمرو الطبری انتھی[1] قال الفقیر المجیب غفراللّٰہ تعالٰی لہ مستند ذٰلک الٰی خط بعض المشائخ وھذا وان لم یرد علیہ ان الخط لایعمل بہ الا فی بعض صور مستثناۃ کما فی عامۃ الکتب وذٰلک لان خط المفتی من الصور المستثناۃ فقد قال العلامۃ الحموی فی شرح احکام

جیسا کہ علامہ زین نے کہا شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الہمزہ میں احمد کے ذکر میں کہا، جرجانی نے خزانہ میں کہا، ابوالعباس ناطفی نے کہا کہ میں نے بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے خط سے اس شخص کے بارے میں دیکھا جس نے اپنا کوئی مکان اپنے ایک بیٹے کو حصہ کے طور پر دے دیا اس شرط پر کہ وُہ باپ کی موت کے بعد وارث نہیں بنے گا تو یہ جائز ہے، اسی کے ساتھ فتوٰی دیا فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے جو محمد بن شجاع بلخی کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور اسی کی حکایت کی احمد بن ابوالحارث اور ابوعمرو طبری کے اصحاب نے، انتہی۔ فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتا ہے کہ اس کو بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب کرنے پر اگرچہ یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خط بعض استثنائی صورتوں کے سوا قابلِ عمل نہیں ہوتا جیسا کہ عام کتابوں میں ہے کیونکہ مفتی کا خط انہی استثنائی صورتوں میں سے ہے۔ تحقیق علامہ حموی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۳۲

الکتابۃ من غمز العیون والبصائر، یجوز الاعتماد علی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علی اشارتہ فالکتابۃ اولی[1] انتھی، لکن فیہ جہالۃ الاان یقال ان المشائخ کلھم ممن یستند بقولہ فلا تضر جھالتہ کما یقال فی کثیر من المسائل قال بعضھم یجوز وبعضھم لا وان سلم فمعتمدنا تقریر تلك الفحول التحاریر اما قول العلامۃ الحموی فی شرح ما نحن فیہ قولہ علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث جاز ای صح اقول یتأمل فی وجہ صحۃ ذلك فانہ خفی[2] انتھی فاقول ھذا کما تری صریح فی القبول اذا ذعن رحمہ اللہ ان لہ وجھا صحیحا ولکنہ خفی حری بالتامل ولولا ذلك لقال ھذا مما لاوجہ لہ فلا یعول علیہ، وھذا مما لایخفی علی العارف باسالیب

نے شرح احکام الکتابۃ میں بحوالہ غمز العیون والبصائر کہا مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے مشائخ کے اس قول کا اعتبار کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارہ پر اعتماد جائز ہے کیونکہ کتابت اشارہ سے اولیٰ ہوتی ہے انتہیٰ، لیکن اس میں جہالت ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ تمام مشائخ وُہ ہیں جن کے قول سے استناد کیا جاتا ہے تو اب جہالت مضر نہ ہوگی جیسا کہ بہت سے مسائل میں کہا جاتا ہے ان میں سے بعض نے کہا کہ جائز ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں جائز ہے، اگر اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ہمارا معتمد ان جید متبحر علماء کی تقریر ہے۔ رہا ہمارے زیر بحث مسئلہ کی شرح میں علامہ حموی کا فرمان کہ مرنیوالے کا یہ کہنا کہ یہ اس شرط پر ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس بیٹے کے لئے کوئی میراث نہ ہوگی یہ جائز اور صحیح ہے، تو میں کہتا ہوں اس کی وجہ صحت میں تامل کرنا چاہئے کیونکہ یہ خفی ہے انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے یہ قبول میں صریح ہے کیونکہ علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے اذعان فرمایا کہ اس کے لئے وجہ صحیح ہے لیکن وہ خفی ہے جو تامل کے لائق ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علامہ یُوں فرماتے کہ اس کے لئے کوئی وجہ نہیں لہٰذا اس پر اعتماد نہ کیا جائے اور یہ بات کلام کے اسلوبوں کو

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض " " ۲/ ۱۳۲

الکلام۔ جاننے والے پر پوشیدہ نہیں۔ (ت)

پس اس روایت اور ائمہ کی تقریر و افتاء وحکایت کی بنا پر یہ تخارج بھی صحیح اور جائز واقع ہوا اور صاحبزادی صاحبہ کو بعد انتقال مورث کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اگر یہ روایت بوجہ قلت شہرت یا عدم ظہور علت پایۂ اعتبار سے ساقط مانی جائے تو ضرور یہ تخارج باطل قرار پائے گا مگر اس کے کاغذ وصیت میں مذکور ہونے سے وصایائے مذکور کیوں باطل ہونے لگیں ھذا باطل صریح (یہ واضح طور پر باطل ہے۔ ت) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شیئ کی وارث اور اجنبی کے لئے بالمناصفہ وصیت کی وہ وصیت وارث کے حق میں باطل اور اجنبی کے نصف میں صحیح اور نافذ رہے گی۔

ففی تنویر الابصار لاجنبی و وارثہ او قاتلہ لہ نصف الوصیۃ وبطل وصیتہ للوارث والقاتل[1] انتھی و مثلہ فی عامۃ الکتب۔

تنویر الابصار میں ہے کہ اجنبی اور وارث یا اجنبی اور قاتل کے لئے وصیت کی تو اجنبی کو وصیت کا نصف ملے گا جبکہ وارث اور قاتل کے بارے میں اس کی وصیت باطل ہوگی انتہی، اور اسی کی مثل عام کتابوں میں ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! جب عقد واحد ولفظ واحد میں شیئ واحد کے دو شخصوں کے نام وصیت کی اور ایک کے لئے شرع نے اجازت نہ دی صرف اُسی کے حق میں باطل ہوئی اور اس بطلان نے نصف باقی تک سرایت نہ کی تو جہاں عقد متعدد ولفظ متعدد ومعقود علیہ متعدد اور ایک عقد اُن میں سے باطل ہو اُن دونوں کے ایک کاغذ میں ذکر کردینے سے کیونکر اس کا بطلان اُس تک ساری و نافذ ہوجائے گا ایسی بے اصل وجہ سے وصایائے مذکور کا ابطال کوئی عاقل تجویز نہیں کرسکتا اور یہیں سے ظاہر ہوگیا سوال اخیر کا جواب کہ اوقافِ صحیحہ شرعیہ میں جب بوجہ جہالت شرط واقف معمول قدیم پر مستقر اعتبار رہے تو جو وصیت اس کے مطابق ہوگی جائز اور جو مخالف ہوگی باطل، اور باطل کا بطلان جائز تک سرایت نہ کرے گا کما اوضحناہ مع انہ کان واضحا (جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کردی باوجودیکہ یہ واضح تھا۔ ت) اور انھیں وجوہ سے وہ فقرہ کہ وصیت نامہ میں جناب بی بی صاحبہ کی نسبت تحریر ہوا صحت وصایائے سابقہ میں خلل انداز نہیں ہوسکتا اگرچہ اس کی تحریر بی بی صاحبہ کو بر تقدیر حیات بعد مورث ترکہ سے حاجب نہ تھی گو یہ تحریر اُن کی رضا سے واقع ہوئی،

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶

فان الارث سبب ضروری للملك حتی ان الوارث یرث و یملك سهمه ولو قال الف مرة انی ترکت حقی و المسئلة فی الاشباه[1] وغیرها۔

اس لئے کہ وارث ہونا ملک کے لئے سببِ ضروری ہے یہاں تک کہ وارث اپنے حصّے کا وارث و مالک بن جاتا ہے اگرچہ ہزار بار کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ مسئلہ اشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ (ت)

ہاں اگر وہ زندہ رہتیں تو اُن کا دعوٰی حامد پر تھا جس نے بعد اخراج وصیت کل متروکہ پر قبضہ کیا کہ حق ورثہ صرف انھیں دو ثلث میں تھا ثلث وصیت ان کے حق سے جدا ہے تو احمد بن محمد جس نے بحکم وصیت ثلث پایا برتقدیر حیات بی بی صاحبہ اور برتقدیر بطلان تخارج صاحبزادی صاحبہ دونوں کے دعوے سے بایں معنے بری ہے کہ ان کے ظہور حصص سے اُس کے ثلث میں کمی نہیں آسکتی بلکہ بحکم وصیت کُل جائداد سے ثلث کامل اُسے دینگے اور دو ثلث باقی ماندہ ورثہ بحصص شرعیہ تقسیم کرلیں گے،

وذٰلك لان الوصیة مقدمة علی الارث ومعلوم انه لایزاحم شیئ شیئا الا اذا کانا فی مرتبة واحدة ولو سلمت مزاحمة المتاخر للمقدم لم یبق المتقدم مقدما والمتاخر متاخرا ھذا خلف فثبت ان الموصی له ملك الثلث من دون المزاحم الا تری ان الوصیة لاتزاحم الدیون لتقدم الدیون علیها فکذٰلك المیراث لایزاحم الوصیة بعین ذٰلك الوجه وھذا ظاھر جدا۔

اور یہ اس لئے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی شیئ دوسری شی کی مزاحمت نہیں کرسکتی جب تک وہ دونوں ایک ہی مرتبہ میں نہ ہوں۔ اگر متاخر کی مقدم کے لئے مزاحمت تسلیم کرلی جائے تو مقدم مقدم نہ رہے گا اور متاخر متاخر نہ رہے گا۔ یہ خلافِ مفروض ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ جس کے حق میں وصیت کی گئی وہ بغیر کسی مزاحم کے تہائی مال کا مالک ہوگیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وصیت قرضوں کی مزاحمت نہیں کرتی کیونکہ قرضے اس پر مقدم ہیں۔ یوں ہی بعینہٖ اسی وجہ سے میراث وصیت کی مزاحمت نہیں کرتی اور یہ خوب ظاہر ہے۔ (ت)

اب باقی رہا مسئلہ صلحنامہ پر کلام جب وصیت بزرگ موصوف دربارہ تولیت بھی صحیح قرار پائی اور حامد اور احمد دونوں نصف نصف جائداد کے قسیم ٹھہرے تو نظر فقہی اسے مقتضی ہے اگر احمد کے لئے تفویض عام اور نقل تولیت کا مطلقًا اختیار شرطِ واقف خواہ تعامل قدیم سے ثابت نہ ہو تو یہ صلحنامہ وجہ صحت نہیں رکھتا اور احمد اگرچہ لاکھ بار ثلث خواہ ربع خواہ سدس پر مصالحہ کرے شرعًا ہرگز قبول

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

نہ فرمائے گی، اور اسے نصف کامل کا متولی رکھے گی کہ احمد کی طرف سے یہ صلح اور نصف چھوڑ کر ثلث پر راضی ہونا درحقیقت تولیت سدس سے اپنے نفس کو عزل کرنا ہے اور متولی کو بے علم واطلاع قاضی عزل نفس کا اختیار نہیں اور اگر ہزار بار عزل کرے گا معزول نہ ہوسکے گا واین القاضی واین العلم (اور کہاں ہے قاضی اور کہاں ہے علم ۔ ت) بحرالرائق میں ہے:

اذاعزل نفسه عند القاضی فانه ینصب غیرہ ولاینعزل بعزل نفسه مالم یبلغ القاضی ومثله فی اسفار أخر۔[1]

جب متولی قاضی کے پاس خود کو معزول کرلے تو قاضی اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کردے گا ۔ اور جب تک متولی قاضی تک اطلاع نہ پہنچائے وہ خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوگا، اور اسی کی مثل دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔ (ت)

اگر بفرضِ باطل وتقدیرِ غلط وصیت نامہ کو مہمل وکان لم یکن ٹھہرایا جائے تاہم یہ اجازت شرع حامد اور احمد بن محمد سے جو متولی قرار پائے گا اُسے ترک تولیت بعض پر مصالحہ صرف بشرائط مذکورہ جائز ٹھہرے گا وإلّا لا، بالجملہ وصیت نامہ صحیح ہو کما ھو الحق یا باطل کما فرض بہرطور صحت صلحنامہ وترک تولیت بعض اُسی تفویض عام اور اختیار تام کے ثبوت پر متوقف،

لماتقرر من ان النظار اذا لم یکونوا مرضی بمرض الموت فهم کمثل الوکلاء لیس لهم ان یعزلوا انفسهم الا بخیرة من الواقف او القاضی او ثبوت التفویض العام الیهم کما صرح به فی الدرالمختار ورد المحتار وغیرھما من الاسفار وھذا کله واضح عند من له اجالة نظر فی کلمات القوم۔

بسبب اس کے جو ثابت ہوچکا ہے کہ متولی جب تک مرض الموت میں مبتلا نہ ہوں وہ وکیلوں کی طرح ہیں انھیں یہ اختیار نہیں کہ وہ خود کو معزول کرلیں جب تک واقف یا قاضی کی طرف سے انھیں ایسا کرنے کا اختیار نہ ہو یا جب تک انھیں تولیت کی تفویض عام نہ ہو۔ جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتب میں اس کی تصریح کردی گئی ہے ۔ اور یہ تمام ہر اُس شخص پر روشن وواضح ہے جس کی نظر قوم کے کلام کے نتائج پر ہے ۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۳۴

ردالمحتار بحوالہ بحرالرائق 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۲

اور متولی وقف کو وصیت تولیت کا مطلقاً اختیار ہے خواہ نظار پیشیں میں ایسی وصیت کا رواج ہو یا نہ ہو حتی کہ یکے بعد دیگرے ہزار متولی گزرے اور ان میں کسی نے تولیت کی وصیت نہ کی تاہم متولی حال کو اختیار وصیت حاصل ہے۔ فتح القدیر و بزازیہ و والوالجیہ و مجتبٰی و سراجیہ و خانیہ و تاتارخانیہ و ذخیرہ برہانیہ و اشباہ النظائر و شروح حموی و بیری و درمختار و حواشی طحطاوی و شامی و عقود دریہ و فتاوٰی خیریہ و ہندیہ وغیر ذٰلک عامہ کتب میں اس مسئلہ کی تصریح اور اس سے بحث کرتے ہیں کوئی تحقیق تعامل کی قید نہیں لگاتا۔

والفتاوی الخیریۃ افصح بیانا و اوضح تبیانا لذٰلک حیث قال بعد نقل المسئلۃ عن التتارخانیۃ والبزازیۃ وعزوہ الی کثیر من الکتب حتی قال فی الخانیۃ والظہیریۃ وغیرھما والعبارۃ للخانیۃ ولو ان الواقف جعل رجلا متولیا و شرط انہ ان مات ھذا المتولی لیس لہ ان یوصی الٰی غیرہ جاز ھذا الشرط انتہٰی، والفقیہ یفھم من ھذہ العبارۃ الابلغیۃ فی اثبات الولایۃ لوصی الناظر المذکور اذا التنصیص علٰی جواز الشرط لدفع توھم یطرأ علیہ بعدم الجواز کما یدریہ من اکثر من معاشرۃ نفائس ابکار عبارتہم اذ مثل ذٰلک یقال فی مثل ھذہ المسائل التی کثر نقلھا و دوارنھا بینھم حتی کانھا مقررۃ فی علم کل فقیہ فیستغنی عن ذکرھا بذکر ما یتفرع علیھا و یتشعب منھا و ھٰذہ المسئلۃ کذٰلک

فتاوٰی خیریہ اس مسئلہ میں زیادہ فصیح بیان اور واضح تفصیل والا ہے، جہاں اس نے تاتارخانیہ اور بزازیہ سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد کہا اور اس کو علمائے نے بہت سی کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے یہاں تک کہ خانیہ اور ظہیریہ وغیرہ میں جبکہ عبارت خانیہ کی ہے کہ اگر واقف نے کسی شخص کو متولی بناتے ہوئے شرط لگائی کہ یہ متولی مرتے وقت غیر کے لئے ولایت کی وصیت نہیں کرسکتا تو یہ شرط جائز ہے، انتہٰی۔ اور فقیہ اس عبارت سے متولی مذکور کے وصی کے لئے اثبات ولایت میں مبالغہ سمجھتا ہے اس لئے کہ جواز شرط پر نص کرنا اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے جو اسکے عدم جواز پر طاری ہوتا ہے جیسا کہ عمدہ و نفیس عبارات علماء سے زیادہ ممارست رکھنے والا شخص اس کو جانتا ہے اور یونہی کہا جاتا ہے اس قسم کے مسائل میں جو علماء کے درمیان بکثرت منقول اور دائر ہیں یہاں تک کہ ہر فقیہ کے علم میں وہ اس طرح پختہ ہوگئے ہیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ ان اصول کو ذکر کردیا جائے جن سے یہ مسائل متفرع و مستنبط ہوتے ہیں، اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے

فان کتب المذھب طافحۃ بھا[1] الخ۔ کیونکہ ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں الخ۔ (ت)

تقریر علماء سے واضح کہ اگر شروط واقف اس کے ذکر سے عاری ہوں تاہم یہ اختیار قیم کو حاصل، پھر عدم تعامل کیا مضر ہوسکتا ہے۔

لان التعامل لایعتمد علیہ الا لکونہ مظن شرط الواقف کما صرح بہ فی الذخیرۃ والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا من الاسفار۔

اس لئے کہ تعامل پر اعتماد نہیں کیا جاتا مگر اس لئے کہ وہاں شرط واقف پائے جانے کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ ذخیرہ، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (ت)

بلکہ کلمات علماء موضح کہ یہ اختیار دلالۃً مشروط ہے گو صراحۃً مذکور نہ ہو پھر تعامل وعدم تعامل کی کیا حاجت ہے۔

قال العلامۃ السید الطحطاوی فی حاشیۃ علی الدر المختار وجہ الاستحسان ان الاول لما اوصی الیہ فقد علم ان الوصی لایعیش ابدا ولم یحب ان تکون امورہ ضائعۃ فصار کانہ اذن لہ بان یوصی الی غیرہ بطریق الدلالۃ وان لم یاذن لہ بالافصاح ولوکان اذن لہ بالافصاح جاز لہ ان یوصی الی غیرہ فکذلك اذا اذن لہ بالدلالۃ[2] الخ قلت ومعلوم ان المتولی کالوصی کما فی جامع الفصولین والاشباہ وکذا بالعکس کما فی العقود الدریۃ والوقف والوصیۃ اخوان یستقیان من مورد واحد وینزع مسائل احدھما

علامہ سید طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے وصی نے دوسرے کو وصیت کی تو اسے یقین ہوگیا کہ وصی ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا۔ اور اس نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وقف کے معاملات ضائع ہوجائیں تو گویا اس کی طرف سے بطور دلالت غیر کو وصی بنانے کی اجازت ہوگئی اگرچہ اس نے صراحۃً اس کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ صراحۃً اجازت دیتا تو اس کے لئے غیر کو وصی بنانا جائز ہوتا، پس یہی حکم بطور دلالت اجازت کی صورت میں بھی ہوگا الخ میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہے کہ متولی وصی کی مثل ہے جیسا کہ جامع الفصولین اور اشباہ میں ہے۔ اسی طرح اس کا عکس ہے جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے۔ اور اسی طرح وقف اور وصیت ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں اور ایک کے مسائل

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۰۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی المکتبۃ العربیۃ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/۳۴۰

من الاٰخر کما فی عدة مواضع من الخیریة والعقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة۔

دوسرے سے اخذ کئے جاتے ہیں جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ (ت)

اور نظر دقیق حاکم کہ اس نفس وصیت کو مخالفت تعامل سمجھنا ہی محض باطل کہ منافات فعل او رکف میں ہے نہ فعل وترک بمعنی عدم وقوع فعل میں، کما ھو المقرر فی اصولنا معشر اھل السنة و الجماعة (جیسا کہ ہمارے یعنی اہل سنت وجماعت کے اصول میں مقرر ہے۔ ت) یہاں تک کہ ہمارے ائمہ کالعلامة المحقق علی الاطلاق کمال الملة والدین محمد بن الھمام والفاضل الشیخ زین بن نجیم المصری وغیرھما (جیسا کہ علامہ محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن ہمام اور عظیم فاضل شیخ زین بن نجیم مصری اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء۔ ت) تصریح فرماتے ہیں کہ ترک بمعنی مذکور زیر قدرت عبد داخل نہیں۔

وھذا نص الاشباہ فی البحث الاول فی حد النیة من القاعدة الثانیة بعد ذکر معناھا اللغوی وفی الشرع کما فی التلویح قصد الطاعة والتقرب الی اللہ تعالٰی فی ایجاد الفعل انتھی ولا یرد علیہ النیة فی التروك لانه کما قدمناه لایتقرب بھا الا اذا صار الترك کفا وھو فعل وھو المکلف به فی النھی لا الترك بمعنی العدم لانه لیس داخلا تحت القدرة للعبد کما فی التحریر[1] انتھی۔

یہ نص ہے اشباہ کی جو مبحث اول میں نیت کی تعریف کے بارے میں ہے، قاعدہ ثانیہ میں نیت کا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد مذکور ہے، اور اصطلاح شرع میں جیسا کہ تلویح میں ہے نیت کہتے ہیں ایجاد فعل میں طاعت اور اللہ تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا قصد کرنا، اور اس تعریف پر ترک فعل کی نیت کے ساتھ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ اس کے ساتھ تقرب حاصل نہیں کیا جا سکتا مگر اس وقت جب ترک بمعنی کف یعنی رکنا ہو اور وہ فعل ہے اور نہی میں بندے کو اسی کے ساتھ مکلف بنایا جاتا ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم اس لئے کہ وہ بندے کی قدرت میں داخل نہیں جیسا کہ تحریر میں ہے انتہی۔ (ت)

اور جب ایسا ہو تو اس میں اتباع غیر مقدور اور جہاں اتباع ناممکن مخالفت کا کیا محل۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثانیہ ادارة القرآن کراچی ۱/۴۶

قلت و بهذا لم یحرم علینا فعل کل مالم یفعله النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا الاصحاب ولا التابعون اذ لیس کل ترک کفا و انما التاسی فی الکف فالمعیار ھو العرض علی قواعد الشرع فما حسنہ فھو حسن وما قبحہ فھو قبیح ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

میں کہتا ہوں اس سے ثابت ہوا کہ ہم پر ہر وہ فعل حرام نہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور تابعین نے نہ کیا ہو کیونکہ ہر ترک کف نہیں اور بیشک اقتدار تو کف یعنی منع کرنے میں ہے۔ چنانچہ معیار قواعد شرع پر انحصار ہے۔ جس چیز کو شرع نے حسن قرار دے دیا وہ حسن اور جس کو قبیح قرار دے دیا وہ قبیح ہے۔ ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے (ت)

ہاں اگر شرط واقف میں تصریح منع ہے کہ متولیوں کو اختیار وصیت نہیں تو بیشک اب وصیت روا نہ رہے گی

لان الصریح یفوق الدلالۃ کما مر عن الخانیۃ والظہیریۃ وغیرھما قلت یعنی اذا کان الوقف صحیحا شرعیا بحسب مراعاۃ شروطہ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

اس لئے کہ صریح دلالت سے برتر ہے جیسا کہ خانیہ، ظہیریہ وغیرہ سے گزر چکا۔ میں کہتا ہوں مراد اس سے یہ ہے کہ جب وقف شرعی طور پر صحیح ہو اس کی شرطوں کی رعایت کرنے کے اعتبار سے۔ اللہ پاک اور بلند و برتر خوب جانتا ہے اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے سردار اور آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر اور برکت وسلام نازل فرمائے (ت)

مسئلہ ۱۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج ایک سال کے بعد مرض الموت رہتا ہے یا نہیں اور بعض کتب میں جو عدم خوف موت کی قید ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جمہور ائمہ کے نزدیک فالج و دِق و سِل وغیرہا امراضِ مزمنہ جب ایک سال تک تطاول کریں مرض الموت نہیں رہتے اور ایسے مریض کے تمام تصرفات شرعاً مثل صحیح کے ہیں مختصراً امام مجتہد علامہ ابوجعفر طحاوی اور فتاوٰی امام قاضی خاں اور فتوی امام ابوالعباس شماس اور امام عبداللہ جرجانی اور امام شمس الائمہ حلوانی اور

ؐ ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۷

فتاوی التمرتاشی اور جامع الفتاوٰی اور فصول عمادیہ اور درر علامہ خسرو اور مفتاح اور غمز العیون علامہ احمد حموی اور مجتبٰی زاہدی اور فتاوٰی خیریہ اور درمختار اور ردالمحتار علامہ شامی اور فتاوٰی حامدیہ اور عقود الدریہ اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہا متون و شروح و فتاوٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے یہاں تک کہ علامہ محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے متون و شروح کے اطلاق و عموم پر نظر فرما کر حاشیہ درمختار میں تصریح کر دی کہ اگر فالج وغیرہ امراض مذکورہ ایک سال کے بعد صاحب فراش بھی کر دیں اور مریض چلنے پھرنے سے معذور مطلق ہو جائے جب بھی اسے مرض موت نہ کہا جائے گا کیونکہ ایک سال تک تطاول ہو گیا،

حیث قال قال فی المعراج وسئل صاحب المنظومۃ عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذٰلک علی ان یقدر ان یذھب فی حوائج نفسہ خارج الدار اھ اقول والظاھر انہ مقید بغیر الامراض المزمنۃ التی طالت ولم یخف منہ الموت کالفالج ونحوہ وان صیرتہ ذا فراش ومنعتہ عن الذھاب فی حوائجہ فلا یخالف ماجرٰی علیہ اصحاب المتون والشروح ھنا تامل انتھی ملخصا۔

جہاں فرمایا کہ معراج میں کہا ہے صاحب منظومہ سے مرض الموت کی حد کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا ہمارا اعتماد اس مسئلہ میں اس بات پر ہے کہ مریض اپنی حاجات کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے الخ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم دیر تک رہنے والی بیماریوں کے غیر کے ساتھ مقید ہے جو لمبی ہو جاتی ہیں اور ان میں موت کا خوف نہیں ہوتا جیسے فالج وغیرہ، اگرچہ وہ مریض کو صاحب فراش بنا دیں اور اسے حاجات کے لئے نکلنے سے روک دیں۔ یہ بات اس کے مخالف نہیں جس پر اصحاب متون اور شارحین چلے۔ غور کرو انتہی تلخیص (ت)

اور وہ جو بعض کتب میں عدم خوف موت کی قید ہے بہت علماء مثل صاحب مفتاح و علامہ احمد حموی شارح اشباہ و علامہ ابراہیم حلبی و علامہ امین الملۃ والدین شامی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قید احترازی نہیں بلکہ بعد تطاول ان امراض کے حال کی شرح ہے یعنی جب سال گزر جاتا ہے تو ان امراض سے وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے۔

قال فی المفتاح ان تطاول ذٰلک فلم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ

مفتاح میں کہا کہ اگر وہ بیماری لمبی ہو جائے تو اس سے موت کا خوف نہیں رہتا۔ یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کیلئے

لہ ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۳

ای الاخیرۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ اھ[1] ونقلہ الائمۃ المذکورون واقروا علیہ۔

وضاحت کرنے والا ہے اس کو ائمہ مذکورہ نے نقل فرمایا اور اس کو برقرار رکھا۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

لیس قولہ ولم یخف منہ الموت تقییدا بل بیانا لحال ذٰلک المرض عند طولہ[2]۔

اس کا قول تو اس سے موت کا خوف نہ ہو یہ تقیید نہیں بلکہ بیماری کے لمبا ہوجانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔ (ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں تخصیص کی کہ فالج وغیرہ امراض جو اول اول شروع ہوتے ہیں تو اس وقت خوفِ ہلاک ہوتا ہے،

حیث قال والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول اذا تطاول ذٰلک فصار بحال لایخاف منہ الموت فہو کالصحیح حتی تصح ہبتہ من جمیع المال واما فی اول ما اصابہ اذا مات من ذٰلک فی تلک الایام وقد صار صاحب فراش فہو مریض یخاف بہ الہلاک[3] انتہی ملخصا قولہ فصار بحال یخاف منہ الموت الفاء للتفریع یعنی ان التطاول یتضوع علیہ عدم الخوف بل اذا قید فی الاٰخر باول ما اصابہ۔

جہاں فرمایا کہ اقعاد، فالج، لنج اور تپ دق کے مریضوں کی بیماری جب لمبی ہوجائے اور وہ اس حال میں ہوجائیں کہ موت کا خوف نہ رہے تو وہ صحت مند کے حکم میں ہیں یہاں تک کہ ان کا تمام مال کو ہبہ کردینا صحیح ہے لیکن جب شروع میں یہ بیماریاں لاحق ہوں تو وہ اسی بیماری کی وجہ سے انہی دنوں میں مرجائے تحقیق وہ صاحبِ فراش ہوا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس سے موت کا خوف ہوتا ہے انتہی تلخیص، اس کا قول کہ "وہ مریض اس حال میں ہوجائے کہ خوفِ موت نہ رہے" اس میں فصار پر فاء تفریع کے لئے ہے یعنی بیماری کے لمبے ہونے پر عدمِ خوف متفرع ہوتا ہے (ت)

اور اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیسے بعض کا قول ہے تاہم نفس خوف موت بالاجماع کافی نہیں کیونکہ اس قدر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ الحموی کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[2] " " " " " " " " " " " "

[3] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۹

سے تو کوئی مفلوج ومدقوق ومسلول کبھی خالی نہیں ہوتا اگرچہ سالہا سال گزر جائیں پھر اس قید کے لگانے سے کیا فائدہ ہوگا بلکہ اعلیٰ درجہ کا خوف واندیشۂ شدید درکار ہے۔

فی رد المحتار عن الکفایۃ ثم المراد من الخوف الغالب منہ لا نفس الخوف[1]

ردالمحتار میں کفایہ کے حوالے سے منقول ہے، پھر خوف سے مراد اس کا غلبہ ہے نہ کہ نفسِ خوف۔ (ت)

اور اس خوف کی امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی وغیرہ علمائے یوں تفسیر کی کہ جب ان امراض سے یہ نوبت پہنچے کہ اپنی حوائج کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے تو اس وقت خوف موت کہا جائیگا۔

فی تنویر الابصار من غالب حالہ الھلاک بمرض او غیرہ بان اضناہ مرض عجز بہ عن اقامۃ مصالحہ خارج البیت[2]

تنویر الابصار میں ہے کہ غالب حال اس کا ہلاکت ہو بیماری سے یا اس کے غیر سے اس طور پر کہ بیماری نے اس کو اسی قدر کمزور کر دیا ہو جس سے گھر کے باہر وہ اپنے معاملات وضروریات قائم رکھنے سے عاجز ہوگیا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد[3]

یہی زیادہ صحیح ہے جیسے فقیہ مسجد کی طرف آنے سے عاجز ہوجائے۔ (ت)

اور اس قید کے لگانے کے بعد بھی امام شامی فرماتے ہیں:

فان قلت ان مرض الموت ھو الذی یتصل بہ الموت فما فائدۃ تعریفہ بما ذکرت قلت فائدتہ ان قد تطول سنۃ فاکثر کما یأتی فلا یسمی مرض الموت وان اتصل

اگر تُو کہے کہ مرض الموت تو وہ ہے جس کے ساتھ موت مقترن ہو۔ پھر موت کی یہ تعریف جو ذکر کی گئی اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بیماری کبھی سال یا اس سے زائد عرصہ تک لمبی ہوجاتی ہے جیسا کہ آرہا ہے تو اس بیماری کو مرض الموت نہیں

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۵

[3] " " " " " " " " " "

به السموت[1] کہا جاتا اگرچہ اس کے ساتھ موت مقترن ہو جائے (ت)

اور اس خوف کی دو تمثیلیں درمختار میں یہ لکھیں کہ جہاز پر سوار تھا جہاز ٹوٹ گیا ایک تختہ پر بہتا رہ گیا یا شیر نے حملہ کیا اور اُسے اپنے منہ میں لے لیا تو جب تک اس کے منہ میں ہے وہ وقت اس خوف کا ہے۔

حیث قال اوبقی علی لوح من السفینۃ اوافترسہ سبع وبقی فی فیہ[2] جہاں فرمایا کہ وہ کشتی کے ایک تختہ پر پڑا رہ گیا یا کسی درندے نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور ابھی تک اسی حال میں باقی ہے۔ (ت)

بالجملہ مجرد خوف بالاجماع کافی نہیں بلکہ اس قسم کا خوف ہونا چاہئے جیسے گھڑی ساعت کا نقشہ کہتے ہیں وہ مرض الموت گنا جائے گا اور یہ بات اُسی وقت ہے جب صاحبِ فراش ہو جائے یا گھر سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رہی مثلاً عالم ہو تو مسجد تک نہ جاسکے، اسی طرح ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے نقل کرتے ہیں۔

من بہ بعض مرض یشتکی منہ وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق ویقضی مصالحہ لایکون بہ مریضا مرض الموت وتعتبر تبرعاتہ من کل مالہ واذا باع لوارثہ اووھبہ لایتوقف علی اجازۃ باقی الورثۃ[3] جس شخص کو کچھ بیماری ہے جس کی شکایت وہ کرتا ہے اور لبسا اوقات وہ بازار کی طرف نکلتا ہے اور اپنے امور سرانجام دیتا ہے، اس سے وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے تمام مال میں اس کے تبرعات معتبر ہوں گے۔ جب وہ کسی وارث سے بیع کرے یا اس کو کچھ ہبہ کرے تو یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا (ت)

اور فتاوٰی خیریہ میں ہے:

حیث کان بالوصف المذکور وھو انہ ای المرض لایمنع الخروج لقضاء حوائجہ فھبتہ لاحد اولادہ وبیعہ لبقیتھم بالغبن مطلقا صحیح نافذ باجماع علمائنا جب وہ وصف مذکور سے متصف ہے اور اس کا مرض اسے اپنی ضرورت کی ادائیگی سے نہیں روکتا تو اس کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کیلئے بیع کرنا مطلقاً بالاجماع صحیح اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰ و ۵۲۱
[2] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۶
[3] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۱

27

صرحوا به فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح فرمائی جیسے دق، سل اور فالج وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو عارضہ فالج ہوا اور وہ عروض عارضہ کے ساڑھے تین برس بعد بیع یا ہبہ یا کوئی تصرف وارث یا غیر وارث کسی کے نام کرے تو وہ تصرف شرعاً جائز رہے گا یا نہیں اور مرض شرعاً مرض الموت قرار پائے گا یا غیر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہمارے ائمہ کرام نے فالج و دق و سل وغیرہا امراض مزمنہ کے مرض الموت ہونے کے لئے سال بھر کی حد مقرر فرمائی ہے اگر اس کے اندر موت ہو تو وہ مرض الموت قرار پاتے ہیں اور جب ایک سال سے تجاوز ہو جائے تو اس مریض کا حکم شرعاً بعینہٖ مثل صحیح و تندرست کے ٹھہرتا ہے اور جو کچھ تصرفات بیع خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث خواہ غیر وارث کسی کے نام کرے مثل تصرفات صحیح کے صحیح و نافذ قرار پاتا ہے۔

فی الفتاوی للامام قاضی خان اذا تصرف بعد سنۃ فھو کالصحیح یجوز تصرفاتہ انتہی[2]، وفی الفتاوی العالمگیریۃ عن فتاوی التمرتاشی فسر اصحابنا التطاول بالسنۃ فاذا بقی علی ھذہ العلۃ سنۃ فتصرفہ بعد سنۃ کتصرفہ حال صحتہ[3] وفی الطحاوی فی مختصرہ وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ للعلامۃ

امام قاضی خان کے فتاوی میں ہے جب مریض نے ایک سال بعد تصرف کیا تو وہ صحیح کی مثل ہے اور اس کے تصرفات جائز ہیں انتہی۔ فتاوی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوی تمرتاشی مذکور ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے، اگر وہ اس بیماری پر ایک سال قائم رہا تو سال کے بعد اس کے تصرفات ایسے ہی ہونگے جیسے تصرفات وہ حالت صحت میں کرتا تھا۔ طحاوی اس کی مختصر اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ

---

[1] الفتاوی الخیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۸

[2] فتاوی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفۃ رجل الخ نولکشور لکھنؤ ۴/۸۴۰

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۶۳

الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ فتسوا التطاول بسنۃ فلو تصرف بعد سنۃ من مرضہ فھو کتصرفاتہ حال الصحۃ ھٰکذا کان شیخنا ابو عبد اللہ الجرجانی یقول ھذا لفظ الواقعات وبھذا اللفظ اوردہ فی جامع الفتاوی عمادیۃ[1] الخ۔ وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ المصرح بہ فی غیر ما کتاب من کتب ابی حنیفۃ ان المقعد والمفلوج والمسلول اذا اتصف کل داء منھم بالطول فحکم تصرف کل واحد منھم حکم تصرف الصحیح کما صرح بہ فی الجامع الصغیر فکان ھو الصحیح فاذا علمت ذٰلک علمت ان المدۃ المذکورۃ فوق ما قدروہ اضعافا فان اصحابنا قدروا المرض یطول بعام والمدۃ سبعۃ اعوام والاشھر الزوائد وقع زائدھا الیھا مضافا لاسیما مع کونہ یخرج ویجیئ فی حوائجہ ویقضی من ذٰلک بعض مصالحہ فاذا ثبت ذٰلک لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ما صدر منہ مع زوجتہ واذا تعارضت بینۃ

طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے اگر اس نے سال کے بعد حالت مرض میں تصرف کیا تو وہ اس کے حالت صحت میں کئے ہوئے تصرفات کی مثل ہے۔ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ جرجانی یونہی فرماتے تھے یہ لفظ واقعات کے ہیں اور انہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوٰی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج، مفلوج اور سِل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو ان میں سے ہر ایک کا تصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویا کہ وہ صحت مند ہے۔ جب تُو نے یہ جان لیا تو سمجھ لیا ہوگا کہ مدت مذکورہ ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ ہمارے علمائے طوالت مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدت مذکورہ سات سال اور کچھ ماہ مزید ہے، یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصًا جبکہ مریض گھر سے نکلتا اور اپنی ضروریات کے لئے آتا جاتا ہے اور بعض ضروریات کو ادا کرتا ہے، جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہو گیا تو کچھ معاملہ اس مریض کا اپنی بیوی کے ساتھ صادر ہوا وہ صحیح ہو گیا۔ اگر صحت ومرض کے گواہوں میں

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۶۶

الصحة والمرض فالبينة الصادرة من
الزوجة بانه كان فی صحته مرجحة
لانها المدعية والورثة ينكرون و
البينة للمدعی لا للمنكر صرح به غير ما واحد
من علمائنا وحيث طال ما به واتصف
بما فهمنا به نفذ جميع تصرفه مع
الزوجة باتفاق اهل المذهب وائمته
والنظر الی العمل بعبارة المكلف
اولی من اهدارها والحاقه بالحيوانات
وكلامه بجوارها والله اعلم ۔ وفی
الدرر للعلامة خسرو هذه امراض
مزمنة فمن عرض له واحد منها
وتصرف بشیئ من التبرعات
ثم مات قبل تمام سنة مشتملة
علی الفصول الاربعة كان المرض
مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث
وان مات بعد تمامها
لم يكن مرض الموت
لانه اذا سلم فی الفصول
التی كل منها مظنة الهلاك
صار المرض بمنزلة طبع
من طبائعه وخرج صاحبه
من احكام المرض حتی

تعارض ہو تو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کئے گئے
گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر
ہیں جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ ہمارے
متعدد علمائے اس کی تصریح کی ہے۔ جب اس کی
بیماری طوالت اختیار کرگئی اور وہ سال سے بڑھ گئی
تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ
ہوگئے۔ اس پر تمام اہل مذہب اور ائمہ مذہب
کا اتفاق ہے۔ مکلف کی عبارت قابلِ عمل بنانا
اس کو لغو قرار دے کر مکلف کو حیوانات اور اسکے
کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے
اولٰی ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ علامہ
خسرو کی درر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں
اگر کسی کو کوئی لاحق ہوجائے اور وہ حالت مرض
میں تبرعات میں کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو
چار موسموں پر مشتمل سال پورا ہونے سے پہلے
وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار
پائے گی اور ایک تہائی مال میں اسکے تصرفات
معتبر ہوں گے۔ اور اگر وہ بیماری کو سال پورا ہونے
کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی
اس لئے کہ جب وُہ چاروں موسموں میں سلامت
رہا حالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا
تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی
چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۶ و ۷۷

لایشتغل بالتداوی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑ دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص کو فالج ہو کہ ہاتھ پاؤں بالکل رہ جائیں اور زبان تکلم پر قادر نہ ہو پھر علاج سے دست و پا مطلقاً صحیح ہوجائیں اور زبان بھی تعبیر مطلب سے عاجز نہ ہو اپنی حوائج کے لئے اندر باہر آئے جائے چلے پھرے سفر کرے صرف زبان پر بقیہ مرض کے سبب گونہ ثقل تکلم باقی ہو اور حدوث مرض کو ساڑھے تین برس گزر چکے ہوں ایسی حالت میں وہ کوئی تصرف بیع یا ہبہ یا کچھ اور وارث خواہ غیر وارث کے نام کرے تو وہ تصرف شرعاً صحیح و نافذ قرار پائے گا یا نہیں اور ایک سال گزرنے کے بعد فالج مرض الموت رہتا ہے یا نہیں؟ اور بعض نے جو قید عدم خوف موت کی لگائی ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ شخص بالاجماع شرعاً صحیح و تندرست ہے اور اس کے تمام تصرفات کیسے ہی ہوں اور کسی کے ساتھ ہوں مثل تصرفات صحیح مطلق صحیح نافذ کہ اول عامہ کتب میں سال گزرنے کے بعد فالج و دق و سل وغیرہ کو مرض موت قرار ہی نہ دیا اور سائل کہتا ہے کہ یہاں ساڑھے تین برس گزر چکے تھے،

فی الفتاوی الامام قاضیخان اذا تصرف بعد سنۃ فھو کالصحیح یجوز تصرفاتہ[2] انتہی، و فی الفتاوی العالمگیریۃ عن فتاوی التمرتاشی فسر اصحابنا التطاول بالسنۃ فاذا بقی علی ھذہ العلۃ سنۃ فتصرفہ بعد سنۃ کتصرفہ حال

فتاوی امام قاضی خان میں ہے کہ مریض جب سال بعد تصرف کرے تو وہ صحت مند کی طرح ہے اور اس کے تصرفات جائز ہیں، انتہی۔ فتاوی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوی تمرتاشی ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے۔ جب مریض ایک سال تک بیماری پر قائم رہا تو سال کے بعد اسکے تصرفات اس کی حالت صحت میں کئے ہوئے تصرفات

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۴۳۲
[2] فتاوی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۴/۸۴۰

صحتہ[1]، وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة معنی قوله طال ذٰلك ان اداه سنة وکذا صاحب السل اذا اتی علیه سنة فهو بمنزلة الصحیح ھٰکذا ذکر عن ابی العباس الشماس وکذا ذکر الطحاوی فی مختصرہ[2] وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة للعلامة الشامی رحمة اللہ علیه فسر التطاول بسنة فلو تصرف بعد سنة من مرضه فهو کتصرفاته حال الصحة ھکذا کان شیخنا ابوعبد اللہ الجرجانی یقول ھذا لفظ الواقعات بهذا اللفظ اوردہ فی جامع الفتاوی عمادیة الخ[3]، وفی الفتاوی الخیریة لنفع البریة المصرح به فی غیر ما کتاب من کتب الحنفیة ان المقعد والمفلوج والمسلول اذا تقدم کل داء منهم با لطول فحکم تصرف کل واحد منهم حکم تصرف الصحیح کما صرح به فی جامع الصغیر فکان هو الصحیح فاذا علمت ذٰلك علمت ان

کی مثل ہیں۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے۔ اس کے قول "اس کی بیماری لمبی ہوگئی" کا معنٰی یہ ہے کہ اس کو سال ہوگیا۔ یونہی سل کی بیماری والے کو جب حالتِ مرض میں سال گزر جائے تو بمنزلہ صحتمند کے ہے، یوں ہی مذکور ہے ابوالعباس الشماس سے اور اسی طرح امام طحاوی نے اپنی مختصر میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ علامہ شامی کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے۔ لہذا اگر کوئی اپنی بیماری کے سال بعد تصرف کرے تو حالتِ صحت میں تصرفات کی مثل ہوگا۔ یونہی ہمارے شیخ ابوعبداللہ جرجانی کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ واقعات کے ہیں اور ان ہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج، مفلوج اور سل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہوجائے تو ان میں سے ہر ایک کا تصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویا کہ وہ صحتمند ہے۔ جب تُو نے یہ جان لیا تو سمجھ لیا ہوگا کہ مدت مذکورہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۶۳
[2] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۶۶
[3] " " " " " " " " " " " " " " " " " "

المدۃ المذکورۃ فوق ما قدروہ اضعافا فان اصحابنا قدروا المرض الذی یطول بعام والمدۃ سبعۃ اعوام والاشھر الزوائد وقع زائدھا الیھا مضافا لاسیما مع کونہ یخرج ویجیئ فی حوائجہ ویقضی من ذٰلک بعض مصالحہ فاذا ثبت ذٰلک لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ما صدر منہ مع زوجتہ واذا تعارضت بینۃ الصحۃ والمرض فالبینۃ الصادرۃ من الزوجۃ بانہ کان فی صحۃ مرجحۃ لانھا المدعیۃ والورثۃ ینکرون والبینۃ للمدعی لا للمنکر صرح بہ غیر ما واحد من علمائنا وحیث طال ما بہ واتصف بما ذکرنا بہ نفذ جمیع تصرفہ مع زوجتہ باتفاق اھل المذھب وائمتہ والنظر الی العمل بعبارۃ المکلف اولٰی من اھدارھا والحاقہ بالحیوانات وکلامہ بحوارھا[1] واللہ اعلم۔ وفی الدرر للعلامۃ خسرو ھٰذہ امراض مزمنۃ فمن عرض لہ واحد منھا وتصرف بشیئ من التبرعات ثم

ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ ہمارے علمائے طوالتِ مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدتِ مذکورہ سات سال اور کچھ ماہ مزید ہے، یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصاً جبکہ مریض گھر سے نکلتا اور اپنی ضروریات کیلئے آتا جاتا ہے اور بعض ضروریات کو ادا کرتا ہے۔ جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہوگیا تو کچھ معاملہ اس مریض کا اپنی بیوی کے ساتھ صادر ہوا وہ صحیح ہوگیا۔ اگر صحت ومرض کے گواہوں میں تعارض ہو تو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کئے گئے گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر ہیں، جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ ہمارے متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے، جب اسکی بیماری طوالت اختیار کرگئی اور وہ سال سے بڑھ گئی تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ ہوگئے۔ اس پر تمام اہلِ مذہب اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے۔ مکلف کی عبارت قابلِ عمل بنانا اس کو لغو قرار دے کر مکلف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے اولٰی ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور علامہ خسرو کی دُرر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں سے اگر کوئی کسی کو لاحق ہوجائے اور وہ حالتِ مرض میں تبرعات میں

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۷۶ و ۷۷

مات قبل تمام سنة مشتملة على الفصول الاربعة كان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعد تمامها لم يكن مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول وفی کل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المرض حتی لایشتغل بالتداوی۔[1]

کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو چار موسموں پر مشتمل سال پُورا ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار پائے گی اور ایک تہائی سال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے۔ اور اگر وہ بیماری کو سال پُورا ہونے کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی، اس لئے کہ جب وہ چاروں موسموں میں سلامت رہا حالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑ دیا۔ (ت)

یہاں تک کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اطلاق متون وشروح پر نظر کرکے تصریح فرمادی کہ فالج وغیرہ کو بعد تطاول وازمان مرض موت نہ کہنا چاہئے اگرچہ صاحبِ فراش ہو اور چلنے پھرنے سے معذور کردیں،

حیث قال فی المعراج وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذلك علی ان لا یقدر ان یذهب فی حوائج نفسه خارج الدار اھ اقول والظاهر انه مقید بغیر الامراض المزمنة التی طالت ولم یخف منها کالفالج ونحوه وان صیرته ذا فراش ومنعته عن الذهاب فی حوائجه فلایخالف ما جری علیه اصحاب المتون والشروح هنا تأمل[2] انتهی ملخصا۔

جہاں معراج میں کہا کہ صاحبِ منظومہ سے سوال کیا گیا کہ مرض الموت کی حد کیا ہے، تو انھوں نے فرمایا اس مسئلہ میں ہمارا اعتماد اس پر ہے کہ مریض اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے پر قادر نہ ہو الخ، میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم امراض طویلہ کے غیر کے ساتھ مقید ہے جن کی طوالت اس حد تک ہوجاتی ہے کہ موت کا خوف جاتا رہتا ہے جیسے فالج وغیرہ اگرچہ یہ مریض کو صاحبِ فراش بنادیں اور اسکو اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے سے روک دیں لہذا یہ اس کے خلاف نہ ہوا جس پر اصحابِ متون وشروح قائم ہیں، یہاں غور کرو، انتہی (تلخیص)۔ (ت)

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۴۳۱، ۴۳۲

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۳

اور بعض کتب میں کہ عدم خوف موت کی قید کرکے اکابر علماء ارشاد فرماتے ہیں یہ کوئی قید جداگانہ نہیں بلکہ مجرد ایضاح وبیان واقع ہے یعنی طول سنۃ کے بعد مریض کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ وہ مرض طبعی ہوجاتا ہے اور خوف موت کا غلبہ نہیں رہتا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں :

والظاھر ان قولہ کالفالج الخ تصویر للمرض اذا الحال ولم یخف منہ الموت و لیس قولہ ولم یخف منہ الموت تقییدا بل بیانا لحال ذٰلک المرض عند طولہ ثم رأیت الحموی فی شرحہ قال ان تطاول ذٰلک فلم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ ای الاخیرۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ ونقلہ عن المفتاح انتہی[1]

ظاہر یہ ہے کہ اس کا قول کالفالج (مثل فالج کے) مرض کی صورت کا بیان ہے اس لئے کہ طوالت مرض کے سبب مریض کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ اس پر موت کا خوف نہیں رہتا۔ اور اس کا قول کہ "اس کو موت کا خوف نہیں رہتا" تقیید نہیں بلکہ اس مرض کے لمبا ہوجانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔ پھر میں نے حموی کو دیکھا انھوں نے اس کی شرح میں یوں کہا کہ اگر بیماری لمبی ہوجائے تو موت کا خوف نہیں رہتا۔ یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے۔ یہ مفتاح سے منقول ہے، انتہی۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے :

قولہ و لم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ حموی عن المفتاح[2]

اس کا قول کہ "اس سے موت کا خوف نہیں رہتا" یہ جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے، اس کو حموی نے مفتاح سے نقل کیا ہے (ت)

آخر نہ دیکھا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سال گزرنے کے بعد فالج وغیرہ کو لم یخف منہ الموت (اس کو موت کا خوف نہیں رہتا۔ ت) کی مثال میں داخل فرمایا اگرچہ اس حد کو پہنچ گئے ہوں کہ چلنے پھرنے سے معذور اور صاحب فراش کردیں کما سبق نقلہ اٰنفا فافھم وتدبر (جیسا کہ اس کا منقول ہونا ابھی گزرا ہے۔ غور وتدبر کرو۔ ت) اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم ابھی درر علامہ خسرو سے نقل کر آئے۔ عالمگیریہ میں تصریح ہے کہ شروع مرض فالج میں خوف ہلاک ہوتا ہے اور بعد تطاول کے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ، کوئٹہ ۴/ ۳۲۰
[2] " " " " " " " " " "

وہ مریض مثل صحیح کے گنا جاتا ہے۔

حیث قال والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ذٰلک فصار بحال لا یخاف منه فھو کالصحیح حتی تصح ھبته من جمیع المال واما فی اول ما اصابه اذا مات عن ذٰلک فی تلک الایام وقد صار صاحب الفراش فھو مریض یخاف به الھلاک[1] انتھی ملخصا۔

جہاں فرمایا اقعاد، فالج اور سل کے مریضوں کا مرض جب لمبا ہوجائے اور وہ اس حال میں پہنچ جائے اس سے موت کا خوف نہ رہے تو وہ صحتمند کی طرح ہوجاتا ہے یہاں تک کہ کل مال میں اس کا ہبہ صحیح ہوتا ہے لیکن شروع میں جب امراض ہوتے ہیں اگر انہی ایام میں مریض مرگیا درانحالیکہ وہ صاحبِ فراش تھا تو وہ ایسا مریض ہوتا ہے جس کو موت کا خوف عارض ہوتا ہے انتہی تلخیص (ت)

ثانیًا، اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیسا کہ فاضل قہستانی کا گمان ہے تاہم مجرد خوف اندیشہ سے مرض الموت نہ ہوجائے گا کیونکہ اس قدر سے تو کوئی مفلوج و مدقوق و مسلول خالی کبھی نہیں ہوتے اگرچہ دس برس گزرجائیں بلکہ خوف غالب و اندیشہ شدید درکار ہے۔

فی ردالمحتار عن الکفایة ثم المراد من الخوف الغالب منه لا نفس الخوف[2]

ردالمحتار میں بحوالہ کفایہ ہے۔ پھر خوف سے مراد اس کا غلبہ ہے نہ کہ نفس خوف۔ (ت)

اور اس خوف کو فاضل قہستانی نے یوں تفسیر کیا کہ اگر روز بروز حال اُس کا بدتر اور مرض ترقی پذیر ہوتا جائے تو اسے مرض کہیں گے۔

حیث قال وان لم یکن واحد منھا بان لم یطل مدته بان مات قبل سنة او خیف موته بان یزداد یومًا فیومًا[3] انتھی۔

جہاں فرمایا اگر ان مریضوں میں سے کوئی اس حال میں نہ ہو کہ اس کی موت مؤخر ہوگئی ہو بایں طور کہ وہ سال گزرنے سے پہلے مرگیا ہو یا اس کو موت کا خوف لاحق ہو بایں طور دن بدن بیماری بڑھ رہی ہو۔ انتہی (ت)

بالجملہ اگر اطلاق و توجیہ جماہیر علماء کی طرف لحاظ کریں جب تو ساڑھے تین برس گزرنا ہی صحت و نفاذ تصرفات کے لئے بس ہے اور اگر رائے فاضل قہستانی پر عمل کیا جائے تو صورت مستفسرہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ نورانی کتبخانہ پشاور ۶/ ۱۰۹
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳
[3] جامع الرموز " مکتبۃ الاسلامیۃ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۸۲

میں جو معنی خوف موت کے علمائے قرار دئے ہیں ہرگز موجود نہ تھے کہ مرض پہلے سے بہت کم تھا اور اپنے حوائج کیلئے آنا جانا چلنا پھرنا سفر کرنا علاوہ۔

فی ردالمحتار عن الاسمٰعیلیۃ من بہ بعض مرض یشتکی منہ وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق ویقضی مصالحہ لایکون بہ مریضا مرض الموت وتعتبر تبرعاتہ من مالہ واذا باع لوارثہ اووھبہ لایتوقف علی اجازۃ باقی الورثۃ[1] وفی العقود الدریۃ سئل فی مفلوج تطاول بہ فلجہ قدر ثلث سنین فوھب فی ھذہ الحالۃ جمیع مالہ من زید وارثہ وسلمہ ذٰلک ثم مات بعد عدۃ اشھر عنہ لاغیر فھل الھبۃ صحیحۃ الجواب نعم والمفلوج الذی لایزداد مرضہ کل یوم فھو کالصحیح کما فی الخانیۃ[2] وفی الفتاوی الخیریۃ حیث کان بالوصف المذکور وھو انہ ای المرض لایمنعہ الخروج لقضاء حوائجہ فھبتہ لاحد اولادہ وبیعہ لبقیتھم بالغبن مطلقا صحیح نافذ صرحوا بہ فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج[3] الخ۔

ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے منقول ہے جو شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو اور بازار کی طرف جاتا ہے اور اپنی حوائج کو پورا کرتا ہے تو وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہے۔ اس کے مال میں تبرعات معتبر ہیں۔ جب وہ اپنے کسی وارث سے بیع کرے یا ہبہ کرے وہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔ عقود دریہ میں ہے ایسے مفلوج کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا مرض فالج تین سال تک لمبا ہوگیا۔ اس نے اسی حالت میں اپنا تمام مال اپنے ایک وارث زید کو ہبہ کرکے اس کے حوالے کر دیا۔ پھر اس کے چند ماہ بعد وہ مرگیا تو کیا اس کا یہ ہبہ صحیح ہوگیا۔ جواب یہ ہے کہ ہاں، اور وہ مفلوج جس کا مرض ہر روز بڑھ نہ رہا ہو وہ صحتمند کی مثل ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے جب وہ وصف مذکور پر ہے اور اس کا مرض ضروریات پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلنے سے مانع نہیں تو اس کا اپنی اولاد میں سے ایک کے لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کے لئے غبن کے ساتھ بیع کرنا مطلقاً صحیح اور نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح کی ہے جیسے تپ دق، سل اور فالج الخ۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۶۱
[2] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۷
[3] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۸

پس باتفاق روایات و باجماع ائمہ صورت مسئولہ میں وُہ مرض مرضِ موت نہ تھا اور وہ تصرفات بیع ہوں خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث کے ساتھ ہوں خواہ غیروارث کے ساتھ ہوں قطعاً مطلقاً صحیح و نافذ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷

۶؍ ۸؍

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دُکان کہ قریب سولہ سو ۱۶۰۰ روپیہ کی قیمت کی تھی چھ سو روپیہ کو اپنے شوہر و دختر کے ہاتھ بیع کی بعد پندرہ روز کے مرگئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیع صحیح نہیں کہ مرضِ موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ تو برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں۔

فی التلویح لوباع من احد الورثۃ عینا من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلایجوز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انتہی ملخصا۔[1]

تلویح میں ہے اگر کسی وارث کے ہاتھ ترکہ کی کوئی معین شئی اس کی برابر قیمت کے ساتھ بیچی تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں انتہی، تلخیص۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں کل مہر اپنا شوہر کو بخش دیا صرف اس میں سے پانسو روپیہ ۵۰۰ پانچ دینار کی نسبت کہا کہ اس قدر میں معاف نہیں کرتی اس کے مالک بعد میرے میرے والدین ہیں پس ازاں ہندہ نے زوج و والدین و چار خواہر چھوڑ کر انتقال کیا اب مادر و پدرِ ہندہ معافیٔ مہر اور شوہر اُن پانسو روپیہ پانچ دینار کے والدین کو دینے میں کلام کرتا ہے اس صورت میں ترکہ ہندہ کس حساب سے تقسیم ہوگا اور اُس قدر مہر معاف اور مابقی کی وصیت کہ والدین کو کی تھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] التوضیح والتلویح مع الحاشیۃ التوضیح فصل فی الامور المعترضۃ علی الاھلیۃ سادسہا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۶۹۳

الجواب

صورتِ مسئولہ میں ہبۂ مہر شوہر کو کہ ہندہ سے اس کی مرض موت میں واقع ہوا تھا اور ورثہ باقین اس کی اجازت نہیں دیتے باطل ہوگیا اسی طرح ان پانسو روپیہ پانچ دینار کی وصیت کہ والدین کے لئے کی تھی اسی وجہ سے صحیح نہ رہی کما ھو مصرح فی کتب الفقہ (جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے) پس کل مہر ہندہ ذمہ شوہر لازم اور اس کے ترکہ میں سب وارث مشترک بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کالدین والوصیۃ الصحیحۃ (جیسے قرض اور صحیح وصیت) کل مہر ہندہ اور جو کچھ اس کا ترکہ ہو چھ سہام پر منقسم ہوکر تین سہم زوج اور ایک مادر اور دو پدر کو ملیں گے اور خواہروں کو کچھ نہ پہنچے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قریب موت کے ایک وارث کو منجملہ اور ورثہ کے زبانی وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو مال میرا ملے اور فلاں وارث کو نہ ملے، یہ وصیت درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وصیت مذکورہ کو ورثہ میت سے کوئی عاقل بالغ روا نہیں رکھتا تو وہ وصیت اس وارث موصی لہ کے حصہ میں باطل محض ہوگئی اور ان وارثوں میں کوئی مجنون یا نابالغ اجازت کو روا رکھتا ہے تو نامعتبر ہے اور جو سب وارث جائز رکھتے ہیں اور وہ سب عاقل بالغ ہیں تو وصیت مذکورہ حق موصی لہ میں تمام وکمال وجائز ونافذ ہو جائے گی پس بعد ادائے دیون مقدمہ علی الوصایا اگر ذمہ میت ہوں کل یا بعض جس قدر کی نسبت وصیت کی ہے اس وارث موصی لہ کو دیا جائے گا اور جو ان میں بعض جائز رکھتے اور بعض ناجائز تو جو جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں بقدر ان کے حصص کے وصیت نافذ ہو جائے گی اور بقدر حصوں اجازت نہ دینے والوں اور اطفال ومجانین کے اگرچہ وہ جائز بھی رکھیں باطل وکان لم یکن (گویا کہ ہوئی ہی نہیں۔ ت) تصور کی جائے گی اور میت کا یہ کہنا کہ فلاں وارث کو میرا مال نہ ملے محض لغو وعبث ہے توریث ورثہ بحکم شرع ہے کہ کسی کے ابطال سے اس کا بطلان ممکن نہیں۔ حتی کہ خود وارث کو اختیار نہیں کہ حق ارث سے دستبردار ہو کما صرح بہ العلماء قاطبۃ، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم (جیسا کہ تمام علماء اس کی تصریح فرما چکے ہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی قدر روپیہ اپنے برادر حقیقی عمرو کے پاس کسی مقام سے حالت صحت خود مرض الموت میں بطور امانت بھیجا اور بذریعہ خطوط واسطے نگہداشت امانت کے اکثر تاکید کو دم واپسیں تک کام فرمایا اور دو ایک خط میں عمرو اور بکر برادر زادے اپنے کو یہ بھی لکھا کہ تم دونوں اس روپیہ کو آپس میں تقسیم کرلینا اور اُسی طرح حفظ امانت کی تاکید کی۔ اب زید نے انتقال کیا اور سوا عمرو کے کوئی وارث اُس کا نہیں پس عند الشرع زر امانت کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں یہ وصیت بکر و عمرو دونوں موصی لہما کے حق میں صحیح ہوگئی۔

فی الدرعن ابن الکمال والولوالجیۃ لواوصی لزوجتہ اوھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ[1] الخ۔

در میں کمال اور ولوالجیہ کے حوالہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی یا بیوی نے اپنے شوہر کیلئے اور کوئی دوسرا وارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہے الخ (ت)

پس اگر نصف اس زرِ امانت کا کل متروکہ زید کے بعد ادا باقی رہا ہو ثلث سے زائد نہیں یا زائد ہے مگر عمرو اس زیادت کو حق بکر میں جائز رکھتا ہے تو وہ زر امانت عمرو و بکر میں بالمناصفہ تقسیم ہوجائے گا ورنہ اس روپیہ سے بقدر ثلث متروکہ مذکورہ کے بکر کو دیا جائے باقیماندہ سب عمرو کا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱

۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جائداد اور چند اولاد نابالغ اور ایک پسر جوان لائق نیک اطوار چھوڑا جس نے بعد پدر اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو مثل اپنے بچّوں کے پرورش کیا اور ان کے مال کی نگہداشت اور ان کی غور و پرداخت میں بجان و دل مصروف رہا مگر زید نے اپنے بچّوں یا اُن کے مال کی نسبت کسی کو وصیت نہ کی تھی اس صورت میں ہمارے بلاد میں ابن کبیران نابالغوں کے اموال میں دیانت و امانت کے ساتھ تصرفاتِ جائزہ و شرعیہ کا اختیار

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۹

رکھے گا اور مثل وصی ماذون ومختار سمجھا جائے گا یا نہیں، اگر نہیں تو اُن اولاد و جائداد کا اختیار کسے دیا جائیگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

اقول متوکلا علی العلیم الخبیر الکریم الاکرم مستجیرا بذیل کرمہ عن زیغ البصر و زلۃ القدم۔

میں علیم وخبیر اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانیوالے پر توکل کرتے ہوئے اور آنکھ کی کجی اور قدم کی لغزش سے اس کے دامنِ کرم کی پناہ مانگتے ہوئے کہتا ہوں۔ (ت)

ہمارے بلاد میں جبکہ یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو نہ حقیقی دادا نہ دادا کا وصی تو اُن کا حقیقی جوان بھائی اگر لائق و امین ہو مثل وصی سمجھا جائے گا، اور امانت و دیانت اور بچّوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ جن تصرفات کا شرعًا وصی کو اختیار رہتا ہے اسے بھی ہوگا اگرچہ صراحۃً باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو کہ یہاں عرفًا و دلالۃً وصایت ثابت ہے ہمارے بلاد میں عادت فاشیہ جاری ہے کہ باپ کے بعد جوان بیٹے اموال و جائداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں لوگ اگر نابالغ بچّوں کے ساتھ کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہوں تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کا خبر گیراں موجود ہے اور صرف نابالغ ہی بچّے ہوں تو محزون و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کریگا یہ عادت دائرہ سائرہ دلالۃً اذن تعہد و تصرف ہے والثابت عرفًا کالثابت شرطًا (جو عرف کے اعتبار سے ثابت ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے شرع کے اعتبار سے ثابت ہو۔ ت) فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

لوان رجلا من اھل السکۃ تصرف فی مال المیت من البیع و الشراء ولم یکن لہ وارث ولا وصی الا ان ھذا الرجل یعلم انہ لو رفع الامر الی القاضی فان القاضی ینصبہ وصیا فاخذ ھذا الرجل المال ولم یرفع الامر الی القاضی وافسدہ حکی عن ابی نصر الدبوسی رحمہ اللہ تعالٰی

گلی والوں میں سے کوئی شخص میّت کے مال میں تصرف کرتا ہے جبکہ اس میّت کا کوئی وارث اور وصی نہیں، مگر یہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو قاضی اس شخص کو میّت کا وصی مقرر کردے گا، چنانچہ اس شخص نے میّت کا مال لے لیا اور معاملہ قاضی کے پاس نہ لے گیا اور مال کو خراب کردیا' ابونصر دبوسی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ اس

انه کان یجوز تصرف هذا الرجل[1] اه
اقول جواز تصرفه من دون وصایته بناء علی علمه ان لو رفع الی القاضی لنصبه لیس الا اعتمادًا علی صلاحیة الاذن عند القاضی مع عدم تحقق الاذن اصلا فالاعتماد علی اذن نفس المورث الواقع المتحقق دلالة بحکم العادة الفاشیة المطردة و مقاصد الناس المعروفة المعهودة اولی واجدر۔

شخص کا تصرف جائز ہے اھ میں کہتا ہوں وصی بنائے بغیر اس کے تصرف کا جواز اس بنیاد پر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ اسکو متولی مقرر کردیگا محض قاضی کے پاس صلاحیتِ اذن پر بھروسہ کرتے ہوئے ہے باوجودیکہ وہاں بالکل متحقق نہیں، تو پھر خود مورث کے اذن پر بھروسا کرنا جو کہ دلالۃً واقع ومتحقق ہے، اس عادت کے حکم سے جو لوگوں میں جاری وساری ہے اور ان مقاصد کے حکم سے جو لوگوں میں مشہور و معروف ہیں اولٰی اور زیادہ لائق ہے (ت)

اور بلاشبہہ قطعاً معلوم کہ جو لوگ مال واولاد صغار وکبار رکھتے ہیں عام حالت دیکھ کر خوب سمجھتے ہیں کہ یُوں ہی ہمارے بعد بھی ولدِ کبیر تعہد جائداد و پرورشِ اولاد میں ہمارا قائم مقام ہوگا بلکہ اس امر کی آرزو وتمنا رکھتے ہیں اور یقیناً اس پر راضی ہوتے ہیں اگر اُن سے کہا جائے تمہارے بعد تمہاری جائداد اور چھوٹے چھوٹے بچے اُن کے شقیق وشفیق یعنی تمہارے بیٹے سے چھین کر ایک اجنبی کو سپرد کر دیے جائیں جسے نہ مال کا درد ہو نہ بچوں پر ترس تو ہرگز ہرگز اس امر کو قبول نہ کریں گے تو عرفاً و دلالۃً اذن وتفویض متحقق اور بیشک اگر نظر فقہی سے کام لیجئے تو اس وصایت معروفہ کو معتبر رکھنے کی شدید ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کے ابطال میں مقاصدِ شرع کا بالکل خلاف بلکہ عکسِ مراد وقلبِ مقصود۔

وذلک لان عامة الناس فی بلادنا یموتون من دون تصریح بالایصاء ویخلفون اموالا وعقارا و اولادا صغارا لاجد لهم و ربما تکون فیهم بنات قاصرات فلو لم تعتبر الوصایا المعهودة التی یعلم کل احد

اور یہ اس لئے ہے کہ ہمارے شہروں میں لوگ صراحتاً وصیّت کئے بغیر فوت ہوجاتے ہیں جو اپنے پیچھے مال، جائداد اور چھوٹی ناسمجھ اولاد چھوڑ جاتے ہیں اُنکا دادا نہ ہو جن میں بسا اوقات نابالغ بچیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر یہ معروف وصیت معتبر نہ ہو جس کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے جب

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

اذا رجع الی وجدانه الصحیح ان المورث کان راضیا علیها وان لوسئل عنها لافصح بهالزم تلف الاموال والضیاع وضیاع الاولاد اذ لم یبق من یقوم بامرھم بحکم الشرع فاما ان یترك المال سائبة والاولاد ھملافھذا الضیاع المردود واما ان ینزع الامر من ید الشقیق الشفیق ویفوض الی اجنبی سحیق فھذا ھو قلب المراد وعکس المقصود فوجب المصیر الی ماقلنا والتعویل علی دلالة الاذن کما عولنا واللّٰہ الموفق۔

وہ اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے کہ مرنے والا اس پر راضی تھا اور اگر اس سے سوال کیا جاتا تو وہ اس کی تصریح کر دیتا تو اموال و اسباب کا برباد ہونا اور اولاد کا ضائع ہونا لازم آئے گا کیونکہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو بحکم شرع ان کے معاملات کا نگران ہو۔ اب یا تو اموال و اولاد کو بغیر نگران ومتولی کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اس کا ضائع کرنا ہے جو کہ مردود ہے پھر شفیق بھائی سے نگرانی واپس لے کر شکستہ دل اجنبی کو سونپ دی جائے تو مقصود ومراد کے برعکس ہوگیا، لہذا ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا اور دلالتِ اذن پر اعتماد کرنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانیوالا ہے۔ (ت)

بلکہ غمز العیون والبصائر میں ہے:

روی ان جماعة من اصحاب محمد بن الحسن رضی اللّٰہ تعالٰی عنه حجوا فمات واحد فاخذوا ما کان معه فباعوه فلما وصلوا الی محمد سألھم فذکروا له ذٰلك فقال لولم تفعلوا ذٰلك لم تکونوا فقھاء، وقرأ واللّٰہ یعلم المفسد من المصلح[1] اھ اقول فاذا ساغ تصرف احد من الرفقة

مروی ہے کہ امام محمد بن حسن علیہ الرحمہ کے اصحاب نے حج کیا اور ان میں سے ایک ساتھی مرگیا تو انہوں نے اس کا مال ومتاع جو اس کے پاس تھا فروخت کردیا۔ جب وہ امام محمد علیہ الرحمہ کے پاس پہنچے تو امام صاحب نے ان سے پوچھا انھوں نے یہ واقعہ آپ کو بتایا جس پر امام محمد نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم فقہاء نہ ہوتے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "اور اللہ تعالٰی فساد کرنیوالے کو سنوارنے والے سے" اھ۔

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۹

22

لعدم تیسر الرجوع الی القاضی فی الطریق فالاخ الماذون له دلالة مع انعدام القاضی الشرعی اصلا اولٰی عـــہ

میں کہتا ہوں جب راستے میں قاضی کی طرف رجوع میسر نہ ہونے کی صورت میں ایک ہمسفر کو تصرف کی اجازت ہے تو بھائی جوکہ دلالۃً ماذون ہے اور قاضی شرع بھی بالکل معدوم ہے تو اس کو بطریق اولٰی تصرف کی اجازت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا تصرف واحد من اهل السکة فی مال الیتیم من البیع والشراء ولا وصی للمیت وهو یعلم ان الامر لو رفع الی القاضی حتی ینصب وصیا وانه یاخذ المال

گلی والوں میں سے کسی نے یتیم کے مال میں بیع و شراء وغیرہ تصرف کیا جبکہ میّت کا کوئی وصی نہیں اور وہ محلّہ دار شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ متولی مقرر کردے گا، تو وہ اس کا مال لے اور خرچ

عـــہ لکن فی وصایا الانقروی ص ۴۱۸ ما نصه وعن محمد فیمن مات عن ابنین صغیر وکبیر وترك الفا فانفق الکبیر علی الصغیر خمسمائة وهو لیس بوصی قال هو متطوع فی ذلك وان کان ترك طعاما اوثوبا فاطعمه والبسه الکبیر لایضمن الکبیر استحسانا من وصایا البزازیة قبیل نوع فی تصرف المریض[1] اھ قلت الجواب ان هذا هو حکم الاصل وکلامنا فی الضرورة کما تری فافهم ۱۲ منه۔

عـــہ لیکن انقروی کے وصایا ص ۴۱۸ میں ہے جس کی عبارت یہ ہے: امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ایک شخص دو بیٹے ایک بڑا اور ایک چھوٹا چھوڑ کر فوت ہوا اور ہزار ترکہ چھوڑا، تو بڑے نے چھوٹے پر پانچ سو خرچ کردیا حالانکہ وہ وصی نہ تھا، تو امام محمد نے فرمایا یہ پانسو بڑے کی طرف سے تطوع شمار ہوگا اور اگر مرنیوالے نے غلہ اور کپڑے ترکہ چھوڑا اور بڑے نے چھوٹے کو وہ غلہ طعام میں اور کپڑے لباس میں دیئے تو بڑا ضامن نہ ہوگا یہ حکم استحسان ہے، بحوالہ مریض کے تصرف کی نوع سے تھوڑا پہلے (بزازیہ کی بحث وصایا) الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ اصل حکم ہے جبکہ ہمارا کلام ضرورت میں ہے جیسا کہ دیکھ رہے ہو، سمجھو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الفتاوی الانقرویہ کتاب الوصایا دارالاشاعۃ العربیۃ افغانستان ۲/ ۴۱۸

22
22

ویفسدہ افتی القاضی الدبوسی بان تصرفہ جائز للضرورۃ قال قاضی خان وھذا استحسان وبہ یفتی[1]

کرے۔ قاضی دبوسی نے فتوٰی دیا ہے کہ بوجہ ضرورت اس کا تصرف جائز ہے۔ قاضی خاں نے کہا یہ استحسان ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے (ت)

فصول عمادی پھر جامع الرموز پھر درمختار میں ہے:

لغیرالوصی التصرف لخوف متغلب وعلیہ الفتوی[2]

غلبہ خوف کے وقت غیر وصی کے لئے تصرف جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

انما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی[3] اھ اقول فاذا جاز التصرف لواحد من الجیران لمکان الضرورۃ مع وجود القاضی من دون اذن مورث ولا قاضی اصلا فلان یجوز للشقیق الشفیق عند عدم القاضی الشرعی مع تحقق اذن المورث دلالۃ لکان احری واجدر واجدی واولٰی۔

تصرف کو وصی میں منحصر نہ کرنے میں اشارہ ہے کہ وصی کے غیر کا تصرف بھی جائز ہے جیسے قاضی کی طرف سے نابالغ یتیم کے مال پر خوف ہو تو گلی والوں میں سے کسی کو اس کے مال میں بوجہ ضرورت تصرف کرنا بطور استحسان جائز ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے اھ میں کہتا ہوں جب بوجہ ضرورت مورث اور قاضی کی اجازت کے بغیر ایک پڑوسی کو تصرف کی اجازت ہے باوجودیکہ قاضی موجود ہے تو شفیق بھائی کے لئے قاضی کی عدم موجودگی میں تصرف کا جائز ہونا اولٰی وانسب ہے، جبکہ مورث کی طرف سے بطور دلالت اجازت بھی متحقق ہے۔ (ت)

غرض فقیر بحول القدیر جزم کرتا ہے کہ ایسی صورت میں ابن کبیر کی صحت تصرف وثبوت وصیانت بحکم دلالت میں کوئی محل شبہہ نہیں۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح

اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵
[2] درمختار 〃 باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸
[3] ردالمحتار 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۶

ومن لم یعرف اھل زمانہ ولم یراع فی الفتیا حال مکانہ فھو جاھل مبطل فی قولہ وبیانہ وارجوان لو عرض کلامی ھذا علی الفقہاء الفحول نظروا الیہ بعین الرضا وتلقواہ بالتحسین والقبول، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

والے سے۔ جو اپنے اہل زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہ رکھے وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر میرا یہ کلام فقہاء کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تحسین وقبول کے ساتھ اس کا استقبال کرینگے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۲ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دو لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہوا نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں جب وہ بالغ ہوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کر دیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے خود اپنی زندگی میں کر دی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس نہ ہوں صرف دو بہنوں کا خرچ پرورش و شادی اپنے مال متروکہ ومشترکہ سے کیا اس صورت میں یہ خرچ بکر ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارف بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ ہوتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانہ کے جوڑے، دولھا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیہ وغیرہ ذلک۔

(۳) دلھن کا جہیز۔

بتوفیق اللہ ہر ایک کا حکم علیحدہ سنئے۔

خرچ پرورش: بیشک بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثان صغیر کی پرورش کرنا اور ان کے کھانے، پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف تبذیر ان پر اٹھانا شرعاً جائز ہے جبکہ وہ بچے ان کے پاس ہوں اگرچہ یہ ان پر وصایت وولایت مالیہ

نہ دکھیں۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جاز شراء مالابد للصغیر منه (کالنفقة والکسوة واستئجار الظئر منح) وبیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم وام وملتقط هو فی حجرهم ای فی کنفهم والاّ لا۔[1]

نابالغ کے لئے نفقہ اور لباس و ضروری اشیاء خریدنا، دودھ پلانے والی کو اجرت پر حاصل کرنا (منح) اسی طرح نابالغ کی خاطر ضروری اشیاء فروخت کرنا بھائی، چچا، ماں اور اس کو اٹھانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ نابالغ ان کی زیرپرورش اور زیرنگرانی ہو ورنہ نہیں۔ (ت)

علامہ شامی قولِ درمختار:

لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنه ولا ولایته الا فی مسائل[2]

غیر کے مال میں اس کی اجازت و ولایت کے بغیر تصرف کرنا سوائے چند مسائل کے ناجائز ہے (ت)

کی شرح میں بعض مسائل استثناء ارشاد فرماتے ہیں:

کذا لو انفق بعض اهل المحلة علی مسجد لامتولی له من غلته لحصیر ونحوه او انفق الورثة الکبار علی الصغار ولا وصی لهم فلا ضمان فی کل دیانة اھ ملخصا۔ اقول ولا یخالفه بل ربما یؤیده ما فی شهادة الاوصیاء عن الطحاوی عن الفصول حیث قال ورثة صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار فهلك بعض المال وانفق الکبار البعض علی انفسهم وعلی الصغار فما هلك فهو

جیسا کہ بعض اہل محلہ کا ایسی مسجد کے محاصل میں سے اس کی چٹائیوں وغیرہ پر خرچ کرنا جس مسجد کا کوئی متولی نہیں یا بڑے وارثوں کا ایسے چھوٹے وارثوں پر خرچ کرنا جس کا کوئی وصی نہیں۔ ان سب پر ازروئے دیانت کوئی ضمان نہیں اھ تلخیص۔ میں کہتا ہوں یہ بات امام کے اس قول کے مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے جو انھوں نے فصول کے حوالے سے شہادتِ اوصیاء میں فرمایا کہ کسی کے ورثاء چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی جبکہ ترکہ میں دین اور جائداد ہے۔ پھر کچھ مال ہلاک ہوگیا اور کچھ بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا۔ جو ہلاک ہوا وہ توسب پر ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶
ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۰
[2] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷
[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۷

علی کلھم وما انفقہ الکبار ضمنوا حصۃ الصغار ان کانوا انفقوا بغیر امر القاضی او الوصی وما انفقوہ بامر احدھما حسب لھم الی نفقۃ مثلھم[1] اھ فان ھذا عند وجود الوصی وما مر فعند عدمہ لاسیما فی بلادنا فافھم۔

اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا ہے اگر وہ قاضی یا وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو چھوٹوں کے حصہ کے ضامن ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا تو ان کے لئے مثلی نفقہ میں شمار کرلیا جائے گا اھ بیشک یہ اس صورت میں ہے کہ وصی موجود ہو اور جو پہلے گزرا وہ وصی کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خصوصاً ہمارے ملک میں۔ پس سمجھو (ت)

پس جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقہ مثل کا دعوٰی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا۔

فانہ کان ماذونا لہ فی ذلک من جھۃ الشرع فلا یکون ضمینا بل امینا مقبول القول مالم یدع مایکذبہ الظاھر الاتری الی ماقدمنا عن الفصول حیث حکم بالاحتساب الی نفقۃ المثل عند وجود الاذن ممن لہ الاذن کالوصی والقاضی والشرع المطھر احق من لہ الاذن وقد وجد منہ الاذن فی مسئلتنا وان لم یوجد من وصی او قاض لفقد انھما ھھنا راسا وانت تعلم ان المفتی انما یفتی بالدیانۃ بل قد اثبتنا عرش التحقیق بتوفیق

کیونکہ وہ اس مسئلہ میں شریعت کی طرف سے ماذون تھا۔ لہٰذا وہ ضامن نہیں بلکہ امین ہوگا۔ اس کا قول قبول ہوگا جب تک وہ ایسا دعوٰی نہ کرے جس کو ظاہر جھٹلاتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جو ہم نے بحوالہ فصول ذکر کیا ہے۔ اس میں مثلی نفقہ کی حد تک شمار کرنے کا فیصلہ دیا گیا جبکہ مالک اذن یعنی وصی یا قاضی کی طرف سے اذن موجود ہو حالانکہ شرع مطہر مالک اذن ہونے کا زیادہ حقدار ہے تو ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا ہے اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے نہیں پایا گیا کیونکہ وہ دونوں یہاں بالکل مفقود ہیں۔ اور تُو جانتا ہے کہ مفتی دیانت کے ساتھ فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کی توفیق

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۴۵

المولی سبحٰنہ وتعالٰی فی کتاب الوصایا من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ان الابن الکبیر فی امصارنا ھذہ فی اعصارنا ھذہ یقوم مقام وصی ابیہ علی الاولاد الصغار من دون حاجۃ الٰی تصریح بالوصایۃ لوجود الاذن والتفویض دلالۃً بحکم العرف الفاشی المطرد مع تحقق الضرورۃ الملجئۃ الٰی اعتبار تلک الدلالۃ، واللہ یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اھل زمانہ ولم یراع فی الفتیا حال مکانہ فھو جاھل مبطل فی قولہ وبیانہ، وقد بیّنا المسئلۃ بحول القدیر جل مجدہ بما یتعین المراجعۃ الیہ وحینئذ فالامر اظھر۔

سے فتاوی رضویہ کی کتاب الوصایا میں بلند پایہ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں ہمارے اس زمانے میں بڑا بیٹا نابالغ اولاد پر باپ کے وصی کے قائم مقام ہوتا ہے باوجودیکہ اس کے وصی ہونے کی تصریح نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے اذن وتفویض بطور دلالت موجود ہوتی ہے اس عرف کے حکم سے جو جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں وہ ضرورت بھی متحقق ہے جو دلالتِ مذکورہ کا اعتبار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ جو اپنے اہل زمانہ کو نہیں پہچانتا اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے، ہم نے اللہ تعالٰی قدرت والے کی عطا کردہ قوت سے مسئلہ کو اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنا متعین ہوگیا۔ اب معاملہ زیادہ ظاہر ہے۔ (ت)

اور نفقۂ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدت میں ایسے بچوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی و اسراف کس قدر ہوتا ہے اُتنا مجرا پائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

نفقۃ المثل ما یکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط[1]

مثلی نفقہ وہ ہے جو فضول خرچی اور ضرورت سے کمی کرنے کے درمیان ہو۔ محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما ینفق علی مثلھم فی تلک المدۃ[2]

جو خرچ کیا جاتا ہے ان کی مثل پر اس مدت میں (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] ردالمحتار " فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۰

مصارف شادی: عبارت سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعد استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیا کہ مصارفِ عروسی وجہیز عروس سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا اور بہنیں اُن کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہوئیں، نہ اُن سے دربارۂ صرف کوئی استفسار ہوا تھا نہ اُن کا کوئی اذن تھا نہ اُن قاصرات سے کہا گیا کہ ہم یہ صرف تمھارے حصہ سے کرتے یا یہ جہیز تمھارے حصہ میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارف شادی کنواریوں سے پوچھ کر نہیں ہوتے نہ اُن سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیان مذکور صحیح ہے تو جو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہوئے وہ دلہن کے حصہ میں مجرا نہیں ہو سکتے۔

لانا وان قلنا بوصایۃ بکر دلالۃ کما اشرنا الیہ فقد انقطعت الولایۃ بالبلوغ۔

اس لئے اگرچہ ہم بطور دلالت بکر کے وصی ہونے کا قول کرچکے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ ولایت بالغوں کے بلوغ سے منقطع ہوگئی۔ (ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انھم (یعنی الورثۃ الکبار) اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ اصلا الا اذا کان علی المیت دین[1] الخ۔

جب بڑے ورثاء حاضر ہوں تو وصی کو ترکہ میں تصرف کا بالکل اختیار نہیں مگر جب میت پر قرض ہو الخ۔ (ت)

تو ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع و احسان ہوا جسے کسی سے مجرا نہ پائیگا سب صرف اسی کے حصے پر پڑے گا خواہ ضمانًا خواہ قصاصًا دوسرے ورثہ جنھوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا یہ بری رہیں گے اگرچہ انھوں نے صرف ہوتے دیکھا وہ خاموش رہے ہوں اذلاینسب الی ساکت قول (چُپ رہنے والے کی طرف قول کو منسوب نہیں کیا جاتا۔ ت)۔ اشباہ میں ہے:

لو رأی غیرہ یتلف مالہ فسکت لایکون اذنا

اگر کسی نے غیر کو اپنا مال تلف کرتے دیکھا اور چُپ رہا تو یہ تلف کرنے کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

باتلافہ۔[1] اذن نہ ہوگا۔ (ت)

خصوصاً اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں،

فانہ لیس من اھل التبرع ولا لاحد ان یتبرع من مالہ۔

اس لئے کہ وہ اہل تبرع میں سے نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے مال میں تبرع کرے۔ (ت)

بزازیہ و بحرالرائق و ردالمحتار و تنویر الابصار و سراج وہاج وغیرہ میں ہے:

الھبۃ والقرض وما کان اتلافا للمال او تملیکا من غیر عوض فانہ لایجوز مالم یصرح بہ نصا[2] اھ اقول ھذا افادوہ فی شریکی العنان والمفاوضۃ مع ان کلامنھما وکیل عن صاحبہ و ماذون التصرف فی المال من جانبہ فکیف بالشریك شرکۃ العین فانہ اجنبی صرف عن حصۃ اخیہ لیس لہ التصرف فیہ کما نصوا علیہ۔

ہبہ اور قرض اور جس صورت میں مال کو تلف کرنا یا بغیر عوض کے مالک بنانا پایا جائے یہ جائز نہیں جب تک صراحتاً اس کی اجازت نہ دی گئی ہو اھ، میں کہتا ہوں یہ ممانعت شرکت عنان و معاوضہ میں ہے باوجودیکہ ان میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہوتی ہے تو پھر کیسا حکم ہوگا شرکت عین کے شریک کا کیونکہ وہ تو دوسرے بھائی کے حق میں محض اجنبی ہوتا ہے اور اسکو دوسرے کے حصہ میں تصرف کی اجازت نہیں ہوتی جیسا کہ علمائنے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

حاشیۂ طحطاویہ میں ہے:

التجھیز لایدخل فیہ الجمع والموائد فالفاعل لذلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعاً وکذا ان کان اجنبیا[3] اھ ملخصا۔

لوگوں کا اجتماع اور ان کے کھانے کا اہتمام تجہیز میں داخل نہیں، ایسا کرنیوالا اگر وارثوں میں سے ہو تو یہ خرچ کرنا خود اس کے اپنے حصے میں سے شمار کیا جائیگا اور وہ اس خرچ میں متبرع ہوگا، اور ایسا ہی ہوگا اگر وہ اجنبی ہو الخ ملخصاً (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۴۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/۳۶۷

دُلہن کا جہیز: وہ اگر بکر نے بطورِ ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو ہبہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصّہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموالِ منقولہ کی ہر جنس جدا جدا جوڑ کر دُلہن کا حصہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اُس کے لئے جُدا کرلیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فضلا عن الاقتصار علی المثلیات والتحرز عن الاستبدادفی القیمیات۔

چہ جائیکہ مثلی اشیاء پر اقتصار ہونا اور قیمتی چیزوں میں تبدیلی کو ترجیح دینے سے بچنا۔(ت)

نہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضی ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعا (جیسا کہ اس پر تمام کتابوں میں علمائے نص کی ہے۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصّے میں مجرالیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقدِ شرعی نہیں ہوسکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر لما مر صلح و تخارج یوں نہیں کہ کل ترکہ یا اس کی قسم سے حصہ دُلہن کا ساقط نہ کیا گیا نہ دُلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعوٰی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے شایسا امر بے تصریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے فان العقد ربط ولابد فی الربط من شیئین معھذا (اس لئے کہ عقد تو ربط کا نام ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے) عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح و تخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

وما من شیئ خلا عن مقصودہ الا بطل و جھالۃ المصلح عنہ انما لا تمنع جواز الصلح اذا لم تفض الی منازعۃ والامنعت۔

نہیں ہے کوئی جو مقصود سے خالی ہو مگر یہ کہ وہ باطل ہے اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہو اس کی جہالت صرف اس وقت جوازِ صلح سے مانع نہیں ہوتی جب اس سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو ورنہ مانع ہوتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع و یقطع الخصومۃ[1]

صلح شرع میں ایسے عقد کو کہتے ہیں جو جھگڑے کو رفع کرے اور خصومت کو ختم کرے۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۱/۲

نہایہ میں ہے :

جہالۃ تفضی الی المنازعۃ تمنع جواز الصلح[1] اھ ملخصین۔

ایسی جہالت جو جھگڑے کا باعث ہو وہ جوازِ صلح سے رکاوٹ ہے اھ تلخیص (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب و قبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصّہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصّۂ عروس میں آئیں گی یہاں تک کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اُس وقت قلبِ عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقد شرعی قرار دے سکتے ہیں۔

ومعلوم انہ لیس من عقد یتم بالنیۃ بل لابد من شیئ یظھر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضاء النفسی۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی عقد محض نیت سے تام نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کسی ایسی چیز کا ہونا ناگزیر ہے جس سے دلی ارادہ ظاہر ہو اور وہ دلی طور پر رضامندی کی دلیل ہو۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے :

رکنہ الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول او فعل[2] اھ نعم المظھر قد یکون نصا وھو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالۃ کالمساومۃ و اخذ الثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لاحاجۃ الی البیان للعرف العام کالخبز مثلا حیث یکون لہ

اس کا رکن ایسا فعل ہے جو دونوں ملکوں کے باہمی تبادلہ پر رضامندی کی دلیل ہو چاہے قول سے یا فعل سے اھ، ہاں اس کو ظاہر کرنے والی چیز کبھی نص ہوتی ہے جیسے وہ لفظ جو ایجاب و قبول کے لئے مقرر ہیں اور کبھی دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤ تاؤ طے کرنا اور دستی لین دین کی بیع میں ثمن بیان کرنے کے بعد اس کو لے لینا، اور جہاں عرف عام کی وجہ سے بیان کی حاجت نہ ہو مثلاً روٹی کی قیمت جب معلوم ہو اس میں

---

[1] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ النہایۃ کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

قیمۃ معلومۃ لا تختلف ففتح البائع الدکان وجلوسہ للبیع واعدادہ الخبز لذلک دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء اما ھٰھنا فان فرضت دلالۃ من بکر فلا دلالۃ اصلا من قبل العروس ولئن سلمت الرضا فالتعاطی ھٰھنا من احد الجانبین وھو وان جاز عند البعض وبہ یفتی وھو ارجح التصحیحین فلا بد فیہ عند مجیزہ من بیان البدل والبدل ھٰھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔

کوئی اختلاف نہ ہو تو بائع کا دکان کھول کر بیع کیلئے بیٹھنا اور روٹی تیار کرنا بیع کی دلیل ہے اور مشتری کا اس کو لے لینا خریداری کی دلیل ہے۔ مگر یہاں زیرِ بحث مسئلہ میں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دلہن کی طرف سے بالکل دلالت موجود نہیں۔ اگر اسکی رضامندی کو تسلیم کرلیا جائے تو یہاں تعاطی صرف ایک طرف سے ہے۔ وہ اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے، اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے اور دونوں تصحیحوں میں سے یہ زیادہ راجح ہے۔ لیکن اس کو جائز قرار دینے والے کے نزدیک بدل کا بیان ضروری ہے اور یہاں جیسے کہ تُو جانتا ہے بدل مجہول ہے لہذا بالاجماع بیع منعقد نہ ہوئی۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ ھو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احدھما کان لنص محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النھر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع ھکذا حکی فتوی

شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک بیع تعاطی میں شرط دونوں طرفوں سے دینا ہے، کفایہ میں یونہی ہے اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اگر ایک قبضہ کرے تو کافی ہے کیونکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی دو میں سے ایک بدل پر قبضہ کرلینے سے ثابت ہوجاتی ہے۔ یہ ثمن اور مبیع دونوں کو شامل ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے اور یہ قائل شرط قرار دیتا ہے اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے ثمن کے بیان کرنے اور مبیع کے سونپنے کو۔

الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذا فی المحیط[1]۔

اور یونہی منقول ہے شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوٰی جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلاً کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہ کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دے گئے وہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کر دیں وہ سب مطلقاً ملک بکر کی تھیں اور اب یہی خاص اُسی کے ملک پر ہونگی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں،

لما علم من ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ۔

کیونکہ معلوم ہے کہ بیع جب نفاذ پائے تو مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے (ت)

غایت یہ کہ مال مشترک سے خریدنے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار رہے گا کما نقلنا فی مواضع من فتاوٰینا عن ردالمحتار (جیسا کہ ہم ردالمحتار کے حوالے سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کرچکے ہیں۔ ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دُلہن کا قبضہ امانت ہوگا لحصولہ بتسلیط المالک (کیونکہ یہ مالک کے مسلط کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ت) پس جس چیز کو دُلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اُس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اُس کا تاوان دُلہن پر نہ آئے گا اور جو اُس کے فعل و تعدی سے تلف ہُوئی اُس کی قیمت بکر کے لئے دُلہن کے ذمہ واجب ہوگی لان الامین ضمین اذا تعدی (کیونکہ امین جب زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دُلہن کا ہاتھ دستِ ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اسکے پاس ہلاک ہوجائے مطلقاً تاوان آئے گا،

وذلک لان بکرا قد تعدی علی حصص الشرکاء بتجھیز الاخت من مال مشترک وتسلیمہ الیھا جھازا تلبس وتستعمل و بالتصرف تستقل وکل ید مترتبۃ علی ید ضمان ید ضمان۔

کیونکہ بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی اس لئے کہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بناکر اسکے حوالے کردیا کہ وہ اس کو پہنے، استعمال کرے اور تصرف میں مستقل ہوجائے۔ ہر قبضہ جو دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

پس باقی ورثا جنھوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں لانہ الغاصب (کیونکہ وُہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے لانہا کغاصبة الغاصب (کیونکہ وہ غاصب سے غضب کرنے والی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے :

الید المترتبة علی ید الضمان ید ضمان فلرب البهيمة ان یضمن من شاء[1] الخ۔

جو قبضہ دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے لہذا چار پائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے ضامن ٹھہرائے۔ (ت)

اور وہ بکر یا دلہن جس سے ضمان لیں اُسے دوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا،

امابکر فلانہ الغاصب وانما قبض العروس بتسلیطه واما العروس فلانها قبضت لنفسها لا لبکر۔

بکر پر تو اس لئے کہ وہ غاصب ہے اور دُلہن نے اس کے مسلط کرنے سے اس پر قبضہ کیا ہے، رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے بکر کے لئے نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے :

وهب الغاصب المغصوب اوتصدق او اعار وهلك فی ایدیهم وضمنوا للمالك لایرجعون بما ضمنوا للمالك علی الغاصب لانهم كانوا عاملين فی القبض لانفسهم بخلاف المرتهن والمستاجر والمودع فانهم یرجعون بما ضمنوا علی الغاصب لانهم عملوا له[2] الخ۔

غاصب نے مغصوب چیز کسی کو ہبہ کر دی یا صدقہ کر دی یا عاریت پر دے دی، وہ چیز ان لوگوں کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی اور وہ اصل مالک کے ضامن ہوگئے تو اب یہ لوگ غاصب پر رجوع نہیں کرسکتے اس تاوان کے بارے میں جو انھوں نے مالک کو دیا کیونکہ وہ مغصوب پر قبضہ میں اپنے لئے عمل کرنے والے ہیں بخلاف مرتہن، مستاجر اور اس شخص کے جس کے پاس غاصب نے مغصوب چیز ودیعت رکھی۔ یہ لوگ اگر بصورت ہلاکت مالک کو تاوان ادا کریں تو اس کے لئے غاصب پر رجوع کرسکتے ہیں کیونکہ انھوں نے غاصب کے لئے عمل کیا۔ (ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہو جائیں یہ سب احکام اُس صورت

---

[1] الفتاوی الخیریہ کتاب الغصب المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۶

میں بتے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بیشک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع کما فی الاشباہ وجامع الفصولین و الفتاوی الخیریۃ وغیرما کتاب وقد نصوا علیہ فی مسائل کثیرۃ اقول ولیس فی تجھیز الاخوۃ الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی ما بایدی الاخوۃ من الترکۃ عرف فاش یقضی بالھبۃ بخلاف الاٰباء والامھات فی بلادنا وکیف یکون الظاھر قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاھر انھم یریدون الاحتساب علیھن من انصبائھن

کیونکہ وہ دینے والا ہے لہذا وہ دینے کی جہت کو زیادہ بہتر جانتا ہے جیسا کہ الاشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے اور علمائے اس پر متعدد مسائل میں نص فرمائی ہے۔ میں کہتا ہوں بھائی جب بہنوں کے لئے جہیز بنائیں جبکہ وہ بہنیں مالدار ہوں اور بھائیوں کے زیر قبضہ ترکہ میں شریک ہوں تو ایسا کوئی عرف ہمارے شہروں میں جاری وساری نہیں جو اس کو ہبہ قرار دے بخلاف ماں باپ کے۔ تو واجب کے باقی رہتے ہوئے اس کا قصد تبرع ہونا کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر یہاں یہ ہے کہ بھائی اس کو بہنوں کے حصّوں میں سے شمار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ (ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیت ہبہ کی مگر دُلہن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصّہ کا معاوضہ یا حصّے میں مجرائی سمجھ کر لیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہونگے کہ اس صورت میں دُلہن کی طرف سے قبول ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذا لم تحسبہ ھبۃ کیف یتصور انھا قبلت الھبۃ۔

اس لئے کہ قبول فرع ہے علم کی۔ جب اس خاتون نے اس کو ہبہ سمجھا ہی نہیں تو اس کا ہبہ کو قبول کرنا کیسے متصور ہوگا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وکذا بقولہ اذنت الناس جمیعا فی ثمر نخلی من اخذ شیئا فھو لہ فبلغ الناس من اخذ شیئا

یونہی اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھل کے بارے میں تمام لوگوں کو اجازت دے دی ہے تو لوگوں کو خبر پہنچ گئی جس نے جو کچھ لے لیا ہے وہ اسی کا ہے ایسا ہی

یملکه کذا فی المنتقی و ظاهرہ ان من اخذہ ولم یبلغه مقالة الواهب لایکون له کما لایخفی[1] اھ ، اقول ومثله مافی الهندیة عن الخلاصة رجل سیّب دابته فاصلحها انسان ثم جاء صاحبها وادار اخذها واقر وقال قلت حین خلیت سبیلها من اخذ فهی له اوانکر فاقیمت علیه البینة او استحلف فنکل فهی للاخذ سواء کان حاضرا سمع هذہ المقالة اوغاب فبلغه الخبر[2] اھ ووجهه ظاهر فانه اذا علم بمقالة الواهب فیکون الاخذ علی جهة الاتهاب و یقوم القبض مقام القبول بخلاف ما اذا لم یعلم فانه لم یتحقق القبول قطعا و هو مدار ثبوت الملك للموهوب له قطعا سواء جعل رکنا کما نص علیه فی التحفة والولوالجیة

ملتقطاً ہے۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس شخص تک واھب کی یہ بات نہیں پہنچی اس نے جو کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا الخ، میں کہتا ہوں اور اسکی مثل خلاصہ کے حوالے سے ہندیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے چارپائے کو چھوڑ دیا اور کسی انسان نے اس کو پکڑ کر سنبھال لیا پھر اس چارپائے کا مالک آیا جو اس کو لینا چاہتا تھا۔ اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت کہا تھا کہ جو اس کو پکڑلے یہ اُسی کا ہے یا اُس نے انکار کیا مگر گواہوں سے یہ ثابت ثابت ہوگئی یا اس کو قسم کھانے کا کہا گیا اور اس نے انکار کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں وہ چارپایہ پکڑنے والے کا ہوگا چاہے وہ خود حاضر تھا اور اس نے مالک کی یہ بات سُنی تھی یا غائب تھا اور اس تک اس کی خبر پہنچی اھ۔ اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ جب اسکو واھب کے اس قول کا علم ہوگیا تو اس کا لینا ہبہ کو لینے کے طور پر ہوا اور قبضہ کرنا قبول کے قائم مقام ہوگا بخلاف اس کے کہ جب اُسے واہب کے اس قول کا علم نہ ہوا ہو، کیونکہ اس صورت میں قبول کرنا بالکل متحقق نہیں حالانکہ موہوب لہ کے لئے ملک کے ثبوت کا دارومدار قطعی طور پر قبول کرنے پر ہے۔ چاہے قبول کو رکن

---

[1] بحرالرائق کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۸۴

[2] الفتاوی الہندیہ کتاب الہبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۳۸۲

والکافی والکفایۃ والتبیین و البحر ومجمع الانھر والدرالمختار وابی السعود وغیرھا من کتب الکبار وھو ظاھر الھدایۃ وملتقی الابحر وغیرھما من الاسفار الغر اوشرطا کما نص علیہ فی المبسوط والمحیط والھندیۃ وغیرھا و افاد فی البدائع انہ الاستحسان وان الاول قول زفر علی کل فاتفق القولان علی انہ لاتملك فیھا بدون القبول وھو الذی نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا وقد حققنا المسئلۃ بتوفیق اللہ تعالٰی علٰی ھامش ردالمحتار بمالامزید علیہ۔

بنایا جائے جیسا کہ تحفہ، ولوالجیہ، کافی، کفایہ، تبیین، بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ عظیم کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ چاہے اس کو شرط بنایا جائے، جیسا کہ مبسوط، محیط اور ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ بدائع میں افادہ کیا ہے کہ یہ استحسان ہے۔ اور پہلا قول امام زفر کا ہے۔ بہرصورت دونوں قول اس پر متفق ہیں کہ ہبہ میں قبول کے بغیر ملک ثابت نہیں ہوتا اور اسی پر خانیہ وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں (ت)

تو اس حالت میں بھی وہ اشیاء بدستور ملک اصل مالک پر آئیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء، اور احکام سابقہ عود کرینگے، ہاں اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولاً یا فعلاً یا دلالۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب دُلہن نے اُسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا تو البتہ ایجاب و قبول دونوں متحقق ہو گئے۔

فان القبض بوجہ الاتھاب قبول وان ناقصا کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالۃ علی الرضا کما لایخفٰی۔

کیونکہ بطور ہبہ قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہے جیسا کہ قابل تقسیم چیز کو بلاتقسیم ہبہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ بطور دلالت رضامندی میں وہ سب برابر ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

ولوالجیہ میں ہے:

القبض فی باب الھبۃ جار مجری الرکن فصار کالقبول[1]۔

ہبہ کے باب میں قبضہ کرنا رکن کے قائمقام ہے لہذا یہ قبول کی مثل ہوگیا۔ (ت)

پس جو اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دُلہن ان کی مالک

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الولوالجیۃ کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مستقل ہوگئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شرار واقع ہوا یہاں تک کہ خود اس دلھن کے حصے کا بھی جس نے جہیز پایا۔ 23

فان البدل وان الیها وصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له و تم الضمان ثم العطاء للعروس ھبة علی حدة من مال نفسه فلا یرتفع به ضمان قسط العروس۔

کیونکہ بدل اگرچہ اس دُلھن تک پہنچ گیا لیکن شرار کا نفاذ بکر پر ہوا چنانچہ اس کے لئے ملک ثابت ہوگئی اور ضمان تام ہوگیا پھر اس کا دلھن کو دینا الگ ہبہ ہے جو بکر کے اپنے مال سے ہوا لہذا اس سے دلھن کے حصہ کا تاوان ساقط نہیں ہوگا۔ (ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہوا۔ اذلا اذن منھم ولا ولایة علیھم (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہی ان پر ولایت ثابت ہے۔ ت) تو اُن کے حصے تو ہر حال دُلھن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ انھیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلھن پر جس پر ڈالیں دوسرے سے مجرا نہ پائے گا کما قدمنا عن البزازیة (جیسا کہ بزازیہ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ت) رہا بکر کا اپنا حصہ جہیز میں جو مال قابلِ تقسیم تھا یعنی اس کے حصے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم مل سکتا تھا جب تو بکر کے حصے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہوا لانھا ھبة مشاع فیما یقسم (کیونکہ یہ قابلِ تقسیم چیز میں بلاتقسیم ہبہ ہے۔ ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثار پر رہے گا اور جو کچھ دلھن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصۂ بکر کا تاوان خاص دلھن پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح ھبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولا تفید الملك فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لایملکه فیکون مضمونا علیه[1] الخ ملخصا و تمامه فیھا وفی رد المحتار۔

ایسی غیر منقسم چیز کا ہبہ صحیح نہیں جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اور ظاہر الروایہ کے مطابق وہ مفیدِ ملک نہ ہوگا۔ امام زیلعی نے کہا اگر غیر منقسم حالت میں اس کو سونپ دیا تو ملک ثابت نہ ہوگا چنانچہ اس پر ضمان آئے گا الخ تلخیص۔ اس کی مکمل بحث فتاوٰی خیریہ اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر مال ناقابلِ تقسیم ہو مگر دُلھن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلھن پر آئے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

یشترط فی صحۃ ھبۃ المشاع الذی لایحتملھا ان یکون قدرا معلوما حتی لووھب نصیبہ من عبد ولم یعلمہ بہ لم یجز[1]

ناقابلِ تقسیم چیز کے غیر منقسم طور پر ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر کوئی غلام میں اپنے حصہ کو ہبہ کردے حالانکہ اُسے اپنا حصہ معلوم نہیں تو یہ جائز نہیں (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذا علم الموھوب لہ نصیب الواھب ینبغی ان تجوز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[2] نقلھما فی الفتاوی الھندیۃ۔

جب موہوب لہ کو واہب کے حصہ کا علم ہو تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کو جائز ہونا چاہئے۔ ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذا ھلك افتیت بالرجوع للواھب ھبۃ فاسدۃ لذی رحم محرم منہ اذ الفاسدۃ مضمونۃ علی ما مر[3]

اگر وہ ہلاک ہوجائے تو میں ذی رحم محرم کو ہبہ فاسدہ کرنے والے کی طرف رجوع کا فتوٰی دوں گا کیونکہ ہبہ فاسدہ کی صورت میں ضمان آتا ہے جیسا کہ گزر گیا۔ (ت)

اور اگر دلہن کو معلوم تھا تو اس قدر میں ہبہ صحیح و نافذ و تام و لازم ہوگیا اور ان اشیاء میں دلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہوگئی باقی ورثہ کے حصے بدستور دستِ عروس میں حکم ضمان پر ہیں جن کا حکم بارہا گزرا اور اول سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دُلہن کے ہاتھ میں تلف ہوئیں ان میں دلہن اپنے حصے کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اُس کا مال اُسی کے ہاتھ میں ہلاک ہوا اور بکر نے اُس کے حصے پر کوئی تعدی نہ کی،

فانہ انما سلم الملك لید من ملك

کیونکہ اس نے تو ایسے کے ہاتھ میں دے دیا جو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۸
بحر الرائق کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۸۶

[2] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ المحیط السرخسی کتاب الہبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۸

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدۃ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۵۷

فماهلك في يدها فعليها هلاكٌ هذا كله من اوله الى اٰخره مما افيض على قلب الفقير من فيض القدير واخذته تفقها من كلمات العلماء اعظم الله اجورهم يوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالٰى وله الحمد عليه وما اخطأت فمن قصور نفسي وانا اتوب اليه اتقن هذه اتقانا كبيرا فان المسائل مما تمس اليه الحاجة كثيرا فاغتنم هذا التفصيل الجميل والحمد لله على فيضه الجليل ، والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

اس کا مالک ہوگیا۔ اب جو دلہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوا تو اُسی کے ضمان پر ہلاک ہوا۔ یہ سب کچھ رب قدیر کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا۔ میں نے اس کو بطور تفقہ علماء کرام کے اقوال سے اخذ کیا۔ اللہ تعالٰی قیامت کے روز ان کو عظیم اجر عطا فرمائے۔ جو کچھ میں نے درست کہا اس پر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے اور جو میں نے غلطی کی تو وہ میرا اپنا قصور ہے۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ اس کو بہت مضبوط بنائے۔ اس لئے کہ ان مسائل کی ضرورت زیادہ واقع ہوتی ہے اس خوبصورت تفصیل کو غنیمت سمجھو۔ اور اللہ تعالٰی کے فیض جلیل پر تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳ از شہر کہنہ ، ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ مجید اللہ خاں ولد کالے خاں ساکن شہر کہنہ نے اپنی جائداد موروثی دین مہر میں زوجہ کو دی یعنی مسماۃ امیر بیگم کو بعدہ مجید اللہ خاں مذکور کا انتقال ہوگیا بعد ازاں جائداد مرقومہ بالا کا داخل مسماۃ امیر بیگم کے نام بذریعہ گواہاں کے ہوا یہ شخص گواہ تھے عنایت اللہ خاں صاحب ولد کالے خاں صاحب، دیگر گواہ شفیع علی خان صاحب ولد کالے خاں صاحب، مجید اللہ خاں مرقومہ بالا کی ایک لڑکی تھی امیر بیگم، والدۂ دختر نے اس کی شادی کردی، چند عرصہ کے بعد نصف جائداد جو بذریعہ مہر کے شوہر اپنے سے پہنچی تھی دختر مذکورہ کو دے دی اور اُس کا داخل خارج بھی کرا دیا بگواہی عنایت اللہ خاں صاحب وشفیع علی خاں صاحب اور پٹی بانٹ اس وجہ سے نہیں ہوسکا کہ اُس زمین میں جگہ جگہ غار تھے، دوسرے یہ کہ والدہ اور دختر میں اتفاق بھی بہت تھا حتی کہ تاحیات دختر سے جدا نہیں ہوئی، بعدہ مسماۃ امیر بیگم کی حیات میں دختر جس کے نام نصف جائداد کی تھی فوت ہوگئی مگر مسماۃ امیر بیگم نے وہ جائداد واپس نہیں لی اُس پر قابض اور دخیل داماد رہا اور ہے اور جس وقت امیر بیگم کی علالت تھی اس وقت میں داماد مذکور سے وصیت کی کہ برخوردار من میری

تیمارداری کرو اور بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو اور جو کچھ تیمار داری میں خرچ ہو وہ روپیہ نصف جائداد باقیماندہ جو میرے نام ہے اس سے وصول کیجیو ورنہ میں حشر میں دامنگیر ہونگی اور جو جائداد میں نے اپنی دختر کے نام کی تھی وہ تم کو بخوشی بخشی چونکہ تم نے میری خدمت مثل فرزند بطن کے کی ہے اور کرتے ہو وصیت کے بعد مسماۃ امیر بیگم کا انتقال ہوگیا داماد مذکور نے قرض دام کرکے تجہیز و تکفین کی اور خرچ تیمار داری کیا اب مسماۃ امیر بیگم کو انتقال کئے ہوئے عرصہ چند ہوا اور مسماۃ امیر بیگم کے وارث یہ ہیں دو بھائی چچازاد اور دو شوہر کی ہمشیریں حیات میں، یہ جائداد جس کا ذکر ہے کس طرح پر تقسیم ہوگی اور قرضہ جو داماد مذکور نے خرچ تیمار داری میں اور تجہیز و تکفین میں کیا کس طرح وصول کرے۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ ہبہ کہ امیر بیگم نے بنام اپنی دختر کے کیا بوجہ مشاع وغیر منقسم ہونے زمین کے محض باطل ہوگیا۔ تتمۃ الفتاوی پھر مشتمل الاحکام پھر فتاوی خیریہ میں ہے:

هبة المشاع باطلة وهو الاصح [1]

غیر منقسم کا ہبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے (ت)

اور داخل خارج کہ ایک عقد باطل پر مبنی ہوا خود باطل و بے اثر، اسی طرح اُس کا موہوب مذکور کی نسبت اپنے داماد سے کہنا میں نے تجھ کو بخوشی بخشی کہ وہ بھی ہبہ ہے اور بوجہ شیوع باطل۔

فی الشامی عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضی خاں وغیرہ هبة المریض هبة حقیقة وان کانت وصیة حکما [2]

شامی میں بحوالہ طحطاوی، بحوالہ مکی، بحوالہ امام قاضیخان وغیرہ ہے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے۔ (ت)

پس وہ زمین تمام و کمال ملک و ترکہ امیر بیگم ہے جس میں وارثان دختر یا خواہران شوہر کا اصلاً کچھ حق نہیں صرف امیر بیگم کے دونوں چچازاد بھائی بر تقدیر عدم موانع ارث و انعدام وارث دیگر اس کے مستحق ہیں کہ بعد ادائے دین و وصیت آپس میں نصف نصف کرلیں داماد مورثہ نے جو کچھ اس پر اس کی بیماری و تیمار داری میں اُٹھایا وہ امیر بیگم پر اُس کا قرض ہے کہ ترکہ امیر بیگم سے لے سکتا ہے فانه لما انفق بامرها وقد افصحت بالرجوع لم یکن متبرعا (کیونکہ جب

---

[1] الفتاوی الخیریۃ — کتاب الہبۃ — دار المعرفۃ بیروت — ۲/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار — کتاب الوصایا — باب العتق فی المرض — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۵/ ۴۳۵

اس نے مرحومہ کے امر سے خرچ کیا اور اس نے رجوع کی تصریح کی تو یہ متبرع نہ ہوا۔ ت) اسی طرح جو کچھ کفن و دفن بطریق سنت میں صرف کیا ہو وہ بھی اس کا دین ہے بشرطیکہ امیر بیگم کے حال کے مناسب عرف و عادت کے لحاظ سے جس قیمت کا کفن دینا چاہئے تھا اس سے بیش قیمت نہ دیا ہو ورنہ قیمت کفن اصلاً مجرا نہ پائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لو زاد الوصی علی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ ای الا اذا اوصی بہا وکانت تخرج من الثلث وفی القیمۃ وقع الشراء لہ (لانہ متعد فی الزیادۃ وھی غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی)[1]۔

اگر وصی نے میت کے مثلی کفن میں زیادتی کی باعتبار تعداد کے تو زائد کا ضامن ہوگا (مگر جب اس کو اس کی وصیت کی گئی ہو اور وہ مال کے ایک تہائی سے پوری ہو سکتی ہو) اور اگر باعتبار قیمت کے زیادتی کی تو یہ خریداری وصی کے لئے واقع ہوگی (کیونکہ اس نے قیمت کی زیادتی میں تعدی کی اور وہ زیادتی ممتاز نہیں لہذا وہ میت کے لئے کفن کی خریداری میں متبرع ہوگا۔ رحمتی)۔ (ت)

اسی طرح جو کچھ کفن دفن کے سوا فاتحہ، درود و سوم، چہلم، عورتوں کے جمع ہونے، اُن کے پان چھالیہ کھانے پینے وغیرہ معمولی باتوں میں صرف ہوا اُس کا بھی ایک حبہ مجرا نہ ملے گا لوجوہ کثیرۃ وحسبك (متعدد وجوہات کی وجہ سے اور تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ۔ ت) قول امیر بیگم "بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو" وصیۃ مہملۃ باطلۃ لانفاذ لہا اصلا (وصیت مہمل و باطل ہے جس کا بالکل نفاذ نہیں۔ ت)

علامہ سائحانی مسئلہ تنویر الابصار وغیرہ اوصی بان یتخذ الطعام بعد موتہ للناس ثلثۃ ایام فالوصیۃ باطلۃ[2] (کسی نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد تین دن لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ ت) کی تعلیل میں لکھتے ہیں:

انہا وصیۃ للناس وھم لایحصون کما لوقال اوصیت للمسلمین ولیس فی اللفظ مایدل علی الحاجۃ فوقعت تملیکا من مجہول

کیونکہ یہ وصیت لوگوں کے لئے ہے جن کا شمار نہیں ہوسکتا جیسا کہ اگر وہ کہے کہ میں نے مسلمانوں کے لئے وصیت کی ہے درانحالیکہ لفظوں میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حاجت پر دلالت کرے تو یہ مجہول

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷
ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴
[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

فلم تصح [۱] اھ ش۔ کی تملیک واقع ہوئی ہو لہذا صحیح نہیں اھ۔ (ت)

پھر جس قدر دین اس کا ذمۂ امیر بیگم ثابت ہو اُسی کے لائق زمین کا ٹکڑا بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے یا وارثان امیر بیگم اپنے پاس سے اس کا دین ادا کرکے ترکہ خالص کرلیں۔ ردالمحتار کے باب الوصی میں ہے:

اذا کان علی المیّت دین او اوصی بوصیۃ ولم تقض الورثۃ الدیون ولم ینفذوا الوصیۃ من مالھم فانہ یبیع الترکۃ کلھا ان کان الدین محیطا و بمقدار الدین ان لم یحط و لہ بیع ما زاد علی الدین ایضا عند ابی حنیفۃ خلافا لھما قال فی ادب الاوصیاء و بقولھما یفتی کذا فی الحافظیۃ والقنیۃ وسائر الکتب [۲] اھ ملخصا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جب میّت پر قرض ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہو اور ورثاء نے اس کا قرض اپنے مال سے ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کی وصیت کو نافذ کیا تو وصی تمام ترکہ کو بیچ سکتا ہے اگر قرض اس کو محیط ہو اور قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو قرض کے برابر ترکہ میں سے بیچ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک قرض سے زائد ترکہ کو بھی بیچ سکتا ہے بخلاف صاحبین کے۔ ادب الاوصیاء میں کہا کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر دیا جائے گا۔ ایسا ہی حافظیہ، قنیہ اور دیگر کتابوں میں ہے، اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اھ تلخیص (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴
ازوطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علماء رحمہم اللہ تعالٰی در وصیت مطلقہ موصی لہم مرد وزن باشند تقسیم بر ایشان مساوی شود یا للذکر ضعف الانثی۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم وصیت مطلقہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے کی گئی، تو کیا ان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کیلئے مؤنث سے دگنا ہوگا؟

الجواب

چوں صراحۃً و اشارۃً ہیچ گونہ تفصیل وتفضیل

جب صراحۃً اور اشارۃً کسی قسم کی تفصیل موجود نہیں

---

[۱] ردالمحتار بحوالہ السائحانی کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۶

[۲] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی " " " ۵/۴۵۲

احد النوعین علی الآخر مستفاد نباشد بہر برہمہ علی السویہ بخش کنند لعدم الفضل بعدم الفصل پس اگر مثلاً برائے اولاد زید وصیت کند پسران و دختران ہمہ برابر باشند واگر برائے ورثہ زید پس للذکر مثل حظ الانثیین زیراکہ تعبیر بلفظ ورثہ دلیل است برآنکہ حیثیت وراثت او ملحوظ داشتہ پس ہم بحساب وراثت خواہند یافت وتمامہ فی ردالمحتار[1] من الوصیۃ للاقارب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور نہ ہی ایک نوع کی دوسری نوع پر کوئی فضیلت سمجھی جارہی ہے، لہذا ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیں گے کیونکہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہوگی، لہذا مثال کے طور پر اگر زید کی اولاد کے لئے وصیت کرے اس میں بیٹے اور بیٹیاں سب برابر ہونگے، اور اگر زید کے ورثاء کے لئے وصیت کرے اس صورت میں مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصہ کے برابر ہوگا اس لئے کہ لفظِ ورثاء کے ساتھ تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے وراثت کی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ وراثت کے حساب سے حصہ پائیں گے۔ پوری تفصیل ردالمحتار کے باب الوصیت للاقارب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ بازار لال کرتی مرسلہ جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب ۴ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہ و برکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ، بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفوع برائے خورشید انجلائے باد، اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے کہ ایک عورت نے وصیت کی تھی کہ ایک شخص کو کہ یہ سو پچاس روپیہ میرا ہے اس کا یہ بندوبست کیجیو کہ جب کوئی موسم کا میوہ چلا کرے میری فاتحہ اس پر دلا کر تقسیم کردیا کرو، وصی نے ایسا ہی کیا، لیکن ایسا بھی کیا کہ اُس مال مذکور سے کوئی کتاب دینی غریب طالب علم کو دلوادی اور یہ بھی کیا کہ دہم وچہلم کی تواریخ معینہ میں مساکین کو کھانا کھلادیا فاتحہ دلاکر، اور ایک دو خرچ ایسے کئے کہ اس عورت کے مرنے کی خبر سُن کر جو دو ایک جگہ سے آدمی آئے تھے اور اس عورت کا کوئی ولی نہ تھا جو اُن کی مہمانی کرتا اُن کی مہمانی میں بھی روپیہ مذکورہ سے کچھ صرف ہوا، اب یہ سب اخراجات بقیاس قاعدہ نذر کا اُس میں تعیین زمان ومکان ومال وانفاق کی قید پر نظر رکھنا واجب نہیں ہے جائز ہوئی یا نہیں۔ وصی نے ان سب کو مصرفِ خیر سمجھ کر صرف کردیا کہ مقصود فاتحہ میوہ جات سے ایصالِ ثواب ہے ایصالِ ثواب ہوگیا اب

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۸

جو دس بیس روپیہ باقی ہے اُس کا ارادہ ہے کہ مدرسہ میں دے دوں، اب آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں میرا رجحان تو جواز کی طرف ہوتا ہے۔

الجواب

رائے سامی قرینِ صواب ہے اس لفظ میں کہ تقسیم کردیا کچھ نہ کسی قوم محصورین کے لئے وصیت ہے نہ لفظ منبئ حاجت تو ظاہر بطلان وصیت،

کما ھو مقتضی الضابطۃ المعروفۃ فی الوصایا قال فی الدر المختار والاصل ان الوصیۃ متی وقعت باسم ینبئ عن الحاجۃ کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی ما مر لوقوعھا ﷲ تعالٰی وھو معلوم وان کان لاینبئ عن الحاجۃ فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت وتمامہ فی الاختیار[1]۔

جیسا کہ وصیتوں کے بارے میں معروف ضابطہ کا تقاضا ہے، درمختار میں فرمایا ضابطہ یہ ہے کہ وصیت جب ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیسا کہ فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے، تو یہ وصیت صحیح ہوگی اگرچہ جن کے بارے میں وصیت کی گئی وہ غیر منحصر ہوں، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی اور یہ معلوم ہے، اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر نہ دیتا ہو تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ منحصر ہیں تو وصیت صحیح ہوگی اور اس وصیت کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ منحصر نہیں تو وصیت باطل ہوگی۔ اسکی پوری تفصیل اختیار میں ہے۔ (ت)

مگر اس کا کہنا "میری فاتحہ دلاکر" یہ بتارہا ہے کہ تقسیم مساکین پر مقصود تو لفظ میں اشعار بحاجت وقربت موجود گویا یوں کہا کہ ہر موسم میں اس کا میوہ خرید کر لوجہ اللہ مساکین پر تقسیم کردیا کرو یہ قطعاً وصیت صحیحہ جائزہ ہے۔

کذا فی الھندیۃ عن الخانیۃ مریض قال بالفارسیۃ صد درہم از من بخشش کنید قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی اھ

یوں ہی ہندیہ میں بحوالہ خانیہ منقول ہے کہ ایک مریض نے فارسی زبان میں کہا "میری طرف سے سو درہم بخشش کردو"۔ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہا یہ وصیت باطل ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

باطلة لان هذا للاغنياء والفقراء جميعا ولو قال صد درهم از من روان کنید قال کانت الوصية جائزة لان هذا اللفظ یراد به القربة۔[1]

کیونکہ یہ اغنیاء اور فقراء سب کے لئے ہے۔ اور اگر کہا "میری طرف سے سَو درہم رواں کردو" تو امام ابوبکر نے کہا کہ وصیت جائز ہے کیونکہ اس لفظ سے قربت مراد ہوتی ہے۔ (ت)

اور مذہب صحیح اور مفتیٰ بہ میں موصی جس چیز کی مساکین کے لئے وصیت کرے وصی کو اختیار ہے کہ وہ نہ دے اس کی قیمت تصدق کردے وبالعکس یعنی روپے خیرات کرنے کی وصیت ہو تو چیز خرید کر صدقہ کرسکتا ہے۔

فیہا عنہا رجل اوصی بان یتصدق عنہ بالف درہم فتصدقوا عنہ بالحنطۃ اوعلی العکس قال ابن مقاتل یجوز ذٰلک وقال الفقیہ ابواللیث وبہ ناخذ ولو اوصی بان یباع ھذا العبد ویتصدق بثمنہ علی المساکین جاز لھم ان یتصدقوا بنفس العبد ولو قال اشتر عشرۃ اثواب وتصدق بھا فاشتری الوصی عشرۃ اثواب لہ ان یبیعھا ویتصدق بثمنھا[2] اھ ملخصًا۔

ہندیہ میں خانیہ ہی کے حوالے سے ہے ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہزار درہم صدقہ کئے جائیں تو انھوں نے اس کی طرف سے گندم صدقہ کردی یا معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ ابن مقاتل نے کہا جائز ہے۔ فقیہ ابواللیث نے کہا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت صدقہ کردی جائے۔ تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کو صدقہ کردیں۔ اور اگر کہا دس کپڑے خریدو اور ان کو صدقہ کردو۔ پھر وصی نے دس کپڑے خرید لئے تو اُسے اختیار ہے کہ وہ ان کپڑوں کو بیچ دے اور ان کی قیمت صدقہ کردے الخ تلخیص۔ (ت)

یونہی اُس کے کلام سے اس صدقہ کا چند موسم بدفعات ادا کرنا نکلتا ہے اس کا اتباع بھی ضرور نہیں وصی کو اختیار ہے کہ ایک وقت میں سب روپیہ تصدق کردے،

فیہا عنہا لو قال اوصیت

ہندیہ میں خانیہ سے ہی منقول ہے، اگر کہا

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۵

[2] " " " الباب الثامن " " " ۶/ ۱۳۴

بان یتصدق من ثلثی کل سنۃ مائۃ درہم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنۃ الاولٰی ولایوزع علی السنۃ[1] اھ وفیھا عن الخلاصۃ عن النوازل لو اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز[2]۔

"میں نے وصیت کردی کو میرے ترکے کے ثلث میں سے ہر سال سو درہم صدقہ کئے جائیں" تو اس صورت میں وصی پہلے ہی سال پورے ثلث کو صدقہ کرے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے اھ، ہندیہ میں بحوالہ خلاصہ نوازل سے منقول ہے اگر وصیت کی کہ دس دنوں میں صدقہ کیا جائے، اور وصی نے ایک دن میں صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ (ت)

پس وصی نے جو کتاب اُس مال سے خرید کرکے مسکین کو دی یا مساکین کو کھانا کھلایا سب جائز و بجا واقع ہوا، یُونہی اب جو روپیہ باقی ہے جائز کہ مدرسہ کے طلبۂ مساکین کو نقد یا کپڑا یا کھانا یا کتابیں خرید کر دے دے خواہ امداد طلبۂ مساکین کو جو تنخواہ مقرر ہو اس میں صرف کر دے غرض جس قدر وجوہ تصدق ہیں سب کا اختیار رکھتا ہے رہا وہ کھانا کہ اہل تعزیت کو کھلایا اگر وہ محل تصدق تھے اور انھیں بطورِ تصدق کھلایا جائز ہوا، اور اگر اغنیاء تھے ناجائز، اور اس قدر روپے کا تاوان ذمۂ وصی لازم، مگر یہ کہ اُسے دھوکا ہوا اور اپنے نزدیک محلِ صدقہ جان کر تصدق کیا ہو،

فیھا عن التاتارخانیۃ سئل عن رجل اوصی بثلث مالہ للفقراء فاعطی الوصی الاغنیاء وھو لایعلم قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایجزیہ والوصی للفقراء ضامن فی قولھم جمیعا[3]۔

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے، اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے فقیروں کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وصی نے لاعلمی میں اغنیاء کو دے دیا، امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ کفایت نہیں کرے گا۔ اور تمام ائمہ کے قول کے مطابق وصی فقیروں کے لئے ضامن ہوگا۔ (ت)

اسی طرح اگر کھانا بطور تملیک نہ تھا بلکہ جس طرح دعوت میں بر سبیل اباحت کھلایا جاتا ہے کہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۵
[2] " " " " " " " ۶/ ۱۳۴
[3] " " " " " " " ۶/ ۱۳۶

کھانے والوں کو طعام کا مالک نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ملک مالک پر اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں، تو بھی ناجائز اور تاوان لازم ہوگا،

فانه انما کان ماموراً بالتصدق ولا تصدق الا بالتملیك ولا تملیك فی الاباحة وکل ذٰلك ظاھرعه عند من له المام بالفقة۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ اس کو تو فقط صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور صدقہ تملیک کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اباحت میں کوئی تملیک نہیں۔ یہ سب کچھ اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس کو فقہ کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بحالت شدت مرض میں کہ امید حیات قطع ہو چکی تھی اور طاقت حس وحرکت بالکل نہ تھی مگر ہوش وحواس باقی تھے ایک دستاویز ہبہ بنام اپنی دختر کے نام اس طور پر لکھی کہ اُس میں ایک دکان خاص اپنی مملوکہ اور ایک مکان کہ واقع میں مملوک دختر ہی تھا شامل اور اسی حالت میں ایک حویلی اپنی ماں کو بقدر سہام شرعی اُس کے لائق ہوگی ہبہ لکھ دی اور زرثمن معاف کردیا اور اپنے خرچ دفن کے لئے تیس روپیہ اپنی بیٹی کے سپرد کردئے اور وصیت کردی کہ یہ روپے میری تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا اگر زیادہ ضرورت ہو تو میرے زیور سے کوئی چیز بیع کر ڈالنا اور ایک دکان جو میرے مال سے باقی ہے اس میں سے ڈھائی سو روپے جو مجھ پر قرض ہیں ادا کرنا اور کچھ مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا اور میرے بھائیوں کو دینا اس وقت کسی شخص نے کہا تمھارے بھائی مسکین ہیں اور حاجتمند ہیں ان کا حق پورا ادا کرنا خرچ مسجد وغیرہ سے اولٰی ہے تو کہا جو شریعت سے ہو اور بہتر ہو بعدہ ہندہ نے ایک دختر اور تین برادر حقیقی اور ماں چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں اشیائے منقولہ وغیر منقولہ کس طرح تقسیم ہونگی اور ہر ایک کو کتنا کتنا پہنچے گا اور وہ دستاویز جائز یا ناجائز اور بھائیوں کا حق پورا دیا جائیگا یا نہ اور خرچ تجہیز وتکفین میں کیا داخل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ ہندہ نے اُسی حالت میں دو ایک روز بعد وفات پائی تو صورت مستفسرہ میں وہ

عه ھٰھنا سقط ولعله عند صح ۱۲
اختر رضا خاں ازہری غفرلہ

مرض بلاشبہہ مرض الموت تھا،

فی الدرالمختار قیل مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسہ وعلیہ اعتمد فی التجرید بزازیۃ والمختار انہ ماکان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش قھستانی عن ھبۃ الذخیرۃ۔[1]

درمختار میں ہے کہا گیا ہے کہ مرض الموت یہ ہے کہ مریض اپنی حاجتوں کے لئے گھر سے نہ نکل سکے، اسی پر اعتماد کیا ہے تجرید میں (بزازیہ)، اور مختار یہ ہے کہ اس کے سبب سے غالب موت ہو اگرچہ وہ صاحبِ فراش نہ ہو۔ اور یہ بات قہستانی نے ذخیرہ کے باب الہبہ سے نقل کی۔(ت)

اگرچہ ہوش وحواس بالکل صحیح ہوں کہ اختلال کچھ مرض الموت کے لئے شرط نہیں،

والالم تکن تبرعاتہ نافذۃ فی الثلث موقوفۃ فی الزائد مثلاً بل بطلت عن اٰخرھا کمالایخفٰی۔

ورنہ یوں نہ ہوگا کہ اس کے تبرعات ایک تہائی میں نافذ ہوں اور اس سے زائد میں موقوف ہوں، بلکہ یہ وصیت سرے سے ہی باطل ہوگی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

پس ہندہ نے جو مال اپنا اپنی دختر کو ہبہ کیا بشرطیکہ اپنی زندگی میں دختر کا قبضہ کاملہ کرا دیا ہو اور جو کچھ اپنی ماں کے ہاتھ بیچا اور وہ زرثمن کر ماں کو معاف کیا اور دکان باقیماندہ سے بعد ادائے قرض جو بھائیوں کو کچھ دینا کہا چاروں تصرف اجازت باقی ورثہ پر موقوف ہیں ہبہ بنام دختر میں مادر وبرادران کی اجازت درکار ہے اور بیع وہبہ ثمن بنام مادر میں دختر وبرادران اور بھائیوں کو کچھ دینے کے باب میں مادر ودختر کی اجازت چاہئے جس تصرف کو باقی سب ورثہ جائز رکھیں گے بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں پورا نافذ ہوجائے گا جیسے باقی ورثہ سے کوئی اجازت نہ دے بالکل باطل ہوجائے گا اور جسے بعض اجازت دیں بعض نہ دیں تو صرف اجازت دہندہ عاقل بالغ کے حصہ میں نفاذ پائے گا باقی کے حصہ میں باطل وبے اثر ہوگا تو جس چیز میں باقی سب ورثہ کی اجازت معتبر شرعیہ ہوگئی وہ تمام وکمال اسی کو ملے گی جس کے نام ہندہ نے کر دی دوسری کے ورثہ اس میں سے اصلاً حصہ نہ پائیں گے اور کسی کی اجازت نہ ہوئی تو وہ کل ترکہ میں شامل کی جائے گی اور بعض کی ہوئی اور بعض کی نہ ہوئی تو اجازت نہ دینے والے اس میں سے حصہ پائیں گے اور دینے والوں کا حصہ اسے جس کے نام وہ چیز کی گئی تھی

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

اور بھائیوں کے نام وصیت میں کچھ دینا ہے جس کی مقدار ہندہ نے معین نہ کی تو اُن کی تعین مقدار مادر و دختر کے متعلق ہوگی اگر دونوں اس وصیت کو جائز رکھیں تو دونوں سے کہا جائے گا بنام وصیت جو چاہو بھائیوں کو دے دو ترکہ میں ان کا حصہ شرعیہ الگ رہا اور اگر ایک اجازت دے اور دوسری ناجائز رکھے تو اُس دوسری کے حصہ پر اس وصیت کا کچھ اثر نہو گا اجازت دینے والی سے کہا جائیگا تو اپنے حصہ سے جو مناسب سمجھے بنام وصیت انھیں دے، اور ان سب صورتوں میں اجازت وہ معتبر ہوگی جو بعد موتِ ہندہ واقع ہوئی مثلاً حیاتِ ہندہ میں کسی تصرف کو کوئی وارث تسلیم کرچکا تھا اس کی موت کے بعد اب جائز نہیں رکھتا تو وہ اجازت نہ دینا ہی ٹھہرے گا مگر بعد موت اجازت دے کر پھرنے کا کسی کو اختیار نہیں مثلاً موتِ ہندہ پر کسی وارث نے اُن میں سے کسی تصرف کی اجازت دے دی تو اس کی طرف سے اجازت ہوگئی اور اس کے حق میں نافذ ہوچکا اب اس سے رجوع نہیں کرسکتا۔ رہی مسجد وغیرہ کے لئے وصیت جبکہ ہندہ نے اسے قائم نہ رکھا بلکہ کہہ دیا جو شریعت میں بہتر ہو تو حکمِ شرع یہ ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت اگرچہ مستحب ہے مگر جب ورثہ محتاج ہوں اور انھیں اس کے متروکہ سے ہر ایک کو اتنا نہ پہنچتا ہو جو اسے غنی کردے تو وصیت کا ترک ہی اولیٰ ہے، اور غنی ہونے کی مقدار یہ ہے کہ ہر وارث محتاج کو کم سے کم چار ہزار درہم کے قدر مال پہنچے جو یہاں کے روپے سے گیارہ سو بیس۱۱۲۰ روپے ہوتے ہیں پس اگر ہندہ کا مال جو شرعاً بعد لحاظ مسائل مذکورہ بالا اُس کا ترکہ قرار پائے بعد ادائے دین و اخراج وصیت دس ہزار اسی روپے کی مالیت کا رہے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ نافذ کی جائے گی اور اس کے مقدار کا بیان پانچوں وارثوں کے متعلق ہوگا جو اُن کا جی چاہے دے دیں جب اتنی مالیت قابل تقسیم ورثہ رہے تو ہر بھائی کو گیارہ سو بیس کا پہنچے گا جو اسے غنی کردے گا اور ایسی حالت میں وصیت افضل ہے اور اگر اتنی مالیت نہ بچے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ منسوخ ہوگئی کہ اس صورت میں افضل ترک وصیت ہے اور تجہیز و تکفین سے مصارفِ غسل و کفن و دفن بقدر سنت مراد ہیں فاتحہ و درود کے خرچ اس میں شامل نہیں،

فی الدرالمختار اعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه کل ذٰلك حکمه کحکم وصیة[1]

درمختار میں ہے مریض کا آزاد کرنا، بیع میں سہولت برتنا، ہبہ کرنا، وقف کرنا اور اس کا ضامن ہونا ان میں سے ہر ایک کا حکم وصیت کے حکم کی طرح ہے اھ

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۲۰

فی ردالمحتار قولہ ہبتہ اھ اذا اتصل بہ القبض قبل موتہ اما اذا مات ولم یقبض فتبطل الوصیۃ لان ہبۃ المریض ہبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما کما صرح بہ قاضیخان وغیرہ عن المکی[1] اھ۔

وفی الدر لا لوارثہ الا باجازۃ ورثتہ وھم کبار عقلاء فلم تجز اجازۃ صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ[2] اھ

وفیہ وقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی[3]

وفی ردالمحتار ولو بمثل القیمۃ وان مات منہ ولم تجز الورثۃ بطل فتح[4] اھ، وفی الدر ولا تعتبر اجازتہم حال حیاتہ اصلا بل بعد وفاتہ[5] اھ

ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "اس کا ہبہ کرنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے اس پر قبضہ ہوجائے، لیکن اگر وہ مرگیا اور قبضہ نہ کیا تو وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے جیسا کہ قاضیخان وغیرہ نے مکی کے حوالے سے اس کی تصریح کی الخ۔ درمختار میں ہے کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے دوسرے وارثوں کی اجازت کے اس حال میں کہ وہ بالغ اور عاقل ہوں، لہذا نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے رُد کردیا اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے برابر جائز ہے اھ اسی میں ہے کہ مریض کی بیع کسی وارث کے لئے باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگی، ردالمحتار میں ہے اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو، اگر وہ مرگیا اور وارثوں نے اجازت نہیں دی تو وہ بیع باطل ہوگئی، فتح اھ۔ درمختار میں ہے کہ اس کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد اھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۳۵

[2] الدرالمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۹

[3] " کتاب البیوع فصل فی الفضولی " " " ۲/۳۲

[4] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۹

[5] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۷

وفیہ اذا اوصی بالزیادۃ علی الثلث او لقاتلہ او لوارثہ فاجازتھا الورثۃ حیث لایکون لھم المنع بعد الاجازۃ بل یجبروا علی التسلیم لما تقرر ان المجاز لہ یتملکہ من قبل الموصی عندنا وعند الشافعی من قبل المجیز اھ[1] وفیہ و بجزء او سھم من مالہ فالبیان الی الورثۃ یقال لھم اعطوہ ماشئتم اھ[2] فی ردالمحتار مثلہ الحظ والشقص والنصیب والبعض جوھرۃ اھ[3] وفی الدر ندبت باقل منہ ولو عند غنی ورثتہ او استغنائھم بحصتھم کما ندب ترکھا بلا غنی او استغناء لانہ ح صلۃ وصدقۃ اھ[4] فی ردالمحتار صیرورتھم اغنیاء بان یرث کل منھم

اسی میں ہے کہ جب ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی یا اپنے قاتل کے لئے وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسرے وارثوں نے اسکی اجازت دے دی، تو اب ان وارثوں کو اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار نہیں، بلکہ اس کو سونپنے پر وہ مجبور کئے جائیں گے کیونکہ یہ بات ثابت ہوچکی کہ جس کے لئے اجازت دی گئی ہمارے نزدیک وہ وصیت کرنے والے کی طرف سے مالک بنتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اجازت دینے والے کی طرف سے اھ، اور اسی میں ہے کہ اپنے مال کی ایک جزء یا ایک حصہ کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے سپرد ہوگا ان کو کہا جائے گا کہ جو حصہ چاہو اس کو دے دو اھ، ردالمحتار میں ہے اسی کی مثل حکم ہوگا اگر مرنے والے نے اپنے مال میں کسی حظ، شقص، نصیب یا بعض کی وصیت کی، جوھرہ الخ۔ درمختار میں ہے ایک تہائی مال سے کمتر میں وصیت کرنا مستحب ہے اگرچہ وہ وصیت وارثوں کی مالداری کے ساتھ ہو یا میراث کے حصوں کی وجہ سے ان کو استغناء حاصل ہو رہا ہو جیسا کہ وارثوں کے مالدار نہ ہونے اور میراث کے حصوں کے سبب

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶ - ۳۲۷
[2] " " " " ۲/ ۳۲۲
[3] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹
[4] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

اربعة آلاف درهم علی ما روی عن الامام او یرث عشرة آلاف درهم علی ما روی عن الفضلی القهستانی عن الظهیریة و اقتصر الاتقانی علی الاول[1] اھ وفی الدر وللموصی الرجوع عنها بقول صریح او فعل[2] الخ وفی الطحطاوی علی الدر التجهیز لایدخل السبح والصمدیة والجمع والموائد لان ذلك لیس من الامور اللازمة[3] الخ۔

مستغنی نہ ہونے کی صورت میں وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے کیونکہ اس صورت میں ترکِ وصیت صلہ رحمی اور صدقہ ہے اھ۔ ردالمحتار میں ہے ان کے غنی ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایك ان میں سے چار ہزار درہم کا وارث بنے جیسا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے، یا دس ہزار درہم کا وارث بنے جیسا کہ امام فضلی قہستانی سے بحوالہ ظہیریہ منقول ہے، اتقانی نے قول اول پر اقتصار کیا اھ۔ درمختار میں ہے کہ موصی کو وصیت سے رجوع کا اختیار ہے چاہے صریح قول کے ساتھ رجوع کرے یا فعل کے ساتھ الخ۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ دعا و درود، ختم قل و چہلم، لوگوں کا اجتماع اور کھانے کا اہتمام وغیرہ تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ امور لازمہ میں سے نہیں الخ۔ (ت)

ان سب مسائل مذکورہ کے بعد جو متروکہ ہندہ ٹھہرے بعد خرچ تجہیز و تکفین و ادائے دین و اجرائے وصیت برتقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم مادر اور نو دختر اور دو دو ہر برادر کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مری اس نے اپنی حیات میں وصیت کی کہ میرا جو کچھ ہے وہ سب راہِ خدا یعنی تعمیرِ مسجد وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ اب از روئے شرع کے جو حکم ہو وہ کیا جائے اور اس کے وارثوں میں ایك زوج اور دو دختر اور ماں باپ اور ایك برادر اور ایك ہمشیرہ اس نے چھوڑی اور زیور ساختہ زوج کا وہ زوج کے پاس ہے کس کا حق قرار پائے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ ان وارثوں میں دونوں لڑکیاں نابالغہ ہیں اور زیور کہ زوج نے بنایا صرف پہننے کو

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸
[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

دیا تھا عورت کو ہبہ نہ کیا تھا، نہ وہاں تملیک کا عرف ہے، بلکہ یونہی پہننے کو بنا دیتے ہیں۔ پس صورتِ مستفسرہ میں اگر حسبِ بیان واقعی ہیں تو زیور ساختہ زوج ملکِ زوج ہے اس میں ورثۂ زوجہ کا کچھ حق نہیں اور متروکہ عورت سے اگر اس پر کوئی دین ہو ادا کیا جائے اس کے بعد جو باقی بچے اس کا ایک ثلث تعمیر مسجد وغیرہ میں حسبِ وصیت صَرف کردیں اگرچہ ورثہ راضی نہ ہوں دو ثلث کہ باقی رہے اس کی تقسیم بر تقدیرِ عدمِ موانعِ ارث وانحصارِ ورثہ فی المذکورین پندرہ سہام میں سے زوج کے تین۳ ماں باپ کے دو دو۲، ہر دختر کے چار۴ چار۴ اور برادر و خواہر کا کچھ نہیں پھر ایک ثلث میں وصیت نافذ کرنے کے بعد دو ثلث باقی ماندہ سے دونوں بیٹوں کا حصہ تو ضرور ہے دیا جائے گا کہ بوجہ نابالغی ان کے حق میں وصیت کسی طرح عمل نہیں کرسکتی باقی تینوں وارثوں میں جو شخص وصیت کی اجازت نہ دے اس کا حصہ اسے دیا جائے گا اور جو جائز رکھے اس کا حصہ بھی وصیت کے مطابق صَرف کردیا جائیگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی محبوب علی نے اپنی حالتِ صحت و نفاذِ تصرفات میں اپنی جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام بعوض اُس کے دینِ مہر کے منتقل کردی بعدہ محبوب علی کا انتقال ہوا، اب ہندہ نے ایسی حالت میں کہ اُسے مرضِ فالج ہوچکا تھا جسے ایک سال سے زائد گزرا اور اب کوئی حالت اس کی ترقی روزانہ اور اس سے غلبہ خوف ہلاک کی نہ تھی بلکہ مزمن ہوچکا تھا وہ جائداد اپنے شوہر کے بھانجے کو اُس کے حسنِ خدمت کے صلہ میں ہبہ کی اور شرعی اور نیز قانونی تکمیل کردی ہندہ ہنوز زندہ ہے، اب زید کہ محبوب علی کے چچا کی اولاد میں اور اس کا عصبہ ہے اس ہبہ پر فرض ہوتا اور جائداد میں اپنا حصہ بتاتا ہے اس صورت میں اُس کا یہ دعوٰی مسموع اور ہبہ مذکورہ باطل و مرفوع ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ہبۂ مذکورہ تام و کامل اور دعوٰی زید نامسموع و باطل، محبوب علی نے جو جائداد اپنی صحت میں اپنی زوجہ کو بعوض دینِ مہر دے دی محبوب علی و ورثۂ محبوب علی کو اس سے کچھ تعلق نہ رہا، ہندہ اس کی مالک مستقل ہوگئی مالک کو اختیار ہے کہ اپنی صحت میں اپنا مال جسے چاہے دے دے کسی کو اس پر اعتراض نہیں پہنچتا، زید اگرچہ بذریعۂ وراثتِ محبوب علی مدعی ہے تو وراثتِ محبوب علی کو مالِ ہندہ سے کیا علاقہ، اور اگر وہ ہندہ کا بھی وارثِ شرعی اور اس بنا پر مدعی ہے تاہم حیاتِ مورث میں دعوٰی وراثت کیا معنٰی، ہاں اگر کوئی شخص مرضِ موت میں اپنا مال کسی کو ہبہ کرے

تو وہ ہبہ بمنزلہ وصیت ہوتا ہے جس کا اثر یہ کہ بعد موت واہب اُس کے ورثہ کو ثلث کو کل متروکہ واہب کے لحاظ سے اگر ہبہ میں کچھ زیادت ہوئی ہو تو صرف اسی مقدار زائد میں اختیار اعتراض ہے زندگی واہب میں یہ اعتراض بھی نہیں پہنچتا کہ ابھی اُس مرض کا مرض ہونا ہی معلوم نہیں، کیا معلوم کہ شفا ہو جائے تو مرضِ موت نہ رہے کہ مرضِ موت تو وہ مرضِ مہلک ہے جس میں موت واقع ہو جائے معہذا حیاتِ مورث میں اس کے ثلث مال کی تعیین بھی ناممکن جس سے خیال کرسکیں کہ یہ ہبہ اُس حد کے اندر یا اس سے زائد ہے، کیا معلوم کہ جو مال اب ہے اس سے زائد اسے کسی وجہ سے اور حاصل ہو جائے کہ جسے اس وقت ثلث سے زائد تصور کرتے ہیں ثلث سے کم رہ جائے، پھر ہندہ کا مرض مذکور کو مرضِ موت کی اصل جنس ہی سے خارج کہ جو مرض مزمن ہو جائے وہ مرضِ موت نہیں رہتا اگرچہ اس میں موت واقع ہو۔ بالجملہ دعوٰی زید اصلاً کسی طرح کوئی وجہ صحت نہیں رکھتا۔ درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

تصرفات المریض نافذۃ و انما تنقض بعد الموت [1]

مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ موت کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتھم فی حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عند الموت [2]

موصی کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ ثبوتِ حق سے قبل ہوئی اس لئے کہ وارثوں کا حق تو موت کے وقت ثابت ہوتا ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ [3]

وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ھبۃ مقعد و فالج و مسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ و لم یخف

مقعد، مفلوج اور سل کے مریض کا ہبہ کل مال میں نافذ ہوتا ہے جبکہ بیماری سال تک لمبی ہوگئی اور

---

[1] الدر المختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷
[2] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱
[3] الفتاوی الہندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰

موته منه لانها امراض مزمنة[1] اھ ملخصًا

موت کا خوف اس بیماری سے نہ رہا ہو کیونکہ یہ لمبی بیماریاں ہیں اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے :

المراد من الخوف الغالب منه لانفس الخوف کفایة۔[2]

خوف سے مراد خوف کا غالب ہونا ہے نہ کہ نفسِ خوف، کفایہ۔ (ت)

اُسی میں ہے :

المانع من التصرف مرض الموت وھو مایکون سببا للموت غالبا وانما یکون کذلك اذا کان بحیث یزداد حالا فحالا الی ان یکون اٰخرہ الموت[3] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

تصرف سے مانع مرض الموت ہے اور وہ غالبًا موت کا سبب ہوتی ہے۔ اور بیشک ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بیماری دن بدن بڑھتی جاتی ہے یہانتک کہ اس کی انتہاء موت پر ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مرسلہ جمیل احمد صاحب پیلی بھیت محلہ پکریا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد سے بقیدِ حیات اپنے عمرو کے واسطے اور بعد انتقال عمرو کی زوجہ کے واسطے مبلغ دو روپیہ مشاہرہ مقرر کیا تھا بقضائے الٰہی زید اور عمرو نے انتقال کیا اور زوجۂ عمرو متوفی موجود ہے اس حالت میں زوجۂ مذکورہ اس مشاہرہ مقررہ کی جو زید نے یعنی بقیدِ حیات مقرر کیا تھا شرعًا ورثاء زید سے مستحق پانے کی ہے یا نہیں ؟

الجواب

سائل مظہر کہ بعد انتقال سے مراد بعد انتقال عمرو ہے تو یہ وصیت نہ ہوئی فان الوصیة انما تکون مضافة الی مابعد الموت (کیونکہ وصیت تو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ ت) بلکہ صرف اپنی زندگی تک ایک تبرع کا وعدہ تھا ولاجبر علی تبرع ولا علی وفاء وعد (تبرع اور وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں ہوتا۔ ت) اور سائل مظہر کہ زید نے اپنی حیات تک وعدہ وفا بھی کیا انتقال عمرو

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] " " " " ۵/ ۴۲۳

سے پیشتر ہوا۔ غرض صورتِ مذکورہ میں خواہ وفائے وعدہ ہوا یا نہ ہوا زوجہ عمرو اس مشاہرہ کا مطالبہ نہ ورثائے زید سے کرسکتی ہے نہ ترکہ زید سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰ مسئولہ نواب محمد میاں خاں صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کی نسبت وصیت کی کہ میرے باپ کے اور میرے وقت سے جو جو جس جس کا مقرر ہے وہ اس کی توفیر سے ادا ہوتا رہے، خالد نے موضع مذکور کا ٹھیکہ لیا اور تین برس تک حقوق مستحقین کو نگاہ رکھا اب اس نے بالکل بند کرلیا شرعاً خالد کا زندہ زید کو ایسا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور وصیت مذکورۃ الصدر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

وصیت جبکہ ثلث کل متروکہ موصی بعد ادائے دین سے زائد نہ ہو تو واجب النفاذ ہے وارث بھی اُسے بند نہیں کرسکتے نہ کہ کارندہ یا ٹھیکیدار تو کل موضع مذکور اگر ثلث متروکہ زید سے زائد نہیں تو یہ وصیت بتمامہا ہمیشہ نافذ رہے گی۔

فی التنویر تجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلک اھ[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم

تنویر میں ہے اجنبی کے لئے ایک تہائی میں وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱ از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۸ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپے اور بعض چیزیں اپنی بہن کو دے کر یہ کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو یا تو وقتاً فوقتاً ہم لے لیا کریں گے یا اگر ہمارا انتقال ہوگیا تو تم اس کو ہمارے نام پر صدقہ کردینا ہم کو تم سے امید ہے کہ تم ہمارے بعد صدقہ کردو گی بخلاف باپ کے کہ ان سے امید نہیں اس کے بعد وہ شخص کچھ دن پیچھے مرگیا اب وارث اُس کی بی بی اور اُس کا باپ ہے تو آیا بہن حسب وصیت بھائی کے ان روپوں اور چیزوں کو بلا اطلاع ورثہ صدقہ کردے یا ورثہ کے حوالے کردے خواہ وہ صدقہ کریں یا نہ کریں مگر امید صدقہ کی نہیں پائی جاتی۔ بینوا توجروا۔

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۷/۲

الجواب

اگر وہ مال کل متروکۂ شخص مذکور بعد ادائے مہر و دیگر دیون کے ثلث سے زائد نہیں تو وصیت بلا اجازت ورثہ نافذہ ہے بہن کہ وصیہ ہے بلا اطلاع ورثہ صدقہ کرسکتی ہے اور اگر زائد ہے تو صرف قدر ثلث تصدق کرسکتی ہے زیادہ میں حاجت اجازت ورثہ ہے اگر اجازت نہ دیں قدر زائد انھیں واپس دے اور اگر مہر یا اور کوئی دین تمام ترکہ کو محیط ہے تو وصیت اصلاً نافذ نہیں سب مال دین میں دیا جائے گا مثلاً مورث نے تین سو روپے کا مال وصیہ کے پاس رکھوایا اور سات سو روپے کا اور متروکہ ہے اور اس پر مہر وغیرہ کوئی دین نہیں تو ظاہر ہے کہ تین سو روپے ہزار روپے کے ثلث سے کم ہیں یا اس صورت میں مثلاً سو روپے کا مہر وغیرہ دین ہے تو ہزار میں سے دین کے ۱۰۰ نکل کر نوسو ۹۰۰ رہے یہ تین سو روپے ان کے ثلث سے زائد نہیں ان دونوں صورتوں میں پورا تین ۳۰۰ کا مال بہن تصدق کردے اور اگر مہر وغیرہ دیون کی مقدار چار ۴۰۰ سو روپے ہے تو بعد ادائے دیون چھ ۶۰۰ سو بچیں گے تین ۳۰۰ سو میں اس کے ثلث سے ۱۰۰ سو روپے زائد ہیں لہذا دو ۲۰۰ سو تصدق کرے اور ۱۰۰ سو کا تصدق اجازت ورثہ پر موقوف ہے اور اگر ہزار روپے یا اس سے زائد مقدار مہر و دیون ہے تو کچھ تصدق نہ کرے سب ان کی ادا میں صرف کیا جائے۔

والاحکام کلها واضحة جلیة معلومة متداولة فی عامة الکتب الفقهیة۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اور احکام تمام کے تمام واضح، روشن، معلوم اور فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲

۲۲ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ما صہ روپے بکر کے جمع ہیں اور بکر مرگیا اور اس کی وارث ایک بی بی ہے کہ اس نے اب دوسرا نکاح کرلیا ہے اور ایک بھائی حقیقی اور دو بھائی چچا زاد ہیں تو ہر ایک کو اس میں سے کس قدر حصہ ملنا چاہئے اور سوائے اس کے ارادہ بکر کا حج کا تھا اور حج اس پر فرض بھی تھا لیکن مرتے وقت کوئی وصیت اس روپے کی بابت نہیں کی تھی سو اس صورت میں زید اگر چاہے تو اس کی طرف سے حج بھی کراسکتا ہے یا نہیں فقط مکرر یہ کہ مرتے وقت بکر کے حواس بھی درست نہیں تھے۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کو اس روپے میں کسی تصرف کا اختیار نہیں کہ وہ امانت دار تھا اب اُس امانت کے مالک وارثان بکر ہوئے زید پر واجب ہے کہ سب روپے انھیں واپس دے۔

قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا[1] (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بیشک اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو۔

روپے اور جو کچھ ترکۂ بکر ہو برتقدیر عدم موانعات ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دین ومہرؤ وصیت چار سہم پر منقسم ہوکر ایک سہم اس کی زوجہ اور تین حقیقی بھائی کو پہنچیں گے چچازاد بھائیوں کا کچھ حق نہیں، نکاح ثانی کرلینا عورت کے مہر یا میراث کو ساقط نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت فوت گواہوں کے رُوبرو کہا کہ میرا کچھ قرض میری بہنوں پر آتا ہے وہ میں نے بعوض اُن کے حصّے کے اپنے ترکہ میں معاف کیا اب وارث میری صرف دو دختر ہیں بعدہٗ چاروں وارث اپنے چھوڑکر فوت ہوا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس طرح منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تخارج وغیرہ کوئی عقد نسبت ترکہ کہ حیات مورث میں ہو صحیح نہیں تو یہ قول زید کا کان لم یکن (نہ ہونے کے برابر ہے۔ ت) اب اگر خواہریں اس کی اس بات پر راضی ہوجائیں کہ بدلہ[2] قرضہ کے ترکہ سے دست بردار ہوں تو سب ترکۂ زید بالمناصفہ اس کے دختروں کو پہنچے گا اور خواہروں کو کچھ نہ ملے گا اور اگر نہ راضی ہوں تو کل ترکہ مع اس قرضہ کے جو خواہروں پر ہے برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث و تقدیم امور کا دار الدین واجراء الوصیہ وانحصار ورثہ فی المذکورین چھ سہام پر منقسم ہوکر دو دو سہم دختروں اور ایک ایک خواہروں کو ملے گا۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۱۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر یتامٰی کے اولیاء و اوصیاء اُن کے مال سے قدرے شیرینی وغیرہ کوئی چیز ہدیۃً کسی کو بھیجیں تو اُسے لینا جائز یا ناجائز؟ اور اگر بغرض تالیف قلوب ومحابت یا بجہت قرابت رحمی اس شرط پر لے کہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ معاوضہ کروں گا تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] لعل الصواب قرضہ کے بدلہ ۱۲ ازہری غفرلہ

الجواب

وہ ولی جسے مالِ یتیم میں تصرف جائز ہوتے ہیں، باپ کا وصی، دادا اور دادا کا وصی۔ ان کے سوا اور اقارب اگرچہ مادر و برادر و عم و خواہر ہوں انھیں راسا تصرف فی المال کا اختیار نہیں۔

فی الدر المختار ولیہ احد اربعۃ الاب ثم وصیہ ثم الجد ثم وصیہ[1] اھ ملخصاً۔

درمختار میں ہے اس کا ولی چار میں سے کوئی ایک ہوگا باپ پھر اس کا وصی۔ دادا پھر اس کا وصی اھ تلخیص۔ (ت)

اب رہے اولیائے ثلٰثہ انھیں بھی یہ مجال نہیں کہ مالِ یتیم کسی کو بخش دیں یا ہدیۃً دیں یا کسی طرح کا تبرع اس سے عمل میں لائیں، نہ مہدی الیہ یا موہوب لہ کو اس کا لینا جائز، اگرچہ ہزار قرابت رحمی رکھتا یا تالیف و محابت کا قصد کرتا ہو۔

قال تبارک و تعالٰی ان الذین یاکلون اموال الیتامٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا[2]۔

(اللہ تبارک و تعالٰی نے فرمایا) جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں یونہی ہے کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور جلد پیٹھیں گے دہکتی آگ میں (ت)

اور شرط عوض بھی کچھ نافع نہیں کہ ہبہ بشرط العوض اگرچہ انجام میں بیع ہو جاتی ہے مگر ابتداءً ہبہ ہے اور وہ یہاں محض ناجائز، یہاں تک کہ ہمارے امام کے نزدیک باپ کو بھی اختیار نہیں کہ اپنے نابالغ بچّہ کا مال بشرط عوض کسی کو دے۔

فی الدر المختار من الھبۃ عن الخانیۃ لایجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانھا تبرع[3] وفیہ ایضا لایخفی ان ما ھو تبرع ابتداء ضار فلا یصح باذن ولی الصغیر کقرض[4] اھ۔

درمختار کے باب الہبہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ باپ کو یہ جائز نہیں کہ اپنے نابالغ لڑکے کے مال سے کچھ ہبہ کرے اگرچہ اس پر کچھ بھی لے کیونکہ یہ تبرع ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے پوشیدہ نہ رہے کہ جو ابتداء کے اعتبار سے تبرع ہو وہ مضر ہے چنانچہ ولی صغیر کی اجازت سے صحیح نہیں ہو سکتا جیسے قرض اھ (ت)

---

[1] الدر المختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/۱۰

[3] الدر المختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

[4] " کتاب الماذون " ۲/۲۰۳

البتہ اگر وصی یتیم مالِ یتیم کو ان لفظوں سے ہدیہ کردے کہ میں نے یہ چیز تجھے بعوض اتنے مال کے ہدیہ دی اور اس مال کی تعیین و تبیین کردے اور مہدی لہ قبول کرے اور وہ یعنی جسے ہدیہ دیا گیا نہ میّت کا وارث ہو نہ اس وصی کا ایسا قریب کہ اس کی گواہی اس کے لئے جائز نہ ہو یعنی اصول و فروع ماں باپ دادا دادی نانا نانی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی، تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ اس میں غبن فاحش نہ ہو کہ ہبہ بالعوض ابتداءً و انتہاءً ہر طرح بیع ہے اور بیع وصی بشرائط مذکورہ روا۔

فی الدر المختار الھبة بشرط العوض المعین فھی ھبة ابتداء و بیع انتھاء وھذا اذا قال وھبتك علی ان تعوضنی کذا اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء وقید العوض بکونه معینا لانه لوکان مجھول بطل اشتراطه فیکون ھبة ابتداء وانتھاء[1] اھ ملخصًا وفی تنویر الابصار صح بیعه وشراءہ من اجنبی بما یتغابن الناس[2] اھ فی ردالمحتار قوله من اجنبی ای عن المیت وعن الموصی فلو باع ممن لاتقبل شھادته او من وارث المیت لایجوز[3]۔

درمختار میں ہے جو ہبہ عوض معین کی شرط کے ساتھ مشروط ہو وہ ابتداء کے اعتبار سے ہبہ اور انتہاءً کے اعتبار سے بیع ہے، یہ اس صورت میں ہے جب واہب یوں کہے میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ فلاں چیز مجھے عوض میں دے لیکن اگر یوں کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز کے مقابلے میں ہبہ کیا تو یہ ابتداء وانتہاء دونوں کے اعتبار سے بیع ہے اور عوض کے ساتھ معین ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ مجہول ہو تو شرط لگانا باطل ہوگا چنانچہ یہ ابتداء وانتہاء دونوں کے اعتبار سے ہبہ ہوگا اھ تلخیص۔ تنویر الابصار میں ہے اس کی بیع و شراء اجنبی کے ہاتھ اتنے غبن کے ساتھ صحیح ہے جتنا لوگوں میں چلتا ہے اھ، ردالمحتار میں ماتن کے قول "من اجنبی" کے تحت مذکور ہے یعنی وہ میّت اور وصی سے اجنبی ہو۔ اگر ایسے کے ہاتھ بیچا جس کی شہادت وصی کے حق میں مقبول نہیں یا میّت کے وارث کے ہاتھ بیچا تو جائز نہیں (ت)

---

[1] الدر المختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

[2] " کتاب الوصایا باب الوصی " " " ۲/۳۳۷

[3] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۳

مسئلہ ۱۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد یوسف کی حیات میں اس کی زوجہ نے انتقال کیا ایک پسر اور ایک دختر وارث چھوڑے، مہر اس کا ذمہ محمد یوسف کے رہا، محمد یوسف نے نکاح ثانی کیا طرفداران زوجہ ثانیہ نے محمد یوسف کے مرض موت میں سب مال و اسباب اُس کا بنام زوجہ ثانیہ محمد یوسف کے لکھوا کر رجسٹری کرادی وہ عورت اب اس پر قابض ہے، اس صورت میں شرعاً وہ تحریر محمد یوسف کی بنام زوجہ ثانیہ جائز ہے یا نہیں اور مہر زوجہ اولٰی کا ترکہ محمد یوسف سے جس پر زوجہ ثانیہ قابض ہے ادا کیا جائے گا یا نہیں اور اس کے پسر و دختر کو بھی اُس میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وہ عقد کہ محمد یوسف سے اُس کے مرضِ موت میں صادر ہوا اگر ہبہ ہے تو بدون اجازت اور وارثوں کے صحیح نہیں کہ ہبہ مرض موت کا مثل وصیت کے ہے اور وصیت وارث کے لئے وقت وجود دیگر ورثہ کے بلا اجازت اوروں کے نافذ نہیں،

فی فتاوی قاضیخان لان ھبۃ المریض وصیۃ والوصیۃ للوارث باطل[1]

فتاوٰی قاضی خان میں ہے مریض کا ہبہ کرنا وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے۔ (ت)

اور اگر بیع ہے تو یا کم قیمت کو ہے پس وارث سے بغیر اجازت اور ورثہ کے اتفاقًا یا قیمت مساوی کو ہے تو مذہب امام اعظم میں خلافًا للصاحبین جائز نہیں بہر تقدیر جب یہ عقد ناجائز ٹھہرا تو اول مہر زوجہ اولٰی اور اسی طرح ثانیہ کا، اگر ثابت ہو تو ترکہ سے علی السویہ اگر برابر ہوں ورنہ رسدی ادا کیا جائے گا مابقی بر تقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم باقی امور مقدمہ علی المیراث کاجراء الوصیۃ واداء الدین چوبیس سہام پر منقسم ہو کر تین سہام زوجہ ثانیہ کو اور چودہ پسر اور سات دختر کو پہنچیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶

(سوال دستیاب نہ ہوا)

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر محب اللہ کا اپنی بھانجی کے لئے یہ الفاظ کہنا اور وصیت کرنا ثابت ہو تو درصورت عدم اجازت ورثہ بر تقدیر صدق استفتاء، وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین بعد

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی اقرار المریض نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۴

ادائے قرض ومہر زوجہ اگر ذمہ میت اللہ ہوں جو مال باقی بچے گا اس کا تہائی جگا کو ملے گا اور دو تہائی باقی چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم اعجوبہ اور تین چھدا کو پہنچیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد سے ایک حقیت کی بنام اپنی نواسی سلمٰی بنت لیلٰی اور ایک حقیت اور پانچ روپیہ ماہوار ملا کرنے کی اپنے پانچ بھتیجوں کے نام وصیت کی، اور ایک بیٹی لیلٰی اور پھر پانچ بھتیجے حقیقی اور ایک بھتیجی علاتی اور بھاوج اور بھتیجیاں اور ایک بھائی کہ پہلے سے مفقود الخبر ہے وارث چھوڑ کر انتقال کیا، اس صورت میں ترکہ اُس کا شرعًا کس طرح منقسم ہوگا اور برادر مفقود کے لئے اگر کچھ حصہ امانت رکھا جائے گا تو وہ حصہ اس کی بی بی بیٹی کے قبضہ میں دے دیں گے یا کیا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اول ہندہ پر جو دین ہو ادا کیا جائے بعدہٗ جو باقی بچے اس کے تین حصے مساوی کئے جائیں کہ ایک حصہ میں دونوں جائداد موصٰی بہا جن کی وصیت بنام سلمٰی دختر لیلٰی و بنام برادر زادگان ہوئی ہے داخل ہوں اور اس حصہ کا نام مثلاً ثلث وصیت رکھیں دو ثلث باقیماندہ سے بالفعل ایک ثلث لیلٰی کو دے دیا جائے اس کا نام "ثلث وراثت" فرض کیجئے تیسرا حصہ کہ باقی رہا اسے "ثلث موقوف" سے نامزد ٹھہرائیے، اب ثلث وصیت ہے کہ حسبِ اظہار زبانی سائل ان وصایا کے لئے کافی بلکہ زائد ہے جس قدر جائداد کی وصیت بنام سلمٰی بنت لیلٰی کی ہے بالفعل اس کا نصف سلمٰی کو دیا جائے باقی کل جائداد تا ظہور حیات مفقود کسی ایسے امین دیانتدار کے ہاتھ میں امانت رہے جس سے کسی طرح اس میں تصرف بے جا اور ایک پیسہ ناحق لینے کا گمان نہ ہو۔

قال العلامۃ البدر العینی رحمۃ اللہ علیہ فی البنایۃ ویوضع علی ید عدل الی ان یظھر المستحق[1]

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنایہ میں ہے کہ مستحق کے ظاہر ہونے تک اُس کو کسی عادل کے قبضہ میں رکھدیا جائے گا۔ (ت)

اب اس امین کے ہاتھ میں ثلث موقوف تو تمام وکمال ہے اور ثلث وصیت سے نصف وصیت سلمٰی نکال کر باقیماندہ اُس کی امانت میں ہے اس باقیماندہ کی جائداد تین نوع پر ہے،

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب المفقود المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۹۵۱

ایک[1] تو وصیتِ سلمٰی کا نصف ثانی، اسے حصہ نمبر اول کہئے۔

دوسری[2] جائداد وصیت شدہ بنام برادرزادگان، اسے حصہ نمبر دوم ٹھہرائیے۔

تیسرے[3] پارہ حال تعیین وصیت ہے، اسے حصہ نمبر سوم قرار دیجئے۔

تو امانت امین میں چار قسم کی جائداد ہوئی، تینوں حصے یہ اور ایک ثلث موقوف بالاشتراک، اب یہ امین فصل بفصل ان چاروں قسم کی جائداد کا حساب دخل و خرچ جداجدا تفصیل وار لکھتا رہے اور ہر حصہ کا خرچ و مالگزاری اُسی کی آمدنی سے نکالے جو پس انداز ہو اسے تفریق سے جمع کرتا رہے یہاں تک کہ مفقود کا حال ظاہر ہو یا شرع اُس کے حق میں کچھ حکم فرمائے اور ظہور حال مفقود کی نسبت دو صورتیں ہیں:

ایک[1] یہ کہ اس کی زندگی بعد موت ہندہ کے ثابت ہو اگرچہ اس کے بعد ایک آن جی کر انتقال کر گیا یا اب تک زندہ ہو۔

دوسرا[2] یہ کہ ہندہ سے ایک آن پہلے سے اُس کی وفات تحقیق ہو اس قدر زمانہ تک اُس کا کچھ حال مرنے جینے کا نہ کھلے کہ اس کے شہر وطن میں اس کے ہمعمروں سے کوئی زندہ نہ رہے اس وقت ایک شخص کو پنچ قرار دے کر مقدمہ اس کے حضور پیش کریں اور وہ بوجہ مرور مدت مذکور اُس کی موت کا حکم کردے (پچھلی صورت میں) تو کچھ وقت نہیں ثلث وصیت کا حصہ نمبر اول اور آج تک جو اس حصہ کے واصلات ہوں سب سلمٰی کو دے کر اس کی وصیت پوری کردی جائے، اور بھتیجے اس صورت میں بحکم وصیت کچھ نہ پائیں گے کہ جب مفقود کا انتقال ہندہ سے پہلے ٹھہرا تو یہ وارث ہوئے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل، پس بعد ادائے دین و اخراج وصیت سلمٰی جس قدر متروکہ ہندہ باقی رہے مع ثلث وراثت وثلث موقوف و واصلات حصہ[2] وحصہ[3] و واصلات ثلث موقوف سب برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین دس سہم پر منقسم ہو کر پانچ سہم لیلٰی اور ایک ایک ہر برادرزادۂ حقیقی کو دیا جائے (اور پہلی صورت پر) یعنی جبکہ بعد ہندہ مفقود کا زندہ رہنا ثابت ہو اس تقدیر پر ثلث موقوف مع اس کے واصلات کے مفقود یا اس کے ورثہ کو دے دیا جائے اور ثلث وراثت تو لیلٰی نے پہلے ہی پالیا تھا باقی رہا ثلث وصیت اس میں سے حصہ نمبر دوم مع واصلات اور بھتیجوں کو دے دیا جائے اور حصہ[1] و[3] بدستور امین کے ہاتھ میں رہیں اور اُن کی واصلات جمع شدہ سے روز موت ہندہ سے آج تک حساب پانچ روپیہ ماہواری کا لگا کر جو روپیہ حساب سے نکلے بھتیجوں کو دیا جائے اور زر واصلات سے جو باقی بچے دستِ امین میں رہے اور ہمیشہ ان دونوں حصص کی توفیر سے پانچ روپیہ ماہوار بھتیجوں کو دیا کرے اگر کمی پڑے تو واصلات باقیماندہ سے پورا کرے اور بچ رہے تو اپنے پاس امانت رکھے

یہاں تک کہ پانچوں اپنی اپنی اجل کو پہنچ کر انتقال کر جائیں اور ان میں سے جو گزرتا جائے اس کا حصہ ماہوار اس کے وارثوں کو نہ ملے بلکہ وہ پورا پانچ روپیہ مشاہرہ باقیماندہ بھتیجوں میں بٹتا رہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے ایک بھی باقی رہے تو وہی پانچ روپیہ بالاستیعاب پاتا رہے جب ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو حصہ ۱/۱۰ جو وصیت سلمٰی میں سے دستِ امین میں امانت تھا اور اس کے واصلات سے کچھ بچا ہو تو وہ بھی سلمٰی کو دے کہ اس کی وصیت پوری کر دی جائے اور حصہ ۳/۱۰ مع اس کی واصلات کے اگر کچھ باقی ہو سلمٰی و مفقود میں نصف نصف منقسم ہو جائے اس وقت امین کا ہاتھ خالی اور ہر ایک اپنے اپنے حق کو پورا پہنچ جائے گا اور بھاوج بھتیجیاں علاتی بھتیجا ہر صورت میں محروم رہیں گے نہ وہ حصہ جو مفقود کے لئے امانت رکھا گیا ہے اس کو عورت یا دختر اپنے قبضہ میں کر سکتی ہے بلکہ جس طرح ہم نے تفصیل کی اُسی طرح امین کے ہاتھ میں رہے گا، یہ ہے حکم شرع کا اور شرع ہی کے لئے حکم ہے

والوجه فی ذلك ان التركة اذا انتظرت مفقود الایعطی منها احد من المستحقین ورثة کانوا اوموصی لهم الا اقل نصیبه المتیقن به علی کل من حالتی حیاة المفقود ومماته وامر العصبات اعنی بهم ابناء اخیها دائر بین ان یکون المفقود حیا فیحجبهم ولیستحقوا منه ما اوصی لهم به وان یکون میتا فیرثوا فلا تنفذ لهم الوصیة من دون اجازة الورثة الباقین فوصیتهم وورثتهم کلاهما مشکوك فیها بالمرة فلا یعطوا بالفعل شیئا ولا تسمع دعوی الملك الا بتفسیر

اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکہ جب مفقود کا منتظر ہو تو اس میں سے وارثوں اور جن کے لئے وصیت کی گئی ہے کو کچھ نہیں دیا جائے گا مگر وہ جو میت کی دو حالتوں یعنی حالتِ حیات اور حالتِ ممات میں سے جس حالت میں کمتر ملتا ہے کیونکہ یہ یقینی ہے۔ اور عصبات یعنی بھتیجوں کا معاملہ دو حالتوں کے درمیان دائر ہے۔ ایک یہ کہ مفقود زندہ ہو اور ان کے لئے حاجب بنے۔ اس صورت میں ان کو وہ شئی ملے گی جس کی انکے حق میں وصیت کی گئی ہے اور دوسری یہ کہ مفقود مردہ ہو تو اس صورت میں وہ وارث بنیں گے اور دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر ان کے لئے وصیت نافذ نہ ہوگی، چنانچہ ان کی وصیت و میراث دونوں یکبارگی مشکوک ہیں لہذا انھیں بالفعل کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اور ان کا دعوٰی ملک مسموع نہ ہوگا جب تک وہ سبب ملک کی

السبب والتفسیر غیر ممکن فتعین التاخیر۔

تفسیر نہ بیان کریں اور تفسیر ممکن نہیں لہذا تاخیر متعین ہوگئی۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور دو دختر اور ایک ہمشیرہ حقیقی چھوڑی، اور نیز بحالتِ صحت و ثبات عقل یہ وصیت کی کہ میری جو دختر کلاں میرے سامنے مرگئی ہے اور اس سے ایک پسر اور ایک دختر باقی ہے میری جائداد سے جو حصہ شرعی کہ میری بڑی بیٹی کو پہنچے اُس جائداد کے مالک اُس مرحومہ کے بچے ہیں اگر اس وصیت میں فرق ہوگا تو بروزِ حشر دامن گیر ہوں گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر الفاظِ وصیت یہی تھے تو وہ باطل و بے اثر ہے کہ وصیت اس حصہ شرعی کی نسبت ہے جو ترکہ موصی سے دخترِ کلاں کو پہنچے اور صورتِ واقعہ میں دخترِ کلاں کو شرعاً کچھ نہیں پہنچتا تو وصیت اصلاً کسی شَے سے متعلق نہ ہوئی اور موصی لہا کا کوئی استحقاق نہ ہوا۔

اوصی بعین او بنوع من مالہ کثلث غنمہ فھلک قبل موتہ بطلت الوصیۃ ولا یتعلق حق الموصی لہ بشیئ کما فی العالمگیریۃ[1] وغیرھا لعدم ما یتعلق بہ فکیف اذا لم یوجد اصلا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اپنے مال میں سے کسی عین یا نوع کی وصیت کی جیسے بکریوں کے ایک تہائی کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ عین یا نوع موصی کی موت سے پہلے ہلاک ہوگئی تو وصیت باطل ہوجائے گی اور اس کے ساتھ وصیت کا حق متعلق نہ ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کیونکہ وہ شَے معدوم ہوگئی جس کے ساتھ وصیت متعلق ہوتی پھر کیسے باطل نہ ہوگی اس صورت میں جبکہ سرے سے وہ شَے پائی ہی نہیں گئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹

(سوال دستیاب نہ ہوا)

الجواب

وصیتِ زوجہ کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں البتہ اگر دینِ مہر واجب الادا ہے تو وہ تقسیمِ ترکہ سے مقدم ہوگا پس بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر چالیس سہام پر منقسم ہوکر

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۶

پانچ سہم وکالت بیگم اور چودہ چودہ کریم الدین ونصیرالدین اور سات فضیلت بیگم کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ستو نے اپنی جائداد اپنی زوجہ اگھانی کے ہاتھ بعوض دین مہر کے بیع کی، پھر اگھانی ورثہ حسب تفصیل ذیل چھوڑ کر فوت ہوئی، اب ستو نے اپنی موت کے دو ایک روز پیشتر بحالت علالت ایسی کیفیت میں کہ صاحب فراش ہوگیا تھا اور طاقت نشست وبرخاست نہ رہی تھی اپنی بیٹی معصومہ کے ہاتھ بیع کی اور مرگیا اور باقی ورثہ بیع ثانی کی اجازت نہیں دیتے، اس صورت میں وہ انتقال ستو کا کہ اُس نے اپنی زوجہ کے ہاتھ کیا شرعًا صحیح ونافذ ہے یا نہیں؟ اور اس انتقال ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور ترکہ اگھانی کا اس کے ورثہ پر کس طرح منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ستو نے کہ اپنی جائداد بعوض دین مہر اپنی زوجہ کے ہاتھ بیع کی اس کی صحت میں شبہہ نہیں، بعد اس انتقال کے اس جائداد کی مالک اگھانی قرار پائے گی اور وہ اسی کا ترکہ ٹھہرے گا، پھر اس کی وفات کے بعد ستو نے جو اپنا حصہ اپنی بیٹی کے ہاتھ مرضِ موت میں بیع کیا اور باقی وارث اسے روا نہیں رکھتے تو وہ بیع باطل محض ہوگئی اور وہ حصہ بھی حسبِ فرائض کل ورثہ پر منقسم ہوجائے گا۔

فی الخانیۃ ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض ولم یجز الورثۃ بطل البیع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خانیہ میں ہے اگر مریض نے مرض الموت میں اپنے کسی وارث کے ہاتھ اپنے مال میں سے کوئی عین شئی فروخت کی تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر وہ صحت مند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائیگی۔ اور اگر اسی بیماری میں مرگیا اور باقی وارثوں نے اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۵۲

مسئلہ ۱۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نذر علی کے تین زوجہ اور تین پسر اور تین دختر، زوجۂ اولیٰ سے ایک پسر ذوالفقار علی، اور زوجۂ ثانیہ سے دو پسر اور دو دختر، اور زوجۂ ثالثہ سے ایک دختر۔ ذوالفقار علی نے روبرو شیخ نذر علی کے انتقال کیا، ایک زوجہ اور ایک پسر محمد باقر وارث چھوڑے، شیخ نذر علی نے اپنی حیات میں روبرو دیگر ورثہ کے محمد باقر پسر ذوالفقار علی کو کہ عندالشرع محجوب تھا عوض دین مہر اپنی زوجہ یعنی والدہ ذوالفقار علی کے جو ترکہ کہ شیخ ذوالفقار علی کو بواجب شرع بعد شیخ نذر علی کے ملتا وہ بنام نہاد محمد باقر کر دیا اور جملہ ورثاء نے قبول کرلیا حیات شیخ نذر علی میں زوجۂ اولیٰ وثانیہ نے بھی رحلت کی اور بعد انتقال شیخ نذر علی کے ایک زوجہ کے دو پسر تین دختر ایک محمد باقر پسر ذوالفقار علی وارث رہے۔

الجواب

پسر کے لئے وصیت بشرطیکہ پسر موجود نہ ہو جائز ہے کہ یہ تقدیر و اندازہ ہے نہ وصیت بمال الغیر اذ لاحق لابن مات قبل ابیہ فی ترکۃ ابیہ (اس لئے کہ باپ سے پہلے مرجانے والے بیٹے کا باپ کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اذا اوصی بنصیب ابنہ فالوصیۃ باطلۃ ولو اوصی بمثل نصیب ابنہ جاز لان الاول وصیۃ بمال الغیر لان نصیب الابن مایصیبہ بعد الموت والثانی وصیۃ بمثل نصیب الابن ومثل الشیئ غیرہ وان کان یتقدر بہ فیجوز[1] قلت وقیدہ الشراح بما اذا کان الابن موجودا قالوا وان لم یکن

اگر اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے۔ اور اگر بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ پہلی صورت میں مالِ غیر کی وصیت ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو باپ کی موت کے بعد حاصل ہوگا۔ اور دوسری صورت میں بیٹے کے حصہ کی مثل کی وصیت ہے اور شئی کی مثل شئی کا غیر ہوتی ہے اگرچہ شئی کے ساتھ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے چنانچہ یہ جائز ہوگی[1] میں کہتا ہوں شارحین نے اس کے ساتھ قید لگائی یہ کہ جب بیٹا موجود ہو۔ انھوں نے کہا کہ

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹-۶۵۸

موجودا صحت الوصیۃ و بھذا التفصیل اتی فی الدرالمختار[2] معزیا للعنایۃ حاشیۃ الھدایۃ و الجوھرۃ وشرح التکملۃ۔

اگر بیٹا موجود نہ ہو تو وصیت صحیح ہوگی۔ اور یہی تفصیل درمختار میں لائی گئی جس کو ہدایہ کے حاشیہ عنایہ، جوہرہ اور شرح التکملہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ (ت)

پس بلاشبہہ یہ تصرف صحیح اور بوجہ قبول محمد باقر نافذ ہوکر سہام موصی لہا بعد محمد باقر کے اس کے ورثۂ شرعی کی طرف منتقل ہوگئے امام النساء اُن سے اپنے حصہ کی مالک ہوئی اب کہ بوجہ کبرسن و پیرانہ سال اُس کے عقل میں قصور اور حواس میں فتور اس درجہ ہوگیا کہ نجاست و طہارت میں تمیز نہیں کرتی اور قلتِ فہم و اختلاطِ کلام و فسادِ تدبر اُسے لازم، تو وہ معتوہ ہے اور کل تصرفاتِ قولیہ سے محجورہ۔

قال الفاضل المحقق محمد بن علی بن محمد علاؤ الدین الدمشقی الحصکفی فی الدر المختار فی تفسیر الحجر ھو منع من نفاذ تصرف قولی و سببہ صغر وجنون یعم القوی و الضعیف کما فی المعتوہ[3] اھ ملتقطا، قال شیخہ العلامۃ خیر الملۃ والدین الرملی فی فتاواہ ان کان قلیل الفہم مختلطا فاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم فھو المعتوہ[4] و مثلہ فی العالمگیریۃ وغیرہ۔

فاضل محقق محمد بن علی بن محمد علاء الدین دمشقی حصکفی نے حجر کی تفسیر کرتے ہوئے درمختار میں میں فرمایا کہ وہ تصرفِ قولی کو نفاذ سے روکنا ہے اور اس کا سبب نابالغ ہونا اور مجنون ہونا ہے عام ازیں کہ جنون قوی ہو یا ضعیف جیسا کہ معتوہ میں ہوتا ہے اھ التقاط، ان کے شیخ علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اگر وہ تھوڑی سمجھ والا گفتگو میں خلط ملط کرنے والا اور فاسد تدبیر والا ہے لیکن وہ کسی کو مارتا نہیں اور نہ ہی گالیاں دیتا ہے تو وہ معتوہ ہے۔ اور اسی کی مثل عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پس ایسی حالت میں اگر اُس نے کسی کے آمادہ کرنے خواہ اپنی خواہش سے وصیت کی تو ہرگز نافذ نہ قرار پائے گی اور توریث ترکہ امام النساء حسب بیان مجیب اول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم و حکمہ احکم۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۵۹۹

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۳

[3] ؍؍ کتاب الحجر ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۹۸

[4] الفتاوی الہندیۃ ؍؍ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۴

25

مسئلہ ۱۳۲: از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ رمپورہ مرسلہ شیخ عبدالمجید صاحب سب سرویئر ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین نسبت مسائل ذیل کے، زید کی منکوحہ اولٰی متوفی سے ایک پسر بکر بالغ اور منکوحہ ثانی موجودہ سے دو پسر عمرو و سعد نابالغ بعد وفاتِ زید باقی ہیں، زید پر جو قرض تھا بکر نے ادا کیا اور نیز واسطے خرچ شادی و خورد و نوش نابالغان کے اپنے نام یا بشمول نام برادر قرض لے کر صرف کیا اس قرض سے کچھ ادا ہوا کچھ باقی ہے، اب عمرو سعد بھی بالغ ہیں اور درباب تقسیم جائداد و ادائے قرضہ سابق وحال تنازع ہے، لہذا علمائے شریعت مطلع فرمائیں کہ مکانات موروثی کس طرح تقسیم ہوں اور قرضہ سابق وحال حسب سہام کل شرکاء پر چاہیے یا قرضہ سابق وحال میں کچھ تفریق ہے اور جو مکان بکر نے اپنے روپے سے خریدا اس میں دوسرے برادران کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور منکوحہ اولٰی جو زید کے حیات میں فوت ہوگئی اس نے اپنی وفات کے وقت زید کو مہر معاف کر دیا تھا اور منکوحہ ثانیہ نے کہ اب زندہ ہے وقت وفات زید مہر معاف کر دیا اور ہماری برادری میں مہروں کا یہی دستور ہے یہ بھی واضح ہو کہ بعد وفات زید کھانا جملہ شرکاء کا یکجا رہا۔ جب نابالغ بالغ ہوئے علیحدہ ہوگیا۔ بینوا توجروا

الجواب

قرض مورث کہ بکر پسر بالغ نے ادا کیا تمام و کمال ترکہ مورث سے مجرا پائے گا جبکہ وقت ادا تصریح نہ کر دی ہو کہ مجرا نہ لوں گا۔

فی فتاوٰی قاضیخان والعالمگیریۃ وغیرھما لبعض الورثۃ اذا قضی دین المیت کان لہ الرجوع فی مال المیت والترکۃ[1] انتہی مختصرًا۔ وفی جامع الفصولین والاشباہ وغیرھما لواستغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء اما لواداہ من مال نفسہ مطلقا

فتاوٰی قاضی خان اور عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کسی وارث نے میت کا قرض ادا کیا تو اسے میت کے مال اور ترکہ کی طرف رجوع کا حق حاصل ہے انتہی۔ جامع الفصولین اور اشباہ وغیرہ میں ہے اگر دین ترکہ کو محیط ہے تو وارث میراث کے ساتھ اس ترکہ کا مالک نہیں بنے گا، مگر یہ کہ قرض خواہ میت کو بری کر دے یا میت کے وارث نے ادائیگی کے وقت بشرطِ تبرع قرض ادا کیا ہو لیکن اگر اس نے مطلقاً اپنے مال سے قرض ادا کیا ہو

[1] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

بلا شرط تبرع او رجوع یجب لہ دین علی المیت فتصیر الترکۃ مشغولۃ بدینہ فلا یملکہا۔[1]

نہ اس میں تبرع کی شرط ہو اور نہ ترکۂ میت کی طرف رجوع کی تو میت پر اس کا دین ثابت ہوجائیگا تو ترکہ قرض ادا کرنے والے وارث کے دین کے ساتھ مشغول ہوگا لہٰذا وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ (ت)

جو روپیہ بکر یا زوجہ زید نے قرض لے کر شادی نابالغان میں صرف کیا اُس کا مطالبہ صرف اُس قرض لینے والے پر ہے نابالغوں کے ساتھ اُس کا احسان سمجھا جائے گا اسی طرح جو کچھ قرض لے کر خورد ونوش نابالغان میں اٹھایا وہ بھی ان سے مجرانہ ملے گا جبکہ یہ قرض لینے والا مورث کی جانب سے ان نابالغوں کا وصی نہ تھا یعنی زید اسے کہہ نہ مرا تھا کہ جا مَدادیا نابالغ اولاد تیری سپردگی میں دیتا ہوں یا ان کی غور و پرداخت تیرے متعلق ہے یا اس کے مثل اور الفاظ جو دلیل وصایت ہوں۔

فی رد المحتار عن الحاوی المختار للفتوی مافی وصایا المحیط بروایۃ ابن سماعۃ عن محمد مات عن ابنین صغیر و کبیر و الف درہم فانفق علی الصغیر خمسمائۃ نفقۃ مثلہ فہو متطوع اذا لم یکن وصیا الخ[2] وفی لقطۃ الدر المختار ہو متبرع لقصور ولایتہ اھ[3] وثمہ فی رد المحتار عن البحر لان الامر متردد بین الحسبۃ والرجوع فلا یکون دینا بالشك اھ[4]۔

ردالمحتار میں حاوی سے منقول ہے۔ فتوٰی کے لئے مختار وُہ ہے جو محیط کے کتاب الوصایا میں بروایت ابن سماعہ امام محمد سے منقول ہے کہ کوئی شخص دو بیٹے ایک نابالغ اور ایک بالغ اور ایک بالغ چھوڑکر فوت ہوا اور ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے پھر بڑے نے چھوٹے پر مثلی نفقہ کے ساتھ پانچسو درہم خرچ کئے تو وہ اپنی طرف سے بطور احسان خرچ کرنے والا ہوگا جبکہ وُہ وصی نہ ہو الخ درمختار کے باب لقطہ میں ہے وہ احسان کرنے والا ہے بسبب اس کی ولایت کے قاصر ہونے کے الخ یہاں ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ یہ معاملہ اجر وثواب اور رجوع کے درمیان دائر ہے۔ چنانچہ یہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۸

[3] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۲

بسبب شک کے دین نہیں ہوسکا۔[۱] (ت)

جو مکان بکر نے اپنے روپے سے اپنے نام خریدا اُس میں سے دوسرے کا کچھ حق نہیں، مہر کہ زوجۂ اولٰی نے اپنے مرتے وقت شوہر کو بخشا اُس کی معافی بکر وغیرہ دیگر وارثان زوجہ اولٰی کی اجازت پر موقوف ہے اگر انھوں نے جائز نہ رکھا تو معاف نہ ہوا اور اس کا مطالبہ ترکۂ زید سے ہوسکتا ہے۔

فی العالمگیریۃ مریضۃ وھبت صداقھا من زوجھا فان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الا باجازۃ الورثۃ۔[۱]

عالمگیریہ میں ہے ایک مریض عورت نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کردیا پس اگر وہ مرض الموت کے ساتھ مریض ہے تو وہ ہبہ دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوسکا۔ (ت)

ہاں زوجۂ ثانیہ نے کہ وقتِ وفات زید اپنا مہر معاف کیا وہ معاف ہوگیا پس صورتِ مستفسرہ میں ترکۂ زید سے قرضۂ بکر (جو بابت ادائے قرضۂ سابقہ اس کے لئے ترکہ پر لازم ہوا) اور زوجۂ اولٰی کے مہر سے بعد اسقاط چہارم کہ خود حصۂ زید ہوا کل یا بعض (جس قدر بوجہ عدم اجازت وارثان زوجہ ذمۂ زید لازم رہا) اور اسی طرح اور دیون جو زید پر ہوں ادا کرکے ثلث باقی سے اس کی وصیتیں اگر کی ہوں نافذ کرکے جو بچے برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چوبیس سہام پر تقسیم کریں تین سہم زوجۂ ثانیہ اور سات سات ہر پسر کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: از بیجناتھ پاڑہ رائے پور ممالک متوسطہ مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دبیر مجلس انجمن نعمانیہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فیض النساء بیگم سوتیلی ماں نے خدیجہ بی بی کا نکاح حسام الدین داروغۂ جنگل کے ساتھ کیا، والدین خدیجہ مرچکے تھے، فیض النساء بیگم بعض اموال اپنے خدیجہ بی بی کے پاس عاریت بتاتی ہے، حسام الدین کہتا ہے کہ خدیجہ بی بی بہت دنوں بیمار رہی اسکی بیماری میں میرا ذاتی روپیہ بہت سا خرچ ہوا متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا ماں کی جائداد کا لڑکا مالک ہُوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوا متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں، لہذا مفتیانِ شرع متین سے سوال ہے کہ حسب فہرست صرفہ حسام الدین نے وقت بیماری وغیرہ میں جو صرفہ کیا وہ حسام الدین پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[۱] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

الجواب

اگر خدیجہ بی کے کوئی اور وارث نہ تھا نہ اس پر اس بیان شوہر کے سوا کسی اور کا ایسا دین ہے جو اس سے ملا کر مقدارِ ترکہ سے بڑھ جائے نہ اس کے پسر متوفی پر کسی کا اتنا دین آتا ہے کہ ترکۂ خدیجہ بی سے دینِ شوہر وغیرہ ادا کرکے باقی سے جو حصہ پسر کو پہنچے اس کی مقدار سے زائد ہو جب تو یہ شوہر کا دعوٰی محض بے معنی ہے کہ خدیجہ بی کے پاس کا اگر کچھ مال حسب بیان فیض النساء بیگم ملک فیض النساء بیگم ہونا ثابت ہو تو اس میں سے خرچ دوائے خدیجہ بی پانے کے کوئی معنی نہیں وہ تو فیض النساء بیگم کو واپس دیا جائے گا اور جب خدیجہ کا سوائے پسر و شوہر اور اس پسر کا سوائے پدر کوئی وارث نہ رہا تو جو مال خدیجہ بی کا ٹھہرے اُس کا وارث صرف حسام الدین ہے، دوسرے کسی دائن کا اگر خدیجہ بی پر کچھ آتا ہو تو جس حالت میں ترکہ اسکے دَین کو گھٹا سکے نہ نہ کرنا بڑھا سکے اسی طرح جبکہ ترکۂ خدیجہ بی سے دَینِ شوہر وغیرہ ادا کرکے بھی جو بچتا ہے اس میں سے حصہ پسر دَینِ پسر کو کافی ہے تو شوہر کا ترکہ پر دَین کا دعوٰی نہ اپنے استحقاق کو بڑھا سکے نہ کرنا گھٹا سکے، بہرحال دعوٰی و عدمِ دعوٰی ہر صورت میں اس کا استحقاق ایک ہی مقدار پر رہتا ہے خواہ اس پر دَین ثابت کرکے قرض میں لے لے یا بے ثابت کئے میراث ملے ایسا فضول دعوٰی قابلِ سماعت نہیں ہوتا ہاں اگر خدیجہ بی کے بعد اُس کا کوئی وارث بھی رہا (کہ نظر بتقریر سوال وہ اس کی نانی ہی ہوسکتی ہے)، تو دعوٰی شوہر نافع ہے تاکہ میراث سے پہلے یہ بذریعۂ دَین بعض یا کُل متروکہ لے، یونہی اگر دوسرے دائن کا دَین ایسا ہے کہ اس کے دعوٰی سے مل کر مقدارِ ترکہ سے زائد ہو جائے گا تو نافع ہے کہ ترکہ دونوں دَین پر حصہ رسد بٹ جائے، اسی طرح اگر پسر متوفی پر ویسا دین ہو تو نافع ہے کہ اوّل شوہر کا دَین ترکۂ خدیجہ بی سے ادا کیا جائے گا، اگر کچھ نہ بچے گا دائنِ پسر کچھ نہ پائے گا اور بچے گا تو باقی سے جس قدر حصۂ پسر ہے وہ اُس میں سے لینے کا مستحق ہوگا اور بے دعوٰی زائد میں سے پاتا وھذا کلہ ظاھر بادنی حساب (یہ تمام ادنٰی حساب کے ساتھ ظاہر ہے۔ ت) ان صورتوں میں دعوٰی شوہر البتہ قابلِ سماعت ہے، اب حکمِ مسئلہ یہ کہ اگر حسام الدین نے بطورِ خود اپنی زوجہ کے دوا دارو میں اپنا مال صرف کیا تو دعوٰی باطل ہے اور واپسی کا مستحق نہیں۔

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ غیر مضطر الیہ فلا یرجع علیہ اذ لم یکن نافذ التصرف فیما لدیہ کما ابانت عنہ فروع جمة

جب کوئی غیر کے معاملے میں اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے اور وہ اس خرچ کرنے میں مجبور نہ ہو تو اسے رجوع کا حق نہیں اس لئے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں اس کا تصرف

مصرح بہا فی کلمات الائمۃ۔ ناقذ نہیں ہے جیسا کہ اس سے پیشتر فروع ظاہر ہیں جن کی ائمہ کرام کے اقوال میں تصریح کی گئی ہے (ت)

بلکہ اگر خدیجہ بی بی نے درخواست بھی کی کہ میرا علاج کرو اور اس کے سوا کوئی شرط رجوع و واپسی درمیان نہ آئی نہ وہاں عرفِ عام سے ثابت ہو کہ ایسی صورت میں شوہر جو کچھ معالجۂ زوجہ میں اٹھائے اُس سے واپس پائے تو بھی حسام الدین کو دعوٰی نہیں پہنچتا لعدم مایوجبہا من نص او عرف (کسی نص یا عُرف کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جو اس کو واجب کرے۔ ت) ہمارے بلاد کا تو عرف یہ ہے کہ شوہر جو اپنی بی بی کے علاج میں صرف کرتا ہے دہ یا عورت کسی کے خیال میں واپسی کا وہم بھی نہیں گزرتا ہاں اگر خدیجہ بی بی سے صراحۃً واپسی کی شرط ہو گئی تھی یا وہاں کے عرفِ عام کی رُو سے استحقاق واپسی ثابت ہے تو ضرور اختیار واپسی ہوگا فان المعهود عرفا کالمشروط لفظا (کیونکہ جو باعتبار عرف کے معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے باعتبار لفظ کے اس کی شرط لگائی گئی ہو۔ ت) درمختار میں ہے:

لارجوع ولو بامرہ الا اذا قال عوض عنی علی انی ضامن لعدم وجوب التعویض بخلاف قضاء الدین (و) الاصل ان (کل مایطالب بہ الانسان بالحبس والملازمۃ یکون الامر باداءہ مثبتا للرجوع من غیر اشتراط الضمان ومالا فلا) الا اذا شرط الضمان ظہیریۃ[1] الخ قلت وانت تعلم ان الدواء مما لایجب اصلا فضلا عن ان یکون لہ مطالب من جھۃ العبد فضلا عن ان یکون طلبہ بحبس او ملازمۃ فلا رجوع فیہ من دون شرط شیئ من ھذہ الاصول۔

اس میں رجوع نہیں اگرچہ اس کے امر سے خرچ کرے مگر یہ کہ جب کہے تو میری طرف سے بدلہ دے اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں کیونکہ تعویض واجب نہیں بخلاف قرض کی ادائیگی کے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان سے حبس و ملازمہ کے ساتھ مطالبہ کیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کا امر رجوع کو ثابت کرنے والا ہے ضمان کی شرط لگائے بغیر، اور اگر ایسا نہ ہو تو رجوع ثابت نہ ہوگا جب تک ضمان کی شرط نہ لگائے، ظہیریہ الخ۔ میں کہتا ہوں تو جانتا ہے کہ دوا ان چیزوں میں سے جو بالکل واجب نہیں چہ جائیکہ بندے کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور چہ جائیکہ اُس کا مطالبہ حبس و ملازمہ کے ساتھ ہو، لہذا اس میں کسی اصول کی شرط کے بغیر رجوع کا حق نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۲

عقود الدریہ میں ہے :

ماجری به العرف فی الرجوع علی الأمر یرجع[1] اھ اقول هذه مسئلة اضطربت فیها اقوال العلماء اصلاً وفرعًا فاصلوا اصولا لا تنضبط وفرعوا فروعا لا تلتئم واراد العلامة الشامی تحریرها فی العقود فلم یتهیأ له الا الاقتصار علی بعض فروع نقلت مع طرح جمیع الاصول التی اصلت وللعبد الضعیف ههنا کلام ذکرته فیما علقت علیها وهذا الذی اخترته هنا واضح جلی لاخفاء به ان شاء الله تعالٰی ۔ والله تعالٰی اعلم ۔

جس چیز کا آمر پر رجوع کرنے میں عرف جاری ہو وہاں رجوع کرے گا اھ ۔ میں کہتا ہوں اس مسئلہ میں علمائے کرام کے اقوال اصول وفروع کے اعتبار سے مضطرب ہیں ۔ انھوں نے کچھ ایسے اصول بنائے جو منضبط نہیں اور کچھ ایسے فروع ذکر کئے جو مجتمع ومربوط نہیں ۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے عقود میں ان کو تحریر کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کو میسر نہ ہوا سوائے بعض فروع پر اقتصار کرنے کے جو نقل کئے گئے باوجودیکہ انھوں نے وہ اصول چھوڑ دئے جو وضع کئے گئے ہیں ۔ اور اس عبد ضعیف کا یہاں کچھ کلام ہے جس کو میں نے شامی پر اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے ۔ اور وہ جس کو میں نے یہاں اختیار کیا وہ بالکل واضح وروشن ہے اس میں ان شاء اللہ تعالٰی کوئی پوشیدگی نہیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۴ از ریاست مرسلہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ۱۲۸۰ ہجری میں انتقال کیا اور اپنے چار بیٹے محمد زکریا ، محمد یحیٰی ، محمد عیسٰی ، محمد موسٰی بالغ ونابالغ اور بیٹی بالغہ اور حافظ محمد عظیم صاحب خسر
۲۸ سال ، ۲۰ سال ، ۱۸ سال ، ۱۲ سال

کے سامنے یہ وصیت کی اس وصیت کو سب ورثاء نے تسلیم کیا اور اس پر عملدرآمد کیا اب یحیٰی وعیسٰی اپنا بقیہ ورثہ تقسیم کراتے ہیں اور بڑا بھائی مصرف خورد ونوش وپارچہ وخرچ شادی یحیٰی وعیسٰی جو اس نے اپنے پاس سے زید کے انتقال کے بعد سے ان پر کیا ہے طلب کرتا ہے یحیٰی وعیسٰی یہ عذر کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ہم پر صرف کیا تبرعًا واحسانًا تھا یہ ہم سے مجرا نہ ہونا چاہئے ونیز بوقت وصیت ہم نابالغ تھے اور قطع نظر اس ۱۳۰۳ھ میں جو تحریر فیما بین برادران ہوئی جس میں محمد یحیٰی نے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

آمدنی کا حساب سمجھ کر ۴ روپے ماہوار اپنے حصے کے لئے منظور کئے ہیں اور اب تک لیتے ہیں اور وصیت پر عملدرآمد ہوا تو تم میں کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تسلیم وقبول تحریری موجود ہے چنانچہ نقل وصیت نامہ نقل تحریر دیگر حسب ذیل ہے زید کی جائداد جو الور میں ہے وہ اب تک غیر منقسم اور ایک ہی مکان میں سب ورثاء رہتے ہیں اور اس کی تقسیم بھی چاہتے ہیں زکریا تقسیم پر راضی ہے مگر کہتا ہے کہ جو لاگت بعد انتقال زید میں نے اپنے پاس سے اس پر لگائی ہے مجھ کو ملنی چاہئے یحیٰی و عیسٰے کہتے ہیں کہ تم نے بلاوجہ پہلی عمارت کو ڈھایا اور نئی عمارت بنائی ہم اس کے ڈھانے کا نقصان تم سے لیں گے نئی عمارت بنانے کا تم کو بلا رضامندی ہمارے اختیار نہ تھا، زکریا جواب دیتا ہے کہ بوجہ بوسیدگی تم سب کے سامنے ہنگام شادی محمد عیسٰے جس میں اب تک وہی رہتا ہے ایک ضلع خام تھا از سرِ نو پختہ میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بنایا اور اور ضلع اپنے واسطے پختہ بنایا اس وقت تم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور اب تک تم ہم سب وہیں رہتے ہیں، از روئے شرع شریف ان سب امور کا جواب مرحمت ہو۔ بینوا توجروا۔

نقل وصیت نامہ

والد ماجد حکیم غلام نجم الدین مرحوم نے اپنے انتقال سے تخمیناً اٹھائیس روز پہلے روبروئے جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب و برادران عزیز محمد یحیٰی، محمد عیسٰی و محمد موسٰی کہ مجھ کو جو وصیت فرمائی میں اس وقت مضمون وصیت روبروئے جناب ماموں صاحب موصوف و برادران عزیز مذکور کے بیان کرتا ہوں اگر میرے بیان میں کچھ خلاف ہے تو اصلاح فرمادیں اور اگر میرا بیان صحیح ہے تو اس کاغذ کو تصدیق کریں فقط۔ میرے والد نے مجھ محمد زکریا سے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اور تمہاری ہمشیرہ کی شادی کردی تم دو کے فرض سے میں ادا ہوا محمد یحیٰی و محمد عیسٰے و محمد موسٰی کی شادی باقی ہیں دہلی کی محلسرا اور دیوان خانہ فروخت کرکے ان کی شادی کردینا اور تمہاری والدہ کا جو زیور ہے وہ ان تینوں کے چڑھاوے میں چڑھا دینا۔ باقی مکانات دہلی کے اور ظروف اور پارچہ وغیرہ جو ہے اس کو بموجب شرع شریف کے تم پانچوں بہن بھائی تقسیم کرلینا فقط۔

مبلغ دو صد روپیہ دو شخصوں کو دے کر ایک کو میرے واسطے اور دوسرے کو اپنی والدہ کے واسطے حج پر بھیجنا باقی مکانات اور جاہ و اراضی و باغ و تنخواہ جو الور میں ہے۔ اس کا تو مختار ہے اگر محمد یحیٰی و عیسٰی و موسٰی تیری تابعداری کریں تو تم فرزندوں کی طرح اُن کی پرورش کرتے رہنا اگر تیری تابعداری نہ کریں تو اپنا سر کھائیں فقط ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ ہجری

بقلم بندہ امداد علی۔

یہ نوشتہ میرے سامنے لکھا گیا درست ہے۔ العبد محمد موسیٰ العبد محمد یحییٰ العبد محمد عیسیٰ

العبد خدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ نوشتہ محمد عبد الرحمٰن علی

جو کچھ مجھ محمد زکریا نے بموجب وصیت والد ماجد کے تعمیل کی اور کرتا رہوں گا وہ مراتب اس صفحے پر درج ہیں اور آپ صاحب اس سے رضامند ہیں تو اس پر اپنے اپنے دستخط کریں۔ فقط مرقوم

۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ

والدہ ماجدہ کا زیور برادران عزیز محمد یحییٰ و محمد عیسیٰ و محمد موسیٰ کو میں نے تقسیم کر دیا اور ظروف و پارچہ مجھ محمد زکریا و محمد یحییٰ و محمد عیسیٰ و محمد موسیٰ و ہمشیرہ عزیزہ نے حسب وصیت والد مغفور باہم تقسیم کر لیا اور محلسرا اور دیوان خانہ کو تو میں نے فروخت نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے عزیز محمد یحییٰ و محمد عیسیٰ کی تو میں نے شادی کر دی اور محمد موسیٰ کا ج ہو گیا اور باقی مکانات واقعہ دہلی بھی حسب وصیت تقسیم کئے جائیں ان شاء اللہ تعالیٰ اور باقی مکانات و تہوار و چاہ و اراضی و باغ و تنخواہ الور کی جو بلا شرکت غیرے حسب وصیت والد ماجد میرے قبضے میں ہے مگر حویلی میں جس طرح ہم سب بھائی رہتے ہیں، اسی طرح میں اور میری اولاد اور وہ اور انکی اولاد بدستور رہیں اور کھانے پینے کو جو خدا مجھ کو دے جس طرح آج تک محمد عیسےٰ و محمد موسےٰ کھاتے پیتے رہے ہیں اسی طرح کھلاتا پلاتا رہوں گا، اور محمد یحییٰ کو دو روپیہ اور محمد عیسےٰ کو ہے اور محمد موسیٰ کو ۱۲ ر ماہوار دیتا رہوں گا، مبلغ دو صد روپیہ جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب کی معرفت دو شخصوں کو دے کر حج کو بھیج دیئے

فقط مرقوم صدر بقلم امداد علی

یہ نوشتہ میرے سامنے لکھا گیا درست ہے۔ العبد محمد عیسیٰ العبد محمد یحییٰ عفی عنہ العبد محمد موسیٰ عفی عنہ

العبد خدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ شد محمد عبد الرحمٰن نقل تحریر

سابق میں ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ کو جو وصیت نامہ والد مرحوم کا روبروئے جناب ماموں صاحب حاجی حافظ محمد عظیم مرحوم کے تحریر ہوا تھا اس وقت عزیز محمد یحییٰ کو دو روپیہ ماہوار دینا تجویز ہوا تھا چنانچہ آج تک دیا گیا، اب پھر عزیز مذکور نے کہا کہ میرا گزارہ اس میں نہیں ہوتا کچھ زیادہ مقرر ہو جائے، اس واسطے مجھ زکریا نے اراضی بارانی و چاہ جال والا و چاہ تاج خاں والا کی آمدنی بوقت عزیز محمد یحییٰ دو سو ساٹھ ۲۶۰ روپیہ مشخص کرا کر عزیز مذکور کا حصہ للعہ ماہوار کا قرار پایا مگر عزیز مذکور نے چار روپیہ چار آنے ماہوار اس میں سے لینے منظور کئے بشرطیکہ اس کے کہ مجھ سے حاجت کی مرمت وغیرہ کا مصارف نہ لیا جائے۔ مجھ محمد زکریا کو یہ بھی منظور ہے کہ میں للعہ ماہوار جب تک اراضی عطیہ سرکار ہمارے قبضے میں ہے

خواہ آمدنی میں کمی ہو یا بیشی عزیز محمد یحیٰی کو اپنی زیست بھر دیتا رہوں گا اور بعد میرے آمدنی یہ دو چاہات مذکورہ واراضی بارانی و باغ یعنی جملہ آمدنی ان مواضعات کی و جملہ مصارف شکست ریخت مرمت وغیرہ متعلقہ اُن کے ہمگی دس حصوں مفصلہ ذیل پر تقسیم ہو جائے اور جو حصہ دار مرجائے تو اس کے حصہ دار اسکے وارث یعنی فرزند یا دختر یا زوجہ کو ملتا رہے اور جو حصے دار بلاوارث فوت ہو اُس کا حصہ سب پر تقسیم ہو جائے، تفصیل حصص یہ ہے، محمد زکریا، محمد یحیٰی، محمد عیسٰی، محمد موسٰی، ہمشیرہ عزیزہ، پھوپھی صاحبہ ان میں سے دو دو حصے چاروں بھائی لیتے رہیں اور ایک ایک حصہ ہمشیرہ عزیزہ اور پھوپھی صاحبہ لیتی رہیں فقط۔

بقلم احقر العباد امداد علی مرقومہ ہشتم جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۸۶ء

العبد	العبد	العبد	العبد	گواہ شد
محمد زکریا، بندہ محمد یحیٰی عفی عنہ	محمد عیسٰی عفی عنہ	محمد موسٰی عفی عنہ		محمد فضل حق عفی عنہ

الجواب

اوّل: تنخواہ پر بھائیوں کا دعوٰی محض باطل و بیجا ہے کہ وہ اجرت ہے اور اجرت میں غیر اجیر کا حق نہیں، عقد اجارہ جو اُن کے باپ سے تھا موتِ پدر پر ختم ہو گیا

فان الاجارۃ لامعنی لبقائھا بعد ھلاک الاجیر۔ کیونکہ اجیر کے فوت ہو جانے کے بعد اجارہ کے باقی رہنے کا کوئی معنی نہیں ہے (ت)

اب کہ برادر سے عقدِ جدید ہوا اس میں کیا حق، تو ایک ہو سکتا ہے بلکہ اگر اس تنخواہ کو بطور منصب ہی فرض کیجئے تو بتصریح علماء منصب و پنشن بھی موروث نہیں بعد فوت، منصبدار، رئیس جس کا نام مقرر کر دے وہی مستحق ہے باقی ورثہ کا کچھ حق نہیں۔ فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

العطاء صلۃ فلا یورث ویسقط بالموت[1] عطیہ ایک صلہ ہے وراثت نہیں ہے اور موت سے پہلے یہ صلہ ختم ہو جاتا ہے (ت)

دوم: محمد زکریا نے جو کچھ محمد یحیٰی و محمد عیسٰی کی شادیوں میں اپنے پاس سے صرف کیا اگرچہ صرف بعد بلوغ محمد موسٰی تھا جبکہ وہ بھی اجازتِ وصیت شامل ہو لیا تو تمام کمال ترکہ سے مجرا پائے گا کہ زکریا وصی تھا اور یہ مورث کی وصیت جسے بقیہ ورثہ نے نافذ رکھا اور بوجہ بلوغ اُن سب کی تنفیذ شرعاً معتبر تھی تو وصیت

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۸۲/۳

کا وارثوں کے لئے ہونا مضر نہیں،

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر اس صورت میں کہ باقی وارث اسے جائز قرار دیں (ت)

اور وصیت میں جبکہ اُس کی تنفیذ کسی شئی کو بیچنے کے ساتھ مذکور ہو تو وصی پر اس کا اتباع لازم نہیں اُسے روا ہے کہ وہ شئی نہ بیچے اور دوسرے مال سے وصیت نافذ کرے۔ آداب الاوصیاء میں ہے:

فی المحیط والظھیریۃ والخلاصۃ اوصی بان یکفنہ من ثمن ھذا العین قال ابوالقاسم للوصی ان یکفنہ من ثمن عین اٰخر ولایبیع تلک العین و تلک العین تکون للورثۃ وان وجد لما اوصی ببیعہ مشتریا ولایضمن الوصی۔[2]

محیط، ظہیریہ اور خلاصہ میں ہے کسی نے وصیت کی کہ فلاں معین چیز کے ثمن سے اس کو کفن دیا جائے ابوالقاسم نے فرمایا وصی کو اختیار ہے کہ کسی دوسری چیز کے ثمن سے کفن دے اور اس معین چیز کو فروخت نہ کرے اور یہ معین چیز سب ورثاء کی مشترکہ قرار پائے گی اگرچہ جس چیز کو فروخت کرنے کی وصیت تھی اسکا کوئی خریدار بھی موجود ہو، ایسی صورت میں وصی ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی الخاصی اوصی بان یتصدق منہ کذا وکذا وقرا من الحنطۃ وعین لثمن تلک الحنطۃ نوعا من اموالہ کثمن دارہ فجعل الوصی من غیر ذٰلک المال قال

خاصی میں ہے کسی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے اِتنی اِتنی مقدار گندم کی صدقہ کی جائے اور اُس گندم کی قیمت کے لئے اس نے اپنے اموال میں سے کوئی نوع متعین کر دی جیسے اپنے گھر کی قیمت، وصی نے کسی اور مال سے صدقہ

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹
کنز العمال بحوالہ قط عن عمرو بن خارجہ حدیث ۴۶۰۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۶
[2] آداب الاوصیاء علی حاشیہ جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱-۳۱۲

جاز له ذلك الا ان يكون فيما عينه دليل على التعيين كان يكون ما عينه معروفا بالطيب وسائره بالخبث فيخص الطيب بالوصية فلا يشترى من المال الخبيث[1]

کردیا تو جائز ہے مگر اس صورت میں کہ جو کچھ موصی نے متعین کیا اس میں تعیین پر دلیل موجود ہے مثلاً جس شیئ کو اس نے معین کیا وہ پاکیزگی کے ساتھ معروف ہے اور دیگر اشیاء خبث کے ساتھ معروف ہیں تو اس صورت میں پاکیزہ شیئ کو وصیت کے ساتھ خاص کیا جائے گا اور وصی خبیث مال سے خریداری نہیں کرے گا۔ (ت)

اور قطع نظر اس سے کہ وصی جب اپنے مال سے وصیت نافذ کرے تو قول مفتی بہ پر اسے مطلقاً حقِ رجوع وواپسی ہے یہاں کہ وصیت عباد کے لئے تھی اور وصی وارث ہے باتفاق علماء اُسے حقِ رجوع حاصل ہوا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

وصي انفذ الوصية من مال نفسه قالوا ان كان هذا الوصي وارثا يرجع في تركة الميت والا فلا يرجع وفيه ان كانت الوصية للعباد يرجع لان لها مطالبا من جهة العباد وكان كقضاء الدين وان كانت الوصية لله تعالٰى لا يرجع وقيل له ان يرجع في التركة على كل حال وعليه الفتوى[2]

وصی نے اپنے مال میں سے وصیت نافذ کردی، علماء نے کہا اگر یہ وصی وارث ہے تو ترکہ میت میں رجوع کرے گا ورنہ نہیں، اور اسی میں ہے اگر وہ وصیت بندوں کے لئے ہے تو رجوع کریگا اس لئے کہ اس وصیت کے لئے بندوں کی جہت سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہے تو یہ دین کی ادائیگی کی طرح ہوگئی، اور اگر وصیت اللہ تعالٰی کے لئے ہے تو رجوع نہیں کرے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر حال میں ترکہ میت میں رجوع کرے گا۔ فتوٰی اسی پر ہے۔ (ت)

اور اگر قبل بلوغ محمد موسٰی ہوا تو حصہ محمد موسٰی اس صَرف سے بری رہے گا کہ نابالغ کی اجازت کوئی چیز نہیں، نہ اس کی طرف سے کوئی ولی یا وصی خواہ کوئی شخص اسے تصرف کی اجازت دے سکتا ہے

---

[1] آداب الاوصیاء فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

لکونه ضررًا محضا (اس کے محض نقصان ہونے کی وجہ سے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس صورت میں بعد بلوغ محمد موسٰی کا اس تصرف گزشتہ پر راضی ہونا یا اُسے جائز کرنا بھی بکار آمد نہ ہوگا۔

لکونه وقع ولا مجیز وکل تصرف کذا فهو باطل کما فی الدر وغیره والاجازة انما تلحق الموقوف لا الباطل کما بینه فی الفتح وغیره۔

بسبب اس کے کہ یہ واقع ہوا دراں حالیکہ کوئی اس کی اجازت دینے والا نہیں۔ اور ہر وہ تصرف جو ایسا ہو وہ باطل ہوتا ہے جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے۔ اور اجازت فقط موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ باطل کو، جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (ت)

سوم: خورد ونوش برادران میں جو کچھ محمد زکریا نے اپنے پاس سے صرف کیا اس میں سے محمد موسٰی نابالغ کے مصارف زمانۂ نابالغی کے مجرا پائے گا،

فی الخانیة والهندیة بعد العبارة المذکورة وکذا الوصی اذا اشتری کسوة للصغار او اشتری ماینفق علیهم من مال نفسه فانه لایکون متطوعا[1]۔

خانیہ اور ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے اور یونہی وصی نے جب اپنے مال سے نابالغ کیلئے لباس خریدا یا وہ شیئ خریدی جو اس پر خرچ کریگا تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا۔ (ت)

اور بالغوں پر جو صرف کیا اگر بطور خود بے ان کے امر کے تھا نہ شرط رجوع کرلی تھی جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے تو محمد زکریا کا تبرع واحسان تھا جس کا معاوضہ اُن سے نہیں لے سکتا،

لعدم الولایة علیه بالبلوغ ولم یکن مضطرا فیما فعل ولا امروه ولا شرط الرجوع ففیم یرجع وهذا ظاهر جدا عند من خدم نفائس کلامهم۔

کیونکہ بلوغ کی وجہ سے وصی کو اس پر ولایت نہیں رہی، وہ اس فعل میں مجبور ہے، نہ انہوں نے وصی کو حکم دیا اور نہ رجوع کی شرط کی گئی تو وہ کس چیز میں رجوع کرے گا، یہ خوب ظاہر ہے اس شخص کے نزدیک جس نے فقہاء کے عمدہ کلام کی خدمت کی۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

لوقال انفق من مالك علی عیالی اوفی بناء داری یرجع بما انفق[2]

اگر کہا تُو اپنے مال میں سے میری اہل وعیال یا میرے گھر کی تعمیر پر خرچ کر تو اس نے جو کچھ

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکفالة فصل فی الکفالة بالمال نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۷

وکذا لوقال اقض دینی یرجع علی کل حال[1] | خرچ کیا وہ اس کے بارے میں رجوع کرے گا۔

ولو قضی نائبۃ غیرہ بامرہ یرجع علیہ وان لم یشترط الرجوع ھو الصحیح[2] | اسی طرح اگر کہا تو میرا قرض ادا کردے تو وہ ہر حال میں رجوع کرے گا۔ اور اگر کسی کی حاجت اس کے امر پر پوری کردی تو وہ رجوع کرے گا اگرچہ رجوع کی شرط نہ لگائی گئی ہو، یہی صحیح ہے۔ (ت)

فصول عمادیہ و فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

من قضی دین غیرہ بغیر امرہ لایکون لہ حق الرجوع علیہ[3] | جس نے دوسرے کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردیا اس کو رجوع کا حق نہیں (ت)

انھیں میں ہے:

المتبرع لایرجع علی غیرہ کما لوقضی دین غیرہ بغیر امرہ[4] | احسان کرنے والا غیر پر رجوع نہیں کرتا جیسا کہ کوئی کسی کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کرے (ت)

چہارم: زیور زوجہ میں موصی کی وصیت اُسی قدر اثر ڈال سکتی تھی جس قدر اُس زیور سے موصی کا حصہ شوہری ہوتا باقی حصص کہ مِلک اولاد تھے اُن کی نسبت اس کی وصیت محض بے معنی ہے اذلا تصرف لابن آدم فیما لایملك (اس لئے کہ ابن آدم کو ایسی چیز میں تصرف کا حق نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۔ ت) تو یحیٰی و عیسٰی و موسٰی کو وہ کل زیور دے دینا اگرچہ باجازت جملہ ورثہ ہو خود انھیں ورثہ کے حصص میں اصلاً مؤثر نہ ہوگا کہ غایت درجہ اُن کی یہ اجازت اجازت تملیک بلامعاوضہ ہوگی کہ عین ہبہ ہے اور ہبہ مشاع باطل اور باطل کی اجازت مہمل۔ ہدایہ میں ہے:

من اوصی من مال رجل لاٰخر بالف بعینہ فاجاز صاحب المال بعد موت الموصی فان دفعہ فھو جائز ولہ ان یمنع لان ھذا تبرع بمال الغیر فیتوقف علی اجازتہ واذا اجاز یکون تبرعا منہ ایضا فلہ | جس نے کسی شخص کے لئے غیر کے مال سے ایک ہزار معین درہموں کی وصیت کردی اور موصی کی موت کے بعد اُس غیر یعنی مالک مال نے اس کی اجازت دے دی پھر اگر اُس نے وہ مال اسکے سپرد کردیا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو جائز ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ مال کو روک لے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۸۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثانی الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[3] و [4] العقود الدریۃ بحوالہ عمادیہ کتاب الکفالۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

ان یمتنع من التسلیم[1] کیونکہ غیر کے مال سے تبرع ہے تو یہ اس غیر کی اجازت پرموقوف ہوگا اور جب اس نے اجازت دے دی تو یہ اس کی طرف سے بھی تبرع و احسان ہوگا لہذا اسے اختیار رہوگا کہ وہ سپردگی سے انکار کردے (ت)

غایۃ البیان میں ہے:

لان العقد الموقوف اذالحقه الاجازة صار مضافاالی المجیز فاذا اضیف الیه صار ذٰلك هبة منه والهبة لاتتم الابالتسلیم[2] کیونکہ موقوف عقد کو جب اجازت لاحق ہوتی ہے تو وہ اجازت دینے والے کی طرف منسوب ہوجاتا ہے، جب اس کی طرف منسوب ہوگیا تو یہ اسی کی طرف سے ہبہ ہوا اور ہبہ سپردگی کے بغیر تام نہیں ہوتا (ت)

تو محمد زکریا کا خود اپنا حصہ اس کی ملک سے نکلا نہ خدیجہ بیگم کا حصہ اس کی ملک سے، اگر زیور باقی ہے تو حصہ شوہری موصی چھوڑ کر سب ورثہ اپنے اپنے حصے اس سے لے سکتے ہیں، اور اگر یحیٰی و عیسٰی و موسٰی نے ہلاک کردیا تو باقیوں کے حصص کے تاوان دین رہا موصی کا حصہ شوہری کہ وہی محل نفاذ وصیت تھا نظر کی جائے کہ چڑھاوا جو دولھا کی طرف سے دلھن کو جاتا ہے وہاں عرف شائع میں دلھن کی ملک سمجھا جاتا ہے یا ملک پر دولھا ہی کے رہتا ہے اور دلھن کو پہننے کے لئے دیا جاتا ہے، اگر دلھن کی ملک سمجھا جاتا ہے تو اس حصے میں بھی وصیت باطل ہوئی کہ اب یہ وصیت حقیقۃً دلھنوں کے لئے تھی اور دلھنیں وقت موت موصی تک معدوم تھیں کہ دلھن ہونا بعد نکاح صادق ہوتا ہے اور نکاح موت موصی سے ایک مدت کے بعد ہوئے اور معدوم کے لئے وصیت باطل ہے کہ وہ تملیک ہے اور معدوم صالح تملیک نہیں ولہذا حمل کے لئے وصیت میں شرط ہے کہ اس کا باپ زندہ ہے تو چھ مہینے کے اندر پیدا ہو اور مرگیا یا طلاق بائن دے دی اور عورت عدت میں ہے تو دو برس کے اندر پیدا ہوا کہ اس وقت اس کا وجود ہویدا ہوا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ھی تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع و شرائطھا کون الموصی اھلا للتملیك والموصی لہ حیا وقتھا تحقیقا وہ تملیک ہے جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور اسی کی شرائط میں سے ہے کہ موصی تملیک کی اہلیت رکھتا ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ بوقت

---

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۶۶

[2] غایۃ البیان

او تقدیرًا لیشمل الحمل، وصحت للحمل ان ولد لاقل من ستة اشهر لو تزوج الحامل حیًا او لو میتًا وهی معتدة حین الوصیة فلاقل من سنتین بدلیل ثبوت نسبه اختیار و جوهرة[1] اھ ملتقطًا۔

وصیت حقیقتًا یا تقدیرًا زندہ ہونا کیونکہ حمل کو بھی شامل ہے، حمل میں وصیت تب صحیح ہوگی وہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہوجائے جبکہ حاملہ کا شوہر زندہ ہو اور اگر وہ مردہ ہے اور حاملہ عورت بوقتِ وصیت معتدہ ہے تو اس صورت میں حمل کے لئے وصیت تب صحیح ہوگی جب دو سال سے کم مدت میں پیدا ہو اور اس پر دلیل اس مدت میں اس کے نسب کا ثابت ہونا ہے، اختیار و جوہرہ اھ التقاط۔

رد المحتار میں ہے:

قوله وقتها اقول فی التاتارخانیة الموصی له اذا کان معینا من اهل الاستحقاق یعتبر صحة الایجاب یوم اوصی ومتی کان غیر معین یعتبر صحة الایجاب یوم موت الموصی فلو اوصی بالثلث لبنی فلان ولم یسمهم ولم یشر الیهم فهی للموجودین عند موت الموصی وان سماهم او اشار الیهم فالوصیة لهم حتی لو ماتوا بطلت الوصیة لان الموصی له معین فتعتبر صحة الایجاب یوم الوصیة[2]، قوله لاقل من ستة اشهر، اذ لو

ماتن کا قول "بوقتِ وصیت" میں کہتا ہوں تاتارخانیہ میں ہے جس کے لئے وصیت کی گئی ہے اگر وہ مستحقین میں سے متعین ہے تو صحتِ ایجاب کا اعتبار وصیت کے دن سے کیا جائے گا اور جب وہ غیر متعین ہے تو صحتِ ایجاب کا اعتبار موصی کی موت کے دن سے کیا جائیگا، اگر فلاں کے بیٹوں کے لئے ایک تہائی کی وصیت کی اور ان کا نام نہیں لیا نہ ہی ان کی طرف اشارہ کیا تو یہ وصیت صرف ان کے لئے ہوگی جو موصی کی موت کے وقت موجود ہوں گے۔ اور اگر ان کا نام لیا یا ان کی طرف اشارہ کیا تو وصیت خاص انہی کے لئے ہوگی۔ اگر وہ مرگئے تو وصیت باطل ہوجائیگی کیونکہ جس کیلئے وصیت کی گئی وہ متعین ہے۔ لہذا صحت ایجاب کا اعتبار وصیت والے دن سے ہوگا۔ ماتن نے کہا کہ چھ ماہ سے کم مدت میں حمل پیدا ہو۔ یہ اس لئے

---

[1] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷ و ۳۱۸

[2] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵ و ۱۶

ولد لستة اشهر او لاکثر احتمل وجوده وعدمه فلا تصح افاده الاتقانی قوله ولو میتا مثل الموت الطلاق البائن[1]

ہے کہ اگر پورے چھ ماہ پر یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا تو بوقتِ وصیت اس کا وجود و عدم دونوں محتمل ہوئے، لہذا وصیت صحیح نہ ہوئی۔ ماتن کا قول کہ اگر وہ مردہ ہو، طلاق بائن بھی موت کی طرح ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

شرطها کون الموصی اهلا للتملیك و الموصی له اهلا للتملك[2]

وصیت کے لئے شرط یہ ہے کہ موصی تملیک کا اہل ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ مالک بننے کا اہل ہو۔(ت)

ولہذا صحت وصیت کے لئے شرط ہے کہ یا تو اہل حاجت کے لئے واقع ہو جیسے بنی فلاں کے یتیموں یا بیواؤں کے لئے کہ اس تقدیر پر وصیت حضرت حق عزوجل کے لئے واقع ہوگی اور وہ معلوم ہے ورنہ وہ لوگ معدود و قابل شمار ہوں جیسے زید کے بیٹے کہ انھیں تملیک صحیح ہو سکے اور دونوں صورتیں نہ ہوں مثلاً سیدوں یا شیخوں کے لئے تو وصیت باطل ہے، درمختار میں ہے:

الاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیٔ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی ما مرلوقوعها ﷲ تعالٰی و هو معلوم وان کان لاینبیٔ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت[3]

اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تو وصیت صحیح ہوگی اگر وہ قابلِ شمار نہ ہوں جیسا کہ گزر چکا ہے کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی ہے اور وہ معلوم ہے اور اگر ایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہے تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی ہے اگر وہ قابل شمار ہیں تب تو وصیت صحیح ہوگی اور اس کو تملیک قرار دیا جائے گا ورنہ وصیت باطل ہوگی۔(ت)

ولہذا اگر وارثان فلاں کے لئے وصیت کی اور فلاں ابھی زندہ ہے تو صحت وصیت کے لئے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸
[2] الفتاوی الہندیۃ ؍؍ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰
[3] الدرالمختار ؍؍ باب الوصیۃ للاقارب وغیرہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

ضروری ہے کہ وہ اس موصی سے پہلے مرجائے تاکہ وارثانِ فلاں کا لفظ صادق آئے ورنہ وصیت باطل ہوجائے گی ایسی جگہ ذات شخص کا وجود کافی نہیں بلکہ ذات مع اس وصف کے وجود ہونا درکار جس وصف کے لحاظ سے وصیت واقع ہوئی ہے۔

فی الدر المختار شرط صحتہا فی الوصیۃ لورثۃ فلان وما فی معناہا کعقب فلان موت الموصی لورثتہ اولعقبہ قبل موت الموصی لان الورثۃ والعقب انما یکون بعد الموت فلومات الموصی قبل موت الموصی لورثتہ اوعقبہ بطلت الوصیۃ لورثتہ اوعقبہ لان الاسم لایتناولہم الا بعد الموت[1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار قولہ لان الاسم لایتناولہم فکانت وصیۃ لمعدوم[2]۔

درمختار میں ہے فلاں کے وارثوں یا اس کے ہم معنٰی یعنی فلاں کے پسماندگان کے لئے وصیت کی تو اس وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کے وارثوں اور پسماندگان کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ موصی سے پہلے مرے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے وارث یا پسماندگان بنیں گے۔ اور اگر موصی اس سے پہلے مرگیا اور جس کے وارثوں اور پسماندگان کیلئے وصیت کی گئی ہے وہ ابھی زندہ ہے تو اس کے وارثوں یا پسماندگان کے لئے وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ ان پر لفظ ورثاء اور پس ماندگان کا اطلاق تو اس کے مرنے کے بعد ہوگا اھ اختصار۔ ردالمحتار میں ہے اسکا قول کیونکہ لفظ ورثاء اور پس ماندگان کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا، لہذا یہ معدوم کے لئے وصیت ہوئی۔ (ت)

اور اگر بحکم عرف پڑھاوا دولھا ہی کی ملک ہوتا ہے۔ [یہ جواب ناتمام دستیاب ہوا]

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۹ و ۳۳۰

[2] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۰

رسالہ

الشرعۃ البھیۃ فی تحدید الوصیۃ ۱۳۱۷ھ

(کشادہ راستہ وصیّت کی جامع ومانع تعریف کے بیان میں)

مسئلہ ۱۳۵: از رنگون مکان نمبر ۸۵ و ۸۶ گلی نمبر ۳۱ مرسلہ شیخ عبدالعزیز سرکار ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً فی الدنیا والآخرۃ اس میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کے دو وطن تھے ایک قدیم اور دوسرا جدید، اور دو ہی بیویاں، ایک وطن قدیم میں شادی کرائی ہوئی دوسری وطن جدید یعنی شہر رنگون میں بطریق شادی مطابق شرع محمدی نکاح میں لائی ہوئی، زید نے بفضلہ تعالٰی رنگون میں بہت کچھ کمایا پھر یہیں کی کمائی سے وطن قدیم اور رنگون دونوں جگہ میں جائداد معتدبہ پیدا کی لیکن وطن قدیم تخمیناً پانچہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی کل جائداد کو بحیلہ اپنے وطن قدیم کی ایک مسجد پر وقف کرنے کے جو کہ دس بارہ روپیہ ماہواری کے خرچ کی حاجت نہیں رکھتی وطن قدیم کی بی بی کی اولاد پر روک دیا اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ متولی اس وقف کے یہی لوگ رہیں جو کچھ مصارف مسجد سے بچے اپنے کام میں لائیں۔ رنگون کی بیوی کے بطن کی اولاد کو اس میں سے ایک حبہ نہیں دیا اور رنگونی جائداد میں سے وطن قدیم والی اولاد کو حصہ بھی دیا اور اس جائداد کے نفع سے کئی ہزار روپیہ لوگوں کو دینے کی اور پچاس روپیہ ماہواری اُس مسجد وطن قدیم پر خرچ کرنے کی وصیت بھی کی چنانچہ یہ امر نقل وصیت نامہ مرسل مع استفتاء سے بخوبی واضح ہوگا، پس چونکہ زید کی یہ وصیت رنگونی ورثہ کی مضرت یعنی حق تلفی اور وطن قدیم کے ورثہ کی منفعت کے لئے ہے، لہذا چند باتیں عرض کرتا ہوں،

اوّل : علی ما فی کتب الفقہ ، موصی کو تو وصیت کرنا مستحب ہے لیکن ورثہ پر اس کا ادا کرنا واجب ہے کہ اگر نہ کرینگے تو ماخوذ ہوں گے یا کیا ؟

دوم : زید کی یہ وصیت بکیفیت وعبارت کذا ئیتین (اعنی مجموعہ ترکہ کے نفع سے نہ اس کے کسی جزو معین کے نفع سے اور بایں عبارت کہ اس قدر روپیہ میری تجہیز وتکفین کے لئے رکھیں اور اتنا روپیہ میرے ملک کے لئے غربا کے لئے رکھیں) شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟

سوم : زید کے قول (اور میں خصوصاً اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار مذکور و کرایہ مکانات واراضی سے تمام سرکاری ومیونسپال کے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز وتکفین کے جمع رکھیں الٰی قولہ اور ماہ بماہ مبلغ ف۵ روپیہ موضع سالولا میرا پاڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیا کریں) کا خلاصہ مضمون یہ ہے یا نہیں کہ لکڑی کی تجارت کے نفع اور مکانات واراضی کے کرایہ سے سوا مبالغ ٹکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے باقیماندہ مبالغ سے اتنا یوں کریں اور اتنا یوں کریں اعنی زید کا یہ قول متضمن استثنائے مبالغ معلومہ کو ہے یا نہیں ؟

چہارم : وصیت از قبیل معاملات ہے یا نہیں ؟

پنجم : برتقدیر زید کے قول مذکور کے متضمن استثنائے مبالغ معلومہ اور وصیت کے از قبیل معاملات ہونے کے جیسے کہ بقول معتبر :

لایجوز ان یبیع ثمرۃ ویستثنی منہا ارطالا معلومۃ[1] یہ جائز نہیں کہ وہ پھل فروخت کرے اور اس میں سے کچھ معین رطل مستثنٰی کرلے۔ (ت)

بیع ثمرہ باستثنائے ارطال معلومہ بوجہ احتمال عدم وجود ماسوائے ارطال مستثناۃ کے جائز نہیں ایسے ہی اس کے قیاس پر بجامع تملیک وصیت دراہم باستثنائے دراہم معلومہ بوجہ مذکور نا جائز ہوگی یا نہیں ؟ اور یہ امر ظاہر ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوا ٹکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے مکانات واراضی وتجارات سے وصول نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس میں بھی کمی ہوجاتی ہے۔

ششم : زید کی یہ وصیت متضمن مضرت ہے اور بعض شارحین مشکوٰۃ شریف حدیث مرفوع ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے :

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع فصل فی دخول البناء والاد فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۲

المخرج فی مسند الامام احمد و جامع الترمذی وسنن ابی داؤد وابن ماجۃ ان الرجل لیعمل والمرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرھما الموت فیضاران فی الوصیۃ فتجب لھما النار ثم قرء ابوھریرۃ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار الاٰیۃ۔[1]

جس کی تخریج مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد میں کی گئی ہے کہ بیشک کوئی مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالٰی کی طاعت وعبادت میں مصروفِ عمل رہتے ہیں، پھر انھیں موت آتی ہے تو وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں چنانچہ ان کے لئے جہنم واجب ہوجاتی ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "میت کی وصیت یا قرض نکالنے کے بعد درانحالیکہ اُس وصیت میں وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ (ت)

کی شرح میں ایسی وصیت کو مکروہ لکھتے ہیں اور صاحبِ درمختار کے قول لانھا حینئذٍ وصیۃ بالمکروہ[2] (اس لئے کہ اب یہ وصیت ہے مکروہ کے ساتھ۔ ت) جوکہ صاحبِ تنویر الابصار کے قول اوصی بان یطین قبرہ او یضرب علیہ قبۃ فھی باطلۃ[3] (اگر کسی کو وصیت کی کہ وہ اس کی قبر کی لپائی کرے یا اس پر گنبد بنائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ ت) کے تحت ہے، وصیت مع الکراہت کا بطلان ثابت ہے علامہ شامی صاحبِ دُر کے قول مذکور کے تحت لکھتے ہیں:

مقتضاہ انہ یشترط لصحۃ الوصیۃ عدم الکراھۃ وقدم اول الوصایا انھا اربعۃ اقسام وانھا مکروھۃ لاھل فسوق ومقتضی ماھنا بطلانھا اللھم الا ان یفرق[4] الخ۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کیلئے عدمِ کراہت شرط ہے جبکہ کتاب الوصایا کے شروع میں کہا گیا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں اور یہ کہ فاسقوں کے لئے وصیت مکروہ ہے اور جو کچھ یہاں ہے اس کا تقاضا اس وصیت کے بطلان کا ہے، اے اللہ! مگر یہ کہ فرق کیا جائے الخ (ت)

پس اس وصیت کے بطلان کی یہ تقریر صحیح ہے یا نہیں، برتقدیر ثانی علامہ شامی نے جو تقریر

---

[1] جامع الترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۳
سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب فی کراھیۃ الاقرار فی الوصیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۰
[2] الدرالمختار " باب الوصیۃ للاقارب وغیرہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰
[3] " " " " " " " " " ۲/ ۳۳۰
[4] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۱

وصیت مکروہہ لاہل فسوق کی صحت کی اللہم سے آخر تک کی ہے اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔

ہفتم: موصی کے وطن قدیم والی اولاد نے صرف اپنے فائدہ کی وصیتوں پر عمل کیا اور اس کی ان دو وصیتوں پر عمل نہیں کیا:

(۱) اور میری وصیت ان کو (یعنی وصیان مذکور) کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہگی میری یافتنی و مطالبات موجودہ اور مطالبات و یافتنی آئندہ کی بابت کرایہ مکانات یا اراضی بنام میرے وصول کریں۔

(۲) اور میں خصوصاً اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان اور وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں پس موصی کی چند وصایا میں سے بعض پر عمل نہ کرنے اور بعض پر کرنے سے کل وصایا میں کچھ خلل آئے گا یا نہیں۔

ہشتم: موصی کی وصیت (اور میں نیز میرے وصیان مذکور کو اختیار دیتا ہوں کہ میرے جمیع نابالغ ورثہ کے امین اور حامی ہو رہیں الیٰ قولہ مطابق شرع محمدی تقسیم کردیں) کی رُو سے وصیوں پر ورثہ صغار کے کل سہام کو بعینہ رکھنا لازم ہوگا ان میں بلاوجہ کسی وجہ سے تصرف بیع وغیرہ کرنے کے مجاز ہوں گے ان سب باتوں کا جواب مفصل و مدلل مرحمت فرمائیں اور اجر اللہ سے پائیں عرض ضرور ہے۔

رنگون کے چند علماء کو وصیت کے بارے میں حکم بنایا گیا تھا اُنھوں نے اس کی صحت کا حکم دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ وصیت بالمنافع ہے اور وصیت بالمنافع جائز لہذا یہ بھی جائز ہے۔ اب بر اجازت انھیں علماء کے آپ حضرات سے اس کی اپیل کی گئی ہے خوب غور فرما کر جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔

نقل ترجمہ وصیّت نامہ از زبان انگریزی

میکہ شیخ حاجی محمد بھولو سرکار لائق ساکن ۳۱ گلی شہر رنگون مالک مکانات و کارخانہ بائے ظاہر کرتا ہوں کہ جو کچھ تحریرات سابق اس کے منجانب میری ہو سب کی سب کو خرید و منسوخ کرکے یہ میری وصیت صحیح کے کرتا ہوں اور بحالت صحت ذات نفس اور ثبات عقل اظہار کرتا ہوں کہ بایں وصیت نامہ میں اپنے داماد میاں رحیم بخش اور فرزندان خود شیخ میاں عبدالعزیز لائق اور شیخ میاں عبدالغنی لائق الحال ساکنان شہر رنگون مذکور الفوق کو اور شیخ میاں عبدالواحد لائق الحال ساکن موضع سالمولا میرا پارہ ضلع بردوان اور ملا مقصد صاحب تاجر لکڑی الحال شہر رنگون کو اپنی وصیان واثق بنایا ہوں اور میری یہ وصیت اُن کو کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہگی

ع کذا فی الاصل ۱۲ ازہری غفرلہ

میری یافتنی و مطالبات موجودہ اور مطالبات ویافتنی آئندہ کے بابت کرایہ مکانات یا سکینات یا اراضی بنام میرے وصول کریں اور میں خصوصًا اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان اور وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میری موت کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار مذکور و کرایہ مکانات و اراضی سے تمام سرکاری و میونسپال کے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز و تکفین جمع رکھیں اور مبلغ پانسو روپیہ میرے وطن میں غربا کے خیرات کے لئے رکھیں اور میرے داماد مذکور میاں رحیم بخش کو مبلغ دو ہزار روپیہ دیں اور میرے برادر زادہ شیخ حاجی محمد اسحاق لائق کو مبلغ دوسو روپیہ دیں اور مبلغ ایک سو روپیہ بنو بی بی زوجہ برادر مرحوم خود کو دیں اور نساران بی بی زوجہ برادر مرحوم خود کو مبلغ ایک سو روپیہ دیں اور دھنو بی بی کو مبلغ ایک سو روپیہ دیں اور ماہ بماہ مبلغ پچاس روپیہ موضع سالمولا میرا باڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیا کریں اور میں نیز اپنے وصیان مذکور کو ایک یا جملہ مکانات جو کہ قسم خود میں معروف یعنی پانچواں درجہ لاٹ نمبر ۲۱ و ۲۲ بلاک ایچ اے پر واقع ہیں اگر ان کا فروخت کرنا مناسب سمجھیں اور اس زر فروختگی سے کچھ مال غیر منقولہ میرے ورثہ کی منفعت کے لئے خرید کریں اور میں نیز میرے وصیان مذکور کو اختیار دیتا ہوں کہ میرے جمیع نابالغ ورثہ کے امین اور حامی ہو رہیں اور آپ کے حقوق کو جو میری جائداد میں ہیں محافظت کریں تا وقتیکہ ورثہ نابالغ مذکور اپنے سنِ بلوغ کو پہنچیں اور جب ہر ایک اپنے سنِ بلوغت کو پہنچ جائیں اُن کے حقوق جو میری جائداد میں ہیں مطابق شرع محمدی کے تقسیم کردیں اور میں اپنی وصیان مذکور کو نیز اختیار دیتا ہوں کہ بایں امر کہ میرے وطن میں ہر ماہ محتاجوں اور مسکینوں کو اس قدر خیرات دیا کریں کہ جو صاحبان موصوف کی نظر میں مناسب آئیں۔ لہذا ان چند کلمات کو بطور سند لکھدیا ہوں کہ عند الحاجت کام آئے۔

رنگون مورخہ ۱۵ ماہ مئی ۱۸۹۴ء دستخط حاجی محمد بھولو سرکار بزبان بنگلہ

ایں وصیت نامہ دستخط شدہ و اعلان نمودہ و اظہار کردہ شدہ بحضرات شاہدین مرقوم الذیل:

منشی مراد بخش، شیخ محمد اسحٰق، لعل محمد و شیخ سخاوت حسین

نقل مطابق اصل نمودہ شد معین الدین غفرلہٗ

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما۔ ت)

جواب سوال اول: وصیت نافذہ شرعیہ اگرچہ فی نفسہ واجبہ نہ ہو اپنے حد نفاذ تک کہ ثلث مال باقی بعد ادا الدین سے محدود ہے واجب التسلیم ہے جس طرح وقف کہ واقف پر اس کی انشاء واجب نہیں اور بعد انشا لازم و واجب العمل ہے بلکہ نفس وقف درکنار شرائط واقف مثل نص شارع

واجب الاتباع ہیں کما نصوا علیہ بشرائطہ (جس طرح فقہاء نے شرائط سے متعلق نص فرمائی ہے۔ت) ورثہ اگر وصیت کو روکیں رد کریں گنہگار ہوں گے اور دوسرے کے حق پر ظالم وستمگار، قرآن عظیم نے ورثہ کا حق وصیت سے مؤخر رکھا ہے:

من بعد وصیۃ توصون بھا او دین[1] — جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکالنے کے بعد۔ (ت)

یہی آیت ثبوتِ ایجاب میں بس ہے کہ ورثہ کو ان کا حق پہنچانا ضرورۃً فرض ہے اور وہ بنصِ قرآن تقدیم وصیت پر محوّل،

وما لا یتأتی الواجب الا بہ وجب ان یحکم بایجابہ۔ — جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہو تو اس کے ایجاب کا حکم واجب ہے۔ (ت)

بالجملہ اس کی تسلیم اور اس میں ترک مزاحمت ورثہ پر قطعاً واجب ہے اگرچہ تنفیذ وادا ذمہ وصی ہو یہی حال جملہ تبرعات مالیہ کا ہے کہ مالک پر واجب نہیں اور بعد وقوع وتمامی دوسرا ان میں مزاحمت نہیں کر سکتا، لاجرم علماء نے ایجاب کو نفس حقیقت وصیت میں داخل مانا اس کی تعریف ہی یوں کی:

الوصیۃ ما اوجبہا الموصی فی مالہ بعد موتہ اومرضہ الذی مات فیہ کما فی نتائج[2] الافکار عن النہایۃ عن الایضاح۔ — وصیت وہ ہے جس کا ایجاب موصی اپنے مال میں کرے، موت کے بعد یا اس بیماری میں جس میں وہ مرا۔ جیسا کہ نتائج الافکار میں نہایہ سے بحوالہ ایضاح منقول ہے۔ (ت)

یا یوں ہے:

ایجاب بعد الموت کما فی الوقایۃ[3] والنقایۃ قلت وسیأتیک غایۃ التحقیق فانتظر۔ — وہ ایجاب ہے موت کے بعد، جیسا کہ وقایہ اور نقایہ میں ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی انتہائی تحقیق عنقریب آرہی ہے۔ انتظار کر۔ (ت)

جواب سوال دوم: صحت وصیت کو کسی خاص جزء معین کی تعیین ضروری نہیں خواہ وصیت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] نتائج الافکار (وھو تکملۃ فتح القدیر) بحوالہ النہایۃ کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[3] النقایۃ مختصر الوقایۃ کتاب الوصایا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۳

بالمنافع ہو مثل غلہ وکرایہ خواہ بالاجزاء مثل ثلث وربع خواہ بدراہم وسکہ مثل ہزار و پانصد وصد روپیہ

کما تواترت بہ المسائل وسیأتیک ان الجہالۃ لاتمنع الوصیۃ حتی لو اوصی بجزء مجہول من مالہ ولم یبین مقدارہ نفسہ فضلا عن تعیین مایقع فیہ صح ویکون البیان الی الورثۃ یقال لہم اعطوہ ماشئتم وھذا کلہ واضح عند من لہ ادنی المام بالعلم۔

جیسا کہ اس کے ساتھ مسائل تواتر سے وارد ہیں عنقریب تیرے سامنے آرہا ہے کہ جہالت وصیت سے مانع نہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنے مال میں سے مجہول جزء کی وصیت کی خود اس کی مقدار ہی بیان نہیں کی چہ جائیکہ اس کی تعیین کرتا جس میں وصیت واقع ہے تو یہ وصیت صحیح ہے اور اس کا بیان وارثوں کے ذمہ ہوگا۔ انھیں کہا جائے گا کہ جو تم چاہو اس کو دے دو۔ یہ تمام واضح ہے ہر اس شخص کے لئے جس کو علم کے ساتھ معمولی سا تعلق ہے (ت)

یوں ہی پانسو روپیہ غربائے وطن پر خیرات کی وصیت بھی بدیہی الصحۃ محاورۂ ہندی میں غربا ءفقراء کو کہتے ہیں اور فقراء شہر فلاں کے لئے وصیت جائز اگرچہ مذہب مفتی بہ میں انھیں فقراء کی تخصیص لازم نہیں ہر جگہ کے فقیروں کو دے سکتے ہیں ہاں افضل انھیں کو دینا ہے۔

فی الدرالمختار فی المجتبٰی اوصی بثلث مالہ للکعبۃ جاز ویصرف لفقراء الکعبۃ لاغیر وکذا للمسجد وللقدس وفی الوصیۃ لفقراء الکوفۃ جاز لغیرھم[1]

درمختار میں بحوالہ مجتبٰی ہے کسی نے کعبہ شریف کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے اور مال صرف کعبہ شریف کے فقیروں پر خرچ کیا جائے گا کسی اور پر نہیں۔ یہی حکم مسجد اور بیت المقدس کے لئے وصیت کا ہے، اور فقراء کوفہ کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیر پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الخلاصۃ "الافضل ان یصرف الیہم وان اعطی غیرھم جاز وھذا قول ابی یوسف وبہ یفتی وقال محمد

خلاصہ میں کہا ہے کہ افضل فقراء کوفہ پر ہی خرچ کرنا ہے، اگر ان کے غیر کو دے دیا تب بھی جائز ہے۔ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۱-۳۲۲

لا یجوز[1]

نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر وہاں غریب اپنے معنی اصلی یعنی مسافر ہی کے لئے بولا جاتا ہے تو مسافروں کے لئے بھی وصیت صحیح ہے کہ یہ لفظ بھی حاجتمندی سے خبر دیتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی انما الصدقٰت للفقراء و المسٰکین الٰی قولہ تعالٰی وابن السبیل[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: صدقات فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے ہیں، اللہ تعالٰی کے قول ابن السبیل یعنی مسافر تک۔ (ت)

اور وصیت جب غیر محصور لوگوں کے لئے ہے تو اس کا مناط صحت یہی دلالت حاجت ہے۔

فی الدر المختار الاصل ان الوصیۃ متی وقعت باسم ینبئ عن الحاجۃ کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعھا للہ تعالٰی وھو معلوم و ان کان لاینبئ عن الحاجۃ فان احصوا صحت و یجعل تملیکا والابطلت[3]۔

درمختار میں ہے وصیت میں اصل یہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تو وصیت صحیح ہوگی، اگرچہ اس قبیلے کے یتیم قابلِ شمار نہ ہوں، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی اور وہ معلوم ہے اور اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو تو پھر جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ قابلِ شمار ہیں تو وصیت صحیح ہے اور اُن کی تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ قابلِ شمار نہیں تو وصیت باطل ہے۔ (ت)

ہاں مستحق یہاں بھی فقرائے مسافرین ہونگے نہ اغنیاء۔

فی وجیز الامام الکردری نوع من الفصل الثانی من کتاب الوصایا اوصی لاھل السجون او الیتامی او الارامل او ابناء السبیل او الغارمین او الزمنٰی یعطی فقراءھم لا اغنیاءھم اھ[4]

امام کردری کی وجیز میں کتاب الوصایا، فصل ثانی کی ایک نوع میں ہے کسی شخص نے قیدیوں یا یتیموں یا بیواؤں یا مسافروں یا مقروضوں یا اپاہجوں کے لئے وصیت کی تو ان کے فقراء کو دیا جائے گا نہ کہ ان کے مالداروں کو الخ، اور اسی کی مثل کافی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۰ [3] الدرالمختار کتاب الوصایا مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[4] الفتاوی البزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۸

ومثلہ فی سادس وصایا الہندیۃ عن الکافی۔

کے حوالہ سے ہندیہ کے وصایا کی فصل سادس میں ہے۔ (ت)

رہی تجہیز وتکفین کے لئے وصیت وہ صرف حدِ مسنون وکفن متوسط تک مقبول ہے اس سے زیادہ میں باطل ونامعمول، مثلاً سو روپیہ میں تجہیز بقدر سنّت وکفن میانہ ہوسکتی تھی اور اس کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی تو ۹۰۰ روپیہ میں وصیت باطل ہے۔ فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

لواوصی الرجل بان یکفن ھو بعشرۃ اٰلاف فانہ یکفن بکفن الوسط من غیر سرف ولاتقتیر، قاضی خان فیما تجوز وصیتہ من کتاب الوصایا، وفی المنیۃ الوصیۃ بالاسراف فی الکفن باطلۃ۔[1]

اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اسے دس ہزار درہم کا کفن پہنایا جائے گا جس میں نہ تو فضول خرچی ہوگی اور نہ کمی کی جائے گی۔ یہ بات قاضی خاں کی کتاب الوصایا باب "فیما تجوز وصیتہ" میں مذکور ہے، اور منیہ میں ہے کہ کفن میں اسراف کی وصیت باطل ہے۔ (ت)

جواب سوال سوم: زید کا یہ قول ان کاموں کے شمار میں ہے جو اس نے اپنے اوصیاء کو سپرد کئے جس طرح ایک کام یہ بتایا کہ جملگی بیری یا فتنی ومطالبات موجودہ وآئندہ وصول کریں۔ یونہی ایک کام یہ تفویض کیا کہ کارخانہ جاری رکھیں اور منافع سے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اسے استثناء قرار دینے سے مستثنٰی ومستثنٰی منہ میں ایک جملہ اجنبیہ مستقلہ بے گانہ فاصل ہونا لازم آئے گا کہ اس کے متصل یہ لفظ ہیں "ہزار روپے برائے تجہیز وتکفین جمع رکھیں" اس سے ہرگز وہ روپیہ مراد نہیں ہوسکتا جو بعد موت موصی کارخانہ جاری رہ کر اس کے منافع سے آئندہ وصول ہونا متوقع سمجھا جائے کہ حاجت تجہیز وتکفین بعد موت فوری ہے نہ کہ بعد بقاء کارخانہ منافع مشکوکہ آئندہ پر محمول وھذا ظاھر جدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت) معہذا اس عبارت میں کہ "ہزار روپے تجہیز کو رکھیں اور پانسو غرباء کو خیرات کے لئے اور فلاں کو دو ہزار دینا اور فلاں کو دو سو اور فلانہ وفلانہ کو سو سو روپے دیں" اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ روپے منافع آئندہ سے دئے جائیں، ومالادلیل علیہ لامصیرالیہ (اور جس پر دلیل نہ ہو اس کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ ت)، لاجرم جملہ اولٰی وہی ایک کام کی سپردگی ہے اور جمل مابعد میں وصیت تکفین سے یہاں تک کوئی جملہ وصیت بالمنافع نہیں بلکہ وصیت بدراہم مرسلہ ہیں جس کا اصلی حکم یہ ہوتا ہے کہ اگر

---

[1] الفتاوی الانقرویۃ کتاب الوصایا دارالاشاعۃ العربیۃ کوئٹہ پاکستان ۲/ ۴۰۹

اتنے روپے بوجہ عدم تجاوز حد شرعی وصیت کے مجموع وصایا کے لئے ثلث باقی بعد ادار الدین سے تمام وکمال قابل نفاذ تو اگر فی الحال ترکہ میں موجود ہیں سب ابھی دے دئے جائیں ورنہ ان کے لائق حصہ جائداد بیچ کر ادا ہوں،

فی ردالمحتار عن المنح عن السراج، اذا اوصی بدراھم مرسلۃ ثم مات تعطی للموصی لہ لو حاضرۃ والاتباع الترکۃ و یعطی منھا تلك الدراھم۔[1]

ردالمحتار میں منح سے بحوالہ سراج منقول ہے کہ جب کسی نے مطلق درھموں کی وصیت کی پھر مرگیا تو وہ درہم اس شخص کو دئے جائیں گے جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، اگر درھم حاضر ہیں ورنہ ترکہ بیچ کر اس میں سے وہ درہم دئے جائیں گے (ت)

مگر یہاں وصیت ثلث درکنار جمیع مال کے دوچند سے بھی متجاوز ہے کہ تنہا مسجد کے لئے ماہوار کی وصیت کل مال کی وصیت تو یہی ہوگئی باقی تین ہزار روپے کی وصایائے مذکورہ معینہ علاوہ رہیں،

فی الھندیۃ اوصی بان ینفق علی فلان خمسۃ کل شھر ما عاش وعلی فلان وفلان عشرۃ کل شھر ما عاشا واجازت الورثۃ یقسم المال بین الموصی لہ بخمسۃ والموصی لھما بعشرۃ نصفین فیوقف نصف المال علی صاحب الخمسۃ والنصف علی صاحبی العشرۃ لان الموصی لہ بالخمسۃ موصی لہ بجمیع المال وصیۃ واحدۃ و الموصی لھما بجمیع المال وصیۃ واحدۃ فکانہ اوصی لھذا بجمیع المال ولھما بجمیع المال فیقسم المال بینھم نصفین عند الکل وان لم تجز الورثۃ یقسم الثلث نصفین عند الکل کذا فی المحیط اھ مختصرا۔[2]

ہندیہ میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ فلاں شخص پر جب تک وہ زندہ رہے پانچ درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور فلاں اور فلاں شخص پر جب تک وہ دونوں زندہ رہیں دس درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو مال اس شخص کے درمیان جس کے لئے پانچ درہم کی وصیت کی گئی اور ان دونوں کے درمیان جن کے لئے دس درہموں کی وصیت کی گئی نصف نصف تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ نصف مال پانچ درہم والے کے لئے اور نصف دس درہم والوں کیلئے موقوف رکھا جائے گا، اس لئے کہ جس کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی اس کے لئے تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی اور جن دو کیلئے دس درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی ان کے لئے بھی تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی گویا کہ موصی نے اس کیلئے تمام

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۱

[2] الفتاوی الہندیۃ ؍؍ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۹

مال کی وصیت کی اور ان دونوں کے لئے بھی تمام مال کی وصیت کی۔ لہذا تمام ائمہ کے نزدیک اُن کے درمیان مال نصف نصف تقسیم ہوگا۔ اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تمام ائمہ کے نزدیک تہائی مال ان کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائیگا۔ محیط میں یونہی ہے اھ (اختصار) (ت)

صرف تین ہزار اس لئے کہ تجہیز وتکفین تو حاجاتِ اصلیہ سے ہے اور دین تھا ہی نہیں مقدم تو ان کے قضایا کے مرتبے میں یہی تین ہزار رہے۔

فی العقود الدریۃ سئلت عن رجل اوصی بالف یخرج منہا تجہیزہ وتکفینہ والباقی منہا لعمل میراث و اوصی بخمسمائۃ لزید و بمثلہا لعمارۃ مسجد کذا و بمثلہ لعمارۃ مسجد کذا ایضا وله مملوك قیمتہ خمسمائۃ ایضا اعتقہ منجزا فی مرض موتہ واوصی لہ بالف و خمسمائۃ وخمسین و بلغ ثلث ترکتہ ثلثۃ الاف و ثمان مائۃ و بلغت نفقۃ تجہیزہ ثلثمائۃ فکیف تقسم فاجبت کلفۃ التجہیز الشرعی من اصل المال فکانہ استثناھا من الالف فیکون الباقی من الالف لعمل المیراث سبعمائۃ وتصیر جملۃ الوصیۃ اربعۃ الاف و مائتین وخمسین و قد ضاق الثلث

العقود الدریہ میں ہے مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ہزار درہم کی وصیت کی کہ اس میں سے اس کی تجہیز وتکفین کا خرچ نکالا جائے اور باقی نیک کاموں پر خرچ کیا جائے، اور اسی نے زید کے لئے پانچسو درہم اور فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے پانچ سو درہم اور مزید فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے بھی پانچسو درہم کی وصیت کی۔ اور اس کا ایک غلام تھا اس کی قیمت بھی پانچسو درہم تھی جس کو اس نے اپنی مرض موت میں بطور تنجیز آزاد کر دیا اور اس کے لئے ایک ہزار پانچسو پچاس درہم کی وصیت کی، اور اس کے ترکہ کا تہائی حصہ تین ہزار آٹھ سو تک پہنچا اور اس کی تجہیز وتکفین کا خرچ تین سو تک پہنچا تو اب اس کی وصیت کیسے تقسیم کیجائیگی؟ میں نے اس کا جواب دیا شرعی تجہیز وتکفین کا خرچ اصل مال سے ہوگا گویا اس نے ہزار میں سے اس کو مستثنیٰ کیا ہے تو اس طرح نیک کاموں پر خرچ کرنے کے لئے ہزار میں سے سات سو درہم باقی بچے، اور اس کی وصیت کا مجموعہ چار ہزار دو سو پچاس ہوا جو ترکہ کے تہائی حصہ میں سے نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ وصیت صرف مال

عنها فینفذ الثلث فقط[1] الخ۔ کے تہائی حصہ میں نافذ کی جائیگی فقط (ت)

پھر سب میں پچھلی وصیت ہے کہ وصیان مذکور ہر ماہ محتاجوں کو اس قدر خیرات دیا کریں جو نظر میں مناسب آئے دوبارہ کل مال کی وصیت ہے کہ اس کی تعیین مقدار میں اگرچہ اوصیاء کو اختیار دیا ہے اور یہ اختیار صحیح اور ایسی وصیت جائز ہے۔

کما اذا اوصی بجزء او سھم من مالہ فالبیان الی الورثۃ یقال لھم اعطوہ ما شئتم کما فی الدر[2] المختار وعامۃ الاسفار وفی ردالمحتار عن التبیین لانہ مجھول یتناول القلیل والکثیر والوصیۃ لاتمتنع بالجھالۃ والورثۃ قائمون مقام الموصی فکان الیھم بیانہ[3] اھ قلت فالوصی المفوض الیہ بنص الموصی اولٰی بذٰلک کما لایخفی۔

جیسے کسی شخص نے اپنے مال میں سے ایک جز یا ایک سہم کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے ذمے ہوگا انھیں کہا جائے گا کہ جو کچھ تم چاہو اس کو دے دو جیسا کہ درمختار اور عام کتابوں میں ہے۔ ردالمحتار میں تبیین کے حوالے سے منقول ہے کیونکہ وہ مجہول ہے قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے اور وصیت بسبب جہالت کے ممنوع نہیں ہوتی اور وارث موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں لہذا اس کا بیان انھیں کو سونپا جائے گا الخ میں کہتا ہوں کہ وہ وصی اُس کا زیادہ حقدار ہے جس کے سپرد معاملہ موصی کی نص سے ہوا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں (ت)

مگر یہ کوئی مقدار تجویز کریں آخر کچھ نہ کچھ ماہوار کی وصیت ہوگی اور وہ بلا تفرقہ کثیر وقلیل مطلقاً جمیع مال کی وصیت ہے،

کما علمت انفا عن العلمگیریۃ وفیھا ایضا عن المبسوط لو اوصی بان ینفق علیہ خمسۃ دراھم کل شھر من مالہ فانہ یحبس جمیع الثلث لینفق علیہ منہ کل

جیسا کہ عالمگیریہ کے حوالہ سے ابھی تو جان چکا ہے، اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کہ اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے فلاں پر پانچ درہم ماہانہ خرچ کیے جائیں تو اس کے ترکہ کا ایک تہائی حصہ پورا روک لیا جائیگا تاکہ اس میں سے موصی

---

[1] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۱۱
[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۴
[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹

شھر خمسة كما اوجبه الموصى و
يستوى ان امر بان ينفق عليه فى
كل شهر منه درهما او عشرة
دراهم[1] اھ والسر فيه ان الوصية بشئ
للفقراء كل شهر مؤبدة لا نهاية الى
اٰخر الدهر والغلال بمعرض
الزوال ومعتور التبدل بالتكثر
والتقلل فلا يدرى متى تفنى ومتى تحصل
ومتى تقل والى ما تصل فوجب
ابقاء جميع الثلث مصونا لها قال
فى الهندية متصلا بما مر قبله
اوصى بعشرين درهما من غلته
كل سنة لرجل فاغل
سنة قليلا و سنة كثيرا فله
ثلث الغلة كل سنة
يحبس وينفق عليه كل
سنة من ذلك عشرون
درهما ما عاش هكذا
اوجبه الموصى وربما لا تحصل
الغلة فى بعض السنين
فلهذا يحبس ثلث
الغلة على حقه[2] اھ
قلت واطلقوه فشمل

کی وصیت کے مطابق ہر مہینے پانچ درہم خرچ
کئے جائیں، اور اس میں حکم برابر ہوگا اگر وہ ایک
درہم یا دس درہم ماہانہ خرچ کرنے کا حکم دے الخ
اس میں راز یہ ہے کہ فقیروں کے لئے ماہانہ کچھ خرچ
کرنے کی وصیت دائمی ہوتی ہے اور آخر تک اسکی
انتہا نہیں ہوتی جبکہ محاصل معرض زوال میں ہوتے
ہیں اور ان میں زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر و تبدل
ہوتا رہتا ہے معلوم نہیں کب تک ختم ہو جائیں اور
کب حاصل ہوں اور کب ختم ہو جائیں اور وہ کب
کہاں تک پہنچے۔ لہذا پورے تہائی کو وصیت کیلئے
محفوظ رکھنا واجب ہے۔ ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت
سے ماقبل قریب ہی کہا ہے کہ کسی شخص نے کسی
دوسرے شخص کے لئے اپنی جائداد کی پیداوار
میں سے بیس درہم سالانہ کی وصیت کی اور چونکہ
پیداوار کسی سال تھوڑی اور کسی سال زیادہ ہوتی
ہے لہذا اس کے لئے ہر سال پیداوار کا تہائی حصہ
روک رکھا جائے گا اور سالانہ اس پر جس کیلئے وصیت
کی گئی ہے بیس درہم خرچ کئے جاتے رہیں گے
جب تک وہ زندہ ہے۔ اسی طرح موصی نے ایجاب
کیا ہے۔ اور بسا اوقات بعض سالوں میں پیداوار
حاصل نہیں ہوتی اسی لئے اس شخص کے حق میں جس
کے لئے وصیت کی گئی پیداوار کا تہائی حصہ
روک رکھا جاتا ہے الخ میں کہتا ہوں انھوں نے

---

[1] و [2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع فی الوصیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۲۸

ما اغل مما کثر او قل مع ان الوصیۃ محدودۃ بسنین معدودۃ قل ما عسی ان یعیش الموصی لہ فکیف بجھۃ لا انقطاع لھا۔

اس کو مطلق رکھا کہ یہ شامل ہے جب تک پیداوار حاصل ہوتی رہے گی چاہے وہ پیداوار کثیر ہو یا قلیل باوجودیکہ وصیت چند معدود سالوں کی حد تک محدود ہے یعنی جب تک وہ شخص زندہ رہے گا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو پھر یہ وصیت ایسی جہت سے کیسے ہوئی جس کے لئے انقطاع نہیں۔ (ت)

توحاصل یہ ٹھہرا کہ زید نے اپنے کل مال کی وصیت اُس مسجد کے لئے کی اور نیز کل کی وصیت فقراء کو ماہوار کے لئے اور ان کے علاوہ پانسو روپے مطلقاً فقراء یا خاص فقراء مسافرین کو اور دینے کہے اور ڈھائی ہزار ان اشخاص معلومین کو وصیۃً دیئے جملہ اموال وصایا دوبار جمیع مال اور تین ہزار روپے ہوئے پُر ظاہر کہ کل مال بھی ان وصایا کے نصف کی بھی گنجائش نہیں رکھتا تو اب اس کے دریافت کی حاجت ہوگی کہ ان میں کون کون وصیت کس کس حد پر نفاذ پائے گی کتنا کتنا ہر وصیت میں دیا جائے گا کون سی وصیت بوجہ ترجیحت تقدیم پائے گی کونسی مرجوح ٹھہر کر تاخیر کردی جائیگی اس کا حساب صحیح بتانے کے لئے یہ جاننا ضرور کہ کل مال بعد تجہیز و تکفین مسنون و ادائے دیون کی مقدار کس قدر ہے میت نے ترکہ میں زرنقد کتنا چھوڑا جائداد منقولہ وغیر منقولہ متروکہ خالصہ یعنی بعد تجہیز و تکفین وقضائے دیون کی قیمت بازار کے بھاؤ سے کیا ہے وارثوں میں بالغ کتنے ہیں ان میں کون کون کس کس وصیت کو کس حد تک جائز رکھتا کون کون اجازت نہیں دیتا ہے ان امور سے سوال میں کچھ مذکور نہیں نہ سائل نے اس بحث سے استفسار کیا لہذا ہم بھی مطوی وملتوی رکھیں اگر دریافت منظور ہو امور مسطورہ بتفصیل تام بتا کر سوال کیا جا سکتا ہے۔

جواب سوال چہارم: تقسیم عبادات ومعاملات میں عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق ووقف حتی کہ نکاح بھی خواہ عبادت یا قربت مع معنی عقوبت جیسے کفارات اور معاملات حقوق العباد ہیں مثل بیع واجارہ وہبہ واعارہ وغیرہ اور یہاں نظر مقصود اصل کی طرف ہے اصل مقصود تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے یا مصالح عباد تو معاملہ

فاجتماعھما کما فی النکاح لا یقدح فی التقسیم وقد تکفل ببیان کل ذٰلک فی ردالمحتار صدر

ان دونوں کا اجتماع جیسا کہ نکاح میں ہے تقسیم میں مانع نہیں، تحقیق اس تمام کے بیان کی ردالمحتار میں کتاب البیوع کے آغاز پر کفالت

2 کتاب البیوع۔

کی گئی ہے (ت)

پھر وصیت دو قسم ہے، ایک تملیک مثلاً زید یا عمرو یا ابنائے فلاں وغیرہم معین ومحصور اشخاص کے لئے یہ صورت اغنیاء وفقراء سب کے لئے ہوسکتی ہے، صورت اولٰی معاملات سے ہے مثل ہبہ اور ثانیہ عبادات سے مثل صدقہ، دوسری قربت بلاتملیک مثل وصیت بوقف وعتق و دیگر اعمال پھر وصیت برائے ارباب حاجت غیر محصورین بوجہ عدم انحصار تملیک نہیں ہوسکتی یہ صرف قربت و از قبیل عبادات ہے۔

یرشدك الی ھذا ما قدمنا عن الدر من الاصل فی الوصیة الخ وفی الھندیة عن المحیط عن فتاوی الامام ابی اللیث فیما لواوصی بثلث مالہ لاعمال البر ان کل مالیس فیہ تملیك فھو من اعمال البر حتی یجوز صرفہ الی عمارۃ المسجد وسراجہ دون تزیینہ[1] الخ ومسائل الباب اکثر من ان تحصی۔ اقول وبہ ظھران ماذکر فی عامۃ الکتب فی حد الوصیۃ انھا تملیك مضاف الی ما بعد الموت علٰی وجہ التبرع فھو تحدید لہ باعتبار احد نوعیہ والحد الجامع ما قدمنا عن النتائج عن النھایۃ عن

اس کی طرف تیری راہنمائی کرتی ہے وہ بات جو در کے حوالے سے ہم پہلے بیان کرچکے ہیں یعنی وصیت میں اصل یہ ہے الخ اور ہندیہ میں بحوالہ فتاوی امام ابواللیث محیط سے منقول ہے اس صورت کے بارے میں کہ اگر کسی نے نیک کاموں کے لئے اپنے مال کے تہائی کی وصیت کی یہ کہ جس میں تملیک نہ ہو وہ نیک کاموں میں سے ہے یہاں تک کہ اسے مسجد کی تعمیر اور چراغ کے لئے خرچ کرنا جائز ہے نہ کہ اس کی زیب و زینت کے لئے الخ اس باب کے مسائل شمار سے زائد ہیں۔ میں کہتا ہوں اور اس سے ظاہر ہوگیا وہ جو عام کتابوں میں وصیت کی حد یعنی تعریف کے بارے میں مذکور ہے کہ بے شک وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف بطور تبرع منسوب ہوتی ہے، یہ وصیت کی تعریف اس کی دونوعوں میں سے ایک کے اعتبار سے ہوئی اور جامع تعریف وہ ہے جسے ہم نتائج سے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۹۷/۶

الایضاح ، والاولی ما اسلفنا عن الوقایۃ والنقایۃ لعدم تقییدہ بالمال فیعم ما اذا اوصی بان یدفن فی مقبرۃ کذا بثوب فلان الزاھد فقد قال فی الخلاصۃ و البزازیۃ والشرنبلالیۃ وردالمحتار وغیرھا یراعی شرائطہ ان لم یلزم مؤنۃ الحمل فی الترکۃ[1] اھ قلت والمراد بالموت ما یعم الحکمی وھو مرض الموت والاولی التصریح بہ لکن ھذا لابد من تخصیصہ بالمال فان الایجابات الغیر المالیۃ کامرہ اجیرہ او ابنہ ان اسقنی او اخدمنی لاتعد وصیۃ وان کانت فی مرض الموت بخلاف المضاف الی ما بعدہ کما لایخفی فاذن احق ما یقال فی حدھا ایجاب مضاف الی ما بعد الموت او الی منجز فی مرض الموت فاحفظہ ۔ واللہ التوفیق۔

بحوالہ نہایہ بحوالہ ایضاح پہلے نقل کرچکے ہیں۔ اور اولٰی تعریف وہ ہے جسے ہم بحوالہ وقایہ ونقایہ پہلے ذکر کرچکے کیونکہ اس میں مال کی قید نہیں لگائی گئی، لہذا وہ شامل ہوگئی اس صورت کو کہ جب کسی نے وصیت کی کہ اس کو فلاں قبرستان میں فلاں زاہد کے کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ خلاصہ، بزازیہ، شرنبلالیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں کہا ہے وصیت کی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا اگر ترکہ میں باربرداری کا خرچہ لازم نہ آئے الخ۔ میں کہتا ہوں موت سے مراد وہ ہے جو موتِ حکمی کو شامل ہے اور وہ مرض الموت ہے، اور اس کی تصریح کرنا اولٰی ہے، لیکن اس میں مال کی تخصیص ضروری ہے اس لئے کہ ایجاباتِ غیر مالیہ جیسے کسی شخص کا اپنے اجیر یا بیٹے کو حکم دینا کہ مجھے پانی لاکر پلاؤ یا میری خدمت کرو۔ ان کا شمار وصیت میں نہیں ہوتا اگرچہ یہ مرض الموت میں ہوں بخلاف اس کے کہ وہ موت کے مابعد کی طرف منسوب ہو، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ تو اس صورت میں وصیت کی تعریف یوں کرنا اولٰی وانسب ہے کہ وہ ایسا ایجاب ہے جو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہو یا اس کی طرف منسوب ہو جس کی تنجیز مرض الموت میں کی گئی ہے۔ اس کو محفوظ کرلے۔ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

بالجملہ مطلق وصیت نہ عباداتسے ہے نہ معاملات سے بلکہ دونوں میں داخل دونوں کو شامل۔

[1] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۴۰

جواب سوال پنجم: وجہ مذکور سے وصیت پر کوئی اثر عدمِ جواز کا نہیں پڑسکتا اُس وجہ کی نہ بنا صحیح ہے نہ مبنی درست، نہ وصیت کا بیع پر قیاس مقبول۔

اولاً جواب سوال سوم میں معلوم ہولیا کہ یہاں سرے سے استثناء ہی نہیں۔

ثانیاً ہو بھی تو قول صحیح ومعتمد ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ارطال معلومہ کا استثناء بیع میں بھی روا۔ ہدایہ میں بعد عبارت مذکورۂ سوال ہے:

لان الباقی بعد الاستثناء مجھول قال رضی اللہ تعالٰی عنہ قالوا ھذا روایۃ الحسن وھو قول الطحاوی اما علی ظاھر الروایۃ ینبغی ان یجوز لان الاصل ان مایجوز ایراد العقد علیہ بانفرادہ یجوز استثناؤہ من العقد وبیع قفیز من صبرۃ جائز فکذا استثناؤہ بخلاف استثناء الحمل واطراف الحیوان لانہ لایجوز بیعہ فکذا استثناؤہ[1] اھ باختصار۔

کیونکہ استثناء کے بعد باقی مجہول ہے، مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت امام حسن کی ہے اور وہی طحاوی کا قول ہے۔ لیکن ظاہر الروایۃ پر اس کو جائز ہونا چاہئے اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے جس شیئ پر بطورِ انفراد عقد کا وارد ہونا جائز ہو عقد سے اس کا استثناء بھی جائز ہوتا ہے۔ ڈھیر میں سے ایک بوری کی بیع جائز ہے تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہوگا بخلاف حمل اور جانور کے اجزاء کے کیونکہ ان کی بیع جائز نہیں، اسی طرح ان کا استثناء بھی جائز نہیں اھ (اختصار) (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ماجاز ایراد العقد علیہ بانفرادہ صح استثناؤہ منہ فصح استثناء ارطال معلومۃ من بیع ثمر نخلۃ[2]۔

جس پر بطور انفراد عقد کا وارد کرنا جائز ہے اس کا استثناء بھی عقد سے جائز ہے۔ چنانچہ درخت کے پھل کی بیع سے معین رطلوں کا استثناء صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۳، ۲۴

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار " فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لصحۃ ایراد العقد علیھا و لو الثمر علٰی رؤس النخل علی الظاھر[1]

کیونکہ اس پر عقد کو وارد کرنا صحیح ہے اگرچہ ظاہر روایت کے مطابق جو پھل درختوں کے اوپر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ (علی الظاھر) متعلق بقولہ فصح و مقابل ظاھر الروایۃ الحسن عن الامام انہ لایجوز واختارہ الطحاوی والقدوری لان الباقی بعد الاستثناء مجھول[2]

ماتن کا قول "علی الظاہر" اس کے قول "فصح" سے متعلق ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلے میں حسن کا قول ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء جائز نہیں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور قدوری نے، کیونکہ استثناء کے بعد جو بچتا ہے وہ مجہول ہے۔ (ت)

ثالثاً بیع میں عدم جواز ہی معتمد سہی تو اُس کا دائرہ بہت تنگ ہے اور وصیت کا باب نہایت وسیع۔ ابھی سُن چکے کہ بیع حمل ناجائز ہے اور وصیت بالحمل قطعاً روا۔

فی الدر صحت للحمل و بہ کقولہ اوصیت بحمل جاریتی او دابتی ھذہ لفلان[3]

دُر میں ہے کہ حمل کے لئے وصیت اور حمل کے ساتھ وصیت صحیح ہے جیسے موصی کا یوں کہنا کہ میں نے اپنی اس لونڈی یا اس جانور کے حمل کی فلاں شخص کے لئے وصیت کی۔ (ت)

بیع شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوجاتی ہے اور وصیت پر ان کا کچھ اثر نہیں، ولہذا بیع کنیز سے استثناء حمل روا نہیں اور وصیت سے صحیح۔

فی الھدایۃ اشتری جاریۃ الاحملھا فالبیع فاسد لانہ بمنزلۃ اطراف الحیوان لاتصالہ بہ خلقۃ و بیع الاصل یتناولھا فالاستثناء

ہدایہ میں ہے کسی شخص نے لونڈی خریدی مگر اس کا حمل نہ خریدا تو بیع فاسد ہے کیونکہ حمل حیوان کے اعضاء کی مثل ہے اس لئے کہ حمل خلقی طور پر حیوان کے ساتھ متصل ہے اور اصل کی بیع اس کو

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

[2] ردالمحتار 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۱

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

یکون علٰی خلاف الموجب فیصیر شرطا فاسدا والبیع یبطل بہ والھبۃ والصدقۃ والنکاح لاتبطل بل یبطل الاستثناء وکذا الوصیۃ لاتبطل لکن یصح الاستثناء لان الوصیۃ اخت المیراث والمیراث یجری فیما فی البطن[1] اھ ملخصًا۔

شامل ہے، تو یہ استثناء موجب کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرطِ فاسد ہوا اور بیع شرطِ فاسد کے ساتھ باطل ہوجاتی ہے۔ ہبہ، صدقہ اور نکاح باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہوجاتا ہے۔ یونہی وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن اس میں استثناء صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث اس میں جاری ہوجاتی ہے جو پیٹ میں ہے اھ(تلخیص) (ت)

جہالت بیع میں مفسد ہے اور وصیت کو مضر نہیں کما قدمنا عن الشامی عن الزیلعی (جیساکہ ہم شامی سے بحوالہ زیلعی پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ت) اور بیع میں استثنائے ارطال معلومہ سے روایت فساد کی علت یہی جہالت تھی کما سمعت عن الھدایۃ ورد المحتار ومثلہ فی الفتح وغیرہ (جیساکہ تُو ہدایہ اور ردالمحتار سے سُن چکا ہے، اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں ہے۔ ت) تو وصیت کا اس پر قیاس کُھلا مع الفارق ہے۔

رابعًا علت منع یہی سہی کہ شاید اتنے ہی رطل پیدا ہوں تو یہ بھی وصیت میں اصلاً خلل انداز نہیں،

کما اسلفنا عن الھندیۃ عن المحیط من قولہ ورمما لاتحصل الغلۃ فی بعض السنین[2]۔

جیساکہ ہم ہندیہ سے بحوالہ محیط اس کا یہ قول ذکر کرچکے ہیں کہ بسا اوقات بعض سالوں میں پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ (ت)

خامسًا وقت محاصل وغلّہ قُرٰی وبساتین وغیرہا کی صحت وصیت میں شبہہ نہیں کتبِ فقہ میں اس کے لئے باب جداگانہ موضوع اور شک نہیں کہ ان اشیاء پر جو محصول جانب سلطنت سے معین ہوتا ہے وہ عرفاً معلوم الاداء معہود الاستثناء ہے والمعھود عرفًا کالمشروط لفظًا (جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو وہ اس کی مثل ہوتا ہے جو لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ ت) تو جو استثناء بے ذکر کئے خود ہی مذکور ہے اس کی تصریح کیا مفسد ہوسکتی ہے وھذا ظاھر جدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت)۔

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۳

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۸

جواب سوال ششم : بطلان وصیت کے لئے تقریر مذکور اصلاً صحیح نہیں، اوپر گزرا کہ وصیت دو قسم ہے : تملیک و قربت۔ وانا اقول و باللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی ہے۔ت) کراہت منافی تملیک ہرگز نہیں ہوسکتی،

الا تری ان البیوع الفاسدۃ محرمۃ وتفید الملك فاذا جامع الملك الحرمۃ فما بالك بالکراھۃ۔

کیا تُو نہیں دیکھتا کہ بیوعِ فاسدہ حرام ہیں اور مِلک کا فائدہ دیتی ہیں۔ جب مِلک حرمت کے ساتھ جمع ہوگیا تو کراہت کے ساتھ جمع ہونے میں تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

اور منافی قربت بھی صرف اس صورت میں ہے کہ شَی فی نفسہ مکروہ ہو اور یہ جبھی ہوگا کہ وہ اصلاً نوع قربت سے نہ ہو،

فان الندب والکراھۃ متنافیان لایسوغ اجتماعھما من جھۃ واحدۃ۔

کیونکہ ندب اور کراہت آپس میں متنافی ہیں لہذا ایک ہی جہت سے ان کا اجتماع جائز نہیں (ت)

بخلاف کراہت عارضی کہ زنہار منافی قربت نہیں ہزار جگہ ہوتا ہے کہ شَی فی نفسہ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض جیسے آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا، علماء نے کراہت و معصیت سے بطلان وصیت پر صرف دو صورت خاصہ میں استثناء کیا ہے جہاں تملیک نہیں اور فعل فی نفسہ مکروہ ہے، حاصل استدلال یہ کہ یہاں تملیک نہ ہونا تو ظاہر اور اس ظہور ہی کے باعث یہ مقدمہ مطوی فرماجاتے ہیں، رہی قربت وہ یوں نہیں ہوسکتی کہ فعل خود مکروہ ہے اور ایسا مکروہ قربت نہیں ہوسکتا تو دونوں نوع وصیت منتفی ہوئیں اور بطلان لازم آیا،

فان انتفاء الاقسام باسرھا قاض بانتفاء المقسم رأسا۔

تمام اقسام کا منتفی ہونا مقسم کے منتفی ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ (ت)

بخلاف دو صورت باقی اعنی صورت تملیک و صورت قربت ذاتی و کراہت عارضی کہ ان میں ہرگز کراہت سے بطلان پر حجت نہیں پلاتے بلکہ صراحۃً صحت وصیت ارشاد فرماتے ہیں تینوں صورتوں کے شواہد لیجئے :

صورت اولٰی کی دو مثالیں یہی ضرب قبہ و تطیین قبر ہیں یعنی جب بہ نیت تزیین ہو کہ اپنی قبر کو مزین کرانا فی نفسہ نوعِ قربت سے نہیں بخلاف اس صورت کے کہ بقائے نشان مقصود ہو کہ یہ فعل شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معہود۔

كما فعل بقبر عثمٰن بن مظعون رضی اللّٰه تعالٰی عنه ووضع حجرًا ليتعرف بها قبره ويدفن اليه من مات من اهله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم كما اخرجه ابوداؤد فی سننه بسند جيد۔[1]

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر پر پتھر نصب فرمایا تاکہ اس پتھر کے سبب قبر کی پہچان رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان مبارک سے وصال فرمانے والے افراد کو اس قبر کے قریب دفن کیا جائے، جیسا کہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جید سند کے ساتھ اسکی تخریج کی ہے (ت)

اس سے نفع وانتفاع میت زائرین حاصل یہ مقصد محمود ہے اور ہر مقصد محمود قربات میں معدود۔

درمختار میں زیر عبارت مذکورہ سوال ہے:

قدمنا فی الکراھیة انه لایکره تطیین القبور فی المختار[2] الخ زاد فیها وفی الجنائز عن السراجیة لاباس بالکتابة ان احتیج الیها حتی لایذهب الاثر ولایمتهن۔[3]

ہم باب الکراہیۃ میں ذکر کرچکے ہیں کہ قول مختار میں قبروں کی لپائی مکروہ نہیں الخ اسی کے باب الجنائز میں بحوالہ سراجیہ یہ اضافہ کیا کہ قبر پر لکھنے کی اگر ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ اس کا نشان نہ مٹے اور اس کی توہین نہ کی جائے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

اوصی بعمارة قبره للتزیین فهی باطلة۔[4]

زینت کے لئے قبر پر عمارت کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی جمع الموتٰی فی قبر والقبر یعلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[3] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶-۱۲۵

الفتاوی السراجیۃ کتاب الجنائز باب الدفن مطبع نولکشور لکھنؤ ۲۴

[4] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا فصل فی مایکون وصیۃ " " ۴/ ۸۳۶

اذا اوصی بان یطین قبرہ او یوضع علی قبرہ قبۃ فالوصیۃ باطلۃ الا ان یکون فی موضع یحتاج الی التطیین بخوف سبع او نحوہ سئل ابو القاسم عن من دفع الی ابنتہ خمسین درھما فی مرضہ وقال ان مت فاعمری قبری وخمسۃ دراھم لک واشتری بالباقی حنطۃ وتصدقی بھا قال الخمسۃ لھا لاتجوز وینظر الی القبر الذی امر بعمارتہ فان کان یحتاج الی العمارۃ للتحصین لا للزینۃ عمرت بقدر ذلک والباقی تتصدق بہ علی الفقراء وان کان امر بعمارۃ فضلت علی الحاجۃ الذی لابد منھا فوصیۃ باطلۃ۔[1]

کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر کی لپائی کی جائے اور اس پر گنبد بنایا جائے تو وصیت باطل ہوگی۔ مگر یہ کہ وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کی ضرورت ہے تو مکروہ نہیں۔ مثلاً وہاں کسی درندے وغیرہ کا خوف ہو۔ ابو القاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیٹی کو بیماری کی حالت میں پچاس درہم دے کر کہا اگر میں مرجاؤں تو میری قبر تعمیر کرانا اور پانچ درہم تیرے ہیں باقی سے گندم خرید کر اسے صدقہ کر دینا۔ ابو القاسم نے کہا کہ بیٹی کے لئے پانچ درہموں کی وصیت جائز نہیں۔ اور قبر کو دیکھا جائے گا اگر وہاں قبر کی حفاظت کے لئے عمارت کی محتاجی ہے تو بقدر حاجت وہ تعمیر کرائے لیکن زینت کے لئے جائز نہیں اور جو باقی بچے وہ فقراء پر صدقہ کرے۔ اگر موصی نے قدر حاجت سے زائد عمارت کا حکم دیا تو اس کی وصیت باطل ہوگی۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

عمارۃ القبر ان لتحصین یجوز وان لتزیین فالوصیۃ ایضا باطلۃ ویصرف الکل الی الفقراء۔[2]

قبر کی عمارت اگر حفاظت کے لئے ہے تو وصیت جائز ہے اور اگر زیبائش کے لئے ہے تو ناجائز و باطل ہے۔ لہذا وہ سب مال فقراء پر خرچ کیا جائے گا۔ (ت)

مثال سوم وصیت کی کہ اُسے ٹاٹ کا کفن دیں اور گلے میں طوق پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دفن کریں یہ امر نامشروع کی وصیت ہے مقبول نہ ہوگی اور بطور مشروع دفن کریں گے۔

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۶

[2] فتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۹

فی الھندیۃ عن المحیط اذا اوصی ان یدفن فی مسح کان اشتراہ و یغل و یقید رجلہ فھذہ وصیۃ بمالیس بمشروع فبطلت و یکفن بکفن مثلہ و یدفن کما یدفن سائر الناس۔[1]

ہندیہ میں بحوالہ محیط منقول ہے جب کسی نے وصیت کی کہ اُسے ٹاٹ میں کفن دیا جائے جو اس نے خریدا ہے اور اس کو طوق پہنایا جائے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں، تو چونکہ یہ شرعی طور پر ناجائز کام کی وصیت ہے لہذا باطل ہوگی، اس کو کفن مثلی دیا جائے گا اور دیگر لوگوں کی طرح دفن کیا جائے گا۔ (ت)

مثال چہارم وصیت کی کہ مجھے میرے گھر میں دفن کریں باطل ہے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص اور اُمت کے حق میں نامشروع ہے، خلاصہ و بزازیہ و تاتارخانیہ و ہندیہ وغیرہ میں ہے:

واللفظ للثالثۃ اوصی بان یدفن فی دارہ فوصیتہ باطلۃ الا ان یوصی ان یجعل دارہ مقبرۃ للمسلمین۔[2]

لفظ تیسری کتاب یعنی تاتارخانیہ کے ہیں۔ اگر کسی نے وصیت کی اس کو اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو وہ وصیت باطل ہوگی سوائے اس کے وہ یوں کرے کہ اس کے گھر کو مسلمانوں کے لئے قبرستان بنا دیا جائے۔ (ت)

صورت ثانیہ یعنی وصیت تملیک باوصف کراہت صحیح ہے اس کی ایک سند وہی ہے جو سوال میں بحوالہ شامی مسطور کہ فساق کے لئے وصیت مکروہ ہے اور باوجود کراہت صحیح سند دوم وجیز امام کردری میں ہے:

الثانی معصیۃ مطلقا کالوصیۃ للنائحۃ والمغنی ان لم یکن یحصون لا یصح وان لقوم باعیانھم صح۔[3]

دوسری مطلقاً گناہ ہے جیسے نوحہ کرنیوالی عورت اور گویّے کے لئے وصیّت۔ اگر وہ قابل شمار نہ ہوئے تو صحیح نہیں اور معین قوم کے لئے ہے تو صحیح ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق پھر رد المحتار میں ہے:

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۹۶-۹۵
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/۹۵
[3] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا 〃 〃 ۶/۴۳۶

الوصیة انما صحت باعتبار التملیك لهم[1]۔ یہ وصیت تو محض ان کے لئے تملیک کے اعتبار سے صحیح ہے۔ (ت)

یہ کیسے نصوص صریحہ ہیں کہ وصایائے تملیک اگرچہ معصیت ہوں صحیحہ ہیں۔ سند سوم کافر حربی کے لئے وصیت باوصف ممانعت صحیح ونافذ ہے۔

مطلقا علی ما اختارہ الائمة الجلة طاھر بن عبدالرشید البخاری والامام السغناقی اول شراح الھدایة والامام النسفی صاحب الکنز والوافی والامام حافظ الدین البزازی اوبشرط الاستیمان علی ما مشی علیه فی الغرر الدرر والتنویر والدر وجعله فی الخانیة اجماعا وفی المقام تحقیق انیق اتینا به فیما علقنا علی ردالمحتار ولولا غرابة المقام لاسعفنا به۔ بغیر کسی شرط کے جیساکہ بزرگ ائمہ کرام یعنی طاہر بن عبدالرشید بخاری، ہدایہ کے شارح اول امام سغناقی، کنز ووافی کے مصنف امام نسفی اور امام حافظ الدین برازی نے اختیار کیا، یا مستامن ہونے کی شرط کے ساتھ جیساکہ غرر درر، تنویر اور در میں اسکو اپنایا ہے اور خانیہ میں اس کو اجماع قرار دیا ہے۔ اس مقام پر نہایت عمدہ تحقیق ہے جس کو ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ اگر مقام کی اجنبیت نہ ہوتی تو ہم اس کو یہاں ذکر کرتے۔ (ت)

خلاصہ ونہایہ وکافی ووجیز میں ہے:

واللفظ للاول الوصیة لاھل الحرب باطلة وفی السیر الکبیر ما یدل علی الجواز والتوفیق بینھما انه لاینبغی ان یفعل ولو فعل یثبت الملك[2]۔ اور لفظ پہلی کتاب کے ہیں کہ اہل حرب کے لئے وصیت باطل ہے اور سیر کبیر کی عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان تطبیق یُوں ہوگی کہ اہل حرب کے لئے وصیت نہ کرنی چاہیے لیکن اگر کردے تو ملک ثابت ہوجائیگا۔ (ت)

صورت ثالثہ یعنی وصیت قربت صحیح ہے اگرچہ نظر بخارج کراہت ہو اس کے دلائل وہ تمام مسائل ہیں جن میں قربت کے لئے ثلث سے زائد وصیت کو صحیح مانا اور ورثہ اجازت دیں تو پوری مقدار

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الوصایا باب وصیة الذمی المطبعة الکبری بولاق مصر ۶/ ۲۰۵

[2] خلاصة الفتاوی ؍؍ جنس آخر فی الفاظ الوصیة مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۳۰

میں نافذ جانا، بظاہر کہ ہنگام قیام ورثہ مثلاً کل مال کی وصیت ممنوع ہے وہی بعض شراح مشکوۃ اعنی علامہ ابن فرشتہ اُسی حدیث کے نیچے اُسی قول میں فرماتے ہیں:

فیضاران الوصیۃ ای یوصلان الضرر الی الوارث بسبب الوصیۃ للاجنبی باکثر من الثلث[1] الخ۔

وہ دونوں وصیت میں ضرر پہنچائیں یعنی اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد کی وصیت کرکے وارث کو نقصان پہنچائیں الخ (ت)

جلالین میں زیر آیت ہے:

(او اثما) بان تعمد ذٰلک بالزیادۃ علی الثلث او تخصیص غنی مثلا[2]

(یا گناہ کیا) بایں صورت کہ تہائی سے زائد کا قصد کیا یا غنی کو وصیت کے ساتھ مختص کیا (ت)

مگر از انجا کہ فعل فی نفسہ قربت اور منع بوجہ عارضی یعنی تعلق حق ورثہ ہے باطل نہ ہوئی ورنہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہ ہوسکتی۔

فان الباطل لاوجود لہ والمعدوم لاینقلب بالتنفیذ۔

کیونکہ باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور معدوم کسی کے نافذ کرنے سے نافذ نہیں ہوتا (ت)

میں این و آں سے استدلال کرتا ہوں قرآن عظیم دلیل اکبر ہے کہ وصیت باوصف ظلم ومعصیت صحیح ومعتبر ہے۔

قال اللہ عزوجل فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم[3]۔

(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) جو کسی کی وصیت میں ظلم یا گناہ پر اطلاع پائے پس ورثا اور موصی لہم میں صلح کرادے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

وصیت بحال کراہت اگر باطل ہوتی تو باطل پر صلح کے کیا معنٰی تھے اور وہ موصی لہم کیوں قرار پاتے۔ معالم میں ہے:

قال الاٰخرون انہ اراد بہ انہ

دوسروں نے کہا اس سے مرادیہ ہے کہ جب

---

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ ابن الملک باب الوصایا الفصل الثانی تحت حدیث ۳۰۷۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۲۵۷

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۲/ ۱۸۲ اصح المطابع الدہلی النصف الاول ص ۲۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۲

اذا اخطأ المیّت فی وصیتہ او جار معتمدا فلاحرج علی ولیہ او وصیہ او والی امور المسلمین ان یصلح بعد موتہ بین ورثتہ وبین الموصی لھم ویرد الوصیۃ الی العدل والحق[1]

میّت نے وصیت میں خطا کی یا جان بوجھ کر ظلم کیا تو ولی یا وصی یا مسلمانوں کے امور کے والی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ موصی کی موت کے بعد اس کے وارثوں اور وصیت والوں کے درمیان صلح کرا دیں اور وصیت کو عدل وحق کی طرف لوٹا دیں۔ (ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) سر اس میں یہ ہے کہ شرع مطہر کسی حرکت لغو بے معنی کو مشروع ومقرر نہیں فرماتی تمام عقود وافعال ومعاملات کی صحت فائدے پر اعتماد رکھتی ہے فائدہ خواہ دوسرے کا ہو اگرچہ محض دنیوی خواہ اپنا اگرچہ صرف اخروی اور جو عبث محض ہے ہرگز صحیح نہیں ولہذا ایک روپیہ اُسی کے مثل وہمسر دوسرے روپے کے بدلے بیچنا یا مکان کے مساوی شرکائے مشاع کا اپنا حصہ دوسرے کے حصہ سے بدلنا یا کسی کی سکونت کو سکونت کے عوض اجارہ میں دینا صحیح نہ ہوا۔ درمختار میں ہے:

خرج بمفید مالایفید فلا یصح بیع درھم بدرھم استویا وزنا وصفۃ ولامقایضۃ احد الشریکین حصۃ دارہ بحصۃ الاخر (صیرفیہ) ولا اجارۃ السکنی بالسکنی اشباہ[2]

مفید کی قید سے غیر مفید نکل گئی چنانچہ وزن وصفت میں برابر ایک درہم کی دوسرے درہم کے بدلے بیع صحیح نہیں، اور نہ ہی ایک مکان کے دو برابر شریکوں میں سے ایک کا دوسرے سے اپنے حصے کا تبادلہ صحیح ہے (صیرفیہ)، اور سکونت کے بدلے سکونت کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں (اشباہ)۔ (ت)

خصوصًا وہ عقود جو برخلاف قیاس بنظر حاجات ناس مشروع ہوئے وہ تو حاجت پر ہی اعتماد کیا چاہیں، ولہذا ناقابل سواری بچھڑے کا سواری کے لئے اجارہ جائز نہ ہوا کہ قیاس جواز اصل اجارہ کا نافی اور داعی جواز یعنی حاجت بوجہ عدم قابلیت یہاں منتفی۔

فی الفتح من باب العنین لم یجز استئجار الجحش للحمل

فتح کے باب العنین میں ہے سواری کی صلاحیت نہ رکھنے والے بچھیرے کو سواری اور باربرداری

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/۱۸۲ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۰

[2] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲

والی کو بے[1] کے لئے کرائے پرلینا جائز نہیں (ت)

وصیت بھی انھیں عقود مجوزہ للحاجہ سے ہے۔

فی الهداية القیاس یابی جوازها لانه تملیك مضاف الی حال زوال مالکیته ولو اضیف الی حال قیامها بان قیل ملکتك غدا کان باطلا فهذا اولی الا انا استحسناه لحاجة الناس الیها[2] الخ۔

ہدایہ میں ہے قیاس تو اس کے جواز سے مانع ہے کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی مالکیت کے حالِ زوال کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اگر اس کی نسبت اس حالت کی طرف کی جائے جب مالکیت قائم ہوتی ہے یعنی یوں کہا جائے میں نے تجھے آئندہ کل اسی کا مالک کر دیا تو یہ باطل ہوگی۔ چنانچہ بطلانِ مالکیت والی حالت میں اس کا بطلان بدرجہ اولیٰ ہوگا مگر ہم نے بطور استحسان اس کو جائز قرار دیا کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے الخ (ت)

تو بے فائدہ محض اس کی تشریع معقول نہیں حالت تملیک و افعال قربت میں حصول فائدہ ظاہر اور معصیت عارضہ غایت یہ کہ مثل بیع وقت اذان جمعہ یا نماز عصر وقت زردی فرض کر دے منافی صحت نہیں ہوسکتی بخلاف اس صورت کے کہ نہ تملیک نہ امر سے قربت، ایسی ہی جگہ کہا جائے گا کہ وصیت امر مکروہ و نامشروع کی ہے، لہذا صحیح نہیں کہ موجب صحت یعنی حاجت معدوم ہے معہذا ہم اوپر واضح کر آئے کہ وصیت ایجاب ہے اور ایجاب لحق وغیرہ ہو جیسے تملیک میں یا لحق نفسہ جیسے قربات میں جہاں کوئی نفع نہیں ایجاب کیوں ہونے لگا۔

فی الهندیة عن المحیط لو اوصی بان یباع عبده ولم یسم المشتری لا یجوز الا ان یقول وتصدقوا بثمنه اویقول بیعوه نسیئة ویحط الی الثلث عن المشتری[3] الخ وفیها عن المبسوط اوصی بعبده ان یباع ولم یزد علی

ہندیہ میں محیط سے منقول ہے اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کا غلام بیچ دیا جائے اور خریدار کو متعین نہیں کیا تو جائز نہیں مگر یہ کہ یوں کہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کر دو یا کہے کہ اس کو ادھار پر بیچ دو اور مشتری سے تہائی تک قیمت کم کر دے الخ اور اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کسی نے اپنے غلام کے

---

[1] فتح القدیر باب العنین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۱۳۵

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۵۰

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۹۶

ذٰلك و اوصی بان یباع بقیمته فھو باطل لانه لیس فی ھذه الوصیة معنی القربة لیجب تنفیذھا لحق الموصی له[1]

بارے میں وصیت کی کہ اُسے بیچ دیا جائے اور اس سے زائد کچھ نہ کہا یا وصیت کی کہ غلام کو اسکی قیمت کے ساتھ بیچ دیا جائے تو یہ باطل ہے اس لئے کہ اس وصیت میں قربت کا معنی موجود نہیں تاکہ موصی کے حق کے لئے اس کو نافذ کرنا واجب ہوتا۔ (ت)

بحمد اللہ اس تحقیق انیق نے کوئی دقیقہ تدقیق فروگزاشت نہ کیا۔ علامہ شامی کا کلام مذکور بھی بطرز خفی اسی تقریر منیر کی طرف مشیر۔

حیث قال اللھم الا ان یفرق بان الوصیة اما صلة او قربة ولیست ھذه واحدة منھما فبطلت بخلاف الوصیة لفاسق فانھا صلة لھا مطالب من العباد فصحت وان لم تکن قربة کالوصیة لغنی لانھا مباحة ولیست قربة الخ[2]

جہاں شامی نے کہا اے اللہ! مگر یہ کہ یوں فرق کیا جائے کہ بیشک وصیت یا تو صلہ ہوتی ہے یا قربت حالانکہ یہ ان دونوں میں سے نہیں ہے چنانچہ باطل ہوجائے گی بخلاف اس وصیت کے جو فاسق کے لئے ہو اس لئے کہ وہ صلہ ہے اور بندوں میں سے کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے چنانچہ وہ صحیح ہوگی اگرچہ وہ قربت نہیں جیسے غنی کے لئے وصیت، کیونکہ وہ مباح ہے اور قربت نہیں ہے الخ (ت)۔

اب ما نحن فیه کو دیکھئے تو اس میں وصایائے تملیک ہیں یا وصایائے قربت، کوئی وصیت ایسی نہیں جو فی نفسہٖ ان دونوں سے خالی ہو تو وجہ مذکور سے اس کے بطلان پر استدلال باطل و عاطل ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت)

جواب سوال ہفتم: اوصیاء کا بعض وصایا بجا نہ لانا وصیت میں کیا خلل ڈال سکتا ہے تنفیذ وصیت حق موصی لہ یا صرف حق موصی ہے اور وہ ان کے گناہ سے بری۔

قال اللہ تعالٰی فمن بدله بعد ماسمعه فانما اثمه علی الذین

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے اس کا گناہ انھیں بدلنے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار ؍؍ باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۱

یبدلونه ان اللہ سمیع علیم[1] والوں پر ہے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے (ت)

جواب سوال ہشتم: ہاں بعد تجہیز و تکفین و ادائے دیون و انفاذ وصایا جو سہام ورثہ نابالغین کو پہنچیں گے وصی بلا وجہ شرعی ان کی بیع و تبدیل اور کسی فعل مخالف حفظ کا مجاز نہیں کہ وصی محافظ ہے نہ متلف ولہذا ان کی جائداد منقولہ کو بیچ سکتا ہے کہ اس کی بیع از قبیل حفظ ہے جبکہ یتیم کا اس میں ضرر نہ ہو اور غیر منقولہ کو ہرگز نہیں بیچ سکتا مگر چند صور استثناء میں۔

فی الھندیۃ للوصی ان یبیع کل شیئ الترکۃ من المتاع والعروض والعقار اذا کانت الورثۃ صغارا اما بیع ما سوی العقار فلان ما سوی العقار یحتاج الی الحفظ و عسٰی ان یکون حفظ الثمن ایسر وبیع العقار ایضا فی جواب الکتاب، قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ ما قال فی الکتاب قول السلف کذا فی فتاوی قاضی خان، وجواب المتاخرین انہ انما یجوز بیع عقار الصغیر اذا کان علی المیت دین لا وفاء لہ الا من ثمن العقار او یکون للصغیر حاجۃ الی ثمن العقار او یرغب المشتری فی شرائہ بضعف القیمۃ وعلیہ الفتوی کذا فی الکافی[2] اھ وفی الدر

ہندیہ میں ہے وصی کو اختیار ہے کہ وُہ ترکہ کی ہر شیئ کو فروخت کرے چاہے وہ اسباب و سامان کے قبیلہ سے ہو یا غیر منقول جائداد جبکہ ورثاء نابالغ ہوں۔ غیر منقولہ جائداد کے ماسوا کی بیع تو اس لئے جائز ہے کہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ثمن (رقم) کی حفاظت زیادہ آسان ہو اور کتاب کے حکم کے مطابق غیر منقول جائداد کی بیع بھی جائز ہے۔ شمس الائمہ حلوانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ کتاب میں جو کہا ہے وہ اسلاف کا قول ہے یونہی فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ اور متاخرین نے اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ کی غیر منقول جائداد کو فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب میّت پر اس قدر قرض ہو کہ وہ اس جائداد کی قیمت کے بغیر پورا نہیں ہوتا یا نابالغ کو اس جائداد کی قیمت کی محتاجی ہو یا خریدار اس جائداد کو دگنی قیمت پر خریدنے کی رغبت رکھتا ہے، فتوٰی اسی پر ہے جیسا کہ کافی میں ہے الخ، در میں ہے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۱

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۴۴

جاز بیعہ عقار صغیر من اجنبی لامن نفسہ بضعف قیمتہ اولنفقۃ الصغیر اودین المیت اووصیۃ مرسلۃ لانفاذ لہا الامنہ اولکونہ غلاتہ لاتزید علی مؤنتہ اوخوف خرابہ اونقصانہ اوکونہ فی ید متغلب در،رد اشباہ ملخصا قلت وھذا لوالبائع وصیا لامن قبل ام اواخ فانہما لایملکان بیع العقار مطلقا[1] الخ وفی الشامیۃ عن الرملی عن الخانیۃ فی مسئلۃ بیع المنقول لنسیئۃ ان کان یتضرر بہ الیتیم بان کان الاجل فاحشا لایجوز[2] ھ واللہ تعالٰی اعلم۔

نابالغ کی غیر منقول جائداد کو اجنبی کے ہاتھ دُگنی قیمت پر بیچنا جائز ہے وصی خود نہیں خرید سکتا۔ یونہی نابالغ کے نفقہ یا میت کے قرض کی ادائیگی یا ایسی وصیتِ مطلقہ کے نفاذ کیلئے بیچنا جائز ہے جس وصیت کا نفاذ اس جائداد کو بیچے بغیر نہیں ہوسکتا یا اس جائداد کی پیداوار اس کے اخراجات سے زیادہ نہیں یا اس جائداد کے خراب ہونے یا ناقص ہونے یا کسی جابر کے قبضہ میں چلے جانے کا خوف ہو تو بھی بیع جائز ہے "درر و اشباہ (تلخیص) اور یہ تب ہے کہ بائع ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو، کیونکہ یہ دونوں غیر منقول جائداد کو بیچنے کا مطلقاً اختیار نہیں رکھتے الخ اور شامیہ میں بحوالہ خانیہ رملی سے منقول ہے کہ منقول جائداد کی ادھار پر بیع اگر یتیم کے لئے نقصان دہ ہو بایں صورت کہ ادھار کی مدت بہت زیادہ ہو تو جائز نہیں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رسالہ

الشرعۃ البھیۃ فی تحدید الوصیۃ

۱۴ ۱۳

ختم ہوا

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۳۷

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۴

مسئلہ ۱۳۶: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب تلمیذ و مرید گنگوہی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہاجرہ ہندی مدنی نے کہ اُس کی جائداد ہندوستان میں واقع ہے اس طرح وصیت کی تھی کہ میری جائداد کا منافع ایک ثلث یہاں مدینہ منورہ علٰی صاحبہا افضل التسلیم والتحیہ بھیجا جایا کرے، اور صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے بعض اقارب قریبہ بلکہ ذی رحم محرم حاجتمند و مفلس موجود ہیں کہ اس درجہ قریب رشتہ دار مدینہ منورہ میں موصیہ کے نہیں ہیں، پس اس صورت میں اگر اس کی وصیت کا روپیہ یہاں ہندوستان میں اس کے اقربائے قریبہ حاجتمند و مفلس کو دیا جائے تو وصیت ادا ہوگی یا نہیں؟ اور کیا افضل ہے مدینہ منورہ بھیجنا یا یہاں قریب ذی رحم حاجتمند و مفلس کو دینا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جہاں کے فقراء کو دیں گے وصیت ادا ہوجائے گی کچھ خاص مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری نہیں ہر جگہ کے فقراء کو دینا جائز ہے۔ خلاصہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار میں ہے:

لو اوصی لفقراء بلخ فاعطی غیرھم جاز عند ابی یوسف وعلیہ الفتوی[1]۔

اگر کسی نے وصیت کی بلخ کے فقیروں کے لئے۔ اور وصی نے ان کے غیر کو دے دیا تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

شرح القدوری للزاہدی میں ہے:

فی الوصیۃ لفقراء الکوفۃ جاز لغیرھم[2]۔

کوفہ کے فقیروں کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیر کو دینا جائز ہے۔ (ت)

قاضی خان پھر ہندیہ میں ہے:

رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من مالہ علی فقراء الحاج ھل یجوز ان یتصدق علی غیرھم من الفقراء قال الشیخ الامام ابو نصر رحمہ اللہ

کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے کچھ حاجی فقراء پر صدقہ کیا جائے تو کیا انکے غیر پر صدقہ کرنا جائز ہے؟ شیخ امام ابو نصر علیہ الرحمہ نے کہا کہ جائز ہے کیونکہ امام ابو یوسف

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۵

[2] الدرالمختار بحوالہ المجتبٰی کتاب الوصایا 〃 〃 〃 ۲/ ۳۲۲

تعالٰی یجوز ذٰلک لما روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فی رجل اوصی بان یتصدق علی فقراء مکۃ قال یجوز ان یتصدق علی غیرھم من الفقراء[1]

علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراءِ مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی، امام ابویوسف نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دوسرے فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے۔ (ت)

ہاں افضل یہی ہے کہ مدینہ منورہ بھیجیں اتباعا للوصیۃ وخروجا عن الخلاف (وصیت کی اتباع کیلئے اور اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الخلاصۃ الافضل ان یصرف الیھم وان اعطی غیرھم جاز وھذا قول ابی یوسف وبہ یفتی وقال محمد لایجوز اھ قلت والاول موافق لقولھم فی النذر بالغاء تعیین الزمان والمکان والدرھم والفقیر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خلاصہ میں کہا افضل یہی ہے کہ انہی پر خرچ کیا جائے اور اگر ان کے غیر کو دے دیا تو جائز ہے، یہی امام ابویوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز نہیں الخ۔ میں کہتا ہوں پہلا قول مشائخ کے اس قول کے موافق ہے جو نذر میں زمان، مکان، درہم اور فقیر کی تعیین کو لغو قرار دینے سے متعلق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ از انجمن اسلامیہ بریلی

چند سوال متعلقہ انتظام یتیم خانہ مسلمانان پیش کئے جاتے ہیں بموجب شرع شریف جواب مرحمت ہوں خدا اس کا اجر عطا فرمائے:

پہلا سوال: بعض لوگ میت وغیرہ کے استعمالی کپڑے ایسے بھیج دیتے ہیں جو ایتام کے جسم پر درست نہیں آتے یا ان کے استعمال کے لائق نہیں ہوتے، پس نادرست کو بعد قطع برید درست کراکے ایتام کے استعمال میں لانا اور ناقابلِ استعمال کو فروخت کرکے یتیموں کی پرورش میں صرف کرنا کیسا ہے؟

دوسرا سوال: بعض لوگ کلام مجید جدید وغیر مستعمل متعدد اور بعض میت کے تلاوت کا یتیم خانے

ع الجواب: اُس عورت کی وصیت پر عمل واجب ہے اور وہ ثلث مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری ہے گو ہندستان کے فقراء اس جگہ کے فقراء سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۳

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

میں عطا کرتے ہیں اور ان سب کی تعداد یتیموں کی تعداد سے زیادہ ہو جاتی ہے دینے والے بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کر کے قیمت پرورش ایتام میں صرف کی جائے مگر بعض بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں پس قسم آخر کو درحالیکہ ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کر کے قیمت کو ایتام کے مصارف میں لاسکتے ہیں اور نیز یہی قسم کسی غیر ایتام کو تلاوت کے واسطے دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

تیسرا سوال: یتیم خانہ میں بعض لوگ میت کے استعمال کا پلنگ نواڑ وغیرہ کا جو یتیموں کی معمولی چارپائیوں سے بہت زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوتا ہے بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں اگر وہ بعض ایتام کے کام میں لایا جائے تو دوسروں کی دلشکنی ہوتی ہے لہذا اس کو فروخت کر کے قیمت دیگر مصارف ایتام میں دی جائے یا قیمت سے معمولی چارپائیاں یتیموں کے واسطے بنوادی جائیں تو کیسا ہے ؟

چوتھا سوال: جو چندہ کہ یتیموں کے مصارف کے لئے آتا ہے اُسی سے یتیم لڑکوں کی رسم ختنہ اور یتیمات کی رسم نکاح کی جاتی ہے پس نکاح میں جو براتی دُولھا کی طرف سے آتے ہیں ان کو کھانا زرِ مذکورہ سے کیسا ہے ؟

الجواب

مصحف شریف کپڑے، پلنگ وغیرہ جو کچھ لوگ یتیموں کو بھیجتے ہیں ظاہر ہے کہ اُس سے مقصود تصدق ہوتا ہے اور تصدق تملیک ہے۔

وھبۃ المشاع فیما لایقسم صحیحۃ وقبض من یعولھم یکفی عن قبضھم کما نصوا علیہ وجماعۃ المسلمین حیث لاولایۃ ولاقضاۃ من الاسلام کالقضاۃ فی النظر للایتام وامثال ذٰلک من المھام کما صرحوا بہ فی غیر ما مقام۔

ناقابلِ تقسیم شیئ کا غیر منقسم طور پر ہبہ صحیح ہے، اور یتیموں کے کفیلوں کا قبضہ ان کی طرف سے کافی ہے جیسا کہ اس پر مشائخ نے نص فرمائی، جہاں یتیموں کے ولی اور قاضیِ اسلام موجود نہ ہوں تو وہاں یتیموں کی دیکھ بھال اور اس قسم کے دیگر اہم امور کے لئے مسلمانوں کی جماعت قاضیوں کے قائم مقام ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی۔ (ت)

تو جماعت مسلمین کو کہ اس کام پر معین ہیں روا ہے کہ کپڑے قطع برید کر کے مصارف یتامٰی میں لائیں یا ناقابل استعمال ملبوس اور پلنگ اور حاجت سے زائد مصاحف شریفہ ہدیہ و بیع کر کے زرِ ثمن کار یتامٰی میں خرچ کریں مگر مالِ یتیمان دوسرے کو عاریۃً نہیں دے سکتے اگرچہ تلاوت کیلئے قرآن مجید فانہ تبرع ولاولایۃ فی التبرع (کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں ولایت نہیں ہوتی۔ ت)

زرِ چندہ سے یتیموں کا ختنہ کر سکتے ہیں اور برا تیوں کو معمولی کھانا دینا بھی جائز بشرطیکہ اسراف نہ ہو صرف بقدرِ کفایت ہو۔

فی ردالمحتار عن القنیۃ لایضمن ما انفق فی المصاھرات بین الیتیم والیتیمۃ وغیرھما فی خلع الخاطب او الخطیبۃ وفی الضیافات المعتادۃ والھدایا المعھودۃ وفی اتخاذ ضیافۃ لختنۃ للاقارب والجیران مالم یسرف فیہ[1] اھ مختصرا۔ واللہ اعلم۔

ردالمحتار میں بحوالہ قنیہ منقول ہے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی وغیرہ کی شادی کے موقع پر دولہا اور دلھن کے جوڑوں، عادت کے مطابق دعوتوں، عرف کے مطابق تحائف اور ختنہ کے موقع پر عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کی دعوت میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس پر تاوان لازم نہیں آتا جب تک اس میں فضول خرچی نہ کی جائے اھ مختصراً (ت)

مسئلہ ۱۳۸

۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان و دکان اپنی زوجہ کے نام بیع کر دیا تھا زوجہ نے انتقال کیا۔ زید کے تین بچے نابالغ اپنی ماں کے وارث ہیں۔ اب زید کے پاس کچھ نہیں کہ اُس سے اپنا اور ان نابالغوں کا کھانا پینا چلے۔ زید نیک چلن ہے مال برباد کرنے والا نہیں وہ نیک نیتی سے چاہتا ہے کہ اپنا اور اپنے نابالغ بچّوں کا حصہ بیچ کر تجارت کرے جس سے اُن سب کا رزق پیدا ہو۔ اس صورت میں زید ان حصّوں کے بیچنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

فی الواقع صورتِ مستفسرہ میں اگر زید نیک چلن ہے اولاد کا مال برباد کرنے کا اُس پر اندیشہ نہیں اور بیع مناسب اور معقول قیمت کو ہو تو اُسے اُن حصوں کے بیچنے کا اختیار ہے، عقود الدریہ میں فصول عمادی سے ہے:

الحاصل ان بیع الاب عقار الصغیر بمثل القیمۃ یجوز اذا کان محمودا او مستورا واذا کان مفسدا

خلاصہ یہ کہ باپ کا نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد کو مثلی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے جبکہ وہ نیک چلن یا پوشیدہ حال والا ہو اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۶۳

الایجوز الا بضعف القیمۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

وہ بدچلن اور فسادی ہے تو پھر سوائے دگنی قیمت کے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹ (ل) ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد کفایت اللہ کی دو زوجہ، زوجہ اولٰی نجم النساء کے بطن سے حافظ عبدالحق، احسان الحق دو پسر اور عجائب النساء، لطیف النساء، حبیب النساء، جمیل النساء چار دختر سب بالغ اور زوجہ ثانیہ حمید النساء عرف ننھی کے بطن سے فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق تین پسر اور احمدی بیگم ایک دختر سب نابالغ، اور ننھی کی ایک دختر بالغہ کریم النساء ہے جسے دیگر ورثہ نطفہ حاجی کفایت اللہ سے نہیں بتاتے بلکہ ربیبہ کہتے ہیں حمید النساء حیاتِ شوہر میں انتقال کرگئی حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض الموت میں بشمول نجم النساء ایک وصیت نامہ سات امر پر مشتمل لکھا۔ اول ظاہر کیا ہے کہ جائداد مندرجہ وصیت نامہ ہر دو کاتبان کی ہے ابتداء کام نقدی و جائداد و کاتبہ نمبر۲ سے شروع ہوا اور اضافہ و ترقی ہوتی رہی اور وہ جز حصہ مشتی زوجیت و دین مہر کاتبہ کا جائداد مصرحہ تحت میں شامل ہے جائداد و نقدی ایسی مخلوطہ ہے جس کو علیحدہ دکھانا بلاضرورت ہے خاص کر جب ہر دو کاتبان کا منشاء دلی یہ ہے کہ جائداد مصرحہ تحت تمام اولاد مصرحہ ذیل پر حسب شرع شریف بلا استثنا کسی جز کے تقسیم ہوجائے اور کسی اولاد کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہ دکھائی جائے تو ایسی حالت میں جائداد تمام اولاد پر حسب شرع شریف تقسیم مطابق وصیت نامہ ہذا ہوگی۔ کاتب نمبر۱ نے تیاری تحریر وصیت نامہ ہذا کی کی تھی کاتبہ نمبر۲ نے بھی کاتب نمبر۱ سے خواہش کی کہ کاتب نمبر۱ کی جائداد عین کاتبہ نمبر۲ کی جائداد کی ہے تمام اولاد پر بذریعہ وصیت نامہ ہذا منتقل ہو ہر دو کاتبان نے اپنی خوشی سے وصیت نامہ ہذا تمام اولاد مندرجہ تحت کے نام تحریر کیا کہ جائداد بحیثیت موجودہ بعد ہمارے ہم لوگوں کی اولاد کے قبضہ میں رہے اور ہماری اولاد کو پوری واقفیت ہوجائے کہ کون جز جائداد کا ان کی ملکیت میں رہے گا۔

دوم: حاجی کفایت اللہ نے کچھ دیہات و دکان و مکان اپنی تندرستی میں احسان الحق و فضل الحق و کریمن کے نام کردیئے تھے اس وصیت میں وہ بھی شامل کئے اور لکھا وصیت نامہ کی یہ بھی ضرورت ہوئی کہ اکثر جائداد فرضی بعض اولاد کے نام تھی اس کی بابت احتمال تھا کہ کوئی تحریر نہ ہو تو وہ اولاد تنہا اپنی

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۳

ملکیت سمجھے۔

سوم: تحریر کیا جاتا ہے کہ کاتب نمبر ۱ کی زوجہ ثانی حمید النساء کا مہر ایک سو پندرہ روپے کا تھا وہ ان کی حیات میں ادا کر دیا گیا۔

چہارم: نابالغان مذکورین پر ولایت کا یہ انتظام لکھا کہ ولی جائداد حافظ عبد الحق و احسان الحق تا بالغان تے رہیں گے ولی ذات نابالغان اللہ جلائی والدہ کاتب و صاحب النساء ہمشیرہ کاتب رہیں گی انکی سرپرستی و نگرانی و حفاظت میں ان کے ساتھ نابالغ رہیں گے ولی جائداد آمدنی نابالغان سے للعہ روپیہ ماہوار سپرد ہر دو ولی ذات بنام پرورش نابالغان کرے گا عقد و تعلیم حسب رائے ہر دو ولی ذات ہوگی۔

پنجم: کچھ جائداد حاجی کفایت اللہ نے مصارف خیر کے لئے بحال تندرستی پہلے وقف کی تھی اس کی تفصیل بھی اسی وصیت نامہ میں بغرض یادگار درج کی اور ایک بنگلہ نمبری ۱۶۷ قیمتی دس ہزار روپے جدید وقف اس وصیت نامہ میں کیا ہے مقدار ثلث متروکہ سے بدرجہا کم ہے اور یہ سب اوقاف تمام ورثہ کو تسلیم ہیں۔

ششم: تمام اولاد مذکورین گیارہ اشخاص کے نام جدا جدا بتفصیل جائداد غیر منقولہ لکھی ان میں کریم النساء کا نام بھی ہر جگہ بزمرہ اولاد لکھا اور اس کے لئے بھی دیگر دختروں کے برابر حصہ جداگانہ مشخص کیا اگرچہ مکان اور ایک دکان کہ اول سے اس کے نام تھی وہ بھی شامل حصہ کی جس طرح ایک موضع کہ احسان الحق اور ایک موضع ایک مکان کہ فضل حق کے نام اول سے تھے ان کے حصص میں داخل کئے اور لکھا کہ ہم لوگوں نے اپنی تمام اولاد کو یکجا کر کے وصیت نامہ ہذا لکھا اور جو جائداد اولاد کے نام درج ہے ان کی رضا سے تحریر ہوئی کوئی کمی بیشی جائداد میں نہیں نیز لکھا جس جائداد کے محاذ میں جس وارث اولاد کا نام ہے وہ اس جائداد کا مالک ہوگا۔ عنوان فہرست تقسیم میں لکھا جو جائداد غیر منقولہ اولاد کے قبضے میں آئے گی وہ ہر اولاد کے نام کے مقابل درج کی جاتی ہے جس کو تمام اولاد بالغ و ولی نابالغان نے بقدر حصہ شرعی حساب لگا کر قبول و منظور کیا ہے۔

ہفتم: حاجی کفایت اللہ نے اپنی والدہ اللہ جلائی کو جائداد سے کچھ نہ دیا مگر آخر میں اتنا لکھا ہے کہ کاتب نمبر ۱ عرصہ سے للعہ ماہواری اپنی والدہ اور ان کی دختر صاحب النساء کے اخراجات کے واسطے دیتا رہا ہے میری خواہش تمام اولاد ذکور واناث سے ہے کہ مثل میرے مبلغان مذکورہ اپنی جائداد کی آمدنی سے ذکور دو ہر حصہ اناث اکہرا جملہ سے ر کے رقم والدہ و صاحب النساء کو تا ان کی حیات

دیتے رہیں۔ ۹؍دسمبر سنہ ۱۲ء کو یہ وصیت نامہ تحریر ہوا اور ۱۳؍دسمبر سنہ ۱۲ء کو حاجی کفایت اللہ موصی نے وفات پائی رجسٹری اس کی بعد موت موصی ۱۸؍دسمبر کو معرفت حافظ عبدالحق پسر کلاں کے ہوئی بعد فوت موصی والدہ موصی اللہ جلائی اپنے حصہ شرعی سدس کی طالب ہوئی نجم النساء اور اس کی اولاد بطنی نے باستناد وصیت نامہ حصہ دینے سے انکار کیا، ۲۷؍مئی سنہ ۱۳ء کو اللہ جلائی نے نجم النساء وجملہ اولاد یازدہ گانہ کو مدعا علیہ بنا کر نالش دائر کی اور عرضی دعوت میں نسبت وصیت نامہ لکھا دستاویز مظہرہ مدعا علیہم کا مدعیہ کو کوئی علم نہیں تاریخ مظہرہ مدعی علیہم کے قبل اور بعد حاجی کفایت اللہ میں قابلیت اظہار ارادہ اور تحریر اور سمجھنے مضمون کی نہ تھی نجم النساء نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ حاجی کفایت اللہ بہت کم مایہ شخص تھے مدعا علیہا کے سرمایہ سے حاجی کفایت اللہ نے تجارتیں کرکے نفع کثیر حاصل کیا اور جائداد خریدکیں واقعی مالک جائداد کی مدعا علیہا ہے، مدعا علیہا نے حسب خواہش شوہر و بنظر رفع نزاع باہم ورثاء بلا لحاظ ملکیت جائداد خود اور دین مہر یافتنی اپنا برضامندی جملہ ورثاء مدعا علیہا اور شوہر مدعا علیہا نے وصیت نامہ تحریر کیا جملہ ورثاء۔ اور نیز کریم النساء نے وصیت نامہ تسلیم کرکے موافق حصص مندرجہ وصیت نامہ اپنا اپنا قبضہ جائداد پر کیا اور کاغذات مال میں اپنا نام درج کرا لیا بیان مدعیہ کا بابت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ کے محض غلط ہے جبکہ مشورہ بابت تحریر وصیت نامہ کے ہوا تھا اس وقت بھی مدعیہ نے کہا میرے واسطے کچھ جائداد نہ چاہیے عسہ؍ ماہوار مجھ کو کافی ہے اب مدعیہ کو استحقاق دعوی جائداد کا نہیں درحالیکہ تمام جائداد سرمایہ مدعا علیہا سے کفایت اللہ نے پیدا کی تو واقعی جملہ مالک جائداد مدعا علیہا ہے کفایت اللہ کا اس میں کچھ حق نہیں اگر جائداد میں کوئی جزء متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ٹھہرے تو بلا ادائے مبلغ ؏ ہزار دین مہر یافتنی ذمگی حاجی کفایت اللہ شرعاً وراثت جاری نہیں ہوسکتی ہنوز تنقیح نہ ہوئی تھی کہ جملہ تیرہ[۱۳] اشخاص فریقین بالغوں کی طرف سے اصالۃً اور نابالغوں کی جانب سے ولایۃً اقرار نامہ ثالثی ۱۴؍اگست سنہ ۱۳ء کو تحریر ہوا جس میں لکھا گیا کہ ہم مقران کے تنازع بابت تقسیم ترکہ حاجی کفایت اللہ کے ہے ہم سب کی خواہش ہے کہ ثالثان جائداد منقولہ وغیر منقولہ مفصلہ ذیل ترکہ حاجی کفایت اللہ کی تقسیم حسب احکام شرع شریف باہم مقران کردیں۔ زردادنی مفصلہ ذیل جو ذمہ حاجی کفایت اللہ مرحوم واجب الادا ہے اس کو منجملہ مقران کے صرف حافظ عبدالحق ادا کرینگے۔

سید عبدالستار	صراف کانپور	جیون لال
سار	ماعہ ر	معہ

علاوہ اس کے اور کوئی داد نی نہیں۔ ثالثان جو فیصلہ جوازی یا ناجوازی وصیت نامہ مناسب سمجھیں کریں ثالثی میں نجم النساء کی درخواست بایں مضمون گزری کہ درواقع مالک جائداد کی مدعاعلیہا ہے اگر کوئی جز جائداد متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ہو تو بلاادائے دین مہر یا فتنی مدعا علیہا وراثت جاری نہیں ہو سکتی بہ نسبت عذرات مذکورہ تنقیح قائم کی جائے۔ ثالثوں میں اس پر اختلاف ہوا ہر دو کی رائے میں یہ درخواست ناقابل سماعت ہوئی کہ مہر نجم النساء کی بحث امور مفوضہ سے نہیں ایک کی رائے اس کے خلاف ہے کہ اقرار نامہ میں تقسیم حسب احکام شرع شریف کی درخواست نہیں اور تقدیم مہر حکم شرع شریف ہے، اب حضرات علمائے کرام سے امور ذیل کا استفسار ہے:

(۱) کیا وصیت نامہ مذکورہ کلاً یا جزءً قابل نفاذ ہے؟

(۲) اگر وصیت نامہ باطل قرار پائے تو جائداد حسب بیان نجم النساء مملوکہ نجم النساء ٹھہرے گی حالانکہ اس کے نام کوئی جزی جائداد نہ تھی یا تمام وکمال ترکہ حاجی کفایت اللہ ہو کر تقسیم ہوگی۔

(۳) کیا نسبت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ اللہ جلائی کا دعوی قابل سماعت ہے؟

(۴) جائداد میں کہ حالت تندرستی حاجی کفایت اللہ سے احسان الحق وفضل حق وکریمن کے نام تھیں وہ انھیں کی ٹھہرے گی یا حسب بیان وصیت نامہ ان کے نام فرضی قرار پاکر شامل تقسیم ہونگی؟

(۵) کیا حمید النساء کا مہر یافتنی ہونا اور یہ کہ وہ حیات حمید النساء میں ادا کر دیا گیا حسب تصریح وصیت نامہ مانا جائے گا۔

(۶) کیا کریم النساء دختر کفایت اللہ قرار پائے گی یا حسب بیان نجم النساء وغیرہ ربیبہ۔

(۷) کیا نجم النساء کی درخواست مذکورہ قابل سماعت ہے ثالثی میں اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم کی جائے؟

(۸) کیا نابالغوں پر ولایت ذات ومال حسب بیان وصیت نامہ رہے گی یا کس طرح؟

(۹) کیا اللہ جلائی کا دعوی نسبت ششم حصہ شرعی صحیح ہے یا ماہوار کے سوا اس کا استحقاق نہیں؟

(۱۰) زیور طلائی ونقرئی مندرجہ نمبر ۱۳ فہرست اقرار نامہ جسے لکھا ہے کہ بنگال بینک کانپور میں مورث نے امانت رکھا ہے، مگر بموجب مشہور حالت کے وہ زیور متروکہ حمید النساء ہے کس کا قرار پائے گا اور تقسیم مال میں شامل ہوگا یا بحق نابالغان اولاد حمید النساء محفوظ رہے گا۔

(۱۱) زر مجتمع شملہ بینک مذکور نمبر ۴۴ فہرست اقرار نامہ کی نسبت بینک مذکور کے بھیجے حساب سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۱ دسمبر ۱۲ ء کو فوت حاجی کفایت اللہ سے دو روز پہلے اُس میں سے بارہ ہزار پانسو بارہ روپے حافظ عبدالحق کی معرفت آئے۔ حافظ عبدالحق نے رُوبرُوئے ثالثان لانا اُس روپے کا مانا اور کہا میں نے اپنے باپ کو لاکر دے دیا مگر اس روپے کا ذکر نہ وصیت نامہ میں ہے نہ کوئی وارث اسے قبول کرتا ہے نہ موصی کا کسی کو دینا ظاہر ہوتا ہے اور نہ اس وقت کی حالت موصی کی اس قدر زر کثیر و تصرف کرنے کے معلوم ہوتی ہے یہ رقم کس حساب میں درج ہوگی۔ بیّنوا توجروا

کاغذات نقول وصیت نامہ و عرضی دعوٰی و بیان تحریری نجم النساء و اقرار نامہ و درخواست نجم النساء بغرض ملاحظہ حاضر ہیں۔

مسئلہ ۱۳۹ (ب)

۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقدمہ مذکورہ ترکہ حاجی کفایت اللہ میں چند جلسے ثالثان کے قائم ہوئے لیکن بجائے اس کے کوئی امر متنازعہ کا تصفیہ عمل میں آئے تنازعوں کی بحثوں نے روز بروز ترقی پکڑلی جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ پنچایت سے طے نہ ہوگا اور عدالت کے جھگڑوں میں یہ سب جائداد برباد اور تلف ہوجائے گی اور فریقین تباہ ہوں خاص کرنا بالغین بے زبان اور بے قصور باوجود بروئے ترکہ صاحب جائداد ہونے کے خرچہ معینہ ان کا نہیں ملتا خرچہ کی وجہ سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں نہ کوئی تعلیم کا ان کی انتظام ہے اگر اب بھی کوئی انتظام ان کی جائداد کے تحفظ کا نہ ہوا اور یہ جھگڑے طے نہ ہوئے تو یہ مظلوم خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ ان وجوہات پر غور کرکے بعض فریق مقدمہ نے سبقت کی اس امر میں کہ فیمابین کہ مصالحت سے بعض سے چھٹا کر یا بعض کو دلا کر امور متنازعہ کا قلع قمع کرکے آئندہ جھگڑوں کا باب مسدود کرنے کا قصد کیا، چونکہ بالغین مختار ہیں اپنے اپنے حقوق چھوڑنے کے اور کمی وبیشی لینے دینے کی چونکہ ایسی صورت میں کمی بیشی آنے سے جس کی بعض حصص میں کمی واقع ہوتی رہی اس کا اثر نابالغوں پر ہی پڑتا رہا جس کا اثر ہر شریک مقدمہ کے حق میں موجب وبال ہے، اور عنداللہ ماخوذی ہے، لیکن انجام کار کی مصلحتوں پر غور کرنے سے ظاہر حال دلالت کرتا ہے کہ اگر مجوزین بلالحاظ اپنے منافع ذاتی اور اغراض نفسانی کے محض بغرض دفع فساد و رفع نزاع باہمی مسلمانوں کے اور نیز بے جا ضائع ہونے مسلمانوں کے مال کے بالخصوص تحفظ جائداد نابالغان کے تصفیہ باہمی میں کوشش کریں اور آئندہ جھگڑے پیدا ہونے والوں کو بچانے کی غرض سے جو جو نقصان بظاہر حال نابالغوں کے حصہ جائداد میں واقع ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں،

(۱) یہ کہ جائداد پیلی بھیت کے دکانات و مکانات جو از روئے قیمت کے باعتبار زمانہ زیادہ اور آمدنی کم ہے لیکن مدعیہ کو اپنی سکونت پیلی بھیت کی وجہ سے نافع ہے اور اس کی خواہش کے موافق دی گئی۔

(۲) مہر مسماۃ نجم النساء زوجہ مورث کا باوجود اقرار نامہ اور وصیت نامہ میں درج نہ ہونے کے دلایا گیا۔

(۳) خرچہ نالشات ہر دو فریق کا از روئے بیان حلفی ہر فریق کہ جس قدر بیان کریں جملہ جائداد سے اول منہا ہو مابقی جائداد از روئے حصص شرعی تقسیم کی جائیگی اور تقرر قیمت اور حصص اُس قاعدہ سے قرار پایا ہے جیسا کہ اس سے کچھ زمانہ قبل سب شرکاء کے آپس کی رضامندی سے ایک فہرست تیار کی تھی اور اس وقت بسبب نہ طے پانے بعض نزاع کے ملتوی ہو گیا تھا نفاذ اس کا۔

(۴) جو جائداد از قسم دھات و دکان و مکان بنام محض ورثاء مسمیان احسان الحق و کریم النساء بالغان وفضل حق نابالغ مورث نے اپنی حالت صحت میں نامزد کر دیا تھا اور ان کی تحریرات بھی باضابطہ اُن کے ناموں سے ہو چکی تھی مگر وصیت نامہ اور نیز اقرار نامہ ثالثی میں انکے مالکوں نے اور فضل حق نابالغ کی طرف سے بولایت شیخ عبدالعزیز کے جن کی ولایت بعض ورثاء کی جانب سے قرار دی گئی ہے بشمول جملہ جائداد کی جملہ ورثاء پر تقسیم کر دینا قبول و منظور کیا ہے۔

(۵) زر مجتمع شملہ بینک جو نمبری ۴۴ اقرار نامہ کے تحت میں بلا تعداد لکھے بھی اور حساب بینک مذکور کے آنے سے تعدادی بارہ ہزار پانسو بارہ روپیہ حافظ عبدالحق کا لانا دو روز قبل وفات مورث کے معلوم ہوا لیکن حافظ عبدالحق اُس مجرا دینے سے انکار کرتے ہیں اس بناء پر کہ بوقت دستخط کرنے اقرار نامہ ثالثی کے اس میں سے بعض وارث احسان الحق وغیرہ کو کوئی جزء دلانے کے بعد مابقی کا مطالبہ نہ کرنا بعض ورثاء نے بوعدہ زبانی یا کسی خاص تحریری رقعہ کے ذریعہ سے قبول و منظور کر لیا ہے آیا اس رقعہ کا بار حق نابالغان بھی پڑے بجنبہٖ مصلحت مرقومہ بالا کے تو کیا حکم رکھتا ہے۔

(۶) بمد ۳۱ اقرار نامہ کے زیور طلائی و نقرئی بنگال بینک میں امانت رکھانا لکھا ہے اور بموجب بیانات مشہورہ کے نابالغان کی والدہ متوفی حمیدن کا زیور واسطے نابالغوں کے بینک میں رکھایا تھا اس کی

تقسیم بھی لشمول جملہ ترکہ ہوگی یا حق نابالغان امانت رہے گا۔

(۷) علاوہ مدّات مرقومہ صدر کے اور کسی قسم کا بھی نزاع کا تصفیہ بغرض دفع نزاع کیا جائے جس میں نابالغان کا کسی قسم کا نقصان متصور ہوا ور نیز ہر شش دفعات مذکورہ بالا کے بموجب کرنا بغرض دفع نزاع اور تحفظ اموال کے قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہوگا یا موافق اور نیز اس میں سعی کرنے والے ماجور ہوں گے یا گنہگار؟ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب

نابالغوں خصوصاً یتیموں کا مال آگ ہے انھیں نقصان دینے والا سخت کبیرہ شدید کا مرتکب ہے اُن کا مال یا اُن کے مال میں سے ایک ذرہ دیدہ و دانستہ خود غصب کرنے والا اگرچہ کسی فیصلہ کے زور سے ہو یا دوسرے کو دے دینے یا دلا دینے والا یا اُن کی ادنیٰ حق تلفی پر راضی ہونے والا سب شدید عذاب جہنم کے مستحق ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا و سیصلون سعیرا[۱]

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھائیں وہ اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتے دوزخ میں غرق ہوں گے۔

کاغذات مقدمہ ملاحظہ ہوئے امور ذیل معلوم رہیں:

اولاً جو جائدادیں احسان الحق و کریم النساء کے نام صحت مورث میں ہو چکی تھیں وہ اب ضرور اُن کی نہ رہیں بلکہ ترکہ حاجی کفایت اللہ ہیں کہ وصیت نامہ میں ان کا نام فرضی ہونا لکھا اور انھوں نے تسلیم کیا اور اقرار نامہ میں صراحۃً اُن کا ترکہ حاجی کفایت اللہ ہونا مان لیا۔ فضل حق اگر بالغ ہوتا اور اسی طرح قبول کرتا اس کا بھی یہی حال ہوتا مگر وہ نابالغ ہے اور کوئی ولی کوئی وصی کوئی حاکم نابالغ کے مال میں اس کا نام فرضی ہونا مان لینے کا اختیار نہیں رکھتا وصیت نامہ میں حاجی کفایت اللہ کا لکھوانا اصلاً قابل التفات نہیں، کیا کوئی شخص کوئی جائداد ہبہ یا بیع کرکے مدعی ہو کہ یہ انتقال فرضی تھا تو صرف اس کے کہنے سے مان لیا جائے گا ہرگز نہیں۔ اور یہ شبہہ کہ روپیہ حاجی کفایت اللہ کا تھا اس نے خرید کر اپنے پسر نابالغ کے نام جائداد کی جب تک چاہا دی اب نہیں دیتا محض مہمل و بے معنی ہے اگر اس کا ثبوت مان بھی لیا کہ روپیہ درحقیقت حاجی متوفی کا تھا نابالغ کو اس کی ماں یا اور کسی سے

---

[۱] القرآن الکریم ۴/۱۰

پہنچا تھا تو اس سے جائیداد مذکور بھی متوفی کا ہونا کیونکر لازم آیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب۔[1]

باپ کے مال سے خریداری سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔ (ت)

باپ جو چیز اپنے نابالغ بچّے کے نام خریدے وہ اس کے لئے ہبہ ہوتی ہے اور باپ ہی کے قبضہ سے نابالغ کی ملک ہوجاتی ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۷۷:

الاب اشتری لھا فی صغرھا او بعد ماکبرت وسلم الیھا وذٰلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ[2] اھ منحہ۔

باپ نے اپنی بچّی کے لئے اس کی صغر سنی میں یا اس کے بالغ ہونے کے بعد کچھ خریدا اور اس کے سپرد کردیا اور یہ کام اس نے اپنی صحت کے زمانے میں کیا تو دیگر وارثوں کا اس پر کوئی حق نہیں وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا اھ منح (ت)

عقود الدریہ ج ۲ ص ۲۸۰ و ۲۸۱:

ذکر فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ والام تملک ذٰلک ویقع قبضا عنہ احکام الصغار من البیوع۔[3]

ذخیرہ اور تجنیس میں مذکور ہے کسی عورت نے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے جائیداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائیداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور وہ اس کی مالک ہے اور جائیداد پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا، احکام الصغار من البیوع۔ (ت)

تو موضع و مکان جو متوفی نے فضل حق نابالغ کے نام خریدا اگرچہ روپیہ متوفی ہی کا تھا فضل حق کی

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۱۹
[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۰۶
[3] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۳۷

ملک ہوگیا اب اس کا نام فرضی بیتانا اس ہبہ سے رجوع کرنا ہے اور اولاد کو ہبہ کرکے رجوع باطل محض و نامسموع۔ درمختار جلد ۴ ص ۱۹۱ ؎:

لو وھب لذی رحم محرم منه نسبا ولو ذمیا او مستامنا لا یرجع۔[1]

اگر کسی نے اپنے نسبی ذی رحم کو ہبہ کیا اگرچہ وہ ذمی یا مستامن ہو تو اب رجوع نہیں کرسکتا۔ (ت)

درمختار جلد ۴ ص ۱۹۲ ؎:

لو کانا ای العبد و مولاہ ذا رحم محرم من الواھب فلا رجوع اتفاقا۔[2]

اگر وہ دونوں یعنی غلام اور اس کا مالک واہب کے ذی رحم محرم ہوں تو بالاتفاق رجوع نہیں ہوسکتا۔ (ت)

پس فرض ہے کہ جو موضع و مکان فضل حق کے نام تھے وہ خاص اس کے سمجھے جائیں اور اس تقسیم سے جُدا رہیں اور وہ باقی تمام متروکہ کفایت اللہ میں برابر کا حصہ دیا جائے۔

ثانیاً نجم النساء اقرار نامہ میں صراحۃً مان چکی ہے کہ اُن تین رقوم مصرحہ اقرار نامہ کے سوا اور کوئی دادنی ذمہ حاجی کفایت اللہ نہیں تو اُس کا دعوی مہر ساقط ہوگیا بالغین اختیار رکھتے ہیں کہ باوصف سقوط دعوی بھی اُس کا بار اپنے سر لیں مگر کسی نابالغ پر اس کا بار ڈالنا اپنے سر عذاب الٰہی کا وبال لینا ہے۔

ثالثاً اس سوال میں سائل نے مہر حمید النساء والدۂ نابالغان کا ذکر نہ کیا۔ سوال اول میں اس کا تذکرہ تھا اور ملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہر ہوا کہ حاجی کفایت اللہ نے اس کا مہر معاف ہونا ظاہر کیا اور یہ کہ وہ ان کی حیات میں ادا کردیا گیا۔ مگر کبھی مدیون کا قول خفت مقدار دین یا اُس کے ادا کردینے کے بارے میں مقبول نہیں ہوسکتا اگر گواہان عادل شرعی سے حمید النساء کا مہر ادا ہوجانا ثابت ہے فبہا ورنہ لازم کہ مہر مثل تک حمید النساء کا مہر قائم اور اس میں سے چہارم حصہ شوہر اور ایک حصہ کریم النساء بالغہ (جبکہ وصیت نامہ کو تسلیم کرچکی ہو) ساقط کرکے باقی اولاد نابالغان حمید النساء کے حصے ان نابالغوں کو دے جائیں۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۳/۲
[2] " " " " " " " "

سابعًا زرِ شملہ بنک کی نسبت اگر گواہان عادل شرعی سے ثابت ہو کہ یہ روپیہ بنک سے لانے کیلئے حاجی کفایت اللہ نے حافظ عبدالحق کو مامور کیا تھا جب تو حافظ عبدالحق کا بیان کہ میں نے اپنے والد کو لاکر دے دیا حلف کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا کہ اب وہ وکیل ہوا اور وکیل امین ہے اور امین کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہے ورنہ اُس میں سے بھی حصہ نابالغان ہرگز نہیں چھوٹ سکتا بعد اس تحریر کے دوسرے جلسے میں حافظ عبدالحق نے اقرار کیا کہ وہ روپیہ شملہ بنک سے لایا اپنے نام سے بنک میں جمع کر دیا تو وہ اُس روپے کا متغلب ہوا بقیہ ورثہ کا حصہ اس کے ذمے عائد ہے بالغوں کو چھوڑ دینے کا اختیار ہے، یتیموں کا حق کوئی نہیں چھوڑ سکتا، اس کا بیان کہ ساڑھے تین ہزار والد نے اُس کا قرضہ ادا کرنے کو اُسے دے ہرگز مقبول نہیں بلکہ بالفرض اگر گواہان شرعی سے ثابت بھی ہو جائے کہ حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض مذکور میں اتنے ہزار حافظ عبدالحق کو دے دیے کہ اپنا قرضہ ادا کرلو جب بھی نابالغوں کا حصہ اور نیز ان بالغوں کا جو اس دینے کو جائز نہ رکھیں دینا آئے گا کہ ہبہ مرض میں وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازتِ ورثہ نافذ نہیں ہوسکتی وارث موصی لہ جو کچھ قبل موت موصی تصرف میں لاچکا ہے بعد موت موصی جو ورثہ اجازت نہ دیں اُن کا حصہ واپس دینا پڑتا ہے، درمختار جلد پنجم ص ۶۶۷:

اعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه كل ذٰلك حكمه كحكم وصية[1]

مرض الموت کے مریض کا آزاد کرنا، کم قیمت پر بیچنا، ہبہ کرنا، وقف اور ضمان سب کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے۔ (ت)

ایضًا ص ۶۴۴:

لا لوارثه الا باجازة ورثته لقوله عليه الصلٰوة والسلام لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة[2]

وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے دیگر وارثوں کی اجازت کے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کیلئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۱۴۱:

مريض وهب غلاما لامرأته فقبضته

مریض نے اپنی بیوی کو غلام ہبہ کر دیا بیوی نے اس پر

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۲۷

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا " " " ۲/۳۱۹

واعتقہ ثم مات المریض فالعتق نافذ وتضمن القیمۃ کذا فی خزانۃ المفتین[1]

قبضہ کیا اور آزاد کر دیا۔ پھر مریض مرگیا تو عتق نافذ ہوگا اور بیوی اس کی قیمت کی ضامن ہوگی۔ یوں ہی خزانۃ المفتین میں ہے۔ (ت)

درمختار جلد ۴ ص ۶۱۲:

اقر فی مرض موتہ لوارثہ یؤمر فی الحال بتسلیمہ الی الوارث فاذا مات یردہ، بزازیۃ، وفی القنیۃ تصرفات المریض نافذۃ وانما تنقض بعد الموت[2]

مریض نے اپنی مرض الموت میں کسی وارث کے لئے کچھ اقرار کیا تو اُسی وقت وہ شیئ وارث کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر جب مریض مرگیا تو وارث وہ شیئ واپس لوٹائے گا (بزازیہ) اور قنیہ میں ہے کہ مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ اس کے مرنے کے بعد ٹوٹ جاتے ہیں۔ (ت)

کفن دفن بقدر مسنون میں جو روپیہ صرف کیا وہ ضرور مجرا ہوگا باقی فاتحہ درود خیرات سوم وغیرہ کے مصارف صرف اس صرف کرنے والے پر پڑیں گے اجازت نہ دینے والے ورثہ پر نہ آئیں گے خصوصاً یتیم بچے کہ اُن کے حصے مطلقاً محفوظ ہیں نہ اُن کی طرف سے کوئی اجازت دے سکتا ہے۔ طحطاوی حاشیہ درمختار جلد چہارم:

التجہیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلک لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذٰلک ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا لوکان اجنبیا[3]

تجہیز میں فاتحہ، درود وخیرات، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ ضروری امور میں سے نہیں ہیں لہذا یہ امور بجالانے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ سے مجرا ہوگا اور اس میں احسان کرنیوالا ہوگا۔ ایسا ہی حکم اجنبی کا بھی ہے (ت)

تو صرف بقیہ چھ ہزار سے حصہ نابالغان دینا کافی نہیں بلکہ کفن دفن بقدر سنت میں جو دس بیس روپے صرف ہوں مجرا کرکے باقی پورے بارہ ہزار پانسو بارہ ہیں کا مل حصص نابالغان دیا جانا لازم ہے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۰۲

[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/۳۶۷

شیخ حبیب اللہ کا مطالبہ جانے اور حافظ عبدالحق، وعدہ کرنے اور خط لکھنے والے جانیں اور حافظ عبدالحق، یتیموں پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ احسان الحق کو اگر ہزار پہنچے ہیں وہ اس کے حصے میں مجرا ہوں گے، شیخ حبیب اللہ کا مطالبہ ترکہ پر نہیں۔

خامساً زیورامانت بنگال بنک کا معاملہ شہادت عادلہ پر ہے اگر ثابت ہو کہ وہ ملک حمید النساء تھا تو اس میں نابالغوں کے حصے بحق نابالغان محفوظ رکھے جائیں گے اور اگر ملک حاجی کفایت اللہ ثابت ہو تو سب ورثہ پر تقسیم ہوگا۔

سادساً خرچہ نالشات بقدر ضروری ومعمولی جو کچھ نابالغوں کی طرف سے اُن کے کسی ولی یا وصی شرعی نے بلا اسراف اٹھایا ہے وہ ضرور نابالغوں پر پڑے گا اس سے زائد ایک پیسہ ان پر ڈالنا حرام ہے نابالغین مختار ہیں کہ آپس میں اپنے حقوق کا جس طرح چاہیں فیصلہ کرلیں۔

سابعاً تشخیص قیمت جائداد وتعیین حصص وغیرہ کسی امر میں کوئی نقصان نابالغوں کی طرف رکھنا محض حرام قطعی ہے اور اللہ واحد قہار اُن کی طرف سے حساب لینے والا ہے اصل احکام شرعیہ یہ ہیں بایں ہمہ اگر ولی نابالغان اور ان کے حقیقی خیرخواہ اہل ایمان یقینی قطعی طور پر بلاشک وشبہہ وبلامکر وحیلہ جانیں کہ یہ تصفیہ ہی نابالغوں کے حق میں خیر ہے اور اس میں جو نقصان اُن بیکس مظلوموں کو پہنچتا ہے وہ اس نقصان عظیم سے ہلکا ہے جو بحال عدم تصفیہ یقیناً انھیں پہنچنے والا ہے تو شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ:

من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما[1] — جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔

ایسی صورت محض مجبوری وضرورت میں جو نابالغوں کی اصلاح چاہے گا اور وہ ایسا ہوگا جیسا آکلہ پیدا ہونے پر ہاتھ یا پاؤں کاٹ دینا کہ یہ معاملہ بالغ ونابالغ سب کے ساتھ روا ہے کہ فساد عظیم کا فساد قلیل سے دفع ہے۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح[2] — اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون اصلاح چاہتا ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۰

29

آدب الاوصیاء جلد ۲ ص ۲۰۸ :

ذکر فی الخانیۃ والخلاصۃ والعمادیۃ والحافظیۃ انہ لایجوز ان یصالح الوصی باقل من الحق ان کان الخصم مقرا بہ ومقضیا علیہ او للموصی بینۃ عادلۃ علیہ والا جاز لانہ فی الاول متلف لبعض الحق فلا یجوز وفی الثانی محصل للبعض بقدر الامکان وفیہ من النظر مالایخفی فیجوز[1]

خانیہ، خلاصہ، عمادیہ اور حافظیہ میں مذکور ہے وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ حق سے کمتر پر صلح کرے جبکہ خصم اقراری ہو اور اس پر فیصلہ ہو چکا ہو یا موصی کے پاس عادل گواہ موجود ہوں ورنہ جائز ہے کیونکہ پہلی صورت میں وصی بعض حق کو برباد کرنے والا ہے لہذا جائز نہیں، اور دوسری صورت میں وہ مقدور بھر بعض کو حاصل کرنیوالا ہے اور اس میں نگرانی موجود ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، لہذا جائز ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے ص ۲۰۹ :

فیہ تحصیل بعض الحق للیتیم فی حال توی کلہ فلا شك فی خیریتہ[2]

اس یتیم کے بعض حق کو حاصل کرنا ہے جبکہ تمام ہلاک ہو رہا ہے تو اس کے خیر ہونے میں کوئی شک نہیں (ت)

اُسی میں ہے ص ۲۸۷ :

ذکر فی النوازل والخانیۃ سلطان نزل دار الوصی فقیل لہ ان لم تعط السلطان شیئا استولی علی الدار والعقار فاعطی لہ شیئا من العقار قال ابوالقاسم یجوز مصانعتہ[3]

نوازل اور خانیہ میں مذکور ہے کوئی بادشاہ وصی کے گھر میں وارد ہوا اور وصی کو کہا گیا کہ اگر تُو نے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تو وہ مکان اور جائداد پر قبضہ کرلے گا چنانچہ وصی نے اس کو کچھ جائداد دی۔ ابوالقاسم نے فرمایا وصی کا یوں نرمی کرنا جائز ہے۔ (ت)

احکام الصغار جلد دوم ص ۳۰۷ و ۳۰۴ :

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الصلح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

[2] " " " " " " " " " " ۲/ ۲۰۹

[3] " " " " فصل فی الضمان " " ۲/ ۲۸۷

هو قول ابن سلمة وهو استحسان وعن الفقيه ابی اللیث عن ابی یوسف رحمه الله انه کان یجیز للاوصیاء المصانعة فی اموال الیتامٰی واختیار ابن سلمة موافق لقول ابی یوسف و به یفتی والیه اشار فی کتاب الله تعالٰی (اما السفینة فکانت لمسٰکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبها) اجاز العیب فی مال الیتیم مخافة اخذ المتغلب ذکره قاضی خان فی وصایا فتاویه، و فیها ایضا وصی انفق علی باب القاضی من مال الیتیم فاعطی علی وجه الاجارة لا یضمن، قال محمد بن الفضل رحمه الله لا یضمن مقدار اجر المثل والغبن الیسیر وما اعطی علی الرشوة کان ضامنا وفیها رجل مات و اوصی الٰی امرأته وترک ورثة صغارا فنزل سلطان جائر دارهم فقیل لها ان لم تعطه شیئا استولی علی الدار والعقار فاعطته شیئا من العقار قالوا

وہ یہی قول ابن سلمہ کا ہے اور وہ استحسان ہے۔ فقیہ ابو اللیث سے بحوالہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ منقول ہے کہ وہ یتیموں کے مال میں نرمی اختیار کرنے کی وصیوں کو اجازت دیتے تھے۔ ابن سلمہ کا مختار امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول سے موافقت رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے "وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں" اس میں کسی جابر کے قبضہ کے ڈر سے یتیم کے مال کو عیب دار کرنے کی اجازت ہے۔ اس کو قاضی خان نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ وصی نے قاضی کی کچہری میں یتیم کا مال خرچ کیا۔ اگر بطور اجارہ دیا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہا کہ مثلی اُجرت اور غبن یسیر کی حد تک ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے یتیم کا مال بطور رشوت دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ اُسی میں ہے کہ ایک مرد فوت ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو وصی مقرر کیا اور چھوٹے ورثا بھی چھوڑے، پھر کوئی جابر بادشاہ ان کے گھر میں اترا اور اس عورت کو کہا گیا کہ اگر تو نے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تو وہ پورے گھر اور جائداد پر جبرًا قبضہ کرلے گا۔ چنانچہ عورت نے جائیداد میں سے کچھ بادشاہ کو دے دیا تو مشائخ نے

یجوز مصانعتھا[1] کہا کہ اس کی یہ نرمی جائز ہے۔ (ت)

یہ اُسی حالت میں ہے جبکہ نہ ماننے میں اس سے عظیم تر نقصان پہنچنے کا یقین ہو فقط موہوم ضرر کے لئے موجود ضرر مان لینا حلال نہیں۔ پھر بھی فرض قطعی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عرق ریزی کی جائے کہ یہ ظلم اُن بیکسوں پر سے دفع ہو یا جتنا کم ہوسکے کم ہو۔ پھر بھی یہ جواز صرف ادھر سے رہے گا وہ ظالمین جو اس طرح دبا کر یتیموں کا حق لیں گے اُن کے لئے وہ خالص آتش جہنم ہے وہ سخت عذاب الٰہی کے لئے مستعد رہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جواب سوال ششم: کریم النساء کا جبکہ کسی اور شخص کی دختر ہونا معروف ومشہور و ثابت نہیں اور وہ اپنے آپ کو دختر حاجی کفایت اللہ کہتی ہے اور اس کی عمر اس کی قابلیت رکھتی ہے تو ایسی حالت میں قطع نظر تمام تحریرات وخطوط کفایت اللہ کے صرف یہ وصیت نامہ جسے یہ لوگ جو کریم النساء کے نسب پر معترض ہیں تسلیم کررہے ہیں دلیل کافی وحجت وافی تھا جس کے بعد معترضین کا اعتراض ہرگز مسموع نہ ہوتا اور وہ ضرور دختر حاجی کفایت اللہ قرار پاتی کہ وصیت نامہ میں جابجا اولاد اپنی اولاد ہماری اولاد لکھ کر انھیں کے نام کی فہرست میں کریم النساء کو بھی مثل دیگر دختران داخل کیا اور سب کو حصہ شرعی بلا کم وبیش پہنچنا لکھا۔ درمختار میں ہے:

وان اقر لغلام مجہول النسب فی مولدہ فی بلد ھو فیھا وھما فی السن بحیث یولد مثلہ لمثلہ انہ ابنہ وصدقہ الغلام لو ممیزا والا لم یحتج لتصدیقہ کما مر حینئذ ثبت نسبہ ولو المقر مریضا واذا ثبت شارك الغلام الورثۃ[2]

اگر کسی نابالغ لڑکے کے بارے میں جس کا نسب معلوم نہیں اس کے وطن میں یا اُس شہر میں جس میں وہ وارد ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے درانحالیکہ دونوں کی عمر ایسی ہے کہ اس جیسا اس کا بیٹا ہوسکتا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کردی جبکہ لڑکا باتمیز ہو ورنہ اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، چنانچہ صورت مذکورہ میں اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اگر اقرار کرنے والا مریض ہو جب نسب ثابت ہوگیا تو وہ لڑکا باقی وارثوں کا شریک ہوگا۔ (ت)

---

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل الوصایا اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳۔۴۲

[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

نہ کہ خود سب معترضین وغیر معترضین اقرار نامہ میں بالاتفاق اُسے بنت حاجی کفایت لکھ چکے تو اب اس کے دختر کفایت اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں وہ مثل دیگر دختران نہ بذریعہ وصیت بلکہ بوجہ وراثت حصہ پائے گی۔

جواب سوال ہشتم: وصیت نامہ جہاں تک نابالغوں یا اُن وارثوں کے حقوق پر جو اُسے جائز نہیں رکھتے اثر رساں ہے مردود و باطل ہے جو بالغ وارث اسے مان رہے ہیں صرف ان کے باہمی حقوق پر اس کا اثر مقبول ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لم تجز اجازۃ صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ۔[1]	نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے انکار کیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کی مقدار میں جائز ہے۔(ت)

وصیت نامہ میں ماں کو حصہ اور ی اصلاً نہ دیا اور وہ اس پر راضی نہیں نابالغ کا موضع و مکان اسم فرضی ٹھہرا کر تقسیم میں شامل کرلیا اوروں اسی کے مال سے اس کا حصہ پورا کیا اور یہ محض ظلم ہے نابالغوں کے مال کا مہر ایک خفیف مقدار بتا کر وہ بھی ادا ہوجانا لکھا یہ ہرگز بے بیّنہ عادلہ مقبول نہیں لہٰذا تقسیم وصیت نامہ واجب الرد ہے بلکہ فضل حق کا موضع و مکان خالصاً اُسی کو دے۔ حمید النساء کا مہر ادا ہوجانا گواہان عادل شرعی سے ثابت نہ ہو تو مہر مثل تک ادا کرے پھر جو کچھ متروکہ حاجی کفایت اللہ منقول وغیر منقول ہے سب سے اس کی ماں کو چھٹا اور نجم النساء کو آٹھواں دیگر باقی سب بیٹوں اور مع کریم النساء سب دختروں پر للذکر مثل حظ الانثیین[2] (مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہے۔ ت) از سر نو تقسیم کریں نابالغوں کے حصے بلا تقسیم یکجا رہیں بالغوں کے حصے کا انھیں اختیار رہے جس طرح چاہیں باہم تصفیہ کرلیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱: از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ جناب قاضی عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت میں جو چیز ہبہ کی جائے اس پر احکام ہبہ کے ہوں گے یا وصیت کے؟

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

الجواب

ہبہ اگرچہ مرض الموت میں ہو حقیقۃً ہبہ ہے تمام شرائط ہبہ درکار ہوں گی بلا قبضہ تمام نہ ہوگا مشاع ناجائز ہوگا واہب اگر قبل قبضہ کاملہ موہوب لہ انتقال کرجائے ہبہ باطل ہوجائے گا غرض وہ بہمہ وجوہ ہبہ ہے اور اسی کے احکام رکھتا ہے مرض الموت میں ہونے کا صرف اتنا اثر ہے کہ وارث کے لئے مطلقاً اور اجنبی کے واسطے ثلث باقی بعد ادائے دیون سے زیادہ میں بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہ ہوگا اجازت وارث عاقل بالغ نافذ التصرف کی بعد وفات مورث درکار ہے اس کی حیات میں اجازت دینی نہ دینی بیکار ہے۔ پس اگر مورث مثلاً اپنے پسر کو اپنے مرض الموت میں کوئی شیئ ہبہ کرے اور قبضہ بھی پورا کرا دے اور اس کے انتقال کے بعد دیگر ورثہ اسے نہ مانیں وہ یکسر باطل ہوجائے گا اور بعض مانیں اور بعض نہ مانیں تو اس نہ ماننے والے کے حصے کے لائق باطل قرار پائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

هبته ووقفه وضمانه كوصية فيعتبر من الثلث[1]

مریض کا ہبہ، وقف اور ضمان اس کی وصیت کی مثل ہے، لہٰذا ایک تہائی میں سے معتبر ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

قوله وهبته اى اذا اتصل بها القبض قبل موته اما اذا مات ولم يقبض فتبطل الوصية لان هبة المريض هبة حقيقة وان كانت وصية حكما كما صرح به قاضيخاں وغيره اهـ طحطاوى عن المكى قوله حكمه كحكم وصية اى من حيث الاعتبار من الثلث لاحقيقة الوصية لان الوصية ايجاب بعد الموت وهذه

ماتن کا قول "اور اس کا ہبہ" اس سے مراد یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے قبضہ اس کے ساتھ مقترن ہوجائے لیکن اگر وہ مرگیا اور اس پر قبضہ نہ ہوا تو وصیت باطل ہوجائے گی اس لئے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہی ہے اگرچہ باعتبار حکم کے وصیت ہے، جیسا کہ قاضیخاں وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی اھ طحطاوی میں بحوالہ مکی منقول ہے کہ ماتن کا قول "اس کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے" یعنی

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

التصرفات منجزۃ فی الحال زیلعی[1] ایک تہائی سے اعتبار کرنے کی حیثیت سے نہ کہ حقیقتِ وصیت کے اعتبار سے اس لئے کہ وصیت ایسے ایجاب کو کہتے ہیں جو موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ تصرفات فی الحال نافذ ہیں، زیلعی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا لوارثہ الا باجازۃ ورثتہ وھم کبار عقلاء فلو تجز اجازۃ صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ[2] وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اسکی اجازت دیں دراں حالیکہ وہ ورثاء عاقل و بالغ ہوں چنانچہ نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں، اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے رد کردیا تو اجازت دینے والے پر بقدر اس کے حصہ کے جائز ہوگی۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

انما یصح قبولھا بعد موتہ لان اوان ثبوت حکمھا بعد الموت فبطل قبولھا وردھا قبلہ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے کیونکہ وصیت کے حکم کے ثبوت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے لہذا اس کی موت سے پہلے وصیت کو قبول کرنا اور رد کرنا باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ اگر واہب مرض الموت میں اپنی جزو یا کل املاک کو کسی ایک وارث کی بلا رضامندی دیگر ورثاء کے ہبہ کردے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ ہبہ حقیقۃً ہبہ اور حکماً وصیت ہے، اگر واہب نے اپنی حیات میں موہوب لہ کو قابض نہ کردیا یا شیئ قابلِ تقسیم مشاع ومشترک تھی اور بلا تقسیم قبضہ کرادیا اور مرگیا جب تو ہبہ محض باطل ہوگیا کہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہیں ہوسکتا۔ درمختار موانع الرجوع میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

[2] الدرالمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[3] الدرالمختار " " " "

الیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل۔[1]

میم سے مراد یہ ہے کہ سپردگی کے بعد واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کا مرجانا، اگر سپردگی سے پہلے مرگیا تو عقدِ ہبہ باطل ہوگیا۔ (ت)

اور اگر حیاتِ واہب میں باذنِ واہب قبضہ کاملہ یا شیئ غیر قابلِ تقسیم پر مشاعًا قبضہ ہولیا تو اب اس ہبہ کا نفاذ موت واہب کے بعد اجازت صحیحہ باقی ورثہ پر موقوف ہے صحت اجازت کے لئے اجازت دہندہ کا عاقل بالغ ہونا ضرور ہے اگر باقی وارث سب عاقل بالغ ہیں اور سب نے بعد موت مورث اس ہبہ کو جائز رکھا تمام وکمال نافذ ہوجائے گا اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے نہ مانا یا بعض اجازت دہندہ نابالغ یا مجنون تھے تو صرف اسی عاقل بالغ مجیز کے حصے کے قدر نفاذ پائیگا باقی نافذ نہ ہوگا اور یہ شیوع کہ بعض ورثہ کی عدم اجازت سے پیدا ہوا باقی میں نفاذِ ہبہ کو منع نہ کرے گا کہ شیوع وہ مبطل ہبہ ہے جو ابتدا سے ہو نہ شیوع طاری کہ بعد کو لاحق ہو۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قال (ای محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ) فی الاصل ولا تجوز ھبۃ المریض ولا صدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث واذامات الواھب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم بان ھبۃ المریض ھبۃ عقد اولیست بوصیۃ واعتبارھا من الثلث ما کانت لانھا وصیۃ معنی لان حق الورثۃ یتعلق بمال المریض و قد تبرع بالھبۃ فیلزم تبرعہ بقدر ماجعل الشرع لہ وھو الثلث واذاکان ھذا التصرف ھبۃ عقدا شرط لہ سائر شرائط الھبۃ ومن جملۃ شرائطھا

امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کہا کہ مریض کا ہبہ اور صدقہ جائز نہیں مگر اس وقت جبکہ اس پر قبضہ کرلیا گیا ہو پس اگر اس پر قبضہ ہوگیا تو ایک تہائی میں جائز ہوگا، اور اگر واہب سپردگی سے پہلے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کا ہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے۔ اور اس کا ایک تہائی سے اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ باعتبارِ معنی کے وصیت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہے اور مریض نے ہبہ کے ساتھ تبرع کیا ہے تو اس کا تبرع صرف اسی حد تک لازم ہوگا جو شرع نے اس کے لئے مقرر کی ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

قبض الموھوب لہ قبل موت الواھب کذا فی المحیط[1]۔

اور وہ تہائی مال ہے، جب یہ تصرف عقد کے اعتبار سے ہبہ قرار پایا تو اس کے لئے ہبہ کی تمام شرطوں کا پایا جانا شرط ہوگا اور ہبہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے وہ شخص اس پر قبضہ کرلے جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے، محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لاتجوز الوصیۃ للوارث عندنا الا ان یجیزھا الورثۃ ولا تعتبر اجازتھم فی حیاۃ الموصی حتی کان لھم الرجوع بعد ذٰلک کذا فی فتاوی قاضی خان و لایمنع الشیوع صحۃ الاجازۃ، ولو اجاز البعض ورد البعض یجوز علی المجیز بقدر حصتہ وبطل فی حق غیرہ کذا فی الکافی، والاجازۃ انما یجوز اذا اجازہ وھو عاقل بالغ صحیح کذا فی خزانۃ المفتین[2] اھ مختصراً

ہمارے نزدیک وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں اور ان کی اجازت موصی کی زندگی میں معتبر نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ اجازت کے بعد رجوع کرسکتے ہیں۔ یونہی فتاوٰی قاضیخان میں ہے۔ اور غیر منقسم ہونا اجازت کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوتا، اگر بعض وارثوں نے اجازت دے دی اور بعض نے رد کردیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے مطابق جائز ہو گی اور اس کے غیر کے حق میں باطل ہوگی، کافی میں یونہی ہے۔ اجازت اسی وقت ہوگی جب اجازت دینے والا عاقل بالغ صحت مند ہو، خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اھ (اختصار)۔ (ت)

درمختار میں ہے:

المانع عن تمام القبض شیوع مقارن للعقد لاطاری[3]

قبضہ کی تمامیت سے مانع وہ شیوع ہے جو عقد کے ساتھ مقترن ہو نہ کہ وہ جو اس پر طاری ہو۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

[2] " " کتاب الوصایا الباب الاول " " ۶/ ۹۰ و ۹۱

[3] الدرالمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لا طاری ئ اقول منہ مالو وھب دارا فی مرضہ ولیس لہ سواھا ثم مات و لم یجز الورثۃ الھبۃ بقیت الھبۃ فی ثلثھا و تبطل فی الثلثین کما صرح بہ فی الخانیۃ[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول کہ اس پر طاری نہ ہو" میں کہتا ہوں اگر کسی نے مرض الموت میں اپنا مکان ہبہ کردیا اور سوائے اس مکان کے اس کی ملکیت میں کچھ نہیں، پھر وہ مرگیا اور وارثوں نے ہبہ کی اجازت نہ دی تو ہبہ اس کے ایک تہائی میں باقی رہے گا جبکہ دو تہائی میں باطل ہوجائے گا، جیسا کہ خانیہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت کی کیا تعریف ہے اور کس کس مرض پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کب تک اس کی مدت مقرر ہے کہ قبل اس کے مرض الموت نہ کہا جاسکے۔

الجواب

شرعاً کسی مرض کے مرض الموت ہونے کے لئے دو باتیں درکار ہیں کہ وہ دونوں جمع ہوں تو مرض الموت ہے اور ان میں ایک بھی کم ہو تو نہیں۔

(۱) اس مرض میں خوف ہلاک و اندیشۂ موت قوت و غلبہ کے ساتھ ہو، اگر اصلاً خوفِ موت نہیں یا ہے تو ضعیف و مغلوب ہے تو مرض موت نہیں اگرچہ اتفاقاً موت واقع ہوجائے۔

(۲) اس غلبۂ خوف کی حالت میں اُس کے ساتھ موت متصل ہو اگرچہ اُس مرض سے نہ مرے موت کا سبب کوئی اور ہوجائے مثلاً زید کو ہیضہ یا طاعون ہوا اور ابھی اسے انحطاط کافی نہ ہوا تھا خوف ہلاک غالب تھا کہ سانپ نے کاٹا مرگیا یا کسی نے قتل کردیا تو اس مرض میں جو تصرفات کئے وہ مرض الموت میں تھے اگرچہ موت اس مرض سے نہ ہوئی اور اگر انحطاط کافی ہوگیا تھا کہ غلبۂ خوف ہلاک جاتا رہا اور اب اتفاقاً اُسی مرض خواہ دوسرے سبب سے مرگیا تو وہ تصرفات مرض کے نہ تھے اگرچہ حال اشتداد ہی میں کئے ہوں کہ انحطاط مرض و زوال خوف نے اُسے مرض الموت نہ رکھا یوں ہی اگر بحال انحطاط و عدم خوف تصرفات کئے اور اُن کے بعد پھر اشتداد ہو کر خوف غالب اور ہلاک واقع ہوا تو یہ تصرفات

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

حالت مرض کے نہ ہوں گے کہ بحالِ غلبہ خوف نہ تھے اگرچہ اُن سے قبل وبعد غلبہ تھا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی نور العین قال ابو اللیث کونہ صاحب فراش لیس بشرط لکونہ مریضا مرض الموت بل العبرۃ للغلبۃ والغالب من ھذا المرض فھو مرض الموت وان کان یخرج من البیت وبہ کان یفتی الصدر الشھید ثم نقل عن صاحب المحیط انہ ذکر محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الاصل مسائل تدل ان الشرط خوف الھلاک غالبا لاکونہ صاحب فراش[1] اھ۔

نور العین میں ہے ابو اللیث نے کہا کہ مریض کا صاحبِ فراش ہونا اس کے مرض الموت کے مریض ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ اعتبار غلبہ کا ہے، اور اس بیماری سے غالب گمان موت کا ہو تو وہ مرض الموت ہوگی اگرچہ وہ گھر سے نکلتا ہو، اور اسی کے ساتھ صدر الشہید فتوٰی دیتے تھے۔ پھر صاحبِ محیط سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کچھ ایسے مسائل ذکر فرمائے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اس بیماری میں ہلاکت کے خوف کا غالب ہونا شرط ہے نہ کہ مریض کا صاحبِ فراش ہونا اھ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان صار صاحب فراش بعد التطاول فھو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاتہ من الثلث[2] اھ۔

اگر وہ بیماری کے لمبا ہونے کے بعد صاحبِ فراش ہوا تو وہ نوپید بیماری کی مثل ہے یہاں تک کہ تہائی مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصلہ انہ ان صار قدیما بان تطاول سنۃ ولم یحصل فیہ ازدیاد فھو صحیح اما لومات حالۃ الازدیاد الواقع قبل التطاول او بعدہ فھو مریض[3]۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بیماری پرانی ہوگئی بایں صورت کہ سال کو محیط ہوگئی اور اس میں بیماری کی شدت حاصل نہیں ہوئی تو وہ صحت مند ہوگا لیکن اگر وہ بیماری کی شدت کی حالت میں مرگیا چاہے وہ شدت بیماری کی طوالت سے پہلے واقع ہوئی یا اسکے بعد تو وہ مریض قرار پائے گا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الزیلعی کتاب الوصایا " " " " ۵/ ۴۲۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض " " " " " ۲/ ۵۲۱

درمختار میں ہے :

مات فیہ بذٰلک السبب اوبغیرہ کان یقتل المریض اویموت لجھۃ اخرٰی[1]

وہ اس بیماری میں مرا اسی بیماری کے سبب سے یا کسی اور سبب سے مثلاً اس مریض کو قتل کردیا یا وہ کسی اور وجہ سے مرجائے (ت)

مسئلہ ۱۴۳ ازشہر کہنہ محلہ سہسوانی ٹولہ ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ ازمکان سید فرزند علی مرحوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ مسمّی زید نے بعد فوت ہونے کے ایک منکوحہ اور دوؔ لڑکے اور دوؔ دختر چھوڑے، مسمّی بکر پسرِ زید نے بعد فوت ہونے زید کے کل اخراجات خانگی اور پرورش نابالغان کا اپنے ذمّہ لیا حتی کہ بکر نے بذریعہ معاش نوکری کی پرورش حتی الوسعت کی بعدہٗ اس کے ایک لڑکی جو حدسن بلوغ تک پہنچی اس کا نکاح بقانون شرع متین کے کردیا اور مسمی بکر بوجہ نکاح کرنے دختر زید کے مقروض ہوگیا تاہنوز قرضہ ادا نہیں ہوا اب ایک لڑکا زید کا جو نابالغ تھا سنِ بلوغ پہنچ کر آمادہ اس بات پر ہے کہ جو چیز زید کی ہے اس کا مالک میں ہوں اور بکر سے کہا کہ تو نے اپنا حصہ فروخت کرکے اس پر صرف نہیں کیا اب تیرا کچھ نہ رہا زید نے فوت ہونے کے بعد اپنی ملکیت میں ایک منزل حویلی پختہ اور تین درخت املی اور ایک درخت جامن کا اور ایک نیب کا اور املی بردنے[2] علاوہ حویلی پختہ کے اور ایک قطعہ باغ تخمیناً دو بیگھہ کا چھوڑا، مسمی بکر پسرِ زید چند مدت بیکار رہا اور دوؔ درخت املی اور ایک درخت جامن برائے خورد ونوش نابالغان کے فروخت کرکے خوب سرے[3] کی اور قطعہ باغ کو فروخت کرکے نکاح دختر زید فوت شدہ کے صرف کیا اب ایک درخت املی اور ایک درخت نیب کا اور املی بردنے[4] اور ایک منزل حویلی پختہ کل املی بردنے اور حویلی کے تخمیناً دو بیگھہ ہوا اب شیئ موجودہ میں زید کا بموجب حصص رشد شرعی کے کس طرح حصہ ہونا چاہئے۔ تعداد اولادِ زید چار اولاد، دو لڑکے دو دختر، بیوہ منکوحہ ایک، ایک دختر نکاح شدہ شامل ہے فقط۔

الجواب

بیان سائل سے واضح ہوا کہ دوؔ درخت املی کا اور ایک جامن کا بیچ کر دونوں بھائیوں اور

---

[1] و [2] و [3] و [4] کذا فی الاصل ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

نابالغہ بہن اور ماں کے خورد و نوش میں صرف ہوئے خواہر کتخدا اس صرف سے علیحدہ تھی اور باغ بیچ کر صرف اُس خواہر کتخدا کی شادی میں صرف ہوا اور اس سے بھی کام نہ چل سکتا کہ وہ صرف اسی روپیہ کو بکا اس میں سے اُس کا جہازؔ اور معمولی ضروری مصارف نہ ہوسکتے تھے اس کے لئے بکر نے قرض لیا اور قرض میں اس سے مجرا لینے کی نیت نہیں اور نکاح میں ضرورت خرچ سے زیادہ نہ اٹھایا اور زید نے اپنے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اپنی زوجہ ان بچوں کی ماں سے کہا تم فکر نہ کرو بکر ایسا نہیں کہ تمھیں تکلیف پہنچنے دے اسے میں چھوڑے جاتا ہوں یہ تم کو کسی وقت دغا نہ دے گا اگر یہ بیان ثابت ہو جب تو ظاہر ہے کہ زید نے اپنے بڑے بیٹے بکر کو اپنی اولاد و جائداد پر وصی کر دیا اور ان سے ان تمام تصرفات کا جو وصی کے لئے ثابت ہوتے ہیں اختیار ملا اور اگر یہ ثابت نہ بھی ہو جب بھی ہمارے بلاد میں ایسی صورت میں بڑا بیٹا لائق ہونہار حکماً وصی ہوتا ہے۔

هذا هو الثابت دلالۃ والثابت دلالۃ کالثابت لفظاً وقد حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا بما لا مزید علیہ۔

یہ وہ ہے جو بطورِ دلالت ثابت ہے اور جو بطور دلالت ثابت ہو اس کی مثل ہے جو صراحتاً لفظ کے ساتھ ثابت ہو۔ اس کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کر دی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لو ان رجلا من اھل السکۃ تصرف فی مال المیت فی البیع والشراء ولم یکن لہ وارث ولا وصی الا ان ھذا الرجل یعلم انہ لو رفع الامر الی القاضی ینصبہ وصیا فاخذ ھذا الرجل المال ولم یرفع الامر الی القاضی وافسدہ حکی عن ابی نصر الدبوسی رحمہ اللہ تعالٰی انہ کان یجوز تصرف ھذا الرجل[1]

اگر اہل محلہ میں سے کسی شخص نے میت کے مال میں بیع و شراء وغیرہ کا تصرف کیا جبکہ اس میت کا نہ تو کوئی وارث ہے اور نہ ہی وصی، لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی اس کو وصی مقرر کر دے گا اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور قاضی کے پاس معاملہ نہ لے گیا اور اس مال کو برباد کر دیا۔ امام ابو نصر دبوسی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ وہ اس شخص کے تصرف کو جائز قرار دیتے تھے (ت)

ع یعنی جہیز ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی فی مال الیتیم نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

فتاوی کبرٰی و فتاوی عالمگیریہ میں ہے :

افتی القاضی الدبوسی بان تصرفہ جائز للضرورۃ قال قاضی خان وھذا استحسان وبہ یفتی[1]

قاضی الدبوسی نے فتوٰی دیا کہ اس کا تصرف ضرورت کے لئے جائز ہے۔ امام قاضی خان نے کہا یہ استحسان ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت)

پس بیعیں کہ بکر نے کیں جائز ہوئیں، درختوں کا روپیہ جن جن کے صرف میں آیا انھیں پر پڑے گا، کتخدا لڑکی اس سے جدا رہے گی اور باغ کا روپیہ تنہا اسی لڑکی پر پڑے گا، اگر یہ اس کے تمام حصے کے برابر تھا تو اس نے اپنا تمام پورا حصہ پایا اور اگر کم تھا تو جتنا باقی اتنا پائے گی اور اگر زیادہ تھا تو جس قدر زائد گیا وہ بکر کے اپنے حصے پر پڑے گا یا ماں کی اجازت تھی تو وہ بھی اس کے ان میں شریک ہوکر باقی ورثہ بری رہیں گے کل جائداد زید جس قدر اس نے وقت انتقال چھوڑی بعد ادائے مہر و دیگر دیون و انفاذ وصایا اڑتالیس حصے ہوکر چھ سہم بیوہ زید کے ہوں اور چودہ چودہ ہر ہر پسر اور سات سات ہر دختر کے اور ان میں سے وہ اشیاء جو بیک کتخدا کے صرف میں الگ اس کے حصے مجرا ہوں اور جو اوروں کے صرف میں آئیں ان کے حصے سے مجرا ہوں جو باقی رہیں ان میں جس جس کا جس قدر باقی رہا اس حساب سے تقسیم ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) یہ کہ مسماۃ ہندہ لاولد فوت ہوئی اور شوہر و والد و والدہ و ہمشیرہ اور چار بھائی حسب ذیل وارث چھوڑے :

شوہر	والد	والدہ	ہمشیرہ	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی
خالد	زید	کبرٰی	صغرٰی	بکر	حامد	محمود	مسعود

(۲) یہ کہ ہندہ مرحومہ نے دو روز قبل از فوت اپنی حالت مرض الموت میں اپنے والد زید سے وصیت کی کہ میں نے کچھ روپیہ بہ نیت حج چھوڑا تھا مگر مجھ کو موقع بسبب نہ دستیاب ہونے محرم فرلہ سفر کے میسر نہیں ہوا اور دوسروں کے ذریعہ سے حج کرانے میں بسبب کمیابی امانت دار کے

ع کذا فی الاصل و ھو مکرر کما تری ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

مجھ کو اطمینان حاصل نہیں لہٰذا وہ روپیہ حامد اور محمود کے پاس جمع ہے اور جو کچھ زیور میرا میرے گھر میں ہے اس جملہ مالیت میں سے حقِ وراثت میرے شوہر کا ادا کیا جائے اس وجہ سے کہ ان کو حاجت رہتی ہے بعد اس کے جو کچھ زرِ مالیت باقی رہے اس کو میرے والد زید اپنی رائے کے موافق تعمیر چاہ وغیرہ خیرات وصدقات میں صرف کر دے اس واسطے کہ مرحومہ کے گمان میں باقی ورثاء کا حق لینا خیال میں نہ تھا اور یہ بھی وصیت کی کہ نو روزہ رمضان کے فوت شدہ کی میرے ذمہ قضا ہے اس کا فدیہ بھی دیا جائے اس کے بعد اس کے والد زید نے سوال کیا کہ کچھ نمازوں کی بھی قضا ہمارے ذمہ ہے جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ نماز ادا کی ہے لیکن مجھ کو یاد نہیں شاید ابتدائے عمر میں کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں، پس اس وصیت کے بعد مرحومہ نے قضا کی۔

(۳) یہ کہ بروز قضا قبل از دفن اس کے والد زید نے چند دیگر اشخاص معززین کی موجودگی میں شوہر خالد وبعض ورثاء مذکور کو بلا کر اس وصیت کا اظہار کر کے یہ ظاہر کیا کہ میری رائے میں قبل صدقات نافلہ کے تحقیق کر کے اس کے ذمہ نمازوں کی فوت اگر کچھ ثابت ہو تو ہمراہ فدیہ صوم کے فدیہ نمازوں کا بھی ادا کیا جائے، چنانچہ اسی بنا پر اس کی سسرال کی بوڑھی مستورات سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں غیر بلوغت کی حالت میں بیاہ کر آئی تھی اور نمازیں ادا کرتی تھی مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ حسبِ رواج جیسا کہ نئی عروسوں کو حیا دامنگیر ہوتی ہے ایسی حالت میں شاید کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں اس بناء پر بعض حاضرین جلسہ نے تین ماہ اور بعض نے چھ ماہ کی قضا نمازوں کے فدیہ ادا کرنے کا تخمینہ کیا ازاں بعد وارثان موجودہ مرقومہ بالا سے دریافت کیا گیا کہ تم اپنا حقِ وراثت لیتے ہو اس کے جواب میں شوہر خالد نے بے ساختہ کہا کہ مجھ کو نہیں چاہئے ہے اس کے ذمہ کے حقوق اور فدیہ وغیرہ ادا کرو اور اس کے صدقات میں صرف کرو اگر اس میں کسی قدر بھی دس پانچ روپیہ کی باقی رہے تو اور مجھ سے لے لو چونکہ وقت میں گنجائش نہ تھی اس کی تکفین کی عجلت بھی باین وجہ دوسرے وقت پر اس تعمیل کو ملتوی رکھا گیا قبل از دفن صرف نو روزے کا فدیہ ادا کر دیا گیا۔

(۴) یہ کہ ایسی حالت میں کیا احتیاطی نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا اور اگر فدیہ احتیاطی نمازوں کا ادا کیا جائے گا تو کس قدر زمانہ کی نمازوں کا ادا کیا جائے گا یا مالیت مرقوم الصدر فقدات میں زیورات شامل کرنے سے جو مقدار سفر حج کو کافی ہو سکتا ہے ادائے حج اس کے ذمہ فرض متصور رہو گا تو کیا قضائے حج دوسرے شخص کو بھیج کر واجب ہوگی اور کیا دیگر صدقاتِ نافلہ

پر مقدم متصور ہوگا یا بموجب وصیت متوفیہ کے صرف متروکہ کا دیگر صدقات نافلہ میں کرنا لازم ہوگا۔

(۵) یہ کہ زید مرحوم کا والدان صورتوں مرقومہ بالا میں کس طرح اپنے ذمہ کے حقوق وصیت کو ادا کرکے گلوخلاصی حاصل کرے، بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں ہندہ کے صرف تین وارث شرعی ہیں: شوہر، ماں، باپ۔ باپ کے ہوتے بہن بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں، ترکہ میں حق شوہر نصف ہے، اس کے اخراج کے بعد جمیع نصف باقی کی نسبت اس کی وصیت ہے کہ حسب رائے پدر تعمیر چاہ وغیرہ خیرات میں صرف کیا جائے باپ اس وصیت کو نافذ کرچکا اور زبانی اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ ماں ہنوز ساکت ہے نہ اس نے انکار کیا نہ اجازت دی پس اگر ماں بھی اجازت دے دے تو نصف متروکہ شوہر کو دیں اور نصف حسب رائے پدر امور مذکورہ میں صرف ہو تعمیر چاہ جس کا اس نے خاص نام لیا کی جائے اور باقی صدقات وخیرات میں صرف کیا جائے ان صدقات میں پدر کو روا ہے کہ ہندہ کی نمازوں کے فدیہ کی نیت کرلے کہ یہ نیت نہ مانع صدقہ ہے نہ مخالف وصیت۔ یہ اندازہ کہ اس کے ذمہ کتنی نمازوں کا فدیہ ہوگا یہاں نہیں ہوسکتا اُس کے اعزہ ہی اس کا حال جانتے ہوں گے، جب اس پر کسی نماز کی قضا لازم رہنی معلوم نہیں اور وہ ہمیشہ سے پابند نماز تھی تو فدیہ نماز لازم نہیں اور شبہہ کے لئے احتیاط کرے تو بعد تعمیر چاہ جو کچھ دے سب میں فدیہ نماز کی نیت سے کوئی مانع نہیں اگر واقع میں کوئی نماز قضا تھی امید ہے کہ اس کا فدیہ ہوجائے ورنہ صدقہ بہرحال ہے، مگر حج میں اسے صرف نہ کرے کہ وہ صراحۃً حج کرانے سے انکار کرچکی کہ مجھے کسی پر اطمینان نہیں ـــــ اور لفظ خیرات ہمارے عرف میں حجِ بدل پر صادق نہیں، اور اگر ماں بھی اجازت نہ دے تو کُل ترکہ کے اٹھارہ حصے کرکے نو حصے شوہر کو دئے جائیں اور ایک حصہ ماں کو، باقی آٹھ حصے وصیت مذکورہ میں صرف کردیں

وذٰلك لان الوصية وان كانت تقدم علی الارث لكنها انما لاحقت ههنا النصف الباقی بعد اخراج نصيب الزوج ففی هذا تنفذ بقدر ثلث كل المال لعدم الدين من دون حاجة الی اجازة الوالدين فاذا اخرج النصف و الثلث بقی السدس فثلثه

اور یہ اس لئے ہے کہ وصیت اگرچہ میراث سے مقدم ہوتی ہے مگر یہاں وہ شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچنے والے نصف کو لاحق ہوئی چنانچہ اسی نصفِ باقی میں کل مال کے ثلث کے برابر وصیت نافذ کی جائے گی کیونکہ قرض میت پر نہیں ہے اور والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں، جب کل مال میں سے نصف اور ایک تہائی نکل گیا باقی کل مال کا چھٹا حصہ

للام وهو الجزء الواحد من ثمانية عشر جزء وثلثاه فی الوصیة بحکم التنفیذ من الاب۔

بچا چنانچہ اس چھٹے حصے کا تہائی ماں کو دیا جائیگا جو کہ کل مال کے اٹھارہ حصوں میں سے ایک ہے اور اس چھٹے حصے کے باقی دو ثلث وصیت میں دے دیے جائیں گے اس لئے کہ باپ کی طرف سے وصیت کو نافذ کرنے کا حکم ہو چکا ہے (ت)

یہ نصف کہ شوہر کو پہنچا اس کی نسبت اگرچہ وہ کہہ چکا ہے کہ مجھ کو نہیں چاہیے اس کے ذمہ کے حقوق و فدیہ و صدقات میں صرف کرو مگر ارث ساقط کئے ساقط نہیں ہوتی لانہ جبری کما فی الاشباہ وغیرہ (اس لئے کہ میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اس نصف کی نسبت وصیت نہ تھی کہ اس کا یہ قول وصیت کی اجازت قرار پائے اور اس کو اختیار نہ رہے، لاجرم وہ مختار ہے اگر حصہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے اور اگر ہندہ کے لئے صرف کر دینا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے اور اس پر وہ پابندی نہیں جو وصیت ہندہ میں تھی اور اس قدر میں شک نہیں کہ اجازت دے کر اپنے قول سے پھر جانے میں اگرچہ حکماً اس پر جبر نہیں لانہ متبرع ولاجبر علی متبرع (کیونکہ وہ متبرع ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ت) مگر قول سے پھر جانا شرعاً بھی مذموم ہے تو وہ اگر ثابت قدمی چاہے تو مناسب یہ ہے کہ اس نصف سے ہندہ کی جانب سے حج بدل کرا دے کہ یہ فرض اس پر رہ گیا ہے حق صحبت اسی کو چاہتا ہے کہ اس دین شدید سے اس کی گلوخلاصی کرا دے اور اگر اس کا نصف حج کے لئے کافی نہ ہوتا ہو اور ماں نے ہنوز اجازت وصیت نہ دی اور دینا چاہتی ہے تو مناسب یہ ہے کہ وہ بھی وصیت کی اجازت نہ دے بلکہ اپنا حصہ کہ کل مال کا اٹھارھواں ہے اسی نصف شوہر میں شامل کر دے پھر بھی کچھ کمی رہے تو حسب وعدہ شوہر اپنے پاس سے دس پانچ اور ملا دے باقی باپ پورا کر دے غرض جس طرح ممکن ہو اس کی طرف سے حج بدل میں سعی جمیل بجا لائیں کہ یہ اس پر سے سختی کا ٹالنا ہوگا، اور جو کسی مسلمان پر سے سختی دور کرے گا اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر سے سختیاں دور فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربات یوم القیٰمۃ[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جس نے کسی مسلمان سے ایک سختی کو دور کیا قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس سے کئی سختیوں کو دور فرمائے گا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب لایظلم المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۰

مسئلہ ۱۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر وارثان مذکور حاضرین جلسہ مرقومہ استفسار نمبر اول مندرجہ سوال سوم جو اپنا حقِ وراثت لینے سے انکار کرچکے ہیں اور اس کو ادائے فدیات و صدقات کرنے کی اجازت دے چکے ہیں اگر وہ اپنے قول سے رجوع کرکے اپنا حقِ وراثت لینے کی خواہش کریں تو ایسی شکل میں کیا وہ اپنا حق وراثت پانے کے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

جواب سوال اول میں معلوم ہولیا کہ بہن بھائیوں کا اس میں کوئی حق نہیں اور باپ اپنی اجازت سے نہیں پھر سکتا کہ وہ وصیت کی اجازت تھی اور وارث جب بعد موت مورث وصیت کو جائز کردے اس سے پھر رجوع کرنے اور اپنا حقِ وراثت مانگنے کا اختیار نہیں رکھتا شوہر رجوع کرسکتا ہے کہ اس کے حق کے متعلق وصیت نہ تھی وہ اجازت اس کی اپنی خوشی سے تھی جس پر قائم رہے تو محبوب و مندوب ہے ورنہ جبر نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے دنیائے ناپائیدار سے رحلت کی اور پندرہ اشرفی قیمتی دو سو پچیس روپے کی صندوقچی میں سے بعد مردن کے برآمد ہوئیں اور اس کے برادر حقیقی نے اپنے پاس رکھیں کہ متوفی کے سالے کی بی بی نے ظاہر کیا کہ متوفی نے اس روپیہ کے بارہ میں مجھ سے وصیت کی ہے کہ دفع مذکورہ میرے فوت کے بعد حسب تفصیل ذیل خرچ کردینا کہ مبلغ دس روپیہ ہر نوچندی جمعرات کو دس جمعرات تک بقدر سو روپیہ کے فاتحہ میں میری صرف کردینا بالقصہ مبلغ ایک سو پچیس کہ کسی مرد مسلمانوں کو دے کر واسطے حج بدل کے بھیج دینا یہ رقم برآمد شدہ مجھ کو دے دو چنانچہ حوالے بی بی موصوفہ کے وہ روپیہ کردئے گئے اب سوائے بی بی موصوفہ کے وصیت کا کوئی گواہ مرد یا عورت نہیں ہے دوسری ایک بات قابل ظاہر کرنے کی اور ہے ایک وصیت نامہ جو کہ متوفی نے اپنی حیات میں مع ساڑھے سات روپیہ کے بنام اراکین برادری کے تحریر کیا ہے اس میں بھی کچھ ذکر بی بی صاحبہ کی وصیت کا نہیں ہے اب وہ رقم مذکورہ بی بی صاحبہ موصوفہ کو حوالہ ورثہ کردینا جائز ہے یا نہیں اور ورثار اس رقم کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا حکم شرع شریف کا ہے، خلاصہ دعوی ورثہ متوفی بی بی صاحبہ موصوفہ غیر کفو ناخواندہ ہیں جدی نہیں ہیں، تنہا عورت کا بیان قابلِ یقین ہے یا نہیں، بی بی صاحبہ بیوہ ہیں ورثار سے کوئی تعلق نہیں، وصیت نامہ میں کوئی ذکر وصیت بی بی صاحبہ کا نہیں ہے۔

الجواب

تنہا عورت کا بیان حجت نہیں ورثاء بالغین کو اختیار ہے اگر چاہیں اس کی بات پر اعتبار کرکے خواہ اس احتیاط سے کہ شاید میت نے یہ وصیت بھی کی اسے جائز و جاری کردیں اور چاہیں نہ مانیں اور مان سکتے ہوں تو ماننا بہتر ہے اس لئے کہ وہ عورت کوئی اپنے نفع کی بات نہیں کہتی۔ عورت کو اگر خوب تحقیق صحیح یاد ہے کہ اس نے وصیت مذکورہ کی ہے اور وہ مورث کے ثلث ترکہ بعد ادائے دین سے کم ہو تو اسے ضرور ہے کہ وہ وصیت میں حسب وصیت اسے لگا دے وارثوں کو باختیار خود ہرگز واپس نہ دے مگر وارثوں کو اختیار ہے کہ اگر اس وصیت کا سوا بیان عورت کے کوئی ثبوت نہیں تو تسلیم نہ کریں اور جبرًا وہ روپیہ کہ اب خود ان کی ملک ہوگیا عورت سے لے لیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۷ غلام علی ساکن بریلی علاقہ ترائی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور اس کے وارثوں میں ایک حقیقی بھانجی ہے جس کو مرتے وقت اس نے ۸ اگاؤ مادہ اور تین جاموس مادہ دینے کی وصیت کی ان کے سوا اس کے باقی مال متروکہ کا جو دعوی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو وارث قرار دیتے ہیں وہ یہ لوگ ہیں: ماموں زاد بھائی، چچا زاد بھائی، چچا زاد بہن۔ ان لوگوں میں کون کون وارث جائز اور مستحق ترکہ پانے کا اور کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہے اور کس طرح تقسیم ہونا چاہئے از روئے علم فرائض کے؟ بینوا توجروا

الجواب

اس صورت میں صرف اس کے چار چچا زاد بھائی وارث ہیں باقی کوئی وارث نہیں ہے یہ اٹھائیس گائیں، پانچ بھینسیں اگر بعد ادائے دین اس کے تہائی ترکہ کی مقدار تک یا اس سے کم ہوں تو یہ دونوں وصیتیں تمام وکمال پوری کردی جائیں مثلاً ان ۳۳ جانوروں کی قیمت اگر تین سو روپیہ کی ہو اور متوفی پر کچھ دین آتا ہو تو اُسے ادا کرکے جو باقی بچا وہ نوسو روپیہ یا زیادہ کا ہے مع ان چاروں کے جب تو یہ سب جانور جس طرح اس نے وصیت کی ہے اس کے بھانجی اور پھوپھی زاد دونوں کی وصیت سے حصہ رسد کم کرلیں باقی وصیت بے اجازت چچا زاد بھائیوں کے نافذ نہ ہوگی یہ عام حکم ہے اور خاص طور پر اس کا حساب چاہیں تو اتنی باتیں بتانے پر ہو سکتا ہے:

(۱) زید کا کل مال جانور، زمین، مکان، زرنقد، گھر کا اسباب وغیرہ کتنی مالیت کا ہے۔

(۲) زید پر کوئی قرض یا کسی کا دین یا عورت کا مہر آتا تھا یا نہیں، اگر آتا تھا تو کس قدر۔

(۳) ان سب جانوروں میں ہر ایک کی قیمت کتنی ہے۔

(۴) چاروں چچازاد بھائی اس وصیت کو پورا کرنے پر راضی ہیں یا سب ناراض ہیں یا کون کون راضی ہے کون کون ناراض۔

(۵) جو راضی ہیں وہ دونوں شخصوں کے لئے وصیت کامل پر راضی ہیں یا فقط ایک کے لئے، اگر فقط ایک کے لئے راضی ہیں تو بھانجی کے واسطے یا پھوپھی زاد بھائی کے لئے، ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک معلوم ہونے پر صحیح حساب بتایا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۸ از پرانا شہر محلہ قراشی ٹولہ مسئولہ جناب کفایت اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ایک دفعہ چھ سو چھیانوے روپیہ دستگرداں قرض لئے زید نے بار ہا تقاضا کیا بکر نے اقرار دینے کا کیا زید نے اپنے انتقال سے پیشتر ایک وصیت نامہ لکھا وصیت نامہ میں وہ روپیہ اپنی زوجہ کے دین مہر میں لکھا کہ بکر سے روپیہ وصول ہوکر میری زوجہ کو دے دو، جب بکر بھی فوت ہوگیا وصیت نامہ مصدقہ حکام مدینہ طیبہ موجود ہے یہ مہر کا روپیہ شرعاً بکر کے وارثوں کے ذمہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب

بکر نے اگر کچھ ترکہ چھوڑا تو یہ روپیہ اور اگر ذمہ بکر کچھ اور قرض ودین ہو تو وہ بھی اس ترکہ پر لازم ہے اور اس میں سے کل (بحال تنگی متروکہ وزیادت دیون) حصہ رسد ادا کیا جانا واجب ہے اگر بکر نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا تو وارثانِ بکر پر کچھ مطالبہ نہیں۔ یوں ہی اگر ترکہ چھوڑا تو جتنا وصول ہو سکے وصول ہو باقی کا مطالبہ بکر پر آخرت کے لئے رہا وارثوں پر مواخذہ نہیں۔ پھر یہ جو وصیت زید نے اپنی زوجہ کے لئے کی اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ اس کا مہر اتنا یا اس سے زائد ہے یا زید نے اپنی تندرستی میں اس مقدار یا زائد کا اقرار مہر کیا ہو یا یہ مقدار خواہ اس سے زائد عورت کا مہر مثل ہو یا یہ بھی نہیں تو بقیہ ورثہ زید عاقل بالغ اس زیادت پر راضی ہوں تو یہ رقم پوری زوجہ زید کو اس کے مہر میں دی جائے گی اور اگر نہ گواہوں سے ثابت کہ مہر اس قدر یا اس سے زائد بندھا ہے اور یہ رقم عورت کے مہر مثل سے زائد ہے اور بقیہ ورثہ زید اس پر راضی نہیں تو عورت کو صرف مہر مثل تک دیا جائے گا زیادہ حسب فرائض زوجہ زید ودیگر وارثانِ زید پر تقسیم ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹: از جواہر پور ڈاک خانہ شیر گڈھ ضلع بریلی مرسلہ خانصاحب دلاور حسین قاسمی قادری برکاتی ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

قبلۂ ایمانیاں وکعبۂ روحانیاں وجان ایمان بخش ایں بیجان مقبول بارگاہِ صمدیت مولانا ومرشدنا اعلحضرت ادام اللہ تعالٰی برکاتہم وافضالہم، بعد بجا آوری مراسم سرافگندگی وآداب دست بستہ کے گزارش خدمت کفش برداران حضور میں یہ ہے جو کہ ترکۂ متوفیہ کنیزک حضور میں اس کے دو نابالغ لڑکے حضور کے غلام زادہ اور ایک پدر اور ایک شوہر ہیں اور متاع ترک مختلف طور پر ہے زیور و پارچہائے پوشیدنی و برتن واثاث البیت اس کی تقسیم میں نہایت تفکر ہے اس میں سے قریب چارسو روپے کے زیور فروخت ہوگیا جس کا روپیہ موجود ہے اور پانسو روپے کے قدر اور اسباب و زیور باقی ہے جس کا فروخت ہونا نہیں معلوم اور بہت عرصہ میں ہیں اور کم قیمت پر اب چونکہ نابالغ شریک ہیں اس کی فروخت میں بھی خوف ہے پھر اس کی حفاظت اپنی طبیعت قطعی اس بار کو نہیں اٹھاتی دنیا کے مال ومتاع اور فرزندان حتی کہ مادر وپدر سے بھی دلچسپی نہیں اگر اطاعتِ والدین اور تعلیم فرزندان فرض نہ ہوتی تو کسی طرح یہ بار پسند نہ ہوتا حضور ہی کے قدموں پر زندگانی مستعار بسر کی جاتی اور اس امر کی حضور سے التجا ہے کہ ایسا نصیب ہو، یہ امر یقینی ہے کہ حضور کسی وقت اپنے سگ دورافتادہ کو توجہ باطنی سے فراموش نہ فرماتے ہونگے اگر حضور کا تصرف باطنی معاذ اللہ ایک دم کو جدا ہو جائے تو یہ اندوہگیں طالب طلب حضور از حضور مسلمان نہ رہے اور جان سے بیکار ہوجائے اس مال میں سے اپنا حصہ لینے کا قصد بیت اللہ شریف کے قصد سے ہے اور کوئی سبیل بظاہر نہیں معلوم ہوتی ورنہ لڑکوں اور پدر کے نام باآسانی تقسیم ہوجاتا اگر ایسے ممکن ہو کہ بقیہ اسباب تخمینے سے تقسیم کرلیا جائے اور روپیہ حساب سے پدر کا حصہ پدر کو دے دیا جائے اور لڑکوں کا حصہ مع زر نقد کے خرید لیا جائے اور یہ ان کے حصے کے روپے بطور قرض میرے پاس رہیں جب وہ بالغ ہوں تو ادا کردیے جائیں اس وقت مجھ کو اُن کے تصرف کا اختیار حاصل ہوجائے تو اس میں بہت آسانی ہوجائے کیونکہ بہت چیزیں ایسی ہیں کہ فروخت بھی نہیں ہوسکتیں مثل پارچہائے پوشیدنی زنانہ اور ان کا بیچنا بھی معیوب معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ احقر غلامان اس پر شریعت کی رُو سے قابض ہوجائے گا تو اختیار خدا کی راہ میں دے دینے کا ہوجائیگا ورنہ وہ رکھے رکھے بیکار ہوجائیں گے یا اپنے میں مشغول کریں گے جس سے طبیعت عاری ہے جیسا ارشاد ہو تعمیل کی جائے، اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے باپ اس میں سے کچھ لے لیں اور بقیہ کو معاف کردیں یا بلا تقسیم کچھ نقد لے کر میرے ہاتھ فروخت کردیں جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ اپنی خوشی سے اس کے

عوض ایک رومال لے لیں تو بھی عہدہ برآئی ہوسکتی ہے اور ایسی حالت میں یہ رومال دے کر راضی ہونے میں لفظ معافی کی ضرورت ہوگی یا یہ رومال صرف اس کی قیمت ہوجائے گا۔

تکلیف دہی کی معافی فرمائیں اور اپنی محبت عطا۔ عریضہ ادب سگ بارگاہ دلاور حسین

الجواب

۷۸۶
۹۲

بملاحظہ محب خدا غلام بارگاہ مصطفیٰ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوان صالح سعید مفلح خاں صاحب محمد دلاور حسین خاں صاحب قادری برکاتی حفظہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کاملہ میں ابد الآباد تک سرشار رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ والدین کی خدمت بچوں کی تربیت یہ بھی عین کارِ دین ورضائے رب العالمین ہے۔ ریاضت ومجاہدہ نام کاہے اسی کا کہ رضائے الٰہی میں اپنی خواہش کے خلاف کرنا۔ خدمت والدین وتربیت اولاد رضائے رب العزت ہے اور اب کہ آپ کی طبیعت ان تعلقات سے بھاگتی ہے رضائے الٰہی کے لئے اس کا خلاف کیجئے یہی ریاضت ہوگی تعلقات سے نفرت وہ محمود ہوتی ہے جس میں حقوق شرعیہ تلف نہ ہوں ورنہ وہ بے تعلقی نفس کا دھوکا ہوتا ہے کہ اپنی تن آسانی کے لئے شرعی تکالیف سے بچنا چاہتا ہے اور اسے دنیا سے جدائی کے پیرایہ میں آدمی پر ظاہر کرتا ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا کرلے اور ہمیشہ اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے اور آپ کے طفیل میں اس نالائق ننگِ خلائق کی بھی اصلاح قلب واعمال وتحسین احوال وافعال وتحصیل مرادات وآمال فرمائے اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے خاتمہ ایمان وسنت پر کرے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وابنہ واحزابہ اجمعین آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مشترک مال تقسیم کرکے نابالغوں کا حصہ جدا کرنے کا اُن کے باپ کو مطلقاً اختیار رہتا ہے اور ایسی تقسیم تو وصی کو بھی روا ہے کہ وارثان بالغین حاضرین کا حصہ جدا کرکے اُن کو دے دے اور نابالغوں کے حصے بلا تقسیم الگ کرلے تو آپ کو بدرجہ اولیٰ جائز ہے کہ بچوں کے نانا کے ساتھ تقسیم کرکے بچوں کا حصہ جدا کرلیجئے نیز باپ کو جبکہ فاسق وفاسد نہ ہو جائز ہے کہ ان کے ایسے اموال بازار کے بھاؤ پر خود خرید لے بازار کے بھاؤ میں چیز کی اصل لاگت نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ اس حالت موجودہ پر

بازار میں بیچیں تو کیا دام اٹھیں گے ۔ پہننے کے کپڑوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نیا تازہ جوڑا ابھی وقت بازار میں بیچئے تو ہرگز آدھے دام بھی نہیں لگتے نہ کہ استعمالی پہنے ہوئے نہ کہ ایسا مال جس کا بکنا دشوار اور رکھے رکھے بیکار ہوجائے گا اندیشہ اسے خرید لینے میں تو بچوں کا سراسر نفع ہے نیز اس کو روا ہے کہ بچوں کا مال قرضوں خرید لے یعنی قیمت فی الحال نہ دی جائے گی بلکہ اتنے دنوں کے وعدہ پر مگر روپیہ بیع نہیں ہوسکتا ہاں باپ اپنی حاجتمندی کی حالت میں اس میں سے بقدر ضرورت خرچ کرسکتا ہے اور اُن کا روپیہ خود بطور قرض لے لینے کا بھی باپ کو اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء مختلف ہیں بہت کتابیں جواز کی طرف ہیں باپ اگر دین دار متدین خدا ترس ہو تو اس کے لئے جواز پر فتوی دینے میں کچھ باک نہیں آپ بفضلہ تعالٰے ان صفات کے جامع ہیں پھر جو کچھ اُن کے مال سے قرض لیجئے یا قرضوں ایک میعاد معین پر خریدیئے اس کا کاغذ لکھ دینا چاہیے کہ کسی وقت بچوں کو ضرر نہ پہنچے اور اس سب سے بہتر اور خالص بے دغدغہ یہ صورت ہے اگر ممکن ہو کہ اس ترکہ میں نابالغوں کا جتنا حصہ ہے مثلاً اگر سب ترکہ نوسو روپے کی مالیت کا ہے تو بچوں کا حصہ سوا پانسو روپے ہوا اس کے عوض اتنے یا اس سے کچھ خفیف زیادہ مالیت کی اپنی جائداد زمین یا مکان یا دکان یا گاؤں میں سے بچوں کے نام بیع کردیجئے اور کاغذ لکھ دیجئے کہ باپ برابر قیمت کو بھی اپنا مال بچوں کے ہاتھ بیچ سکتا ہے یوں ترکہ میں جس قدر ان کا حصہ اور زیور و اسباب میں ہے سب آپ کا ہوجائے گا جو چاہئے کیجئے پھر وہ جائداد کہ جو بچوں کے نام آپ بیچیں گے اس کی حفظ و نگہداشت و غور پرداخت و تحصیل و تصرف کا اختیار بھی بچوں کے بالغ ہونے تک آپ ہی کو ہوگا، اور اگر آپ کے پاس اور مال نہ ہو تو اس کی آمدنی سے آپ بقدر کفایت اپنے کھانے پہننے کا بھی صرف کرسکیں گے جس میں بچوں کا ضرر نہ ہوگا اور اگر آپ خود اس کے کام اہتمام سے بچنا چاہیں تو یہ بھی روا ہوگا کہ کسی ہوشیار کارگزار دیندار دیانتدار کو کارکن بنائیں یوں ہی ہر طرح سبکدوشی ہوسکتی ہے ۔ رہا نانا کا حصہ، وہ اگر یونہی آپ کو معاف کردیں تو معاف نہ ہوگا یا قبل تقسیم آپ کو ہبہ کردیں تو جائز نہ ہوگا بلکہ تقسیم کرکے اُن کو سپرد کردیجئے پھر وہ چاہیں تو آپ کو ہبہ کردیں یا بلا تقسیم اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیچ کر زرثمن معاف کردیں اور اس صورت میں ضرور ہوگا کہ زرثمن اتنا ٹھہرے جس کا وزن اُس قدر چاندی کے چھٹے حصہ سے زائد ہو جو ترکہ کے نقد و زیور وغیرہ میں ہے کہ یہی چھٹا حصہ مرحومہ کے باپ کا ہے یا یوں کریں کہ اپنا حصہ مثلاً ایک کتاب کے عوض آپ کے ہاتھ بیع کردیں وہ کتاب ہی اس کا معاوضہ ہوجائے گی اور پھر معافی کی کوئی حاجت نہ رہے گی اگرچہ کتاب چار ہی ورق کی ہو یونہی اُن کے تمام حصے کے عوض

ایک رو مال دے کر بھی بیع ہوسکتی ہے فقط باہمی رضا درکار ہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

لوکان الوصی قسم بین الورثۃ وعزل نصیب کل انسان فھذا علی خمسۃ اوجہ الاول ان تکون الورثۃ صغارا کلھم لیس فیھم کبیر وفی ھذا الوجہ لاتجوز قسمتہ اصلا وھذا بخلاف الاب اذا قسم مال اولادہ الصغار ولیس فیھم کبار فانہ یجوز (ثم قال) الرابع اذا کانوا صغارا وکبارا فعزل نصیب الکبار وھم حضور فدفعہ الیھم وعزل نصیب الصغار جملۃ ولم یفرز نصیب کل واحد من الصغار جاز[1]

اگر وصی نے وارثوں میں میراث تقسیم کی اور ہر وارث کا حصہ الگ کردیا تو اس میں پانچ صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ تمام وارث نابالغ ہوں ان میں سے کوئی بھی بالغ نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کی تقسیم بالکل جائز نہیں بخلاف باپ کے کہ اگر وہ اپنی نابالغ اولاد کا مال تقسیم کردے جن میں کوئی بالغ نہ ہو تو جائز ہے (پھر فرمایا) چوتھی صورت یہ ہے کہ وارثوں میں بالغ بھی ہوں اور نابالغ بھی ہوں پھر اس نے بالغوں کا حصہ الگ کرکے ان کو دے دیا جبکہ تمام بالغ ورثا حاضر ہیں اور نابالغوں میں سے ہر ایک کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

بیع الاب مال صغیر من نفسہ جائز بمثل القیمۃ وبما یتغابن فیہ[2]

باپ اگر نابالغ کے مال کی بیع اپنی ذات سے کرے تو مثلی قیمت کے ساتھ اور معمولی غبن کے ساتھ جائز ہے۔ (ت)

ولوالجیہ وجامع الفصولین وادب الاوصیاء میں ہے:

للاب شراء مال طفلہ بیسیر الغبن لابفاحشۃ[3]

باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کا مال تھوڑے سے غبن کے ساتھ خرید لے نہ کہ زیادہ غبن کے ساتھ۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۴۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار ؍؍ باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۲۷

[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۱۳۲

نیز ادب الاوصیاء فصل الضمان میں ہے:

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظہیر الدین لوکان الاب فی فلاۃ ولہ مال فاحتاج الٰی طعام ولدہ باکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف و المعروف ان یتناولہ مجانا فقیرا و بالقیمۃ غنیا۔[1]

فتاوٰی قاضی ظہیر الدین کے باب الہبہ میں ہے اگر باپ بیابان میں ہو اور اس کا کوئی مال بھی ہے پھر وہ اپنی اولاد کے طعام کی طرف محتاج ہوا تو وہ قیمت کے ساتھ اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ اگر اولاد کے مال کا محتاج ہو تو وہ معروف طریقے سے اس کو لینے کا زیادہ حقدار ہے اور معروف طریقہ یہ ہے کہ اگر باپ فقیر ہے تو وہ اس کو مفت میں لے لے اور اگر غنی ہے تو قیمت کے ساتھ لے لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وفی العدۃ اجمعوا علی انہ لیس للوصی قضاء دینہ من مال الصبی وفی الصغرٰی وللاب ذٰلک لانہ بمنزلۃ بیع مال الصبی من نفسہ ویملکہ الاب بمثل القیمۃ بخلاف الوصی حیث یلزم فی بیعہ الخیریۃ۔[2]

عدہ میں ہے مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وصی نابالغ بچے کے مال سے اپنا قرض ادا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور صغرٰی میں ہے کہ باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ یہ نابالغ کے مال کو اپنی ذات پر بیچنے کے قائم مقام ہے اور باپ مثلی قیمت کے ساتھ ایسا کرنے کا اختیار رکھتا ہے بخلاف وصی کے کیونکہ باپ کے اس کو بیچنے سے خیر ہونا لازم ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے نیز ادب الاوصیاء فصل القرض میں ہے:

لو استقرض الوصی من مال الصبی یضمن وعند محمد لایضمن کالاب۔[3]

اگر وصی نے نابالغ کے مال سے قرض لیا تو وہ ضامن ہوگا، اور امام محمد کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ باپ ضامن نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۲۸۳

[2] " " " " " " " " " ۲/۲۹۰

[3] " " " " فصل فی القرض " " ۲/۱۶۴

خلاصہ میں ہے:

لیس للوصی اقراض مال الصبی ولا استقراضہ وعن محمد لہ الاستقراض کالاب[1] اھ اقول وظاہر قولہ کالاب الاتفاق علی ان للاب الاستقراض غیر ان محمدا ربما استشہد بخلافیۃ علی اخری تنبیہا علی منازع الاقوال۔

وصی کے لئے مال صغیر کو قرض پر دینا اور اس کو قرض پر لینا جائز نہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک اس کو قرض پر لینا جائز ہے جیسا کہ باپ کے لئے جائز ہے اھ میں کہتا ہوں کہ اس کا قول "کالاب" (مثل باپ کے) ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ باپ کے لئے مال صغیر کو قرض پر لینے کے جواز پر اتفاق ہے سوائے اس کے کہ امام محمد علیہ الرحمہ دوسری صورت کے اختلافی ہونے پر استشہاد کرتے ہیں اقوال کے مختلف ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے۔ (ت)

ادب الاوصیاء میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے:

وفی قضاء الجامع اخذ الاب مال صغیرہ قرضا جائز وفی الخلاصۃ انہ ذکر فی رھن الاصل ان الاب یضمن کالوصی[2]۔

جامع کے باب القضاء میں ہے باپ کا مال صغیر کو بطور قرض لینا جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ اصل کے باب الرہن میں امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا، بیشک باپ وصی کی طرح ضامن ہوگا۔ (ت)

اسی کی فصل الاباق میں شرح مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی سے ہے:

للاب ان یدفعہ (ای مال الصغیر) الی غیرہ مضاربۃ او بضاعۃ وان یضارب ویبضع بنفسہ، وان یودع مالہ عند انسان وان یعیر لاحد استحسانا لا قیاسا و وان یرھن مالہ بدین نفسہ فلو ھلک الرھن یضمن

باپ کو اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی غیر کو بطور مضاربت وبضاعت دے دے، اور خود بھی اس کو بطور مضاربت وبضاعت لے سکتا ہے اور یہ بھی اسے اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی کے پاس ودیعت رکھے یا کسی کو بطور عاریت دے دے یہ بطور استحسان ہے نہ کہ بطور قیاس۔ اور یہ کہ وہ مال صغیر کو اپنے قرض کے بدلے میں رہن

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین بحوالہ الخلاصہ فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱-۱۲۰

[2] " " " " " " " فصل فی القرض " " " ۲/ ۱۲۳

قدر مایصیر مؤدیا منہ دینہ ومثلہ فی ھذا کلہ الوصی[1] (ملخصاً)

رکھے پھر اگر وہ رہن ہلاک ہوگیا تو یہ اس کا ضامن بنے گا، اوران سب صورتوں میں وصی باپ کی مثل ہے (ملخصاً)۔(ت)

اسی میں ہے:

فی الخلاصۃ ورھن القوانسی ومختارات النوازل لوباع الوصی مال الصبی اوالاب من غریم نفسہ تقع المقاصۃ بینھما ویضمن الصبی الثمن عند الطرفین ولایقع عند ابی یوسف وکذا الحکم فی بیع الاب[2]

خلاصہ، رہن القوانسی اور مختارات النوازل میں ہے اگر وصی یا باپ نے مالِ صغیر کو اپنے قرض خواہ کے ہاتھ بیچ دیا تو ثمن اس قرض کا بدل واقع ہوگا، اور وہ وصی یا باپ صغیر کے لئے ثمن کے ضامن ہوں گے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ بدل واقع نہیں ہوگا، یہی حکم باپ کی بیع کی صورت میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی فتاوی الدیناری الوصی اذا باع مال الیتیم باجل جاز و مثلہ الاب و فی الخلاصۃ والمنیۃ للوصی البیع بالنسیئۃ ان لم یخف تلفہ بالجحود والانکار و لا المنع عند حصول الاجل وانقضائہ و لم یکن الاجل بعیدا فاحشا ذکرہ فی کل من الولوالجیۃ والخانیۃ اھ[3] اقول و بما مر

فتاوٰی دیناری میں ہے کہ وصی اگر مالِ یتیم کو ایک مدت تک ادھار پر بیچ دے تو جائز ہے اور باپ بھی اسی کی مثل ہے۔ خلاصہ اور منیہ میں ہے وصی کو ادھار پر بیع کرنا جائز ہے اگر یہ خوف نہ ہو کہ مال بسبب انکار کے ضائع ہوجائے گا اور نہ یہ ڈر ہو کہ مدت گزر جانے کے باوجود مشتری ثمن نہیں دے گا اور نہ ہی وہ مدت بہت زیادہ لمبی ہوگی۔ یہ تمام ولوالجیہ اور خانیہ سے منقول ہے اھ میں کہتا ہوں

[1] آداب الاوصیاء علٰی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۰
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۴۳
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۴۴

من فرع المقاصة، ومن نص الاسبیجابی ان الوصی فیہ کالاب، یعکر علی دعوی الاجماع المار عن العدة ویقدح فیھا ایضا مافی غمز العیون اخر الفرائض عن فوائد صاحب المحیط اذا استقرض (ای الوصی) مال الیتیم ھل یصح فی قول الامام لا یملک وقد اختلف المشائخ فقال بعضھم ان کان الوصی ملیا یملک والا فلا والاصح انہ لا یملک[1] اھ وفی قرض ادب الاوصیاء وفی نوادر ھشام، سمعت محمدا یقول لیس للوصی ان یستقرض مال الیتیم عند ابی حنیفۃ واما انا فلا ارٰی بہ باسا ان فعل ذٰلک ولہ وفاء بما استقرض ومثلہ فی المنتقی والعتابیۃ والخانیۃ[2] الخ وتمامہ فیہ نعم الاظھر احوط ھو المنع کیف وھو مذھب الامام اقول

ماقبل میں مذکور بدل واقع ہونے والی فرع سے اور اسبیجابی کی اس نص سے کہ "وصی مثل باپ کے ہے" وہ دعویٰ اجماع گدلا ہو جاتا ہے جو بحوالہ عدہ گزرا ہے، اور اس کو وہ بات بھی مجروح کرتی ہے جو غمز العیون کے باب الفرائض کے آخر میں صاحبِ محیط کے فوائد سے منقول ہے کہ وصی اگر مالِ یتیم کو قرض پر لے تو کیا وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق صحیح ہوگا اس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ان میں سے بعض نے کہا اگر وصی مالدار ہے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، اور اصح یہ ہے کہ اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں اھ آداب الاوصیاء کے باب القرض اور نوادرِ ہشام میں ہے میں نے امام محمد علیہ الرحمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی کو مال یتیم قرض پر لینے کا اختیار نہیں لیکن میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اگر اس نے ایسا کیا اور اس کے پاس اس قرض کو ادا کرنے کے لئے مال موجود ہو تو حرج نہیں اور اسی کی مثل منتقی، عتابیہ اور خانیہ میں ہے الخ اور اس کی مکمل بحث آداب الاوصیاء میں ہے، ہاں زیادہ ظاہر اور زیادہ محتاط منع ہی ہے، کیسے نہ ہو جبکہ وہ امام ابوحنیفہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۱

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الفرائض اسلامی کتبخانہ کراچی ۲/ ۷۳-۱۷۲

وذلك ان تجيب عن فرع الرهن بانه ليس تملكا ولا اهلاكا فلا يقاس عليه الاستقراض ولا اداء دين نفسه من مال الصبي اما لزوم الضمان في الرهن فحكم الهلاك العارض و في صورة المقاصة ايضا انما صدر منه البيع وهو سائغ له والمقاصة وقعت لان الحقوق ترجع اليه وكم من شئ يثبت ضمنا و لا يثبت قصدا۔ والله تعالٰی اعلم۔

علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں تو رہن والی فرع کا جواب یوں دے سکتا ہے کہ وہ نہ تو تملک ہے اور نہ ہلاک کرنا، لہذا اس پر قرض لینے اور مالِ صغیر سے اپنا قرض ادا کرنے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ رہا رہن میں ضمان کا لازم ہونا تو وہ ہلاکِ عارض کا حکم ہے اور بدل واقع ہونے والی صورت میں بھی بیع تو اس سے اس حال میں صادر ہوئی کہ وہ اس کے لئے جائز تھی اور ثمن کا قرض کے لئے بدل واقع ہونا اس لئے ہے کہ حقوق بائع کی طرف لوٹتے ہیں اور بہت سی اشیاء ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نیز ادب الاوصیاء فصل اباق میں ہے:

في المنتقى يجوز للوصي شراء مال اليتيم لنفسه وبيعه مال نفسه من اليتيم فاذا رفع ذلك الى القاضي ان رأى خيرا ابرمه والزمه والا فسخه و نقضه قال ومثله بيع الاب وشراؤه حيث يكون للقاضي فسخه ان لم يكن خيرا لليتيم يعني الابن لكن عدم الخيرية في الاب كونه ناقصا عن ثمن المثل نقصانا لا يتغابن فيه الناس[1]۔ والله تعالٰی اعلم

منتقٰی میں ہے وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ مالِ یتیم کو اپنے لئے خریدے یا اپنا مال یتیم پر بیچے پھر جب یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچے تو اگر وہ اس میں بھلائی دیکھے تو اس کو پکا اور لازم کردے ورنہ اس کو فسخ کردے، اور اسی کی مثل باپ کی خرید وفروخت ہے، اگر وہ یتیم بیٹے کے حق میں خیر نہ ہو تو قاضی اس کو فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن باپ کی صورت میں خیر کا نہ ہونا تب ہوگا کہ جب وہ خرید وفروخت ثمنِ مثلی سے اس قدر کم ہو جس قدر کمی کا غبن لوگوں میں رائج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۵

مسئلہ ۱۵۰ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ایک مکان بحالت مرض الموت بی بی کے کہنے سے بی بی کے نام بعوض دو سو روپے مہر کے منتقل کردیا حالانکہ قبل اس کے بی بی نے مہر معاف کردیا تھا اور بی بی نے اس غرض سے مکان منتقل کرایا تھا کہ قرضہ سے بچ جائے ______ زید اس تحریر کے تیسرے روز مرگیا اور ایک لڑکا ایک لڑکی اور بی بی چھوڑے، اول بی بی نے سوا سو روپے میں رہن رکھا اور اب فروخت کرتی ہے اور لڑکا لڑکی بدستور قابض و دخیل ہیں، ایسی صورت میں کس قدر حصہ پاسکتے ہیں اور یہ انتقال زید کا کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

انتقال کی یہ غرض اگر ثابت بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انتقال فرضی ہوا اور جب زید اقرار کر رہا ہے کہ اس پر زوجہ کا مہر باقی ہے اور اس کے عوض میں یہ جائداد دیتا ہے تو اس کے وارثوں کا دعوٰی کہ عورت پہلے اپنا مہر معاف کرچکی تھی مسموع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل اقر لامرأته بمهر الف درهم فی مرض موته ومات ثم اقامت الورثة البینة ان المرأة وهبت مهرها من زوجها فی حیاة الزوج لا تقبل والمهر لازم باقی اھ وکذا فی الخلاصة۔[1]

کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے ایک ہزار درہم مہر کا اقرار کیا اور وہ مرگیا۔ پھر اس بات پر گواہ قائم ہوگئے کہ عورت نے شوہر کی زندگی میں اپنا مہر شوہر کو ہبہ کردیا تھا تو یہ گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے اور شوہر کے اقرار کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔ خلاصہ میں یونہی ہے۔ (ت)

مگر جبکہ مہر روپے تھے ان کے عوض مکان دینا بیع ہے اور زید کو مرض الموت تھا اور عورت اس کی وارث ہے اور وارث کے ہاتھ مریض کا کوئی چیز بیچنا اگرچہ برابر قیمت کو ہو بے اجازت دیگر ورثہ کے باطل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه

مریض نے مرض الموت میں اپنے وارث کے ہاتھ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۱۶۹

عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض ولم تجز الورثۃ بطل البیع[1]

اپنے مال سے کوئی خاص شیئ فروخت کی، پھر اگر وہ مریض صحت مند ہوگیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اگر وہ کسی بیماری سے مرگیا اور وارثوں نے بیع کی اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوجائیگی (ت)

پس اگر دیگر ورثہ اس انتقال کو جائز نہیں رکھتے تو یہ بیع باطل ہوگئی مکان بدستور متروکہ زید ہوا البتہ دو سو روپے مہر کے دینے رہے بعد ادائے مہر و دیگر دیون مکان و دیگر متروکہ زید حسب شرائط فرائض چوبیس سہام ہوکر تین سہم زوجہ چودہ پسر سات دختر کو ملیں، تنہا عورت کو اس کی بیع کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: مرسلہ حافظ محمد ایاز از قصبہ نجیب آباد ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

بکر نے اپنے ترکہ میں دو لڑکے زید، عمرو اور ایک مکان مسکونی چھوڑا۔ چند مدت کے بعد بڑے بھائی زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور ایک لڑکا رہ گیا، اس متوفی کی جانب سے ایک شخص شریک اور مختار کل کاروبار تھا۔ بکر کے دوسرے لڑکے عمرو نے نصف حصہ مکان اپنے بھائی متوفی زید کا منجانب پسر نابالغ متوفی معرفت مختار متوفی پچاس روپے کو بیع خرید کر بعینامہ مختار سے لکھالیا کہ جس پر مختار نے پسر متوفی کے دستخط اپنے ہاتھ سے کردیئے اور ایک دستخط اپنے خود کردیئے لیکن رجسٹری نہیں ہوئی اور گواہان حاشیہ بھی سب فوت ہوچکے بعد تحریر وغیرہ کے ایک مکان یا زمین جو زیر دیوار مکان مبیع مذکور کے تھی اُسی پچاس روپے سے جو اوپر دے چکے تھے پسر متوفی و بیوہ متوفی مذکور کو بکر کے چھوٹے لڑکے عمرو نے خرید دی اور اس کا بیعنامہ پسر متوفی یعنی اپنے برادر زادہ کے نام تحریر کرادیا جس کی عمر ۳، ۴ برس کی تھی پس اُس وقت بیوہ متوفی زید اپنے پسر نابالغ کو لے کر اُس مکان میں چلی گئی جو اُن کو خرید دیا تھا، اب وہ مکان متروکہ بکر بالکل سارا اس کے چھوٹے لڑکے عمرو کے پاس رہا مکان متروکہ بکر کچھ پختہ و کچھ خام تھا عمرو نے اپنی لاگت سے اُس خام کو بھی پختہ کرلیا قریب ماصہ روپے کے اُس میں صرف ہوئے اور عرصہ ۳۲ برس سے برابر اس عمرو کی اس میں سکونت و دخل ہے اب عرصہ دو تین برس کے عمرو کے برادر زادہ نے اس مکان ترکہ بکر میں اپنے باپ متوفی زید کا نصف حصہ طلب کیا ہے اور اس برادر زادہ کی عمر اس وقت قریب ۳۸ برس کی ہے جب سے بالغ ہوا تھا جب سے کوئی جھگڑا نہیں کیا تھا اب

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۴

کرتا ہے اور برادر زادہ یہ بیان کرتا ہے کہ وہ پچاس روپے جس سے مجھ کو مکان چچا عمرو نے خرید کر دیا تھا وہ میں نے ۱۰ برس ہوئے کہ واپس چچا صاحب کو دے دیئے ہیں اور چچا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے واپس نہ لئے تھے اور اس امر کا طرفین سے کوئی گواہ دیدہ موجود نہیں ہے شنیدہ معتبر نہیں۔ اب یہ معاملہ پنچایت میں پیش ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہیں:

(۱) جو بیعنامہ مختار نے نابالغ کی طرف سے کر دیا وہ بیع درست ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر بیع درست نہ ہوئی تو نصف حصہ چچا و نصف حصہ برادر زادہ کا ہوگا یا نہیں؟

(۳) جو چچا نے بعد خرید لینے مکان متروکہ کے ماحصل کی تعمیر اپنی لاگت سے کی وہ اس کو ملنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ۳۲ برس سے جو چچا صاحب نے اس مکان متروک میں خالصًا سکونت کی ان کا کرایہ نصف کا حقدار برادر زادہ ہے یا نہیں؟

(۵) جو برادر زادہ بیان کرتا ہے کہ میں نے چچا کو پچاس روپیہ واپس دے دیئے ہیں اگر چچا حلف اٹھالیں تو میں مکان سے دست بردار ہوتا ہوں ورنہ میں حلف اٹھاتا ہوں اس صورت میں کس کا حلف معتبر ہے اور کس کو حلف دلایا جائے؟

(۶) اگر بیعنامہ مذکورہ جائز تسلیم ہو اور برادر زادہ نے پچاس روپے کا حلف کیا ہو تو اس کو پچاس روپے ہی دلائے جائیں گے یا کیا ہوگا کیونکہ جب مکان کی بیع جائز ہو چکی ہو؟

(۷) اگر مکان کی بیع ناجائز ہے تو بعد حلف برادر زادہ کے نصف حصہ مکان برادر زادہ کا قرار پائیگا یا نہیں اور بابت لاگت اور کرایہ مکان کیا عمل درآمد ہوگا؟

مسائل متذکرہ بالا میں نہایت جھگڑے اور فساد واقع ہیں لہذا موافق شرع شریف ارشاد فرمادیجئے اجر عظیم و ثوابِ دارین ہوگا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما۔ ت)

مکان ۳۴ برس سے عمرو کے قبض و تصرف میں ہے اور پسر زید کو بالغ ہوئے بھی بیس برس سے زیادہ زمانہ گزرا اور وہ اتنی مدت مدید تک ساکت رہا یہ اگرچہ اسے مستلزم ہوتا کہ اب پسر زید کا دعوٰی نہ سنا جاتا مگر جبکہ عمرو تسلیم کرتا ہے کہ واقعی یہ نصف مکان پسر زید کی ملک کا اقرار اور اس سے اپنی طرف انتقال ملک کا دعوی ہوا اور کوئی دعوٰی بے دلیل مقبول نہیں اور ہر مقر اپنے اقرار پر

ماخوذ ہے اور بعد اقرار کوئی تمادی مخل نہیں ہوتی، اگر سو برس کے بعد کوئی اقرار کرے کہ یہ شئی فلاں کی ملک ہے تو وہ اقرار اس مقر پر حجت ہوگا اور سو برس گزر جانا کچھ خلل نہ ڈالے گا۔ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحبِ درمختار رحمہما اللہ تعالٰی کے فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع محتاج الی بینة ینور بها دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر لشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولوکان فی یدہ احقابا کثیرۃ لاتعد، وهذا مما لایتوقف فیه۔[1]

مورث سے ملک حاصل کرنے کا دعوٰی مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے ملکیت کے مقر کی طرف منتقل ہونے کا دعوٰی ہے، چنانچہ مدعا علیہ گواہ لانے کا محتاج ہوگا اور مدعا علیہ مدعی بن جائے گا اور ہر مدعی ایسی گواہی کا محتاج ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کا دعوٰی روشن ہو۔ اقرارِ مذکور کے ہوتے ہوئے مدتِ مذکورہ تک اس کا قبضہ اُسے کچھ نفع نہیں دے گا۔ یہ ترکِ دعوٰی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کے سبب مؤاخذہ کے باب سے ہے۔ جس شخص نے غیر کے لئے کسی شئی کا اقرار لیا اس کے اقرار کے سبب سے وہ شئی اس سے لی جائیگی اگرچہ وہ بے شمار اس کے قبضے میں رہی ہو اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر توقف نہیں کیا جاتا۔ (ت)

ذریعہ انتقال جو عمرو نے بتایا کہ مختار پدر سے بیعنامہ کرالیا محض باطل و بے اثر ہے اول تو زید کی زندگی میں اس کا مختار ہونا زید کے بعد اس کی اولاد پر وصی ہونا نہیں زید کے مرتے ہی وکالت ختم ہوگئی۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ینعزل الوکیل بموت احدهما۔[2]

دونوں میں سے کسی ایک کی موت کے سبب سے وکیل معزول ہوجاتا ہے۔ (ت)

اور اگر ثابت بھی ہو کہ یہ مختار وصی بھی تھا تو اگر یہ پچاس روپے اس نصف مکان کی واقعی قیمت کے

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱
[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب عزل الوکیل مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۳

پورے دونے یا دونے سے بھی زائد نہ تھے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو صورت مذکورہ میں اسے بیع مکان کا اختیار اصلاً نہ تھا وصی نابالغ کی جائداد غیر منقولہ دوچند قیمت سے کم کو تو صرف معدود صورت ضرورت میں بیچ سکتا ہے میت پر کوئی دین ایسا ہو کہ بغیر اس کے بیچے ادا نہ ہو سکے گا یا اُس نے کچھ روپوں کی ایسی وصیت کی کہ اسے بیچ ہی کر پوری ہو سکے گی یا مکان گرا جاتا خراب ہوا جاتا ہے اور مرمت کے لئے کچھ پاس نہیں یا کسی ظالم نے دبالیا ہے کہ نہ بیچے تو مفت ہاتھ سے جائے یا نابالغ کے کھانے پینے کو اس کے سوا کچھ نہیں وہ جائداد یا کرایہ و محصول کی چیز ہے اور اس کی آمدنی اسی کو لگ جاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

وجاز بیعه عقار صغیر بضعف قیمته اولنفقة الصغیر او دین المیت او وصیة مرسلة لا نفاذ لها الا منه او لکونه غلاته لا تزید علی مؤنته او خوف خرابه او نقصانه او کونه فی ید متغلب، درر و اشباہ[1] ملخصا۔

وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو دگنی قیمت پر یا صغیر کے نفقہ کے لئے یا میت کے قرض کی ادائیگی کے لئے یا اسکی ایسی وصیت مطلقہ کے نفاذ کے لئے بیچ دے جس وصیت کا نفاذ اس جائداد کو بیچے بغیر نہیں ہو سکتا نیز اس جائداد کی پیداوار اس پر خرچ سے زائد ہو یا اس جائداد کے ویران ہونے یا ناقص ہونے یا کسی جابر کے ہاتھ لگ جانے کا ڈر ہو تو بھی اس کو بیچ سکتا ہے، درر واشباہ (ملخص)

ظاہر ہے کہ یہاں اُن صورتوں میں سے کچھ نہ تھا ان بلاد میں نہ ہرگز یہ امید ہے کہ نصف مکان جس میں پختہ عمارت بھی ہے صرف پچیس روپے یا اس سے بھی کم ہو تو نظر بظاہر ہوا کہ عمرو نے اپنا نفع خیال کیا اپنے لئے مکان خالص کر لینا چاہا اور جو قیمت اپنی خواہش کے موافق چاہی اُس پر ایک اجنبی سے جسے یتیم کا کیا درد ہوتا فیصلہ کرالیا اور اس کے عوض دوسرا مکان یتیم کو خرید دیا غرض صورِ مذکورہ میں مختار کو اس بیع کا کچھ اختیار نہ تھا تو یہ بیع فضولی ہوئی اور وقتِ عقد اس کا کوئی اجازت دینے والا نہ تھا کہ اُن چند عذروں کے سوا جب خود وصی کو اختیارِ بیع نہیں تو غیر وصی بدرجۂ اولیٰ کہ فضولی جو ایسا عقد کرے جس کا نافذ کرنا اس وقت کسی کا منصب نہ ہو وہ عقد محض باطل ہوتا ہے۔

درمختار باب الفضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه وله مجیز

ہر تصرف جو فضولی سے صادر ہو دراں حالیکہ

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۳۷

حال وقوعہ انعقد موقوفا ومالامجیزلہ حالۃ العقد لاینعقد اصلا[1]

بوقت عقد اس کی اجازت دینے والا کوئی موجود ہو تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور جس کی اجازت دینے والا بوقتِ عقد کوئی نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں جامع الفصولین سے ہے:

وطلق او وھب مالہ او تصدق بہ او باع مالہ محاباۃ فاحشۃ او شری شیئا باکثر من قیمتہ فاحشا او عقد عقدا مما لو فعلہ ولیہ فی صباہ لم یجزعلیہ فھذہ کلھا باطلۃ وان اجازھا الصبی بعد بلوغہ لم تجز لانہ لامجیزلھا وقت العقد[2]

نابالغ نے اگر طلاق دی یا اپنا مال ہبہ کیا یا اُسے صدقہ کیا یا اپنا مال بہت زیادہ کم قیمت پر فروخت کیا یا کوئی شَے اس کی اصل قیمت سے بہت زیادہ قیمت کے بدلے خریدی یا کوئی ایسا عقد کیا کہ اگر اس کا ولی اس کی صغرسنی میں وہ عقد کرتا تو جائز نہ ہوتا۔ یہ تمام عقود باطل ہیں۔ اور اگر نابالغ نے بالغ ہونے کے بعد ان کی اجازت دے دی تو وُہ جائز نہیں ہوں گے اس لئے کہ وُہ وقت عقد ان کی اجازت دینے والا کوئی نہیں تھا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یتیم باع جدہ عقارہ بغیر مسوغ صرح فی التتارخانیۃ عن المنتقی انہ باطل[3]

یتیم کے دادا نے یتیم کی غیر منقولہ جائیداد بلا جواز بیع دی، تاتارخانیہ میں منتقٰی سے اس بات پر تصریح منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے (ت)

اور جب وُہ بیع باطل ہوئی تو پچاس روپے جو قیمت کے قرار دیئے تھے وہ بھی ملک عمرو سے نہ نکلے کیلا یجتمع البدلان فی ملک واحد (تاکہ ملک واحد میں دونوں بدل جمع نہ ہوں۔ ت) اگر عمرو نے یہ روپے پسر زید کو نہ دیئے تھے جب تو ظاہر کہ اس کی ملک اس کے پاس تھی اور اگر دے دیئے تھے اور پھر دوسرا مکان خریدنے کے لئے اس سے لے کر بائع مکان دوم کو دیئے تھے تو جس وقت پسر زید سے واپس لئے عمرو کے روپے عمرو کو پہنچ گئے اور پسرِ زید پر اُن کا مطالبہ نہ رہا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶
[3] الفتاوی الخیریۃ کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۱۷

والاصل ان المستحق بجهۃ اذا وصل الی المستحق بجہۃ اخری اعتبر واصلا بجہۃ مستحقہ ان وصل الیہ من المستحق علیہ والا فلا وتمامہ فی جامع الفصولین[1]

ضابطہ یہ ہے کہ کسی شَی میں ایک جہت سے استحقاق ثابت ہوا اور وہ کسی دوسری جہت سے مستحق تک پہنچ گئی تو اس میں اسی جہت مستحقہ سے موصول ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ شَی مستحق تک اس شخص کی طرف سے پہنچی ہو جس پر استحقاق ثابت ہوا ورنہ یہ حکم نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث جامع الفصولین میں ہے (ت)

پھر جبکہ عمرو نے بھتیجے کو دوسرا مکان خرید دیا اور اُس کی قیمت اس روپے سے ادا کی جو عمرو ہی کی ملک تھا تو یہ مکان عمرو کی طرف سے اس کو ہبہ ہوا قیمت کا مطالبہ پسر زید سے نہ ہوگا ۔۔ احکام الصغار پھر عقود دریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ[2]

ایک عورت نے اپنے مال سے اپنی نابالغ اولاد کے لئے جائداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد اولاد کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی۔ (ت)

پسر زید جو پچاس روپے عمرو کو واپس کرنے کا دعوٰی کرتا ہے جب تک شہادت شرعیہ سے ثبوت نہ ہو مقبول نہیں، ہاں اگر گواہانِ عادل سے ثابت ہوجائے یا پسر زید حاکم کے یہاں گواہ نہ دے اور عمرو سے حلف مانگے اُس پر عمرو حلف سے انکار کردے تو یہ پچاس روپے عمرو پر ثابت ہوجائیں گے اور ازانجا کہ پسر زید نے اس گمان سے دیئے کہ یہ حق عمرو ہیں ان کی واپسی شرعًا مجھ پر لازم ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہ تھا تو یہ روپے بھی عمرو پسر زید کو واپس دے گا۔ خیریہ پھر حامدیہ میں ہے:

فی شرح النظم الوھبانی لشیخ الاسلام عبد البر ان من دفع شیئا لیس بواجب فلہ استردادہ الا اذا دفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ

شیخ الاسلام عبد البر کی تصنیف شرح النظم الوہبانی میں ہے اگر کوئی کسی کو ایسی شَی دے جس کا دینا اس پر واجب نہیں تو وہ اس شَی کو واپس لے سکتا ہے مگر اس وقت نہیں لے سکتا جب

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸
[2] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیہ دینا فبان خلافہ یرجع بما ادی ولوکان قد استھلکہ رجع ببدلہ[1]

اس نے وہ شیئ بطور ہبہ دی اور اس پر قبضہ کرنے والے نے اسے ہلاک کردیا الخ تحقیق مشائخ نے تصریح فرمائی کہ کسی کو گمان ہوا کہ اس پر کسی کا قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جو کچھ اس نے ادا کیا اس میں رجوع کرسکتا ہے، اور اگر اسکو وصول کرنے والے نے ہلاک کردیا ہو تو اس کے بدل کے ساتھ رجوع کرے گا۔ (ت)

ان روپوں کے دعوٰی میں حلف چچا پر ہے پسر زید کا حلف معتبر نہیں، اور اگر چچا حلف کرے تو یہ روپے اس پر لازم نہ آئیں گے مکان پر اس کا اثر نہ ہوگا پسر زید کا کہنا کہ چچا حلف کرلیں تو میں مکان سے دستبردار ہوتا ہوں مہمل و باطل ہے کہ دستبرداری اُن اشیاء سے نہیں جن کو کسی شرط پر معلق کرسکیں۔ ردالمحتار میں ہے:

علل فی الخلاصۃ لعدم صحۃ تعلیق الرجعۃ بالشرط بانہ انما یحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف بہ ولا یحلف بالرجعۃ اھ بمعنی انہ لایقال ان فعلت کذا فعلی ان ارجع زوجتی کما یقال فعلی حج او عمرۃ اوغیرھما مما یحلف بہ[2]۔

رجوع کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے کی عدم صحت کے بارے میں خلاصہ میں یہ تعلیل بیان کی کہ شرط کے ساتھ معلق کرنے کا احتمال وہ چیز رکھتی ہے جس پر حلف جائز ہو جبکہ رجوع کا حلف جائز نہیں اھ معنی یہ ہے کہ یُوں نہیں کہا جائے گا اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنی بیوی سے رجوع کروں جیسا کہ یُوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر حج یا عمرہ وغیرہ لازم ہوگا یعنی ایسی چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ حلف جائز ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وعزل الوکیل (ای لایصح تعلیقہ) بان قال عزلتك علی ان تھدی الی شیئا او ان قدم فلان لانہ لیس مما یحلف بہ فلا یجوز

اور وکیل کو معزول کرنے کی تعلیق صحیح نہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ یُوں کہے کہ اگر تو مجھے کوئی شیئ ہدیہ دے یا اگر فلاں شخص آئے تو میں نے تجھے معزول کیا اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی نہیں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد ولایصح تعلیقہ بہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

تعلیقہ بالشرط عینی[1]

جن کے ساتھ حلف جائز ہو لہذا ان کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہوگا۔(ت)

پھر جب نصف مکان پسرِ زید کا ٹھہرا اور اس میں عمرو نے اپنے روپے سے عمارت جدید بنائی مکان تقسیم کیا جائے جتنی عمارتِ عمرو حصۂ پسرِ زید میں آئے عمرو پر لازم ہے کہ اپنی عمارت اس کے حصے سے اکھیڑ کر خالی کر دے اور اگر اس میں زمین پسرِ زید کو نقصان کثیر پہنچے تو پسرِ زید کو اختیار رہوگا کہ وہ عمارت خود لے لے اور اس کی اتنی قیمت عمرو کو دے دے جو اکھیڑے ہوئے عملہ کی ہوتی ہے اور اس میں سے اس کے اکھیڑنے کی اجرت مجرا کرلے مثلاً یہ عمارت حالتِ موجودہ پر نرخ رائج سے ساٹھ روپے کی ہوتی ہے اور اکھیڑ لی جائے تو ٹوٹا ہوا عملہ تیس روپے کا رہ جائے اور دو روپے اس کے اکھڑوانے کی مزدوری میں صرف ہوئے تو پسرِ زید اٹھائیس روپے عمرو کو دے اور عمارت اپنی ملک کرلے۔ تنویر الابصار میں ہے:

من بنی اوغرس فی ارض غیرہ بغیر اذنہ امر بالقلع والرد وللمالک ان یضمن لہ قیمۃ بناء او شجر امر بقلعہ ان نقصت الارض بہ[2]

کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر بنا دی یا درخت لگا دئے تو اس کو درخت اکھاڑنے اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس عمارت یا درخت جس کو اکھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے کی قیمت کا ضمان دے دے اگر اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھی اقل من قیمتہ مقلوعا مقدار اجرۃ القلع فان کانت قیمۃ الارض مائۃ و قیمۃ الشجر المقلوع عشرۃ واجرۃ القلع درھم بقیت تسعۃ دراھم فالارض مع ھذا الشجر

اور اس قیمت میں اکھاڑی ہوئی عمارت یا درخت کی قیمت سے اکھاڑنے کی اُجرت کے برابر کمی کی جائے گی چنانچہ اگر زمین کی قیمت سو درہم ہو اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت دس درہم ہو جبکہ اکھاڑنے کی اجرت ایک درہم ہو تو اس

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۶

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

تقوم بمائة وتسعة دراهم فيضمن المالك التسع، منح[1]

ایک درہم کو نکال کے درخت کی قیمت نو درہم بچی لہذا اس درخت کی قیمت سمیت ایک سو نو درہم میں پڑی تو مالک نو درہم ضمان دے گا، منح۔ (ت)

اور جبکہ نصف مکان بدستور پسر زید کی ملک ٹھہرا اور وہ اس وقت یتیم تھا تو جس دن کہ کل مکان پر عمرو نے قبضہ کیا اس وقت سے پسر زید کے بالغ ہونے تک جتنی مدت گزری کہ زیادہ سے زیادہ گیارہ برس اور کم سے کم آٹھ برس ہوگی اس مدت میں ملک زید کا کرایہ مثل عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک عمرو نے عمارت جدید نہ بنائی تھی اس حیثیت موجودہ پر نرخ عام سے جو اُس مکان کا کرایہ ہوتا ہے کا نصف دینا آئے گا اور جس نے عمارت جدید بنائی اگر عمارت قدیم بھی قائم رکھی تو اتنا ہی واجب رہے گا جو قبل عمارت جدید کے تھا اور اگر عمارت قدیم منہدم کردی تو جو کچھ اس میں قابل تاوان تھا اس کا تاوان عمرو پر آئے گا اور اس کے بعد سے جو خالی زمین کا کرایہ مثل ہو زمان بلوغ تک وہ واجب آئے گا کہ یہ مال یتیم کا تھا اور مال یتیم پر قبضہ کرنے سے بلا عقد اجارہ اجرت مطلق لازم آتی ہے اگرچہ تصرف کرنے والا یتیم کا شریک ہو خواہ بدعوی خریداری وغیرہ تصرف کرے۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاها او عطلها لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا او مال الیتیم فعلی المعتمد تجب الاجرة علی الشریك وبه افتی ابن نجیم او معد اللاستغلال الا فی المعد اذا سکن بتاویل ملك کبیت سکنه احد الشرکاء او عقد کبیت الرهن سکنه المرتهن

غصب کے منافع پر ضمان نہیں چاہے غاصب نے ان منافع کو حاصل کیا ہو یا انھیں معطل رکھا ہو سوائے تین صورتوں کے کہ ان میں غصب کے منافع پر مثلی اُجرت واجب ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ مغصوب وقف ہو یا مغصوب یتیم کا مال ہو تو معتمد مذہب کی بنیاد پر شریک پر اجرت واجب ہوگی اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا ابن نجیم نے، یا وہ مغصوب کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو سوائے اس مغصوب کے جسے کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو مگر غاصب اس میں ملک کی تاویل کے ساتھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴

سکنہ المرتھن ثم بان للغیر معدا للاجارۃ فلا شیئ علیہ[1] اھ ملتقطا۔

سکونت پذیر ہوا ہو جیسے وہ گھر جس میں اس کے شرکا میں سے کوئی ایک سکونت اختیار کرے یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس میں رہائش پذیر ہو جیسے رہن کا مکان جس میں مرتہن نے سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مکان کسی غیر شخص کا ہے جو اجارہ کے لئے بنایا گیا ہے تو اس پر کچھ بھی ضمان نہیں ہوگا اھ (التقاط)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الا فی المعد افاد ان الاستثناء من قولہ او معدا فقط وان الوقف و مال الیتیم یجب فیہ الاجر علی کل حال ولذا قدم الشارح انہ لو شری دارا وسکنھا فظھرت وقفا اولصغیر لزمہ الاجر صیانۃ لھما وقدمنا انہ المختار مع انہ سکنھا بتاویل ملك اوعقد فاحفظہ فقد یخفی علی کثیر[2]۔

ماتن کے قول "الا فی المعد" (مگر یہ اس کو بنایا گیا ہو) نے اس بات کا فائدہ دیا ہے کہ استثناء فقط ماتن کے قول "معدا" سے ہے اور یہ کہ بے شک وقف اور مال یتیم کسی صورت میں ہو بہرحال اجرت واجب ہوگی، اسی واسطے شارح پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کسی نے کوئی گھر خریدا اس میں سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ وقف ہے یا کسی نابالغ کا ہے تو اس پر اجرت لازم ہوگی ان دونوں کی حفاظت کے لئے۔ اور ہم نے پہلے بیان کیا کہ بیشک یہی مختار ہے حالانکہ وہ ملک یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس گھر میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کو یاد کرلے۔ تحقیق یہ بہت سے افراد پر مخفی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لزمہ اجر المثل قال الحموی ھو مبنی علی تصحیح المحیط و ھو الذی ینبغی اعتمادہ وقال الشیخ شرف الدین

اسے مثلی اجرت لازم ہے۔ حموی نے کہا کہ وہ محیط کی تصحیح پر مبنی ہے اور وہ وہی ہے جس پر اعتماد چاہیے۔ شیخ شرف الدین نے کہا وہی

---

[1] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸-۲۰۹

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

هو المختار کما فی التجنیس والمزید قلت وھو ما اعتمدہ فی وقف البحر ومشی علیہ الشارح وافتی بہ فی الخیریۃ وغیرھا فلیحفظ[1]

مختار ہے، جیسا کہ تجنیس اور مزید میں ہے۔ میں کہتا ہوں اسی پر بحر کے باب الوقف میں اعتماد کیا ہے اور اسی پر شارح علیہ الرحمہ چلے ہیں اور اسی کے ساتھ خیریہ وغیرہ میں فتوٰی دیا گیا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔ (ت)

اُسی کے آخر کتاب الشرکۃ میں ہے:

ولوکان وقفا اومال یتیم یلزمہ اجرۃ شریکہ علی ما اختارہ المختارون وھو المعتمد[2]

اگر وہ وقف یا مالِ یتیم ہے تو اس کے شریک کی اجرت لازم ہے جیسا کہ اس کو اختیار کیا ہے اختیار کرنے والوں نے۔ اور وہی معتمد ہے (ت)

یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ یتیم کے مال میں بے احتیاطی برتی۔ ہاں اگر گواہان عادل سے ثابت ہوجائے کہ مختار زید نے عمرو کے ہاتھ پسر زید کا حصہ بیع کیا اور وہ مختار زید کا وصی تھا اور اس وقت یہ نصف مکان مع اس وقت کی عمارت کے بکش ۲۵ روپے یا اس سے بھی کم قیمت کا تھا تو البتہ عمرو اس دعوٰی سے بری ہوجائے گا پھر اس صورت بعید از قیاس میں کہ بیع مذکور جائز ٹھہرے پچاس روپے واپس دینے پر جس کا دعوٰی پسر زید کرتا ہے اس سے حلف نہ لیا جائے گا بلکہ وہی حکم ہے کہ پسر زید اس واپسی کے گواہ دے اور نہ دے سکے تو عمرو کا حلف چاہے تو عمرو سے حلف لیں اگر حلف کرلے پسر زید کا دعوٰی واپسی باطل ہوا اور عمرو حلف سے انکار کردے تو پچاس روپے پسر زید کو دے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۲ تا ۱۵۳ مسئولہ بنگالی ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک یتیم نے کنوئیں میں سے پانی اپنے واسطے یا دوسرے شخص کے واسطے بھرا اور اس پانی کو یتیم نے بجبر یا اپنی خوشی سے پھر کنوئیں میں ڈال دیا ان دونوں صورتوں میں اس کنوئیں کا پانی قابلِ استعمال رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ نے کنوئیں سے پانی اپنے یا کسی

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۸

[2] ؎ کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ؎ ؎ ۳/ ۳۵۷

دوسرے شخص کے واسطے بھرا اس پانی سے بالغ شخص کو وضو کرنا پینا وغیرہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور ہر شئی نابالغ کی خریدی ہوئی یا لائی ہوئی کا شخص بالغ کو استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ اور وہ نابالغ خود اپنی اولاد ہو یا غیر، سب کا ایک حکم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) نابالغ جس پانی کا مالک ہو خواہ یوں کہ اس نے اپنے یا کسی کے نئے کنویں سے بھرا اور کنویں کی حد سے باہر نکال لیا یا اس کے پاس برتن میں اپنی ملک پانی اس کنویں سے جدا تھا اور وہ خود اس نے بخوشی یا بجبر کنویں میں ڈال دیا یا کسی اور نے اس کی اجازت سے خواہ بے اجازت کنویں میں الٹ دیا غرض کسی طرح نابالغ کی ملک پانی کنویں میں مل گیا تو اب جب تک اس میں وہ پانی رہے گا اس بچہ کے سوا کوئی کسی طرح اس کا پانی استعمال نہیں کرسکتا، اس میں بچہ کی ملک ملی ہوئی ہے اس کے ہبہ یا مباح کردینے کا کسی کو اختیار نہیں، نہ اس کی بیع ممکن کہ بیع میں تسلیم پر قدرت شرط ہے اور اس پر قبضہ دلانا ممکن نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ملأ الصبی کوزا من حوض ثم صبہ فیہ لم یحل لاحد ان یشرب منہ[1] نابالغ بچے نے حوض سے کوزہ بھرا پھر اسی میں انڈیل دیا تو کسی کے لئے حلال نہیں کہ اس سے پانی پئے۔ (ت)

اس کا چارہ کار یہ ہے کہ جتنا پانی اس نے کنویں میں ڈالا اُتنا یا اس سے زائد بھر کر اُس نابالغ کو دے دیا جائے یا وہ خود بھر لے اس کے بعد باقی پانی مباح ہوجائے گا کما حققناہ علی ھامش الغنیۃ (جیسا کہ غنیہ کے حاشیے میں ہم نے اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کنویں کی مَن سے جب پانی باہر نکلتا ہے بھرنے والے کی ملک ہوجاتا ہے، نابالغ کی ملک میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں، ہاں ماں باپ فقیر ہوں بقدر حاجت تصرف کرسکتے ہیں، یہ کلیہ ہے جو چیز نابالغ کی ملک ہو خواہ خریدی ہوئی یا کسی طرح کی لائی ہوئی اس میں فقیر والدین کے سوا کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور اس کی ملک نہ ہو تو مالک کی اجازت سے تصرف ہوسکتا ہے۔

فی غمز العیون عن شرح المجمع غمز العیون میں بحوالہ ذخیرہ شرح المجمع سے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۵۰

عن الذخیرۃ اذا جاء صبی بالکوز من ماء مباح لایحل لابویہ ان یشربا منہ اذا کانا غنیین لان الماء صار مملوکا لہ ولا یحل لھما الاکل من مالہ بغیر حاجۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

منقول ہے اگر بچہ مباح پانی سے کوزہ بھر لائے تو اس بچے کے مالدار ماں باپ کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کوزے سے پانی پئیں کیونکہ وہ پانی اس بچے کی ملکیت ہوگیا اور ماں باپ کو حاجت کے بغیر بچے کا مال کھانا حلال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۴: از شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ قاضی محمد عیوض صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد نے بحالتِ مرض سَو روپے زید کے پاس امانۃً جمع کئے اور وصیت کی کہ تندرست ہوگئی تو یہ روپیہ لے کر حج کو جاؤں گی اور اگر مرگئی تو تم کو اختیار ہے کہ کسی کارِ خیر میں صرف کردینا اُس میں سے میرے کسی رشتہ دار کو ایک حبہ نہ دیا جائے، دوبارہ اس ماہ کے بعد سَو روپے اور زید کے پاس جمع کئے اور وصیت کی کہ یہ رقم دوبارہ جمع شدہ بعد میرے مرنے کے تجہیز وتکفین اور ایک سال تک میری فاتحہ درود میں خرچ ہوں اور رقم سابق جس کی وصیت کرچکی ہوں اس کارِ خیر میں اٹھائی جائے اب وصیت سے ایک ماہ بعد مسماۃ کا انتقال ہوگیا للعہ اس کی تجہیز وتکفین فاتحہ میں صرف ہوئے جس کو ابھی سال نہ ہوا ماسے باقی ہیں اور پہلی رقم بجنسہٖ موجود ہے کل ماسے باقی ہیں ہندہ کی ایک ہمشیرہ حقیقی دوسری بھتیجی جس کا باپ بیس سال سے مفقود الخبر ہے اور ایک ہندہ کے شوہر ثانی کی لڑکی ہے وہ ہندہ کی دختر نہیں اب کس طرح تقسیم ہو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہندہ کی بہن کے بیان سے واضح ہُوا کہ ہندہ نے ان روپوں کے سوا اتنی چیزیں اور چھوڑیں چوڑیاں (صر)، توڑا (صر)، بالی پتے (صر)، کپڑے (عـہ)، پانچ برتن وزنی تخمیناً سوسیر، ان میں چوڑیاں اپنی موت سے آٹھ دن پہلے اپنے جیٹھ کی نواسی کو دے دیں اور توڑے اور بالی پتوں کی بھی اسی کے لئے وصیت کی، کپڑوں اور برتنوں میں کوئی وصیت نہ کی، اس کی تجہیز وتکفین میں بیس روپے اُٹھے اور چالیس روپے کے کھانے پکوا کر صرف مساکین دیئے ہندہ کا بھائی جس وقت مفقود ہوا اس کی عمر چالیس سال تھی اور ہندہ پر کوئی قرض نہیں بر تقدیر صدق جملہ بیانات مذکور بیس روپے کہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۵۰

تجہیز و تکفین میں صرف ہوئے وہ تو حاجتِ اصلیہ میں اُٹھے شاملِ وصایا نہیں، وصیت گویا ان روپوں میں ایک سَو اَسّی کی ہے اور پندرہ کی اس نواسی کے لئے کل وصیت ایک سو پچانوے کی ہے اور جملہ متروکہ دو سَو آٹھ روپے، اس کی تہائی انہتر روپے پانچ آنے چار پائی، یہاں تک بے اجازت ورثہ نافذ ہوگی اور ثلث جب وصایا پر تنگی کرے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو وصیت ثلث کو مجموع وصایا سے ہے اُسی نسبت سے ہر وصیت نفاذ پائے گی مثلاً ثلث اگر مجموع وصایا کا نصف ہے تو ہر وصیت اپنے نصف میں نافذ ہوگی اور تہائی تو تہائی، وعلٰی ہذا القیاس۔ غایۃ البیان میں شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی سے ہے:

الوجہ فی ذٰلک ان تجمع الوصایا کلھا و ینظر الیھا والی الثلث والٰی نقصانہ من الوصایا فان کان النقصان مثل نصف الوصایا ینقص من کل وصیۃ نصفھا وان کان النقصان مثل ثلثھا ینقص من کل وصیۃ ثلثھا نحو ما اذا بلغت الوصایا الف درھم لاحدھم مائۃ وللاٰخر مائتان وللاٰخر ثلثمائۃ وللاٰخر اربعمائۃ وثلث مالہ خمسمائۃ فالنقصان من خمسمائۃ الی مبلغ الوصایا مثل نصفھا خمسمائۃ فینقص من کل وصیۃ نصفھا لصاحب المائۃ خمسون و لصاحب المئتین مائۃ وعلٰی

اس میں توجیہ یہ ہے تمام وصیتوں کو جمع کرکے ان وصیتوں اور میّت کے مال کی ایک تہائی کو دیکھا جائے گا کہ وہ تہائی مال وصیتوں کے مجموع سے کتنا کم ہے اگر وہ کمی وصیتوں کے نصف کے برابر ہے تو ہر وصیت سے اس کا نصف کم کردیا جائے گا، اور اگر کمی وصیتوں کے مجموع کی تہائی کے برابر ہے تو ہر وصیت میں سے اس وصیت کا تیسرا حصہ کم کردیا جائیگا جیسے کسی شخص نے مجموعی طور پر ہزار درہموں کی وصیت کی یعنی ایک شخص کے لئے سو درہم، دوسرے کے لئے دو سو درہم، ایک اور شخص کے لئے تین سو درہم، اور مزید ایک شخص کیلئے چار سو درہم کی وصیت کی جبکہ اس کے مال کا تہائی حصہ پانچ سو درہم ہے، تو اس طرح وصیتوں کے مجموعے سے کمی نصف کے برابر ہوتی یعنی پانچ سو درہم کم ہیں چنانچہ ہر وصیت میں سے نصف کم کردیا جائے گا یعنی سو کی وصیت والے کو پچاس اور دو سو والے کو سو درہم دیں گے اور اسی پر دیگر کو قیاس

ھذا القیاس[1]۔

(کرلو۔ ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) یا یوں کریں کہ ہر وصیت کو جو نسبت مجموعہ وصایا سے ہے ہر ایک کے لئے اتنا ہی حصہ ثلث سے دیں جو وصیت مجموع وصایا کی نصف ہو اس کے لئے ثلث کا نصف دیں، اور جو ربع ہو اس کے لئے ربع، وقس علیہ، دونوں طریقوں کا حاصل ایک ہے اگر ثلث کا حصہ دریافت کرنا ہو کہ اس میں سے فلاں وصیت کو کیا ملے گا تو یہ طریقہ کہ فقیر نے ذکر کیا عمل میں لائیں، اور اگر وصیت کسی عین مثلاً گہنے یا برتن یا مکان وغیرہ کی ہے اور معلوم کرنا چاہیں کہ اس عین کا کتنا حصہ دیا جائے گا تو وہ پہلا طریقہ برتیں مثلاً پہلے طریقہ پر جو نسبت للعہ کو مائعہ یا دو سو اٹھ کو پانچ سو پچاسی بلکہ سولہ کو پینتالیس سے ہے اسی نسبت پر ہر وصیت دی جائے گی یعنی ہر وصیت سے $\frac{16}{45}$ نافذ کریں گے، چوڑیاں اور توڑا اور بالی پتے ہر ایک سے اتنا ہی حصہ جیٹھ کی نواسی کا ہے اور ہر ایک سے $\frac{29}{45}$ وارثوں کا، اگر ان تینوں چیزوں کی قیمت ۶۵ ہے تو ان میں سے وصیت کا حصہ پانچ روپیہ پانچ آنے چار پائی ہوگی، اور دوسرے طریقہ پر جبکہ ان کی قیمت ۶۵ ہے اور مجموع وصایا ۱۹۵ تو یہ وصیت اس مجموع کا تیرھواں حصہ ہوئی تو ثلث یعنی للعہ ۴ پائی کا تیرھواں حصہ اس کا نصیب ہوگا جس کے وہی ۵ ۴ پائی ہوئے۔

یوں ہی دونوں حسابوں پر کار خیر کے لئے سو روپوں کی وصیت تھی اس کا حصہ سینتیس روپے پونے نو آنے ایک صحیح دو تہائی پائی ۱ $\frac{2}{3}$ پائی آئے گا اور فاتحہ کی وصیت اسّی روپے میں رہی تھی اس کا حصہ اٹھائیس روپے سات آنے ایک صحیح ایک تہائی پائی ۱ $\frac{1}{3}$ پائی۔ فاتحہ میں اس کے حصہ سے زائد اٹھادیے مگر فاتحہ بھی جبکہ صرف مساکین پر صرف کی گئی کار خیر ہے اور مجموعہ ان دونوں وصیتوں کے حصول کا جو کار خیر و فاتحہ کے لئے تھیں چونسٹھ ۶۴ روپے ہوئے ان میں سے چوالیس ۴۴ اٹھ گئے اور اس نے سال بھر میں اٹھانے کو کہا تھا وہ سال سے پہلے ہی اٹھادے اس میں بھی کچھ حرج نہ ہوا بلکہ جلدی ہی بہتر تھی،

فی الھندیۃ عن الخانیۃ عن الجامع اذا اوصی بثلث مالہ للمساکین یتصدق منہ

ہندیہ میں بحوالہ جامع خانیہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنا تہائی مال مسکینوں کو دینے کی وصیت کی اس طور پر کہ ہر سال اسکے تہائی مال

---

[1] غایۃ البیان

كل سنة ثمانية دراهم او قال اوصيت بان يتصدق من ثلثي كل سنة مائة درهم فالوصي يتصدق بجميع الثلث في السنة الاولى ولا يوزع على السنة[1]

سے ان پر اٹھارہ درہم صدقہ کیے جائیں یا یوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصہ سے ہر سال سو درہم صدقہ کیے جائیں یا یوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصہ سے ہر سال سو درہم صدقہ کیے جائیں، تو اس صورت میں وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے۔ (ت)

تو اب فقط بیس۲۰ روپے کارِ خیر میں اور خرچ کردیں اور اُتنا حصہ چوڑیوں، توڑے، بالی پتوں کا یعنی ہر ایک میں سے ۱۶/۴۵ اس وصیت کا حصہ ہوا باقی ان تین گہنوں میں ہر ایک کا ۲۹/۴۵ اور کپڑے اور برتن پورے اور ایک سو سولہ روپے یہ سب حق ورثہ رہے، بھتیجی یا شوہر ثانی کی لڑکی تو اصلاً وارث نہیں صرف بہن وارث ہے اور وہ مفقود الخبر بھائی، لہٰذا وہ جسے ہندہ نے امین و وصی کیا تھا بیس۲۰ روپے کارِ خیر میں خرچ کرے، بہن اور جیٹھ کی نواسی تقسیم چاہیں تو ان تینوں گہنوں کے ۱۶/۴۵ جیٹھ کی نواسی کو دے دے اور ان کے ۲۹/۴۵ اور کپڑے اور برتن اور ۱۱۶ روپے سب میں سے ایک تہائی بہن کو دے دے اور ہر ایک کی دو تہائی بھائی کے لئے اٹھا رکھے یہاں تک کہ اس مفقود کی عمر سے ستر برس گزر جائیں، اگر یہ صحیح ہے کہ چالیس برس کی عمر میں مفقود ہوا تھا اور مفقود ہوئے بیس۲۰ برس گزرے تو دس۱۰ برس اور انتظار کریں اگر اس دس برس میں وہ زندہ ظاہر ہو تو یہ دو تہائی اسے دے دیں، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ کے بعد مرگیا تو یہ دو تہائی اس کی بیٹی وغیرہ اس کے ورثہ کو دے دیں جو مفقود کی موت کے وقت اس کے وارث تھے، اگر یہی بہن بیٹی اس کے وارث تھے تو ان دو تہائی کا نصف مفقود کی بیٹی کو دیں اور نصف بہن کو، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ سے پہلے مرگیا یا اس کی عمر سے ستر برس گزر جائیں اور اسکی موت حیات کا کچھ حال نہ معلوم ہو تو یہ دو تہائی بھی ہندہ کی بہن ہی کو دے دیں۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

ذكر في الذخيرة والخانية والخلاصة والحافظية ان قسمة الاب و وصيه ولو بمراتب جائزة على

ذخیرہ، خانیہ، خلاصہ اور حافظیہ میں مذکور ہے کہ باپ اور وصی کی تقسیم نابالغ پر ہر شَے میں جائز ہے اگرچہ کئی مرحلوں میں ہو جب تک کہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۳۵

الصبی فی کل شیئ مالم یکن بفاحش الغبن وکذا قسمۃ الجد الصحیح ووصیہ عند عدم الاب ووصیہ وکذا تجوز قسمۃ ھٰؤلاء علی الکبیر الغائب فی غیر العقار وکذا قسمۃ وصی نحو الام من العم وابنہ والاخ وابنہ ان کانت (ای القسمۃ) فی عروض ترکۃ الموصی ولم یکن ھناک من ھو اقوی منہ من الاوصیاء[1] اھ باختصار۔

غبنِ فاحش کے ساتھ نہ ہو یونہی جدِ صحیح اور اس کے وصی کی تقسیم جبکہ باپ اور اس کا وصی نہ ہو۔ اسی طرح مذکورہ بالا حضرات کی تقسیم بالغ غائب پر اس کی منقولہ جائیداد میں جائز ہے یونہی ماں کے وصی کی تقسیم اس حصہ میں جو نابالغ کو ماں کی طرف سے ملا۔ یہی حکم چچا، اس کے بیٹے، بھائی اور اس کے بیٹے کے وصی کی تقسیم کا ہوگا جب کہ وہ تقسیم ترکہ موصی کے سامان میں جاری ہو اور وہاں ان سے اقوٰی کوئی وصی موجود نہ ہو اھ (اختصار)۔ (ت)

اُسی میں خانیہ سے ہے:

ان کانوا (ای الورثۃ) کبارا کلھم وبعضھم غائب فقاسم الوصی مع الحاضرین برضاھم وامسک انصباء الغائبین جازت قسمتہ[2]۔

اگر وہ وارث بالغ ہوں تمام یا بعض غائب ہوں اور وصی حاضرین کی رضامندی سے ان میں میراث تقسیم کردے اور جو غائب ہیں ان کے حصے روک لے تو یہ تقسیم جائز ہوگی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی جامع الصغیر اذا قاسم (ای الوصی) للموصی لہ بالثلث فان کانت الورثۃ صغارا کلھم او غائبین فقاسمہ واعطاہ الثلث وامسک الثلثین للورثۃ جاز مقاسمتہ وان کان

جامع الصغیر میں ہے کہ جب وصی اس شخص کے لئے ثُلث مال کا مقاسمہ کرلے جس کے لئے وصیت کی گئی پھر اگر تمام ورثاء نابالغ ہیں یا تمام غائب ہیں تو اس نے مقاسمہ کرکے تہائی مال وصیت والے کو دے دیا اور دو تہائی وارثوں کے لئے روک لیا تو اس کا مقاسمہ جائز ہے

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۲-۲۵۱

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۲۵۳

بعضهم صغارا اوغائبا تجوز مقاسمة الوصی فیما سوی عقار الغائبین اما لوقاسم للورثۃ علی الموصی لہ بان کان الموصی لہ ھوالغائب و امسک لہ الثلث لم تجز مقاسمتہ و مثلہ فی الولوالجیۃ واستدل بان الوصی قائم مقام الموصی والورثۃ خلف عن الموصی فکان الوصی قائما مقام الورثۃ فتصح مقاسمتہ للموصی لہ عن الورثۃ والموصی لہ لیس بخلف عن الموصی فلا یقوم الوصی مقامہ فلا تجوز مقاسمتہ للورثۃ عن الموصی لہ وھذا معنی ما فی الجامع الصغیر والھدایۃ والسراجیۃ والخلاصۃ والمنیۃ والغنیۃ والبنیۃ وغیرھا[1] اھ مختصرا۔

اور اگر ان میں سے بعض نابالغ یا غائب ہیں تو وصی کا مقاسمہ غائب وارثوں کی غیر منقول جائداد کے ماسوا میں جائز ہوگا، اور اگر اس نے وارثوں کے لئے وصیت والے شخص پر مقاسمہ کیا بایں صورت کہ وہ وصیت والا شخص غائب تھا اور وصی نے اس کے لئے تہائی مال روک لیا تو اس کا مقاسمہ جائز نہیں، اور اسی کی مثل ولوالجیہ میں ہے، اور استدلال یوں کیا گیا ہے کہ وصی موصی کے قائم مقام ہے اور ورثاء موصی کے پسماندگان ہیں تو گویا وصی وارثوں کے قائم مقام ہوگیا لہذا وصیت والے شخص کے لئے اس کا وارثوں سے مقاسمہ کرنا صحیح ہے، اور وصیت والا شخص موصی کا جانشین نہیں لہذا وصی اس کے قائم مقام نہیں ہوگا تو وصیت والے شخص سے وارثوں کے لئے اس کا مقاسمہ جائز نہیں ہوگا، اور یہی معنی ہے اس کا جو کچھ جامع صغیر، ہدایہ، سراجیہ، خلاصہ، منیہ، غنیہ اور بغیہ وغیرہ میں ہے الخ (اختصارًا)۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از جائس ضلع رائے بریلی محلہ غوریانہ خورد مرسلہ عبدالحمید صاحب معرفت حافظ علی بخش صاحب ساکن بریلی محلہ بہاری پور ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرحومہ نے اپنے دمِ واپسیں اپنے زیورات کے بارہ میں یہ وصیت کی کہ اس کو فروخت کرکے میرے نام کا ایک چاہ بنوادیا جائے کہ جس میں مجھ کو ثواب ملے لیکن یہاں جامع مسجد میں جب کثرت نمازیوں کی ہوتی ہے تو صحنِ مسجد میں بھی دو ایک صفیں نمازیوں کی ہوجایا کرتی ہیں ایامِ گرما میں بوجہ تمازتِ آفتاب زمین بھی نہایت گرم رہتی ہے اور اوپر کی دھوپ اور بھی اُن نمازیوں کے لئے جو صحن میں ہوتے ہیں

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷-۲۵۶

باعثِ تکلیف ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اگر مرحوم کی وصیت کو نہ خیال کیا جائے اور بجائے تعمیر چاہ کے صحنِ مسجد میں ایک سائبان ٹین کا تعمیر کرایا جائے کہ جس سے نمازیوں کو آرام ملے تو وصیتِ مرحوم کی وجہ سے کسی قسم کا نقص شریعت کی رُو سے تو نہیں ہے کیونکہ مرحوم کی وصیت چاہ کے بارے میں ہوئی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وصیت میں ایسی تبدیلی جائز نہیں،

لان حفرۃ البئر قربۃ مقصودۃ فلا تغیر کما حققناہ فی ما علی رد المحتار علقناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ کنواں کھودنا قربتِ مقصودہ ہے لہٰذا اسے غیر سے بدلا نہ جائیگا جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں کر دی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۶: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ساکن درتیس برہ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کل جائداد اپنے بیٹے عمرو کے نام ہبہ کردی اور قبضہ تام کرادیا بعدہ عمرو کا انتقال ہوگیا اور عمرو نے دو لڑکے نابالغ اور ایک لڑکی نابالغہ اور ایک زوجہ اور والدین چھوڑے، ان میں سے ہر ایک کو موافق فرائض کے حصص پہنچے اور کاغذات مال میں عملدرآمد ہوگیا، اس کے بعد لڑکی کا بھی انتقال ہوگیا اس نے ایک دادا اور دادی اور ایک دختر اور شوہر چھوڑے ان کو اس کی جائداد سے حصص شرعی پہنچے اور کاغذات مال میں تکمیل ہوگئی لیکن چونکہ اس گھر میں ذکور میں سے عاقل و بالغ کوئی سوائے زید کے نہ رہا لہٰذا زید ہی سب کی طرف سے کل حصص کا کارکن و منتظم رہا بالغان کی طرف سے باجازت اور نابالغان کی طرف سے بولایت اور کسی کا حساب و روپیہ اپنی حیات بھر علیحدہ نہ کیا اور نہ کسی کی آمدنی اس کے قبضہ میں دی بلکہ اپنی اور سب کی آمدنی مخلوطا اپنے ہی پاس رکھی اور جہاں چاہا محض اپنی رائے سے اس مشترک آمدنی سے صرف کرتا رہا یعنی سب شرکاء کے ضروری اخراجات علاوہ خیرات و میرات مثل بنا مسجد و چاہ و پل اور جائداد خرید کر وقف کرنا اور روپیہ غربا، عرب و عجم کو تقسیم کرنا اور حج کے واسطے ضرورت سے زائد ہمراہ لے جانا اور اپنے دوست و احباب و رعایا کو قرض اتنا دینا جس کی امید وصول نہیں اور ان امور میں سے کچھ نہ کسی شریک بالغ یا نابالغ کی اجازت سے تھا اور نہ ان میں کوئی راضی تھا بلکہ نابالغوں

نے بعد بلوغ اور بالغان نے جب یہ حالت دیکھی تو ان کو شاق گزرا مگر چونکہ زید سب کا بزرگ اور ذی عب
شخص تھا اس واسطے کوئی اس سے تاحین حیات نہ اپنا حساب اور نہ اپنی آمدنی طلب کر سکا اور
نہ اپنا حصہ اس کے قبضہ سے نکال کر خود قابض ہو سکا البتہ زید نے اول حصہ جائداد کا جو ترکہ پسر سے
اس کو پہنچا تھا ہر دو نبیرگان کے نام بیع کر کے امین باز زرثمن یہ الفاظ تحریر کرائے کہ کل زرثمن ہم نے
بوجہ محبت قلبی مشترکان کو بخش دیا اور دوسری حصہ جائداد کا جو ترکہ دختر پسر سے پہنچا تھا دونوں نبیروں
کے نام بیعنامہ لکھا اور اس میں یہ لکھا کہ زرثمن تمام وکمال وصول پایا زید نے اس کے بعد اس مشترکہ
آمدنی سے اپنے نام سے خرید کی اور زید کا ایک مکان بھی ذاتی تھا اس نے اس جائداد اور مکان کا
بیعنامہ بھی نبیرگان مذکور کے نام کر دیا اور اس میں بھی کل زرثمن کی وصولیابی تحریر کر دی مگر یہ دونوں
وصولیابیاں فرضی تھیں اور اس سے بھی زرثمن کا معاف کرنا مقصود تھا پہلے اور دوسرے بیعنامہ کے
وقت ایک نبیرہ بالغ اور دوسرا نابالغ تھا اور تیسرے بیعنامے کے وقت دونوں بالغ تھے، ان بیعناموں
میں کسی سے قبل زبانی کوئی بیع نہ ہوئی تھی نہ کسی طرف سے کوئی ایجاب یا قبول ہوا سوائے اس کے کہ
زید نے تحریر بیعنامہ سے پہلے اپنے مکان پر نبیروں سے کہا ہم چراغ سحری ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اپنی جائداد
تم دونوں کے نام نصف نصف کر دیں کہ ہمارے بعد جھگڑا نہ ہو۔ نبیروں نے کہا بہت اچھا۔ اس کے بعد
شہر جا کر انھوں نے یہ بیعنامے تحریر کرا دیئے اور اس کی تکمیل کو نبیروں نے قبول رکھا اور جس قدر زرثمن
بیعناموں میں لکھا گیا کسی وقت وہ اس مال کی قدر نہ تھا جو زید اول مصارف بالائی میں بلا رضا و اجازت
نبیرگان صرف کرتا رہا وہ مال زرثمن سے ہمیشہ زائد تھا، اب زید کا انتقال ہو گیا اس نے آمدنی مشترکہ
سے کچھ زرنقد اور اثاث البیت چھوڑا اور کچھ اپنا ذاتی روپیہ چھوڑا اور اشخاص مذکورین مشارکین الحصص
میں سے یہ ورثاء چھوڑے دو نبیرگان، ایک زوجہ علاوہ ازیں ایک زوجہ مع دختر اپنی چھوڑی کہ مذکورین
سابق سے نہ تھی، اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ اس جائداد کا زید منتظم و کارکن تھا اور زید نے
بلا رضامندی مالکان تصرفات مذکورہ بالا کئے وہ زید پر قرضہ ہو گا یا نہیں؟ درصورت قرضہ قرار پانے
جو زرنقد ملک زید تھا وہ قرضہ میں دیا جائے گا یا ترکہ تقسیم ہو گا اور جو جائداد زید نے اپنے نبیرگان
کے نام بیعنامہ بصور مختلف مذکورہ بالا بیع کی وہ یا زرثمن معاف شدہ قرضہ میں مجرا ہو گا یا نہیں؟
اور مشترکہ روپیہ اور اثاث البیت کس طرح تقسیم ہو گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں مال مشترک سے جس قدر روپیہ زید نے خیرات و میراث مذکورہ میں

صرف کیا اس میں سے حصہ نابالغان کا تاوان اس پر لازم ہونا توظاہر ہے لانہ لایملك التبرع بمالھم (اس لئے کروہ نابالغوں کے مال میں تصرف کا مالک نہیں۔ ت) یونہی قرض مذکورہ کہ وہ بھی تبرع ہے۔ ادب الاوصیاء میں عمدہ و ولوالجیہ وقنیہ وخلاصہ سے ہے:

لایقرض الاب ولاوصیہ مال الیتیم[1] | باپ اور وصی یتیم کے مال کو قرض پر نہیں دے سکتے۔ (ت)

یُوں ہی جبکہ بالغوں کی بھی رضا واجازت نہ تھی تو اُن کا بھی تاوان زید پر عائد اگرچہ انھوں نے زید کو صرف کرتے دیکھا اور اس کے رعب سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اشباہ میں ہے:

لو رأی غیرہ یتلف مالہ فسکت لایکون اذنا باتلافہ[2] | اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مال برباد کرتے دیکھ کر چُپ رہا تو یہ اس کی طرف سے برباد کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ زرنقد یا جو ترکہ زید نے چھوڑا اس سے ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے اور یہ تاوان بھی زید پر دَین ہیں تو جب تک ادا نہ ہولیں ورثائے زید کو ترکہ نہ پہنچے گا جائداد کہ زید نے اپنے نام خریدی اسی کی مِلک ہوئی اگرچہ اس کی قیمت زرِ مشترک سے ادا کی اس سے شرکاء کا جائداد خریدکردہ میں حصہ نہیں ہوجاتا ہاں زرِثمن کہ مالِ مشترک سے دیا ہے ہر شریک کا اس میں جتنا حصہ تھا اُتنے کا تاوان زید پر آیا کہ یہ بھی اگلے تاوانوں میں شامل ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

مااشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترك[3] | شرکاء میں سے اگر کسی نے کوئی چیز اپنی ذات کے لئے خریدی تو وہ اُسی کی ہوگی اور وہ ثمن میں سے دیگر شرکاء کے حصّوں کا ضامن ہوگا جبکہ اُس نے ادائیگی مالِ مشترک سے کی ہو۔ (ت)

تو ظاہر ہوا کہ تینوں بیعنامے صحیح ہوئے ہر ایک میں زید نے اپنی ہی ملک نبیران کے نام بیع کی اور نبیرے اُن سب مبیعوں کے مالک ہوگئے۔

---

[1] آداب الاوصیاء علٰی ہامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

والبيعان الاولان وان لزم فيهما تفريق الصفقة لان احد المبيع منهما كان صغيرا ثم البيع فی حقه بمجرد الایجاب والاخر بالغا تاخر فی حقه الی قبوله لکنه لیس تفریقا علی البائع بل منه فلا یضر لانه انما کان یمنع لحقه فاذا رضی به فلا حرج کمن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد وللمشتری الخیار لتفرق الصفقة علیه کما فی الهدایة[1] لا للبائع وان تفرقت علیه ایضا لان التفرق جاء منه فیکون راضیا به کما فی البنایة[2]۔

پہلی دونوں بیعوں میں اگرچہ تفریقِ صفقہ لازم ہے کیونکہ جن دو لڑکوں کے نام بیع کی گئی ان میں سے ایک نابالغ ہے، پھر اُس نابالغ کے حق میں بیع فقط ایجاب سے ہوئی اور دوسرا چونکہ بالغ ہے لہذا اس کے حق میں بیع اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوگئی لیکن صفقہ میں یہ تفریق بائع پر لازم نہیں آئی بلکہ اس کی طرف سے لازم آئی چنانچہ یہ نقصان دہ نہیں۔ اس لئے کہ ممانعت تو اس کے حق کی وجہ سے تھی جب وہ اس پر راضی ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسے کسی نے گندم کا ڈھیر بیچا کہ ہر بوری ایک درہم کی ہے تو یہ بیع ایک بوری میں جائز ہوگئی اور چونکہ مشتری پر صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے لہذا اس کو اختیار ہے جیساکہ ہدایہ میں ہے بائع کو اختیار نہیں ملے گا اگرچہ اس پر بھی صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے کیونکہ یہ متفرق ہونا اس کی طرف سے لازم آیا ہے تو اس طرح وہ اس پر راضی ہوا، جیساکہ بنایہ میں ہے۔ (ت)

تو یہ جائدادیں اُس تاوان کی زیر پا نہیں ہوسکتیں۔ رہے ان کے زرِ ثمن پچھلے دونوں بیعنامے جن میں زرِ ثمن کا فرضی وصول لکھ دیا ان کا مطالبہ نبیروں پر سے ساقط نہ ہوا اگرچہ اس سے مقصود یہی ہو کہ زرِ ثمن مشتریوں کو معاف ہوجائے کہ شرع میں دربارۂ عقود و معاملات معانی الفاظ پر نظر ہے، نہ مقاصد و اغراض پر، ورنہ حیلِ شرعیہ یکسر باطل ہوجائیں وقد حققناہ فی کاسر السفیہ الواھم (اور اس کی تحقیق ہم نے رسالہ کاسر السفیہ الواھم میں کردی ہے۔ ت) یہاں لفظ اقرار وصول ہے اور وہ نہ ہبہ ہے نہ ابرا بلکہ ایک غلط خبر تو مجرد

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ ؍؍ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۲۱

نیت سے دَین ساقط نہ ہوجائے گا اقرار کاذب و دیانۃً تو باطل ومحض بے اثر ہے اور قضاءً بھی جبکہ اس کا راضی ہونا ثابت ہوجیسا کہ یہاں ہے کہ خود نبیروں کو اُس کے فرضی ہونے کا اقرار ہے بلکہ یہاں جبکہ زید پر نبیروں کا مطالبہ تاوان حقیقۃً موجود تھا تو اقرار وصول کو فرضی ٹھہرانے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ اپنا مطالبہ ثمن اُن کے مطالبہ تاوان کی مجرائی سے وصول پانا مراد ہوسکتا ہے اور معنی صحیح و صادق بنتے ہوئے اقرار غلط وکاذب پر محمول نہ کرینگے ہاں پہلا بیعنامہ جس میں ہبہ ثمن لکھا ہے یہ ہبہ نبیرۂ نابالغ کے لئے صحیح ہوگیا اور بالغ کے حق میں صحیح نہیں کہ باپ یا دادا جب اپنے نابالغ بچہ کے نام بیع کریں تو بیچا کہتے ہی بیع تمام ہوجاتی ہے اور یہی ایک لفظ ایجاب قبول دونوں قرار پاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

وینعقد ایضا بلفظ واحد کما فی بیع القاضی والوصی والاب من طفلہ و شرائہ منہ فانہ لوفور شفقتہ جعلت عبارتہ کعبارتین[1]

اس کا انعقاد ایک ہی لفظ کے ساتھ بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ قاضی اور وصی کی بیع۔ اور باپ کی بیع وشراء اپنے نابالغ بیٹے کے لئے، اس لئے کہ کمال شفقت کی وجہ سے اس کی عبارت دو عبارتوں کی طرح بنادی گئی ہے۔ (ت)

ادب الاوصیاء میں ہے:

فی شرح الطحاوی الجد الصحیح کالاب فی ذٰلک یعنی عند عدمہ[2]

شرح طحاوی میں ہے کہ اس مسئلہ میں جد صحیح بھی باپ کی طرح ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی میں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ بیعناموں میں پہلے شیئ کی بیع کرنا لکھا جاتا ہے اس کے بعد ثمن ہبہ کرنا تو یہ ہبہ حق نابالغ میں بعد تمامی بیع واقع ہوا اور صحیح ہوگیا تو اس بیعنامہ کے نصف ثمن کو جو نبیرۂ نابالغ کے لئے ہبہ ہوا اس نابالغ کے آتے ہوئے تاوانوں میں مجرا نہ کریں گے کہ ہبہ تملیک بلاعوض ہے اور مجرا ہونا معاوضہ تو خلاف تصریح زید اسے معاوضہ نہیں کہہ سکتے۔ عالمگیری میں ہے:

من علیہ الدین اذا وھب مالا

جس شخص پر قرض ہو اگر وہ کچھ مال قرض کے

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۲

من رب الدین یملکہ رب الدین بالھبۃ لا بالدین کذا فی المحیط۔[1]

مالک کو بطور ہبہ دے دے تو وہ بطور ہبہ اس کا مالک بن جائے گا نہ کہ بطور قرض کی وصولی کے۔ محیط میں یونہی ہے۔(ت)

مگر نصف ثمن کہ دوسرے نبیرۂ نابالغ کو ہبہ کیا یہ ہبہ باطل ہوا کہ حسبِ تصریح مسائل یہاں کوئی بیع پہلے نہ ہوئی تھی یہی بیعنامہ ایجاب بیع تھا اور اس میں ہبۂ ثمن لکھا گیا اور حق بالغ میں نفس ایجاب سے بیع تمام نہ ہوئی اور ثمن واجب نہیں ہوتا جب تک بیع کے دونوں رکن ایجاب و قبول متحقق نہ ہولیں تو یہ ہبہ اس وقت ہوا کہ ابھی ثمن اس نبیرۂ بالغ پر واجب ہی نہ ہوا تھا اور ہبہ قبل وجوب باطل ہے۔ فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

لو قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراھم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع ولا یبرء المشتری عن الثمن لان الثمن لا یجب الا بعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلا یصح۔[2]

اگر کسی شخص نے کہا یہ شیئ میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض فروخت کردی اور دس درہم تجھے ہبہ کردئے پھر مشتری نے قبول کرلیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری ثمنوں سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن قبولِ بیع کے بعد واجب ہوتے ہیں تو جب اُس نے قبول سے پہلے ثمنوں سے مشتری کو بری قرار دے دیا تو یہ بری کرنا سبب سے پہلے ہوا لہذا صحیح نہیں ہوگا۔(ت)

مشترک روپے اور اثاث البیت سے اس زوجہ اور نبیران کے ذاتی حصے الگ کرلئے جائیں گے جو اس میں شریک تھے اور جب کوئی ذریعۂ تمیز نہ ہو تو زید اور یہ تینوں اُس زر و اثاث میں بحصّہ مساوی شریک مانے جائیں گے،

کما ھو حکم شرکۃ الملك المنصوص علیه فی الخیریۃ ورد المحتار وغیرھما۔

جیسا کہ شرکت ملک کا حکم ہے جس پر فتاوی خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔(ت)

(تو حاصل یہ ٹھہرا کہ) زوجہ اور دونوں نبیرے کہ اس جائداد میں شریک تھے جن کا کارکن زید تھا

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۵

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

اُن تینوں کی آمدنیاں حساب کی جائیں پھر ہر ایک کا خرچ اس سے مجرا کیا جائے باقی کہ زید نے مصارف مذکورہ خیرات ومبرات وقرض مُردہ وخریداری جائداد بنام خود میں صرف کردیا اس حصہ میں حصہ رسد زوجہ اور ہر نبیرہ کا تاوان زید پر آیا، اب زوجہ کا یہ تاوان تو پورا واجب الادا ہے اور دونوں نبیروں کے تاوانوں سے ہر دو بیعنامہ اخیر کے زرِ ثمن مجرا دیئے جائیں اور نبیرہ کہ وقتِ بیع اول بالغ تھا اس کے تاوان سے بیعنامہ اول کا نصف زرِ ثمن بھی ساقط کیا جائے جو جو باقی رہے وہ ان دونوں کا تاوان ہے، اب زید پر دونوں زوجہ سے جس جس کا جتنا مہر واجب الادا ہو اور ان کے سوا اگر کوئی اور دَین زید پر آتا ہو وہ سب ان تینوں تاوانوں کے ساتھ ملا کر یہ مجموع دیون ترکہ زید سے حصہ رسد ادا کئے جائیں خواہ وہ اس کا ذاتی روپیہ ہو یا اس زر واثاث البیت مشترک کا حصہ اگر ان کے ادا سے کچھ نہ بچے کوئی وارث وراثۃً کچھ نہ پائے ورنہ باقی حسبِ شرائط فرائض سولہ سہام ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین ہر نبیرہ کو ملیں گے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۷ ازنجیب آباد ضلع بجنور محلہ مجید گنج مرسلہ محمد حسین ولد مولٰی بخش ۲۰ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہنوں کی جائداد بطریقہ جائزہ خرید کر اپنی زوجہ کے نام لکھا دی اب اس شخص کے دو بیٹے ہیں (ایک بیٹی بھی تھی جس کا انتقال ہوگیا اور اب اس کی جانب سے کوئی دعویدار نہیں مگر اس کا شوہر ہے آیا وہ شرعاً حقدار ہے یا نہیں) شخص مذکور نے اپنے انتقال سے پیشتر اپنے حصہ کی جائداد اور نیز نئی خرید کردہ جائداد جو بی بی کے نام لکھ دی تھی اپنے دونوں بیٹوں میں کسی طرح تقسیم نہ کی اب اس شخص کی بی بی نے ایک کاغذ بنوا کر باقی جائداد بھی بعوض مہر اپنے نام کرالی اور مشہور کردیا کہ یہ کاغذ میرے خاوند کے سامنے کا لکھا ہوا ہے مگر یہ بات محلہ میں مشہور ہے کہ یہ کاغذ جعلسازی سے تیار کیا گیا ہے اور بات بھی یہی ہے اس شخص کے بڑے بیٹے نے اپنے والد کے حین حیات اس وجہ سے تنگ آکر کہ ساس بہو میں اکثر لڑائی رہتی ہے اپنا مکان تبدیل کرلیا تھا اب والد کے انتقال پر جب وہ بالکل مختار ہوگئیں تو محلہ کی مستورات اور چھوٹے بیٹے کی لگائی بجھائی سے ان کی رنجش اور بڑھ گئی اور مرنے سے ۱½ ماہ پیشتر تمام جائداد اُسی چھوٹے بیٹے کے نام ہبہ کرادی، ہبہ سے چند روز پیشتر بڑے بیٹے نے تمام اہل برادری کو اپنی والدہ کے سامنے جمع کیا اور اپنی خطا ہوئی ہو اور جب نہ ہوئی ہو جب معاف کرائی اور انھوں نے معاف کی پھر بھی پندرہ بیس روز بعد انھوں نے تمام جائداد کا ہبہ نامہ چھوٹے بیٹے کے نام کردیا میں نے دیوانی میں اپنے بھائی پر اپنے حصے کی نالش کی ہے آیا میں اس جائداد میں حقدار ہوں یا نہیں؟

الجواب

مجرد تحریر اگرچہ رجسٹری شدہ ہو کوئی چیز نہیں جب تک گواہانِ شرعی سے ثابت نہ ہو پس اگر دو گواہ عادل موجود ہوں کہ شخص مذکور نے اپنی صحت میں وہ جائداد بعوض مہر بنام زوجہ کردی تو دیگر ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا عورت نے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کردی اگر قبضہ تامہ اپنی حیات میں دلادیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک مستقل ہوگیا ہاں اگر قبضہ کاملہ نہ دلایا اور عورت کا انتقال ہوگیا تو ہبہ باطل ہوگیا اور اب وہ جائداد متروکہ زن قرار پاکر اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی جس میں سے بڑا بیٹا بھی اپنا حصہ شرعی پائے گا اور اگر گواہانِ شرعی سے مہر میں دینے کا ثبوت نہیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ مہر کچھ باقی تھا یا سب معاف یا ادا ہوگیا تھا اگر کچھ باقی نہ تھا یا جتنا باقی تھا وہ اس جائداد کی قیمت سے جو شوہر کے نام تھی کم تھا تو عورت کو کوئی استحقاق نہ تھا کہ وہ سب جائداد بعوض مہر اپنے نام کرلیتی اور اب جو اس نے اس جائداد کا چھوٹے بیٹے کے نام ہبہ کیا محض باطل ہوا اگرچہ قبضہ دلا دیا ہو لانہا ھبۃ مشاع وھی باطلۃ حتی لاتملک بالقبض فی الصحیح۔ اس لئے کہ وہ غیر مقسوم کا ہبہ ہے اور وہ باطل ہے یہاں تک اس میں قبضہ سے بھی ملک ثابت نہیں ہوتا، یہ صحیح قول کے مطابق ہے(ت)

اس تقدیر پر بعد ادائے مہر وغیرہ دیون ونفاذ وصایا جو وارثان شخص مذکور ہوں اُن پر حسب فرائض تقسیم ہوگی، دختر اگر باپ کے بعد زندہ رہی ہو تو وہ بھی حصہ پائے گی اور اگر پہلے مرگئی تو اس کا کچھ حق نہیں اس کے شوہر کا دعوٰی باطل ہے ہاں اگر مہر کل یا جتنا باقی تھا اس جائداد کی قیمت کے برابر یا زائد تھا تو ایک فتوٰی اقطع کی بناء پر عورت اسے اپنے مہر میں لے سکتی تھی اور اب کہ وہ مالکہ ہوگئی اس کا حکم وہی پہلی صورت کا ہوگیا کہ چھوٹے بیٹے کے نام اس کا ہبہ صحیح ہوگیا اگر قبضہ دلادیا اور باقی وارثوں کا کچھ حق نہ رہا اور قبضہ کاملہ نہ ہوا تو جائداد متروکہ زن ٹھہر کر وارثانِ زن پر تقسیم ہوگی جن میں بڑا بیٹا بھی ہے اور اس صورت میں پسر کلاں خواہ کسی وارث کو اس پر دعوٰی بیکار ہے مگر یہ کہ مہر اپنے پاس سے ادا کردے تو حسب اصل مذہب جائداد سے اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از کچہری چیف کورٹ ریاست بہاولپور مرسلہ محمد دین صاحب جج ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

(۱) آج یہ مسل پیش ہوئے فتاوائے مصدرہ میں جو سوال زیر بحث اکثر طے ہوچکے ہیں

اُن کے اس حکم درمیانی میں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ، ذیل میں اُن سوالات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ؛

(ا) ابھی تک اطمینان کی ضرورت ہے موصی اگر دو شخصوں کے حق میں وصیت کرے جن میں سے کچھ مال وارث کے نام اور دوسرا کچھ مال ایک شخص اجنبی کے نام جیسا کہ اس مقدمہ کی صورت ہے تو کیا ایسی وصیتیں جائز اور قابلِ نفاذ ہیں؟ اگر سوال اول کا جواب جواز وصایا متعددہ ہو تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ پہلے کون سی وصیت کو نافذ کرنا چاہیے ، آیا اس وصیت کو جو ایک وارث کے حق میں کی گئی یا اس وصیت کو جو ایک اجنبی شخص کے حق میں کی گئی ہے؟ اجنبی شخص کے حق میں چونکہ وصیت زائد علی ثلث المال ہے اس لئے وارث کے اعتراض پر اس وصیت کا نفاذ ثلث المال تک محدود کرنا پڑے گا یا کس طرح ایسی صورت میں اگر بحق الوارث ناقابل نفاذ قرار دی جائے یا اس کا نفاذ نفاذ وصیت بحق وارث سے مقدم قرار دیا جائے تو ثلث المال ہیں جمیع مال موصی کا ثلث نفاذ وصیت کے لئے شمار کیا جائے گا یا زیورات کو جن کی نسبت متوفی نے شاہ محمد کے نام کوئی وصیت نہیں کی علیحدہ رکھ کر باقی ماندہ کے ثلث پر وصیت نافذ ہو گی؟ دونوں صورتوں میں جو جائز قرار دی جائے اس کی سند ہونی چاہیے بعد نفاذ وصایا اور ادائے فرض ورثاء کے جو مال باقی ترکہ متوفی کا بچ رہے اس کی تقسیم میں علماء میں بحث اور اختلاف ہے اس کا اقتباس یہ ہے ؛

(۱) باقیماندہ مال اس اصول پر کہ نفاذ وصیت لزائد علیٰ ثلث المال (ایک تہائی سے زائد مال کی - ت) کا اب کوئی مزاحم نہیں رہا اب موصی لہ بزائد علیٰ ثلث المال کو ملنا چاہیے۔

(۲) باقیماندہ مال کا اب چونکہ کوئی حقدار نہیں رہا اور زوجہ موجود ہے اس لئے رد علی الزوجین کے فتویٰ کے مطابق زوجہ کو دیا جائے ۔

(۳) باقیماندہ کی تقسیم بعد ادائے فرائض و دیون و فرائض وصایا کی جو ترتیب ہو سکتی ہے وہ حسب ذیل مستحق بالترتیب ہوں گے ؛

ذوی الفرائض[۱] ، عصبات[۲] ، رد ذوی الارحام[۳] ، مقرلہ[۴] ،
موصی لہ بمازاد علی الثلث[۵] ، رد علی الزوجین[۶] ،
بیت المال[۷] ۔

اس ترتیب کی رُو سے بمازاد علی الثلث کو دیا جائے ۔

______ فقرہ بالا کی صورت ۲ و ۳ میں علماء کا

اختلاف تقدم و تاخر مہر دعلی الزوجین اور موصی لہ بکل المال کے ہے اور اس حقوق کے متعلق بحث بھی فتاوی میں بہ تفصیل درج ہے ایک جزئی سند اس قسم کی زیر بحث ہے جس میں علماء متاخرین نے بیت المال کو بوجہ فساد و عدم وجود بیت المال کے مہر دعلی الزوجین سے متاخر کردیا ہے اور موصی لہ بکل المال کو مہر دعلی الزوجین پر مقدم رکھنے کے متعلق کوئی سند صریح اور جزئی ظاہر نہیں کی گئی صرف مندرجہ ذیل استشہاد میں کی گئی جن کو دوسرے علماء اسی متاخرین اور متقدمین کی بحث میں لاکر مہر دعلی الزوجین سے مؤخر خیال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں فتاوی۔

یہ سوالات ہیں جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں نقول فتاوی علمائے ملسلکہ مسل معہ نقل استفتاء و نقل وصیت نامہ خدمت میں مولوی صاحب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوی کو ملاحظہ فرمائیں اور ان سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے کا معہ استناد جواب تحریر فرماکر بہت جلد مرحمت فرمائیں مبلغ عہ بذریعہ منی آرڈر مولوی صاحب کی خدمت میں بھجوا دیئے جائیں، اور یہ بھی التماس ہو کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں ملاحظہ فتاوی سے اختلاف علماء کے تمام جزئیات اور صورتیں واضح ہوں گی، ہر ایک فتوی پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیئے گئے ہیں مقدمہ چونکہ عرصہ سے دائر ہے اس لئے نتیجہ کے بھجوانے کے لئے استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلدی عدالت ہذا میں بھجوایا جائے۔ تحریر ۱۷ اگست ۱۳۱۲ھ

(مسماۃ عالمون بنام شاہ محمد دعوی جائداد بروئے وراثت)

نقل وصیت نامہ ادا

میکہ واحد بخش ولد دین محمد ذات شیخ نومسلم پیشہ نان بائی عمر تخمیناً للعہ سال حال مقیم خانپور ریاست بہاولپور کا ہوں بحالی حواس خمسہ و ہوش عقل بلا اجبار و اکراہ احدیکہ اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں اس بات پر کہ مظہر بعارضہ بیماری تپ دق کے بیمار ہے اور یہ بیماری ایک ایسی بیماری ہے کہ اس سے نجات قسمت اور خداداد زندگی پر شفایابی حاصل ہوتی ہے اور اب مجھ کو ایسے نازک وقت پر اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے تاکہ پسماندگان میرے میں کوئی تکرار مدار برپا نہ ہو پس اب میں اس طرح پر اپنا انتظام کرتا ہوں کہ چونکہ میرا کوئی فرزند نرینہ یا مادینہ نہیں ہے صرف ایک عورت نوجوان ہے جس پر یہ بھروسا کم ہے کہ بعد موت مدگی میرے کے وہ میرے حق میں رہے اور یہ ضرور ہے کہ میری جائداد بعد میرے تباہ و خراب ہوجائے اس کا یہ انتظام ہے کہ زیورات ذیل کنٹھالہ طلائی عہ یا پانچ لڑی قیمتی یا عہ کڑیاں نقرئی ایک جوڑا قیمتی یک صدروپیہ چندن ہار ایک قیمتی مبلغ صہ تولہ طلائی ایک عدد قیمتی عہ

عطردان ایک قیمتی مبلغ سے بازو بند نقرہ ایک جوڑہ قیمتی سے کنگن نقرہ دافوال ایک جوڑہ قیمتی مبلغ عہ کل جملہ مبلغ ساعہ کے زیورات مندرجہ بالا اپنی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو ملے گا ان زیورات سے کسی کا تعلق اور واسطہ نہ ہوگا میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون مذکورہ بالا کے ہیں اور ماسوائے اس کے میری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات رہائش بمقام نوشہرہ ہیں اور وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں ان کا انتظام اس طور پر رہے گا کہ وہ مکانات زیر حفاظت شاہ محمد خاں ولد مسکر خاں ذات نانبوچی سکنہ خان پور کے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر مظہر کی عورت مظہر کے حق میں رہ کر گزارہ کرے تو اس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا وہ یعنی تاحق مظہر آباد رہے گی رہن اور بیع مسماۃ عالم خاتون زوجہ ام کو اختیار ہرگز نہ ہوگا اور اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرا دے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور رہے اور اس کو اختیار رہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن زر رہن یا زر بیع میری تجہیز و تکفین اور میری ارواح پر بخش دیگا یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن گی و مسی وکٹ وغیرہ دیگچہ بامسی و تھالی کلاں مسی وکٹورہ کٹ و چارپائی ہائے وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا بموقع محفل اما مین شہیدین شریفین شاہ محمد خاں جملہ برتن ہائے میں سے گلیم دری کلاں وغیرہ لے جائے اور استعمال کرے سب کچھ شاہ محمد خاں کے اختیار میں ہوگا زوجہ ام مسماۃ عالم خاتون کو ضرورت استعمال کے لئے دیئے جائیں گے بشرطیکہ وہ فروخت یا بیع روپوش نہ کرے ورنہ کلہم اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت گزاری اور وفاداری ازحد کی ہے بعد انتقال میری بھی تجہیز و تکفین کا انتظام کرے گا اور میری منزلت آخر کو پورا انجام دے گا۔ یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گی جب تک میں حیات موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہونگے اور قابل عمل ہوں گی لہذا ایں چند حروف بطور وصیت نامہ لکھ دیتا ہوں کہ سند رہے اور وقت حاجت کے کام آئے۔

المرقوم ۲۲ صفر ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء

استفتاء

مسمی واحد بخش مرگیا ہے صرف ایک بیوی مسماۃ عالمون چھوڑ گیا ہے دیگر کوئی اسکا وارث نہیں مرنے سے قریب ایک یا دو ماہ یا پندرہ یوم وہ چارپائی بند ہوگیا اس کو تپ دق کی بیماری تھی اسی بیماری میں وہ فوت ہوا، ہوش اس کو آخر تک رہی، مرنے سے ایک ہفتہ پہلے اس کے معالج نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اب نہ بچے گا اور اس

لئے اس کا علاج کرنا بھی چھوڑ دیا تھا مرنے سے قریب تین چار یوم پہلے ۲۳ فروری ۱۱ ۱۳ھ کو واحد بخش مذکور نے ایک وصیت تحریری تکمیل کی اس وصیت کی ایک نقل شامل ہذا کی جاتی ہے یہ شاہ محمد موصی کا نہ رشتہ دار نہ ہم قوم ہے متوفی ایک نو مسلم تھا جو اپنے آپ کو وصیت میں شیخ نو مسلم پیشہ نان بائی لکھتا ہے اسی شاہ محمد کے گھر میں وہ مرا جس نے اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کی، اب دعویٰ جائداد متوفی کا باہم اس شاہ محمد کے اور عالم خاتون بیوہ موصی کے ہے موخر الذکر مدعیہ ہے وہ مانتی ہے کہ شاہ محمد مدعا علیہ نے پاس اس کو زیورات قیمتی سماعی (جس کا ذکر وصیت میں ہے) بعد وفات موصی دے دیئے ہیں لیکن وہ کہتی ہے کہ شاہ محمد مدعا علیہ کے پاس دیگر زیورات و اثاث البیت ظروف وغیرہ مالیت ما ۱۳ اور دو منزل مکانات قیمت آٹھ سو روپے از ترکہ شوہر کش مذکور موجود ہیں وہ بھی شرعاً تنہا مدعیہ کو ملنا چاہیے مدعا علیہ کا کوئی حق نہیں وصیت کی تکمیل اور جوازی دونوں کو وہ تسلیم نہیں کرتی جو زیورات قیمتی سماعی ورثہ مدعیہ کو ملے ہیں اُن کی نسبت وہ یہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ہے شاہ محمد مدعا علیہ کو وصیت کی تعمیل پر اقرار ہے وہ کہتا ہے کہ وصیت جائز ہے اور یہ کہ مدعیہ حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہیں رہی اور یہ کہ وصیت کو مدعیہ نے وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا سوال یہ ہیں:

(۱) کیا بروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اگر ہوئی تو اس سے جوازی وصیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعا علیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد متوفی میں مدعیہ کو کیا حصہ ملنا چاہیے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعی بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں کیا اُن میں سے مدعا علیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتا ہے یا یہ کہ ان زیورات کو چھوڑ کر باقی جائداد میں ہر دو فریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سوال ۲ اُن کے پائے جائیں۔

(۴) جو اخراجات تجہیز و تکفین مدعا علیہ نے کئے ہوں مدعا علیہ کو علاوہ ملیں گے یا کہ اس کے اپنے حصے پر چارج ہوں گے یعنی یا یہ کہ مدعا علیہ کے حصہ پر ان کا بار رہو گا؟

(۵) مکان میں جو بصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیا گیا ہے کیا وہ شرعاً جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کو بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان تملیک قطعی دے دیا جائے۔

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کے ظروف وغیرہ کا بھی دیا جانا درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے اور بلحاظ سوال ۲ اثر پذیر ہوسکتا ہے ؛

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہر دو فریق کا سوال ۲ قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ میں جدا جدا دیا جاسکتا ہے یا کہ بالکل جائداد منقولہ غیر منقولہ کی قیمت مقرر کر کے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جاسکتی ہے۔ ۱۷ر جنوری

سوال ۲ : زید اس طرح وصیت کرکے مرگیا ہے کہ بعد مرنے میرے کے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک عمرو ہے میری تجہیز و تکفین بھی کرے گا اور فقد میری ارواح کو بھی دے گا بعد وفات زید کے عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفاء امورات میں لگ گیا متوفی کا وارث بجز ایک زوجہ اور کوئی نہیں ہے اب زوجہ متوفی کہتی ہے کہ یہ تمام مال متروکہ شوہر خود صرف میرا ہی حق ہے میں دوسرے شخص کو دینا نہیں چاہتی، پس شرع شریف میں یہ وصیت جائز ہے یا کسی طرح اور، زوجہ کا حق مال متروکہ میں کیا ہے اور وصیت کا حصہ کیا ہے ؛ بینوا توجروا

نقل جواب ۱

مندرجہ سوال حالات میں مسمی واحد بخش کی متروکہ جائداد میں سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین شرعی کا جس میں رواجی صدقات وخیرات شامل نہیں ہیں خرچ ادا کرنے کے بعد اس کی بیوہ مسماۃ عالم خاتون کا حق مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کریں گے اس حق مہر ادا کرنے کے بعد جس قدر جائداد منقولہ یا غیر منقولہ باقی بچے اس کے تین حصے کرکے دو حصہ مسمات عالم خاتون بیوہ واحد بخش کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں گے۔ اس مختصر جواب کے بعد عدالت کے سوالات کا نمبروار جواب دیا جاتا ہے :

(۱) یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور شرعاً جائز ہے۔

(۲) عالم خاتون مدعیہ کے اعتراض کرنے پر جائداد متروکہ کے جبکہ اس میں سے واحد بخش کی شرعی تجہیز و تکفین کا خرچ اور عالم خاتون کے حق مہر کی رقم نکالی جاچکی باقی کے تیسرے حصہ میں جائز ہوگی اس سے زائد میں جائز نہیں ہوگی اس لئے اس باقیماندہ جائداد میں سے دو حصے عالم خاتون کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دینگے۔

(۳) زیورات قیمتی سماۃ مدعیہ کی بابت اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ زیورات عالم خاتون کے حق مہر کے عوض میں دیے گئے ہیں تو پھر ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ بھی حق نہیں ہے لیکن اگر ان تمام زیورات کے

تیسرے حصہ میں اور دوسری صورت میں باقی ماندہ زیورات کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دونوں صورتوں میں باقی دو حصے عالم خاتون کے حق ہوں گے۔

(۴) تجہیز و تکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہیں پڑیگا۔

(۵) مسماۃ عالم خاتون کو رہائش کا حق شرعاً حاصل نہیں ہے اس بات میں واحد بخش کی وصیت لغو اور بے اثر رہے گی۔

(۶) ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہوگی کہ ان کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہے اور دو حصے مسمات عالم خاتون کا حق ہے لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو ان ظروف میں ہے وہ واحد بخش کی جائداد غیر منقولہ سے پورا کر دیا جائے۔

(۷) فریقین یعنی عالم خاتون اور شاہ محمد خاں کا اصل حق تو موجودہ جائداد متروکہ واحد بخش ہی میں ہے لیکن اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت لینے پر رضامند ہو جائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو خواہ وہ عالم خاتون ہو یا شاہ محمد خاں اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا شرعاً عدالت کے اختیار سے باہر ہے۔

نوٹ: متوفی کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں بعد ادا کرنے خرچ تجہیز و تکفین اور ادا کرنے حق مہر یا ایسے ہی اور قرضوں کے جس قدر باقی بچے اس باقیماندہ ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے وصیت ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس میں سے چہارم حصہ بیوہ کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو جیسا کہ موجودہ سوال کی صورت میں ہے تو بعد ادائے خرچہ تجہیز و تکفین اور ادائے حق مہر و دیگر قرضوں اور ادائے حصہ وصیت کے جس قدر باقی بچے وہ سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ کتاب درمختار و ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہوا ہے ہذا واللہ اعلم بالصواب۔

نقلِ جواب ۲

نقل فتوی مولوی صاحب برانڈ امولویان)

هو الملهم بالحق والصواب (یہ حق اور درستگی کے ساتھ الہام لیا گیا۔ت)

شرعاً یہ وصیت صحیح اور نافذ ہے کیونکہ وصیت کنندہ عاقل بالغ ہے اور زوجہ کا حق مال متروکہ متوفی سے سدس ہے اور باقی عمرو موصی لہ کا ہے اور نیز اسباب خیر میں بھی صرف کرے مثلاً تعمیر مسجد کی کرادے یا پل تیار کرادے یا طلبائے علم دین اسلام کو دے، روایات کتب معتبرہ اس پر دال صریح الدلالۃ

اور واضح البیان ہے۔

شواھد:

فی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ و مات و لم یترک وارثا الا امرأتہ فان لم تجز فلھا السدس والباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلا اجازۃ فیبقی الثلثان فلھا ربعھما وھو سدس الکل درمختار[1] قولہ فلھا ربعھما لان الارث بعد الوصیۃ ففرضھا ربع الثلثین الباقین شامی[2] ———— کذلک لو مات الرجل عن امرأتہ واوصی بمالہ کلہ لاجنبی ولم تجز المرأۃ فللمرأۃ السدس وخمسۃ اسداسہ للموصی لہ لان الثلث صار مستحقا بالوصیۃ بقیت الشرکۃ فی ثلثی المال

دلائل:

فتاوی نوازل میں ہے ایک شخص نے اپنے تمام مال کی کسی مرد کے لئے وصیت کی اور مرگیا درانحالیکہ سوائے ایک بیوی کے اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا، پھر اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ اور باقی اس شخص کو ملے گا جس کے لئے وصیت کی گئی اس لئے کہ وصیت والے مرد کو ایک تہائی تو بلا اجازت ملے گا باقی دو تہائی بچا تو بس بیوی کو دو تہائی میں سے چوتھا حصہ ملے گا اور وہ کل مال کا چھٹا حصہ بنتا ہے (درمختار)۔ ماتن کا قول کہ "بیوی کو دو تہائی کا چوتھا حصہ ملے گا" وہ اس لئے ہے کہ میراث وصیت کے بعد ہوتی ہے چنانچہ بیوی کا فرضی حصہ باقی بچنے والے دو تہائی میں سے چوتھا ہوگا (شامی)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک بیوی چھوڑ کر مرا اور تمام مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کر گیا اور عورت نے وصیت کی اجازت نہیں دی تو اس صورت میں عورت کو کل مال کا چھٹا ($\frac{1}{6}$) ملے گا، اور باقی پانچ حصے ($\frac{5}{6}$) وصیت والے شخص کو ملیں گے اس لئے کہ وہ شخص وصیت کے سبب سے ایک تہائی مال کا مستحق ہوگیا اور دو تہائی

---

[1] الدر المختار — کتاب الوصایا — مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۳۱۹
[2] رد المحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۴۲۰

فللمرأۃ ربع ذلک والباقی للموصی لہ لان الوصیۃ مقدمۃ علی بیت المال[1] فتاوی عالمگیری۔

ــــ وکذلک فی الفتاوی الخلاصۃ، اوصی بثلث مالہ للہ تعالٰی فھی باطلۃ وقال محمد رحمہ اللہ تصرف لوجوہ البر درمختار[2]۔

ــــ قولہ وقال محمد رحمہ اللہ تصرف لوجوہ البر قدمنا عن الظھیریۃ انہ المفتی بہ ای لانہ وان کان کل شیئ للہ تعالٰی لکن المراد التصدق لوجہہ تعالٰی تصحیحا لکلامہ بقرینۃ الحال شامی[3]۔

ــــ ولو اوصی بالثلث فی وجوہ الخیر یصرف الی القنطرۃ او بناء المسجد او طلبۃ العلم کذا فی تاتارخانیۃ فتاوی عالمگیری[4]،

وھکذا فی فتاوی خلاصۃ،

ولا من صبی غیر ممیز اصلا ولو فی وجوہ الخیر خلافا للشافعی

مال میں شرکت باقی رہی، چنانچہ عورت کو اسی کا چوتھا حصہ ملے گا اور باقی وصیت والے شخص کو ملے گا کیونکہ وصیت بیت المال پر مقدم ہے (فتاوٰی عالمگیری)۔ اسی طرح فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی اللہ تعالٰی کے لئے وصیت کی تو وہ باطل ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے گا (درمختار)۔ ماتن کا قول کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا "اسے نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے گا" ہم بحوالہ ظہیریہ پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ بیشک فتوٰی اسی پر ہے اس لئے کہ اگرچہ ہر شَے اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے صدقہ کرنا ہے تاکہ قرینہ حالیہ کی وجہ سے موصی کا کلام صحیح قرار دیا جاسکے (شامی)۔ اور اگر نیکی کے کاموں میں تہائی مال کی وصیت کی تو وہ مال پل، مسجد کی تعمیر اور طالبعلموں پر خرچ کیا جائے گا، یونہی تاتارخانیہ میں ہے (فتاوٰی عالمگیری)۔ ایسا ہی فتاوٰی خلاصہ میں ہے اور نابالغ تمیز نہ رکھنے والے بچّے کی وصیت بالکل نافذ نہیں ہوتی اگرچہ نیکی کے کاموں کے لئے ہو بخلاف امام شافعی

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۵
[2] الدر المختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶
[4] الفتاوی الہندیۃ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۷

وکذا لا تصح من ممیز الا فی تجھیزہ و امر دفنہ وعلیہ تحمل اجازۃ عمر رضی اللہ عنہ لوصیۃ یافع رضی اللہ عنہ یعنی المراھق درمختار[1] علی حسب اظہار السائل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اسی طرح تمیز رکھنے والے نابالغ کی وصیت بھی صحیح نہیں مگر تجہیز و تدفین میں اسکی وصیت صحیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قریب البلوغ لڑکے کی وصیت کو جائز قرار دینا اسی تجہیز و تدفین پر محمول ہے (درمختار)۔ یہ حکم سائل کے اظہار کے مطابق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بحقیقۃ الحال وصدق المقال (ہمہ) مستفتی نے بعد تکمیل استفتاء ہذا کے بیان کیا کہ متوفی نے چند زیورات معدودہ مشخصہ معہودہ کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کر گیا تھا یعنی کہہ گیا تھا کہ بعد وفات میری کے ان زیورات مذکورات کی مالک میری زوجہ ہے، پس اس کا جواب شرعًا یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت متوفی نے اپنی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ چیز سالم متوفی کی زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت کے اپنے خاوند سے لے سکتی ہے۔

والشاھد فیہ لو اوصی لزوجتہ او ھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ ابن کمال درمختار[2]، ھذا ما عندی ولعل عند غیری ابلغ من ھذا۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کے لئے یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے وصیت کی درانحالیکہ وہاں کوئی اور وارث نہیں تو وصیت صحیح ہے، ابن کمال (درمختار)، یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے ہوسکتا ہے میرے غیر کے پاس اس سے بڑھ کر موجود ہو۔ (ت)

استفتاء: ما قولکم رحمکم اللہ (تمہارا کیا ارشاد ہے؟ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ ت) اندریں صورت ایک شخص مسمی واحد بخش جو عرصہ سے مریض تھا اپنے مرض الموت میں مرنے سے دو دن پہلے بدیں مضمون وصیت کی کہ چونکہ میں بیمار ہوں اور حیاتِ ناپائیدار پر اعتبار نہیں ازاں بعد میں وصیت کرتا ہوں کہ فلاں فلاں زیورات قیمتی سماعیسہ میرے مرنے کے بعد میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو بعوض حق المہر دیئے جائیں اور ماسوائے اس کے کل جائداد میری کا مالک مسمی شاہ محمد خاں ہوگا

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الدرالمختار " " ۲/ ۳۱۹

بعد کرنے اس وصیت کے فوت ہوگیا اور واضح رہے کہ واحد بخش متوفی وصیت کنندہ کا بغیر عالم خاتون کے جو اس کی زوجہ ہے اور کوئی وارث نہیں شاہ محمد موصی لہ ایک اجنبی آدمی ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً ایسی وصیت کو کیا حکم ملتا ہے، بوقت موجودگی وارث دیگر اجنبی کے واسطے وصیت جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو جمیع مال سے یا ثلث میں عورت کو شرعاً اس کے متروکہ سے کچھ حصہ ملے گا یا نہ؟ اور اگر ملے گا تو کیا؟ بیّنوا توجروا۔

نقل جواب وباللہ التوفیق

شرعاً بوقت موجودگی ورثہ وصیت بجمیع مال نافذ نہیں ہوسکتی ثلث سے جاری ہوگی ثلث یعنی مال متروکہ سے تیسرے حصہ سے زیادہ وصیت کرنا ناجائز ہے جن جن زیورات کے بارہ میں مسمی واحد بخش متوفی بعوض حق المہر مسماۃ عالم خاتون زوجۂ خود کے دینے کی وصیت کرگیا ہے وہ اس کا قرض تھا اور اس کا ادا کرنا اس کو فرض تھا،

ویبدأ من ترکۃ المیت بتجھیزہ ثم دینہ۔ کنز الدقائق[1]

ترکۂ میت میں سے ابتداءً اس کی تجہیز و تکفین سے کی جائے گی پھر اس کا قرض ادا کیا جائے گا (کنز الدقائق)۔ (ت)

اس کے ماسوا باقیماندہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ متروکہ واحد بخش متوفی موصی میں سے ثلث یعنی تیسرا حصہ شاہ محمد موصی لہ کو شرعاً دیا جائے گا،

ولا تصح بما زاد علی الثلث ۱۲ کنز الدقائق[2]

تہائی مال سے زائد پر وصیت صحیح نہیں، (کنز الدقائق) (ت)

ولا تجوز بما زاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ ۱۲ ہدایہ[3]

تہائی مال سے زائد پر وصیت جائز نہیں کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے ۱۲ (ہدایہ) (ت)

وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز الوارث ذلک لا الزیادۃ

اجنبی کے لئے تہائی مال کی وصیت جائز ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے۔ تہائی سے زائد کی وصیت

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۲

[2] ؍؍ کتاب الوصایا ؍؍ ؍؍ ۴۱۴

[3] الہدایۃ ؍؍ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

علیہ ۱۲ الدر المختار۔[1]

جائز نہیں ۱۲ الدر المختار۔ (ت)

اور باقی اس کی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو دیا جائے گا کیونکہ ربع اس کو بالفریضہ ملتا ہے،

فللزوجات حالتان الربع بلا ولد والثمن مع الولد ۱۲ الدر المختار۔[2]

بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیویوں کو کل مال کا چوتھا حصہ اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملتا ہے ۱۲ درمختار (ت)

والربع للزوجات اذا لم یکن ولد و ولد ابن ۱۲ جوہرہ نیرہ۔[3]

اور بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو ۱۲ جوہرہ نیرہ (ت)

اور باقی بھی مسماۃ عالم خاتون کو بالرد ملتا ہے یعنی بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے اس پر یعنی زوجہ پر رد کیا جائے گا،

قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء، الدر المختار۔[4]

میں کہتا ہوں کہ اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے زوجین پر میراث کو رد کیا جائے گا۔ اس کا ذکر ہم کتاب الولاء میں کر آئے، درمختار۔ (ت)

قولہ وفی الاشباہ قال فی القنیۃ و یفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال و فی الزیلعی عن النہایۃ ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذا البنت والابن من الرضاع یصرف الیھما

اور اس کا قول کہ "اشباہ میں ہے" قنیہ میں فرمایا ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا جائیگا اور زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے فرضی حصہ کی وصولی کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ اسی پر لوٹا دیا جائے گا۔ اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف میراث کو

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۴
[2] ؎ کتاب الفرائض ؎ ۲/ ۳۵۵
[3] الجوہرۃ النیرۃ ؎ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۴۰۹
[4] الدر المختار ؎ باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

وقال فی المستصفٰی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتأخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیٰی ابن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام۔ رد المحتار شرح الدر المختار[1]

لوٹا جائے گا۔ اور مستصفٰی میں کہا آج کے دور میں فتوی زوجین پر رد کرنے کے ساتھ ہے۔ یہی قول ہمارے متاخر علماء کا ہے۔ حدادی نے کہا کہ آج کل فتوی زوجین پر رد کرنے کے ساتھ ہے۔ احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رد کا فتوی دیا جبکہ ان کے علاوہ عزیز و اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ حکمران بگڑ چکے ہیں۔ ردالمحتار شرح الدرالمختار (ت)

عبارت کتب معتبرہ مرقومۃ الفوق سے ظاہر ہے کہ جمیع مال سے ایک ثلث مسمّی شاہ محمد خاں موصی لہ لے گا اور دو ثلث مسماۃ عالم خاتون زوجہ متوفی کو ملیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب عندہ ام الکتاب۔ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۲۹ھ۔ (مفتی مولوی محمد مجید صاحب لاہوری نے تحریر فرمایا ہے)

مگر ائمہ متاخرین یہ فرماتے ہیں کہ بچا ہوا ترکہ جس طرح پہلی قسم کے حصے داران پر بحصہ رسدی رد ہوسکتا ہے اسی طرح دوسری قسم کے حصہ داران پر بھی رد ہوسکتا ہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جو کچھ بچا ہوا ترکہ ہو وہ احد الزوجین کو دے دیں گے یعنی موصی لہ بکل المال کو نہ دیں گے انتہی خلاصۃ دو ورق کا یہ دو سطریں ہیں

نقل جواب ۴

(تردید منجانب علمائے ریاست بہاولپور)

ہمارے ہاں بھی مسلّم اور ماعلیہ العمل یہی قول متاخرین کا ہے جو الیوم یرد علی الزوجین (آجکل زوجین پر رد۔ ت) پر فتوی ہے اور سیدنا امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اور ان سے بیان وجہ رد علی الزوجین کا اگرچہ درمختار میں اس کا ماعلیہ اور شامی میں اس سے جواب نقلا عن روح الشروح کمال الوضوح (روح الشروح سے کامل وضاحت کے ساتھ نقل کرتے ہوئے۔ ت) کے مبیّن ہے تاہم مع قطع النظر ان دونوں امروں کے ہم کو بالرأس والعین منظور ہے مگر تاسف اس کم توجہی مفتی صاحب پر ہے کہ رد علی الزوجین کا محل الوقوع اور موقعہ ملحوظ نہ کرنا اور بلا تامل اس کے موصی بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلاف عقل اور نقل ہے اور سراسر تحکم و تعسف اور دعوی بلا دلیل ہے فقہاء نے رد علی الزوجین کی علت مرارا یہ بیان فرمائی ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

کہ لفساد بیت المال (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) چنانچہ مفتی صاحب نے بھی خود تحریر کیا ہے اور یہ تو ایک دفعہ بھی نہیں لکھا کہ لفساد الوصیۃ لجمیع المال (کل مال کی وصیت کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) اس سے صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین جو بنا برعلی مذہب المتاخرین قول مفتی بہ ہے اس کا درجہ صرف بیت المال سے مقدم ہے چنانچہ بنات المعتق و ذوی ارحامہ والبنت والابن من الرضاع (معتق کی بیٹیوں، اس کے ذوی الارحام، اس کی رضاعی بیٹی اور اس کے رضاعی بیٹے۔ت) کو بیت المال سے تقدیم ہے،

کماحققہ الشامی[1] رحمہ اللہ تحت قولہ فی الاشباہ نقل عن معراج الدرایۃ۔

جیسا کہ اس کی تحقیق علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول فی الاشباہ کے تحت معراج الدرایہ سے نقل فرمائی ہے۔(ت)

نہ یہ کہ رد علی الزوجین کو مستحقین پر تقدیم ہے بلکہ رد علی ذوی الفروض النسبیہ و ذوی الارحام موصی لہ بکل المال (نسبی ذوالفروض پر رد، ذوی الارحام اور وہ جس کے حق میں تمام مال کی وصیت کی گئی۔ت) جو اہل استحقاق ہے یہ سارے فریق رد علی الزوجین سے مقدم ہیں اب جزئی صریح اس امر کی کہ:

الموصی لہ بجمیع المال مقدم علی الرد علی الزوجین۔

جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی وہ زوجین پر رد سے مقدم ہے۔(ت)

ہدیۂ ناظرین ہے۔

وفی السراجی ثم الموصی لہ بجمیع المال ثم بیت المال[2] ان لم یکن احد المذکورین فالمال کلہ للموصی لہ لان منعہ عن زیادۃ الثلث کان للمضرۃ بالورثۃ وقد انتفی بہا

سراجی میں ہے پھر وہ جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی پھر بیت المال، اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے تو سارا مال اس شخص کو دیں گے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی، اس لئے کہ اس کے لئے تہائی مال سے زائد کی ممانعت وارثوں کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۲

[2] السراجی فی المیراث خطبۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۶۵

وان کان احد الزوجین فالباقی لہ وان کان وارث غیرھما فللموصی لہ الثلث ۱۲ شیخ الاسلام[1] ضیاء السراج السراجی وفی المستصفی والفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال ۱۲ شامی[2] تحت قولہ وفی الاشباہ والفتوی الیوم بالرد علیھما اذا لم یکن للباقی مستحق لان الظلمۃ لایصرفون مال بیت المال الی مصرفہ مستصفی[3]

ضرر کی وجہ سے تھی اور وہ یہاں منتفی ہے۔ اور اگر زوجین میں سے کوئی ہے تو باقی اس کو دیں گے۔ اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی وارث ہے تو پھر جس کے حق میں کل مال کی وصیت ہے اس کو ایک تہائی دینگے ۱۲ شیخ الاسلام ضیاء السراج السراجی۔ مستصفی میں ہے آج کل فتوی زوجین پر لوٹانے کے ساتھ ہے جبکہ کوئی اور مستحق موجود نہ ہو بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے ۱۲ شامی تحت قولہ وفی الاشباہ۔ اور فتوی آجکل زوجین پر لوٹانے کا ہے جبکہ باقی کا کوئی اور مستحق موجود نہ ہو اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کے مال کو اس کے مصرف میں خرچ نہیں کرتے (مستصفی)۔ (ت)

جو نقل مستصفی کا مفتی صاحب نے شامی سے تحت قولہ وفی الاشباہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قول کو اوّل سے آخر تک نہیں دیکھا اگر دیکھتے اور غور کرتے تو عند عدم المستحق کی قید ضرور ساتھ لگاتے جو اُس قول میں درج ہے اور ہر جگہ رَد ہے صرف ناتمام جزئی نقل کرکے خوش ہو رہے ہیں نقل میں ماقبل اور مابعد کے لحاظ چاہئے تاکہ نقل صحیح اور تمام ہو نہ کہ ناقص اور غلط' ہاں اگر دیدہ و دانستہ دیکھ کر نہیں لکھا تو سفسطہ اور مکابرہ ہے۔

ولیستوضح لک معنی المستحق و یاتیک تحقیقہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔

اور تیرے لئے مستحق کے معنٰی کی وضاحت کرتے اور اس کی تحقیق آرہی ہے عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

اب توجہ فرمائیے کہ یہ فریق ایک دوسرے کے عدیل اور ردیف ہیں سوائے بیت المال کے

---

[1] ضیاء السراج حاشیۃ السراجی خطبۃ الکتاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴
[2] رد المحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲
[3] " " " " " " " " ۵/ ۵۰۲

سارے فریق ردعلی الزوج سے مقدم ہیں۔

ثم ردعلی ذوی الفروض النسبیة بقدر حقوقهم ثم ذوی الارحام ثم بعدهم مولی الموالاة کما مر فی کتاب الولاء وله الباقی بعد فرض احد الزوجین ثم المقرله بنسب علی غیره لم یثبت فلو ثبت حقیقة زاحم الورثة ثم بعدهم الموصی له بما زاد علی الثلث ولو بالکل ثم یوضع فی بیت المال ۱۲ درمختار۱۔

پھر نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے مطابق رد کرنا پھر ذوی الارحام پھر ان کے بعد مولی الموالاۃ۔ جیسا کہ کتاب الولاء میں گزرا۔ اور اس کو زوجین میں سے ایک کا فرضی حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ ملے گا پھر وہ شخص جس کے لئے کسی غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہو اور نسب ثابت نہ ہوا اور اگر حقیقۃً اس کا نسب ثابت ہوگیا تو وہ وارثوں میں شریک ہوجائے گا۔ پھر ان کے بعد وہ شخص جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اگرچہ کل مال کی ہو پھر بیت المال میں رکھا جائے گا۔ (درمختار)۔ (ت)

قوله ثم ذوی الارحام ای یبدأ بهم عند عدم ذوی الفروض النسبیة والعصبات فیاخذون کل المال اوما بقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیهما ۱۲ شامی۲

ماتن کا قول "پھر ذوی الارحام" اسکا مطلب یہ ہے کہ ذوی الارحام سے ابتداء ہوگی جبکہ نسبی ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو وہ ذوی الارحام کل مال لیں گے یا وہ مال لیں گے جو زوجین میں سے ایک کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد باقی رہ جائے کیونکہ زوجین پر رد نہیں ہوتا ۱۲ شامی (ت)

قوله وله الباقی ای ان لم یوجد احد ممن تقدم فله کل المال الا ان وجد احد الزوجین

ماتن کا قول کہ "اس کے لئے باقی ہے" یعنی اگر ماقبل میں مذکور افراد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو کل مال اُسی کا ہے مگر جب زوجین میں سے

۱؎ درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۳-۵۴

۲؎ ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۷

فلہ الباقی عن فرضہ ۱۲ شامی[1]۔

کوئی موجود ہو تو اس کے فرضی حصہ کے بعد باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا ۱۲ شامی (ت)

قولہ ثم المقرلہ بنسب علی غیرہ فیعطی کل المال الا اذا کان احد الزوجین فیعطی ما فضل بعد فرضہ ۱۲ شامی[2]۔

ماتن کا قول کہ "پھر وہ جس کے لئے غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہے" یعنی اس کو کل مال دیا جائیگا مگر جب زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اس کے فرض حصہ کے بعد جو باقی بچا وہ اس کو ملے گا ۱۲ شامی (ت)

قولہ لم یثبت ای یکون ھذا الاقرار وصیۃ معنیً ولذا صح رجوعہ عنہ ولا ینتقل الی فرع المقرلہ و لا اصلہ ۱۲ شامی[3]۔

ماتن کا قول کہ "نسب ثابت نہیں ہوا" یعنی یہ اقرار باعتبار معنیٰ کے وصیت ہے اسی لئے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ اقرار نہ تو مقرلہ کی فرع کی طرف منتقل ہوگا اور نہ ہی اس کی اصل کی طرف ۱۲ شامی (ت)

(قولہ ثم بعد ھم) ای اذا عدم من تقدم ذکرہ یبدأ بمن اوصی لہ بجمیع المال فیکمل لہ وصیتہ لان منعہ عما زاد علی الثلث کان لاجل الورثۃ فان لم یوجد احد منھم فلہ عندنا ما عین لہ کملا سید ولا یخفی ان المراد انہ

ماتن کا قول "پھر ان کے بعد" یعنی مقدم الذکر تمام مفقود ہوں تو ابتداء اس شخص سے کی جائے گی جس کے لئے تمام مال کی وصیت کی گئی ہے اور اس کے لئے وصیت کی تکمیل ہوگی کیونکہ تہائی مال سے زائد کی وصیت وارثوں کی وجہ سے ممنوع تھی، جب ورثاء میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں تو ہمارے نزدیک وہ تمام وصیت والے کو دیں گے جس کا تعین موصی نے اس کے لئے کیا ہے (سید) اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷
[2] " " " " " "
[3] " " " " " ۵/ ۴۸۸

یاخذ الزائد بطریق الاستحقاق بلا توقف علی اجازۃ فلا یرد ان اخذ الزائد لایشترط فیہ عدم الورثۃ اذلو اجازوا جاز ۱۲ شامی۔

پوشیدہ نہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تہائی مال سے زائد بطور استحقاق لے گا، کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، چنانچہ یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زائد کے لینے کے لئے وارثوں کا معدوم ہونا شرط نہیں کیونکہ اگر وہ اجازت دیں تو زائد کا لینا جائز ہوتا ہے ۱۲ شامی (ت)

اس عبارت لایخفی (پوشیدہ نہیں۔ ت) سے مخفی نہیں ہے بلکہ صاف ظاہر ہے کہ موصی لہ بکل المال مستحق ہے اور وہ رد علی الزوجین پر مقدم ہے ھذا ما وعدناہ من قبل والحمد للہ علی الوفاء (یہ وہ ہے جس کا وعدہ ہم نے ماقبل میں کیا تھا اس کے پورا کرنے پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ ت) اور قولہ لم یثبت (اس کا قول کہ ثابت نہیں۔ ت) کی تحقیق علامہ شامی رحمہ اللہ سے کھل گیا کہ جب اقرار مذکور کو معنًی وصیت قرار دیا گیا اور مقر لہ مذکور جمیع مال کا مستحق بنا بعد اخراج اصل فرض احد الزوجین سے تو یہ شان وصیت کا ہے پس اس میں کوئی شک نہ رہا کہ وصیت بجمیع المال کو تقدیم ہے رد علی الزوجین پر۔ الاٰن حصحص الحق (اب حق واضح ہوگیا۔ ت)

قولہ ثم یوضع فی بیت المال ای ان لم یوجد موصی لہ بالزائد یوضع کل الترکۃ فی بیت المال اوالباقی ان وجد موصی لہ بما دون الکل ۱۲ شامی[2]

ماتن کا قول "پھر بیت المال میں رکھا جائے گا" یعنی جب ایسا شخص نہ پایا جائے جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہے تو اس صورت میں کل مال اور تہائی سے زائد اور کل سے کم وصیت والے شخص کے ہونے پر باقی مال بیت المال میں رکھا جائے گا ۱۲ شامی (ت)

باقی رہا یہ امر کہ آیا رد علی الزوجین اور ادخال الترکۃ فی بیت المال میں سے کون مقدم ہے سو متقدمین کے نزدیک بیت المال مقدم ہے کیونکہ اس نیک عصر میں بیت المال صلاحیت میں تھے اور مصرفون مستحقون میں خرچ ہوتے تھے اور متاخرون کے نزدیک بسبب فساد بیت المال کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

ردعلی الزوجین مقدم ہے بیت المال پر اور الیوم فی زماننا ھذا المفتی بہ (اور آج کے ہمارے زمانے میں اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ ت) یہ قول ہے اور ہمارا مسلک بھی یہی ہے اور عمل ہمارا بھی اسی پر ہے۔

وفی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال ۱۲ شامی[1]

قنیہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا جائیگا ۱۲ شامی (ت)

صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین مقابل اور مربوط بیت المال سے ہے نہ کہ وصیت بکل المال سے وھدایۃ الانصاف من اللہ الھادی (اور انصاف کی ہدایت ہدایت دینے والے اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ ت) بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک علمائے لاہور نے اپنے دعوی الردعلی الزوجین مقدم علی الوصیۃ لجمیع المال (زوجین پر رد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی۔ ت) کی ضعیف جزئی بھی ثابت نہ کی صرف نکمی تطویل سے اوراق لکھ لکھ کر تضییع اوقات عزیزہ کی فرمائی صرف ردعلیہما کے مسئلہ معروفہ کو لکھ کر بھیجا جن کا انکار بھی کسی کو نہ تھا سو وہ مسئلہ الیاب موقعہ فرمایا جس کی تردید سے کتب مملو و مشحون ہیں علمایان ریاست نے اپنے دعوی الوصیۃ بکل المال مقدم علی الزوجین (تمام مال کی وصیت مقدم ہے زوجین پر رد کرنے سے۔ ت) پر، پہلے ابتدائے مسئلہ میں اور اب اس تردید کے ضمن میں کیا صاف صاف واضح جزئیات اظہر من الشمس ہدیۂ ناظرین کئے ہیں انصاف فرمایا جائے۔

تذییل ۱: ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جن مفتی صاحبان لاہور نے پہلے استفتاء بھیجا تھا اب ہماری تردید پہلے کو ملاحظہ فرما کر وہ صاحبان موصوف تو بنظر الانصاف خیر الاوصاف لب بسکوت ہو رہے ہیں اب اس دوسری مرتبہ مولوی مفتی محمد مجید صاحب کو اشتعال آیا تو انھوں نے قلم اٹھایا اب یقین ہے کہ اس جواب کو ملاحظہ فرما کر وہ بھی تسلیم فرمائیں گے اور تحسین کا تحفہ ہم داعیان بالخیر کی طرف ارزانی فرمائیں گے خداوند کریم کرے کہ ان کا شعلہ اس پانی سے مطفی ہو اور بجھ جائے،

ورجاء القبول والثواب من اللہ تعالٰی وھو اعلم واحکم بالصواب۔

قبول وثواب کی امید تعالٰی سے ہے درستگی کو خوب جاننے والا اور مضبوط و بہتر حکم والا ہے۔ (ت)

محررہ بتاریخ ۱۶ راگست ۱۲ء

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

نقل جواب ۵: متوفی کے اقرار نامہ میں یہ الفاظ ہیں مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے یعنی غرضیکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے یہ جملہ شرائط میرے قابل قبول ہوں گے جب تک میں حیات میں موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گی، ان لفظوں سے تملیک بعد الموت جس کو وصیت کہتے ہیں ثابت نہیں ہوتی تو شرعاً اس کا کیا نام ہے بیان کیجئے۔

سوالاتِ عدالت

(۱) کیا بروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی، اور اگر ہوئی تو اُس سے جوازی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعا علیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت مدعیہ اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد مدعیہ کو کیا حصہ ملنا چاہیے اور مدعا علیہ کو کیا حصہ ملنا چاہیے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعت عسہ بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں اُس میں سے مدعا علیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتا ہے یا کہ ان زیورات کو حصہ بنا کر باقی جائداد میں ہر دو فریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سوال ۲ اس کے پائے جائیں۔

(۴) اخراجات تجہیز و تکفین مدعا علیہ نے کئے ہوں وہ مدعا علیہ کو علاوہ ملیں گے یا کہ اس کے اپنے حصہ میں چارج ہوں گے یا کہ مدعا علیہ کے حصہ پر ان کا بار ہوگا؟

(۵) مکان میں جو بصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیا گیا وہ شرعاً جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کو بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان تملیک قطعی دیدیا جائے؟

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کو کسی ظروف وغیرہ کا بھی دیا جانا درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے اور بلحاظ سوال ۳ اثر پذیر ہو سکتا ہے؟

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہر دو فریق کا بروئے سوال ۲ قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ ۲ وغیرہ منقولہ کی قیمت مقرر کر کے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جا سکتی ہیں۔

جوابِ شرع شریف

شرعاً یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جوازی وصیت پر یہ اثر پیدا ہوا کہ حق الارث

شرعی مدعیہ کے ماسوائے مدعا علیہ کو ملے جو موصی لہ ہے جیسا کہ جواب سوال عـ۲ میں ہر ایک کا حق ظاہر کیا جائے گا مدعیہ نے اس وصیت پر اعتراض کیا اس پر شرعاً جائداد متوفی میں سے مدعیہ وارث شرعیہ کو ⅙ حصہ ملنا چاہئے مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث شرعی کے واسطے وصیت ناجائز ہے بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کا محتمل قوی یہ ہے اور حق مہر دین ہوتا ہے اس لئے وصیت اور وارث دونوں سے مقدم ہے مدعا علیہ موصی لہ کا تعلق ان زیورات کے ساتھ نہ سمجھا جائے ماسوائے زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیسا کہ بالاتشریح ہوچکی ہے اخراجات تجہیز و تکفین کا بار حصہ مدعا علیہ پر جو اس نے اپنے اختیار سے اپنے مال سے خرچ کیا ہے صرف خرچ کرنے دفن میت کا چھ سات روپیہ تک آخر دس روپیہ تک اس کا بار فریقین پر ہے اس قدر سے زیادہ خرچ کا بار خرچ کرنے والے پر ہے بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا حق سوائے چہارم مابقی من الدین والوصیۃ کے کوئی حق رہائش مکان و نان نفقہ وغیرہ کا نہیں ہے صورت متنازعہ میں مال متوفی منقولہ وغیر منقولہ سے اگر مدعیہ کو ⅙ حصہ تقسیم کرکے بطور تملیک قطعی دے دیا جائے تو حق سے اس کے پورے ہوچکے اس میں کوئی اثر نہیں ہے۔ شرعاً ظروف وغیرہ کا بھی لحاظ (سوال عـ۲ ⅙ حصہ مدعیہ کو تقسیم کرکے دے) دیا جائے فوت ہونے متوفی کے بعد مال متروکہ متوفی کا علی حسب حصص شرعی جبراً تملیک ورثاء باقیماندہ کے ہوجاتا ہے بعد فوتیدگی صرف تقسیم کرنے متروکہ کے حاجت ہوتی ہے اس صورت میں مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے ہر حصہ سے ⅙ حصہ بجنسہ لے سکتی ہے اگر باختیار خود اپنے حصہ ⅙ فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

الاٰن نکتب الروایات الفقھیۃ عن المعتبرات الحنفیۃ وفی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ ومات ولم یترک وارثا الا امرأتہ فان لوتجز فلھا السدس والباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلا اجازۃ فبقی الثلثان فلھا ربعھما وھو سدس الکل درمختار[1]

اب ہم احناف کی معتبر کتابوں سے فقہی روایات تحریر کرتے ہیں۔ فتاوٰی نوازل میں ہے کوئی شخص کل مال کی وصیت کسی مرد کے لئے کرکے مرگیا اور سوائے بیوی کے کوئی وارث نہیں چھوڑا، اگر بیوی نے اس وصیت کی اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی موصی لہ کو ملے گا کیونکہ وہ ثلث کا بغیر اجازت حقدار ہے باقی دو ثلث بچے جن میں سے بیوی چوتھائی کی حقدار ہے جبکہ یہ چوتھائی کل کا چھٹا حصہ ہے، درمختار

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

وعلی ھذا اذا ترکت زوجة لا وارث لہ غیرھا واوصی لرجل بجمیع مالہ کان لہا سدس وللموصی لہ خمسة اسداس لانہا لا تستحق من المیراث شیئا حتی یخرج الثلث للوصیة فاذا اخرج الثلث استحقت ربع الباقی ومابقی بعد ذٰلک یکون للموصی لہ بالجمیع واصلہ من اثنی عشر للموصی لہ اربعة وھو الثلث یبقی الثلثان ثمانیة للزوجة ربعہا اثنان یبقی ستة تعود للموصی لہ فیکون لہ عشرة من اثنی عشر وذٰلک خمسة اسداسہا[1] جوھرة النیرة شرح قدوری

وھٰکذا فی فتاوی الھندیة ورد المحتار والدر المختار وھذہ الکتب من معتبرات الحنفیة وان لم تجز واوصی لہا ایضا اولا فقد اوضحہ فی الجوھرة فراجعہا رد المحتار فی قولہ لاالمزیادة علیہ[2] الخ۔

اسی بنیاد پر اگر کسی نے بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا اور کسی مرد کے لئے کل مال کی وصیت کرگیا تو بیوی کو کل مال کا چھٹا ($\frac{1}{6}$) حصہ اور وصیت والے مرد کو باقی پانچ چھٹے ($\frac{5}{6}$) ملیں گے اس لئے کہ جب تک کل مال سے تہائی حصہ بطور وصیت نہ نکال لیا جائے اس وقت تک بیوی میراث میں سے کسی شئی کی مستحق نہیں اور جب تہائی حصہ نکال لیا گیا تو باقی کے چوتھائی کی مستحق ہوگی، پھر جو باقی بچ گیا وہ کل مال کی وصیت والے شخص کو ملے گا، اس کی اصل بارہ سے ہے یعنی کل مال کے بارہ حصے بنائے جائیں گے جن سے ایک تہائی یعنی چار حصے بطور وصیت وصیت والے شخص کو ملیں گے باقی دو تہائی یعنی د حصے بیوی کو ملیں گے پھر جو چھ باقی بچ گئے وہ وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں گے تو اس طرح وصیت والے شخص کو بارہ میں سے دس حصے مل گئے جو کہ چھ میں سے پانچ ($\frac{5}{6}$) ہوئے (جوہرہ نیرہ شرح قدوری) ایسا ہی فتاوٰی ہندیہ، ردالمحتار اور درمختار میں ہے جو کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں ہیں، اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی جبکہ اس نے پہلے اس کے لئے بھی وصیت کی تھی اس کی وضاحت جوہرہ میں ہے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، یہ بات شامی میں ماتن کے قول "لاالمزیادة علیہ" کے تحت مذکور ہے الخ (ت)

اور صاحبان انجمن مستشار العلماء لاہور نے جو اس صورت موجودہ میں $\frac{1}{3}$ حصہ یعنی سوم حصہ مدعا علیہ کا بتایا جو موصی لہ تھا اور $\frac{2}{3}$ حصہ یعنی دو ثلث حصہ مدعیہ کا بتایا یہ اثر بے غوری اور کمال بے توجہی

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

صاحبان کا ہے اور محض رائے اپنی لکھ دی اور اس بارہ میں روایت ندارد، دراصل مسئلہ شرعی اس طور پر نہیں ہے بلکہ مسئلہ شرعی اس طور پر ہے جو مولوی صاحبان خانپور نے لکھا ہے یعنی $\frac{1}{4}$ حصہ مدعیہ وارثہ کا ہے اور $\frac{3}{4}$ حصہ مدعا علیہ موصی لہ کا ہے اور اسی مطلب پر روایات کتب معتبرہ مذہب حنفیہ ناطقہ ہیں اور میرا بھی اتفاق ان صاحبان سے ہے اور وجہ غلطی صاحبان انجمن کی یہ ہے کہ انھوں نے یہ قول دیکھا ہے کہ فی زماننا مذہب متاخرین کی ایک صورت خاص ہے اور صورت متنازعہ مغایر اس کے ہے یعنی صورت خاص یہ ہے کہ متوفی کے حقداروں میں سے صرف ایک زوجہ اس کی موجود ہے اور ماسوائے اس کے کوئی حقدار نہ ہوئے اور صورت متنازعہ میں زوجہ کے سوائے دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے تو اس صورت خاص میں $\frac{1}{4}$ یعنی چہارم حصہ ارثی یعنی سہ ربع باقی ماندہ زوجہ کو بالرد ملنا چاہئے کیونکہ اگر سہ ربع باقیماندہ اس کو نہ دیئے جائیں تو مذہب متقدمین کے مطابق بیت المال کے سوائے دوسری جگہ نہیں ہے سو بسبب فاسد ہونے بیت المال کے فتوٰی متاخرین کا یہ ہے کہ یہ سہ ربع باقیماندہ بھی زوجہ متوفی پر رد کئے جائیں کہ وہ وارث شرعی ہے اور بیت المال سے فائق ہے اور یہ فتوٰی متاخرین کا عندالکل مسلم ہے اگرچہ تمام ملک میں اس کا رواج عمل نہیں ہوا، الّا ما نحن فیہ میں جاری نہیں ہوسکتا،

كما مر وقال المحقق احمد بن يحيٰى بن سعد التفتازانی افتی كثير من المشائخ بالرد عليهما اذا لم يكن من الاقارب سواهما لفساد الامام وظلم الحكام فی هذه الايام اھ وفی المستصفى والفتوى اليوم على الرد على الزوجين عند عدم المستحق لعدم بيت المال اذ الظلمة لا يصرفونه الى مصرفه اھ اقول ولم نسمع ايضا فی زماننا من افتى بشیئ من ذلك ولعله لمخالفته للمتون فليتأمل[1] رد المحتار فی قوله وفی الاشباه الخ

جیسا کہ گزر چکا ہے محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ اکثر مشائخ نے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں کیونکہ ہمارے زمانے میں پیشوا خراب اور حکام ظالم ہوچکے وہ بیت المال کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتے اھ اقول (میں کہتا ہوں) ہم نے یہ بھی نہیں سنا کہ ہمارے زمانے میں کسی نے ایسا فتوٰی دیا ہے شاید اس کے مخالفِ متون ہونے کی وجہ سے۔ تو اس میں تأمل چاہئے۔ یہ بات ردالمحتار کے کتاب الفرائض، بیان الرد باب العول میں ماتن کے قول "وفی الاشباہ الخ" کے تحت

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

فی کتاب الفرائض فی بیان الرد فی باب العول قال علماؤنا رحمهم اللہ تعالٰی تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاول یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ بلا تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ سراجی[1] ___ ولا لوارثہ وقاتلہ مباشرۃ لا تسببا کما مر الا باجازۃ ورثتہ لقولہ علیہ السلام ولا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ یعنی عند وجود وارث اٰخر کما یفیدہ اٰخر الحدیث و سنحققہ ۱۲ درمختار[2]

مذکور ہے۔ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے فرمایا کہ میت کے ترکہ کے ساتھ بالترتیب چار حقوق وابستہ ہوتے ہیں سب سے پہلے میت کے مال سے زیادتی یا کمی کے بغیر تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا جائیگا پھر باقی بچے ہوئے تمام مال سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ پھر قرض کی ادائیگی سے بچ جانے والے مال کے تہائی سے اس کی وصیت نافذ کی جائے گی۔ پھر جو باقی بچ گیا اسے کتاب اللہ، سنت اور اجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائیگا (سراجی)۔ وارث اور قاتل بالمباشرۃ نہ کہ بالسبب کے لئے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں جیسا کہ گزر چکا، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دوسرے ورثاء اس کی اجازت دے دیں یعنی جب کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیسا کہ حدیث کا آخر اس کا فائدہ دیتا ہے۔ ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے (درمختار)۔ (ت)

نقل جواب ۶

یہ فقہ کا مسلم الثبوت ہے کہ مصارف تجہیز و تکفین شرعی اور ادائے قرض کے بعد جس قدر جائداد منقولہ غیر منقولہ باقی بچے اس کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری اور نافذ ہو سکتی ہے اور اگر متوفی نے تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کی تھی تو اس زائد علی الثلث پر نافذ ہونا وارثوں کی اجازت پر موقوف رہتا ہے یعنی اگر وہ نفاذ کی اجازت دیں تو نافذ ہوگی ورنہ نافذ نہ ہوگی، کتاب ہدایہ میں ہے: ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں مگر

---

[1] السراجی مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳ و ۴

[2] الدر المختار کتاب الوصایا ۲/ ۳۱۶

ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار لان الامتناع لحقھم وھم اسقطوہ[1]

یہ کہ دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اسکی اجازت دے دیں اور وہ ورثاء بالغ ہوں کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انھوں نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔ (ت)

چونکہ مسئلہ زیر کتب زیر بحث میں متوفی واحد بخش کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے ⅓ حصہ سے زیادہ ہے بغیر اجازت عالم خاتون بیوہ متوفی کے نافذ نہیں ہو سکتی ادائے وصیت کے بعد جس قدر جائداد بچے اس میں سے ¼ حصہ یعنی چہارم حصہ کی جو اصلی ترکہ کا ⅙ یعنی چھٹا حصہ ہوتا ہے، عالم خاتون بیوہ واحد بخش کا حق ہے کتاب سراجی میں ہے:

یبدأ بتکفینہ وتجھیزہ بلا تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ[2]

ابتداء میت کی تجہیز و تکفین سے کی جائے گی نہ تو اس میں فضول خرچی اور نہ ہی ضرورت سے کمی کی جائے گی، پھر جو باقی بچا اس تمام سے میت کے قرض ادا کئے جائیں گے۔ پھر قرض کی ادائیگی کے بعد بچ جانے والے مال کی تہائی سے میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں گی، پھر جو باقی بچا اسے کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ (ت)

نیز کتاب مذکور میں ہے:

للزوجات حالتان الربع للواحدۃ فصاعدۃ عند عدم الولد او ولد الابن وان سفل[3]

بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرحوم خاوند کی اولاد یا اس بیٹے کی اولاد نیچے تک کوئی نہ ہو تو ان کو کل مال کا چوتھائی حصہ ملتا ہے چاہے ایک بیوی ہو یا متعدد۔ (ت)

جب ترکہ میں سے ⅓ حصہ یعنی تیسرے حصہ من حیث الوصیۃ اور ⅙ یعنی چھٹا حصہ عالم خاتون

---

[1] الہدایہ | کتاب الوصایا | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۴/۶۵۱

[2] السراجی | مقدمۃ الکتاب | مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی | ۳ و ۴

[3] " | فصل فی النساء | " | " | ص ۱۱

کے من حیث الارث دے دیا گیا تو اب واحد بخش کے ترکہ میں سے ۳/۶ یعنی آدھا ترکہ باقی رہ جاتا ہے
اب سوال یہ ہے کہ باقی ترکہ کس کو دیا جائے، شاہ محمد کو یا عالم خاتون کو؟

یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ اگر حصہ داروں کو جس میں کوئی عصبہ نہ ہو ان کے مقرری حصّہ دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو وہ بھی حصہ داران پر بحصہ رسدی رد کر دیا جائے لیکن حصّہ دار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ حصہ دار جو متوفی کے برادری کے ہیں مثلاً متوفی کی دختر، اس کی ماں، اس کی ہمشیرہ وغیرہ۔ دوسرے وہ حصہ دار ہیں کہ جن سے صرف نکاح کا تعلق ہے یعنی وہ متوفی کا شوہر ہے اگر متوفی عورت ہو یا وہ متوفی کی بیوہ ہو اگر متوفی مرد ہو ائمہ متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ وہ بچا ہوا ترکہ پہلے ہی قسم کے حصہ داران پر رَد کیا جائے گا اور دوسرے قسم کے حصہ داران پر یعنی شوہر یا بیوہ پر اس کا رد نہیں ہوگا اور درصورتیکہ صرف دوسرے ہی قسم کے حصہ دار ہوں گے اور بچا ہوا ترکہ بہ ترتیب ان کو دے دیا جائیگا جو رد کے درجہ کے بعد والے ہیں مثلاً ذوی الارحام کو اور ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالات اور مولی الموالات بھی نہ ہوں تو مقرلہ النسب پر غیر کو مقرلہ النسب پر غیر بھی نہ ہوں تو موصی لہ بالزائد علی الثلث کو موصی لہ بالزائد علی الثلث بھی نہ ہو یا اسے دے کر بھی کچھ بچ رہے تو بیت المال کو دیں گے، علماء علاقہ بہاولپور نے بزازیہ میں جو نقل فرمائے ہیں وہ اسی مذہب متقدمین کے موافق ہیں مگر ائمہ متاخرین یہ فرماتے ہیں کہ بچا ہوا ترکہ جس طرح پہلے قسم کے حصہ داران پر بحصہ رسدی رد ہو سکتا ہے اسی طرح دوسرے قسم کے حصہ داران پر بھی رد ہو سکتا ہے اور اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جو کچھ بچا ہوا ترکہ ہو وہ احد الزوجین یعنی شوہر کو درصورتیکہ متوفی عورت ہو یا عورت کو درصورتیکہ متوفی مرد ہو دے دیں گے۔ یہی قول حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے اور اسی قولِ متاخرین پر فتوٰی دیا گیا ہے، پس اس مفتیٰ بہ قول کے موافق واحد بخش متوفی کے ترکہ میں ہے جو ۳/۶ یعنی آدھی جائداد عالم خاتون کو بحیثیت رَد کے ملے گی اور ۱/۶ اس کو بحیثیت میراث کے پہلے ہی مل چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عالم خاتون کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ۴/۶ یا ۲/۳ مل جائے گی اور شاہ محمد موصی لہ صرف وصیت کی حیثیت سے ۱/۳ حقدار رہے گا،

اب ہم وہ روایتیں نقل کئے دیتے ہیں جن سے متاخرین کے رد علی الزوجین کا قائل ہونا ہوا اور پھر اس کا مفتی بہ ہونا ثابت ہو۔ کتاب درمختار میں ہے:

فان فضل عنہا ای عن الفروض والحال انہ لاعصبۃ ثمۃ یرد

اگر میت کا ترکہ فروض سے بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو وہ بچا ہوا مال پھر

ذٰلك الفاضل علیھم بقدر سھامھم اجماعاً لفساد بیت المال الاعلی الزوجین فلا یرد علیھما وقال عثمان رضی اللہ عنہ یرد علیھما ایضا قالہ المصنف وغیرہ قلت وجزم فی الاختیار بان ھذا وھم من الراوی فراجعہ قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال[1]

ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق لوٹا دیا جائے گا کیونکہ بیت المال میں فساد آچکا ہے، مگر زوجین پر رَد نہیں کیا جائے گا۔ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رد کیا جائیگا۔ مصنف وغیرہ نے یونہی کہا ہے، میں کہتا ہوں اختیار میں یقین کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے تو اس کی طرف رجوع کر۔ میں کہتا ہوں اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے گا۔ (ت)

کتاب ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفی الاشباہ الخ قال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النھایۃ ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذا البنت والابن من الرضاع یصرف الیھما وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتاخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیٰی بن سعد التفتازانی افتی

مصنف کا قول "الاشباہ میں ہے" قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رَد کا فتوٰی دیا جاتا ہے۔ زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کردیا جائیگا۔ یونہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف رَد کیا جائے گا۔ مستصفٰی میں کہا کہ آج کے دَور میں زوجین پر رد کا فتوٰی ہے اور یہی ہمارے متاخرین علماء کا قول ہے۔ حدادی نے کہا آج کے دور میں زوجین پر رَد کا فتوٰی ہے۔ محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ بہت سے مشائخ نے

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

كثير من المشائخ بالرد عليهما اذا لم يكن من الاقارب سواهما[1] — زوجین پر رَد کا فتویٰ دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں۔ (ت)

مندرجہ بالا روایتوں سے ردعلی الزوجین کا مذہب متاخرین نیز اسی کا مفتی بہ ہونا بوضاحت ثابت ہوگیا اور اب معلوم ہوگیا کہ علماء علاقہ بہاولپور کی منقولہ روایتیں متقدمین کے مذہب کے موافق ہیں مگر مفتی بہ متاخرین کا قول ہے اراکین مستشار العلماء کو معلوم تھا کہ عام اور مشہور قول عدم الرد علی الزوجین کے موافق عالم خاتون کو صرف ¼ حصہ مل سکتا ہے لیکن کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایک عام اور مشہور قول کے واسطے قول بالرد علی الزوجین کو جس پر فتویٰ بھی دیا گیا ہے چھوڑدیں اور خاص کر جبکہ وہ بالکل معقول بھی ہو کیونکہ بعض صورتوں میں جبکہ تمام حصے داروں کے مقرری حصے دینے سے متوفی کا ترکہ قاصر ہو جس کو علم الفرائض کی اصطلاح میں عول کہتے ہیں تو سب حصہ داروں کے حصوں میں سے رسدی طور پر کم کرلیتے ہیں اور اس میں زوجین کو مستثنیٰ کرتے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب متوفی کے ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو اس بچے ہوئے کے دینے سے زوجین کو مستثنیٰ کردیں اور ان کو کچھ بھی نہ دیں خاصکر جبکہ متوفی کا کوئی رشتہ دار بھی موجود نہ ہو غرض قول بالرد علی الزوجین کو جو معقول بھی ہے اور مفتی بہ بھی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا روایتوں سے ثابت ہوتا ہے چھوڑدینا اور قول بعدم الرد علی الزوجین پر عمل کرنا خصوصًا جبکہ متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے۔

نوٹ: وصیت نامہ پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واحد بخش متوفی نے شاہ محمد خاں کے حق میں کچھ بھی وصیت نہیں کی ہے بلکہ اس کو صرف اپنا کارپرداز اور وصی مقرر کیا ہے چنانچہ وہ اسی وصیت نامہ میں لکھتا ہے کہ بعد فروخت یا کہ رہن زررہن یا زربیع میرے تجہیز وتکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا اب اگر وصیت بحق شاہ محمد ہوگی تو واحد بخش کا یہ کہنا کہ بعد فروخت یا رہن زررہن یا زربیع میری تجہیز وتکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا بے معنی ہوجاتا ہے کیونکہ اگر شاہ محمد خاں موصی ہوتا تو وہ وصیت کا خود مالک ہوتا اور جو چاہتا وہ کرتا اس لئے شاہ محمد خاں کو بحیثیت وصیت کے تیسرا حصہ جائداد کا ملے گا وہ اس لئے ملے گا کہ وہ بحق واحد بخش کردے یا نہ اس لئے کہ وہ خود اس کا مالک بن جائے ھذا واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۲

نقل جواب ۷

حامدًا ومصلیًا میں نے کاغذ مندرجہ مسل مقدمہ استفتاء عدالت وصیت نامہ فتوٰی علمائے لاہور، فتوٰی علمائے ریاست دیکھے جواب استفتاء چند مقدمات کی تمہید پر موقوف ہے جو علم فقہ میں مبیّن ومبرہن ہے۔

تمہید: میّت کے ترکہ میں سے سب سے مقدم جمیع مال سے خرچ تجہیز وتکفین ہے اس کے بعد مابقی میں سے ادائے دیون اُس کے بعد مابقی میں سے تنفیذ وصیت بالثلث اس کے بعد مابقی کی تقسیم علی فرائض اللہ، وصیت زائد علی الثلث اس وقت ناجائز ہے جبکہ متضمن ابطال حق ورثہ ہو، اور اگر ورثہ مال متروکہ کے متعلق نہ ہو مثلاً کوئی وارث موجود نہ ہو، یا وارث موجود ہو اور ابطال حق نہ ہو، یا ورثہ اپنے اضرار اور ابطالِ حق کو قبول کرلیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز و نافذ ہوگی۔

قال فی الجوھرۃ لان الامتناع لحقھم فیجوز باجازتھم[1]، وقال العلامۃ ابوالسعود فلولم یکن وارث ولو حکما صحت الوصیۃ بالکل لان المانع من الصحۃ تعلق حق الوارث[2]، وقال فی فتح القدیر فالوصیۃ بالزیادۃ علی الثلث تتضمن ابطال حقھم وذلك لایجوز من غیر اجازتھم[3]۔

جوہرہ میں کہا اس لئے کہ ممانعت وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے لہذا ان کی اجازت سے جائز ہوجائے گی۔ علامہ ابوالسعود نے کہا اگر کوئی وارث موجود نہ ہو ______ اگرچہ حکمی طور پر تو کل مال کے ساتھ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ صحیح ہونے سے رکاوٹ تو حق وارث کا اس سے متعلق ہونا ہے۔ فتح القدیر میں کہا تہائی سے زائد کی وصیت وارثوں کے حقوق کے ابطال کو متضمن ہے اور وہ ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ (ت)

اگر زائد علی الثلث اجنبی کو وصیّت کی اور صرف احد الزوجین وارث موجود ہے اور اس نے اس وصیت کو قبول نہ کیا تو اس کا اثر صرف اسی قدر رہوگا کہ اول ثلث بطور وصیت نکال کر باقیماندہ

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۸۹

[2] فتح المعین " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۵۲۸

[3] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) " المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۹/ ۳۴۶

تمام مال میں سے ربع یا نصف حصہ احد الزوجین نکالا جائے گا اور مابقی بعد احد الزوجین کل یا جز موصی لہ کو بقدر وصیت دیا جائے گا اور بعد ازاں اگر کچھ باقی رہے گا تو بیت المال میں داخل کیا جائے گا تو وصیت بثلث المال اس مال کی وصیت سے مقدم ہے جو مال ثلث کے بعد باقی رہا ہے اور اس کی بھی یہی وصیت کی گئی ہے زوجین کے لئے عدم جواز وصیت کا بھی مشروط بایں شرط ہے کہ کوئی دوسرا وارث موجود ہو۔ اور اگر دوسرا کوئی وارث موجود نہ ہو تو احد الزوجین کی وصیت للآخر صحیح و نافذ ہے، حاصل یہ کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہو یا بالمنفعت۔

قال فی ردالمحتار والاتصح کما لو اوصی احد الزوجین للاٰخر ولا وارث غیرہ[1]

ردالمحتار میں کہا ورنہ صحیح ہے جیسا کہ خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اور اس کے علاوہ کوئی اور وارث موجود نہ ہو۔ (ت)

رد علی الزوجین کا حق بیت المال سے اضعف ہے لفساد بیت المال۔ اشباہ میں ہے،

انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال[2]

ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال[3]

قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا جائیگا۔ (ت)

پس اگر بیت منتظم ہے تو مستحقین سے باقیماندہ مال بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور اگر بیت المال نہیں ہے یا ہے اور منتظم نہیں ہے اور اندیشہ ہے کہ وکیل بیت المال سے اس مال کو بیت المال میں داخل نہ کرے اور اپنے اور اپنے خدام کے صرف میں لائے تو اس صورت میں ضرورۃً زوجین پر حسبِ فتوٰی متاخرین رد کیا جائیگا اور بعد تمہید مقدمہ مذکورہ اس استفتاء کا صحیح جواب

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۶
[2] الدرالمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱
[3] ردالمحتار 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۲

یہ ہے کہ واحد بخش متوفی کے جمیع مال متروکہ میں سے سب سے اول اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائیگا جس میں رواجی صدقات وخیرات داخل نہیں بشرطیکہ مدعا علیہ نے یہ خرچ اپنے ذاتی مال میں سے بلا اجازت مدعیہ کو نہ کیا ہو، اور اگر ایسا کیا ہو تو تبرع ہو کر اس کا بار اس کی ذات پر رہے گا' نہ مدعیہ پر، بعد ازاں اگر متوفی نے مدعیہ کو دین مہر میں زیورات کی وصیت کی ہے چنانچہ اس کا اعتراف ہے اور مدعا علیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کر کے قبول کر لیا ہے تو زیورات اس کو دین مہر میں دیئے جائیں گے اور اگر بالفرض دین مہر میں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تو اس صورت میں باقیماندہ تمام مال میں سے دین مہر زوجہ ادا کیا جائے گا بعد ازاں وصیت جاری کی جائے گی صورت موجودہ میں واحد بخش نے تین وصیتیں کی ہیں جو اس کے تمام مال کو مستغرق ہیں ایک وصیت زوجہ کو کی ہے جو صرف زیورات کے متعلق ہے خواہ یہ وصیت محضہ ہو یا وصیت ادا۔ دین مہر کے لئے ہو جیسا کہ زوجہ کا اقرار ہے اور دوسری وصیت زوجہ کو ہے جو مکان کے سکنی اور ظروف کے استعمال کے متعلق ہے اور تیسری وصیت باقی ماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے جس کو مدعیہ نے قبول نہیں کیا ہے اور وہ وصیت ثلث مال سے زائد کی ہے پس صورت موجودہ میں بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین مہر اس طرح نفاذ وصیت کیا جائے گا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یا ظروف وغیرہ ایک ثلث یعنی $\frac{4}{12}$ اول شاہ محمد کو دیا جائے گا اور باقیماندہ میں سے چوتھائی حصہ $\frac{2}{12}$ جو زوجہ کا ہے یعنی سدس کل $\frac{2}{12}$ اس کو دیا جائے گا پھر باقیماندہ $\frac{6}{12}$ بھی لعدم المزاحم شاہ محمد کو دیا جائے گا اور تصحیح سہامات کی بارہ ^{12} سے ہوگی تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ علاوہ زیورات بارہ سہام ہو کر' اول چار سہام بحکم وصیت بالثلث شاہ محمد کو دیئے جائیں گے بعد ازاں باقی ماندہ آٹھ سہام میں سے دو سہام جو ربع مابقی ہے اور سدس کل ہے عالم خاتون زوجہ کو دیئے جائیں گے' بعد ازاں چھ سہام باقیماندہ بحکم وصیت زائد علی الثلث لعدم المزاحم شاہ محمد کو دئے جائیں گے، پس شاہ محمد کو اس مال میں سے $\frac{10}{12}$ سہام ملیں گے اور عالم خاتون زوجہ کو اس مال میں سے جس کی وصیت شاہ محمد کو کی ہے $\frac{2}{12}$ سہام دئے جائیں گے۔ روایات ذیل ملاحظہ ہوں:

قال العلامة السعود فی فتح المعین ولو اوصت بکل مالها لزوجها کان الکل له نصفه بطریق الارث ونصفه بطریق الوصیة قهستانی عن قاضیخان وکذا یستحق الزوج الکل اذا

علامہ ابو السعود نے فتح المعین میں فرمایا اگر عورت نے اپنے شوہر کے لئے کل مال کی وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہو گا نصف بطور میراث اور نصف بطور وصیت۔ قہستانی میں بحوالہ قاضیخان منقول ہے یونہی خاوند کل مال کا مستحق ہو گا جبکہ

اوصت لہ بالنصف ثم قال و انما قیدوا بالزوجین لان غیرھما لایحتاج للوصیۃ لانہ یرث الکل بردٍ اورحمٍ[2]، قال العلامۃ ابن عابدین فی ردالمحتار فاذا اوصی بما زاد علی الثلث ولم یکن الاوارث یرد علیہ واجازھا فالبقیۃ لہ و ان اجاز من لایرد علیہ ففرضہ فی البقیۃ و باقیھا لبیت المال، فلو اوصی بثلثی مالہ واجازت الزوجۃ فلھا ربع الثلث واحد من اثنی عشر مخرج الثلثین وربع الباقی ولبیت المال ثلثۃ ولزید ثمانیۃ وان لم تجز واوصی لھا ایضا اولا فقد اوضحہ فی الجوھرۃ فراجعھا[2] قال فی الجوھرۃ فی شرحہ ولایجوز ما زاد

عورت نے اس کے لئے نصف مال کی وصیت کی ہو، پھر کہا کہ مشائخ نے زوجین کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ ان دونوں کے علاوہ جو ورثاء ہیں انھیں وصیت کی محتاجی نہیں اس لئے وہ رد یا رشتہ داری کی وجہ سے کل کے وارث بن جاتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں کہا اگر تہائی سے زائد کی وصیت کی اور اس کا صرف ایک ایسا وارث موجود ہے جس پر رد کیا جاتا ہے اور اس نے وصیت کی اجازت دے دی تو باقی مال اس کا ہے۔ اور اگر ایسے وارث نے اجازت دی جس پر رد نہیں کیا جاتا تو اس کا فرضی حصہ باقی سے نکال کر جو بچ گیا وہ بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اگر کسی نے دو تہائی مال کی وصیت کی اور اس کی بیوی نے اجازت دیدی تو بیوی کو ایک تہائی کا چوتھا حصہ ملے گا جو کہ بارہ میں سے ایک بنتا ہے اور بارہ مخرج ہے دو تہائی اور باقی کی چوتھائی کا، چنانچہ بارہ میں سے بیت المال کے لئے تین اور زید جس کے لئے وصیت کی گئی تھی کے لئے آٹھ حصے ہوں گے۔ اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی حالانکہ یہ پہلے اس کے لئے بھی وصیت کرچکا ہے تو اس کو جوہرہ میں خوب واضح کیا ہے اسی کی طرف رجوع کرو۔

---

[1] فتح المعین کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹-۵۲۸

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

على الثلث يعني اذا كان هناك وارث
يجوز ان يستحق جميع
الميراث اما اذا كان لا يستحق
جميع المال كالزوج والزوجة
فانه يجوز ان يوصي بما زاد
على ذٰلك ولا يمنع من ذٰلك
استحقاقهما ما يرثانه لانهما
يستحقان سهما من الميراث
لا يزاد عليه بحال فما زاد
على ذٰلك فهو مال المريض
لاحق فيه لاحد فجاز ان يوصي به و
على هذا قال محمد رحمه الله
اذا تركت المرأة زوجا ولم
تترك وارثا غيره واوصت لاجنبي
بنصف مالها فالوصية جائزة و
يكون للزوج ثلث المال وللموصى
له النصف وبقي السدس لبيت المال
وانما كان للزوج الثلث لانه لا يستحق
الميراث الا بعد اخراج الوصية
فيحتاج الى ان يخرج الثلث
اولا للموصى له لانه يستحقه
بكل حال فيبقى الثلثان
يستحق الزوج نصفه ميراثا
يبقى الثلث، السدس للموصى
له تكملة للنصف ويبقى السدس

جوہرہ میں اس کی شرح میں کہا تہائی مال سے
زائد کی وصیت جائز نہیں اگر وہاں کوئی ایسا
وارث موجود ہو جو کل مال کا وارث بن سکتا ہے لیکن جو کل مال کا مستحق
نہیں بن سکتا جیسے خاوند اور بیوی تو وہ تہائی
مال سے زائد کی وصیت کر سکتا ہے۔ اور زوجین
جس حصہ میراث کے مستحق ہیں وہ اس سے
مانع نہیں کیونکہ وہ میراث کے ایک خاص حصہ
کے وارث ہوتے ہیں اس پر کسی حال میں اضافہ
نہیں ہوتا، جو اس سے زائد ہے وہ مریض کا
مال ہے اس میں کسی کا حق نہیں لہذا جائز ہے
کہ وہ اس کی وصیت کر جائے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ
نے فرمایا اگر کوئی عورت خاوند کے علاوہ کوئی
وارث نہ چھوڑے اور کسی اجنبی شخص کے لئے
نصف مال کی وصیت کر جائے تو وصیت جائز
ہوگی۔ اس صورت میں شوہر کو ایک تہائی
اور وصیت والے شخص کو نصف ملے گا۔ باقی رہا
چھٹا حصہ وہ بیت المال کا ہے۔ اور شوہر کے لئے
کل کا تہائی حصہ اس لئے ملے گا کہ شوہر وصیت کا
مال نکالنے کے بعد ہی میراث کا مستحق ہوگا۔
چنانچہ پہلے وصیت والے شخص کے لئے کل مال
سے تہائی حصہ بطور وصیت نکالنے کی ضرورت
ہے کیونکہ وہ شخص ہر حال میں اس کا مستحق ہے
باقی دو تہائی مال بچا تو شوہر اس دو تہائی
میں سے نصف یعنی ایک تہائی کا بطور میراث
مستحق ہوگا۔ باقی ایک ثلث بچ گیا اس میں سے

لا يستحق له فيكون لبيت المال
وكذا اذا اوصت بذلك لزوجها كان
المال كله له نصفه ميراثا
ونصفه وصية لانه لا يستحق
الوصية قبل الميراث
بخلاف الاجنبي لان الزوج
وارث وانما جازت له
الوصية لانه لا وارث لها
تقف صحة الوصية على
اجازته وعلى ذلك اذا
ترك زوجة لا وارث له
غيرها واوصى لرجل بجميع
ماله كان لها السدس
وللموصى له خمسة اسداس
لانها لا تستحق من الميراث
شيئا حتى يخرج الثلث
للوصية فاذا خرج الثلث
استحقت ربع الباقي وما
بقي بعد ذلك يكون للموصى
له بالجميع واصله من
اثني عشر للموصى له اربعة
وهو الثلث يبقى الثلثان
ثمانية للزوجة ربعها
اثنان يبقى ستة تعود للموصى
له فيكون له عشرة

وصیت والے شخص کو چھٹا حصہ دیں گے تاکہ کل کا نصف
مکمل ہو جائے اور ایک چھٹا حصہ باقی بچا جس کا
کوئی مستحق نہیں لہذا وہ بیت المال کا ہے یونہی
اگر اس عورت نے شوہر کے لئے نصف مال کی
وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہو جائے گا نصف
بطور میراث اور نصف بطور وصیت، کیونکہ شوہر
میراث سے پہلے وصیت کا مستحق نہیں ہوتا بخلاف
اجنبی کے اس لئے کہ شوہر وارث ہے۔ بیشک
شوہر کے لئے یہ وصیت جائز ہے کیونکہ کوئی ایسا
وارث موجود نہیں جس کی اجازت پر وصیت کا
صحیح ہونا موقوف ہو۔ اور اسی کی بنیاد پر اگر
کسی کا بیوی کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور وہ
اجنبی شخص کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کر جائے
تو بیوی کو چھٹا حصہ (۱/۶) ملے اور جس کیلئے وصیت
کی گئی اس کو پانچ حصے (۵/۶) ملیں گے کیونکہ بیوی
میراث میں سے کسی شئ کی اس وقت تک مستحق
نہیں ہو گی جب تک وصیت کیلئے ایک تہائی
مال ترکہ سے نکال نہ لیا جائے جب ایک تہائی
مال نکل گیا تو بیوی باقی (جو کہ دو تہائی ہے) کے
چوتھے حصے کی مستحق ہو گی، پھر بیوی کے حصہ کے
بعد جو بچ گیا وہ اس شخص کو دے دیا جائے گا
جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے اس
میں کل مال کے بارہ ۱۲ حصے بنائے جائیں گے جن
میں سے وصیت والے کو ایک تہائی یعنی چار حصے
دیں گے باقی دو تہائی یعنی آٹھ حصے بچے جن کا

من اثنی عشر و ذٰلک خمسة اسداسها[۱]۔ چوتھائی یعنی دو حصے بیوی کے ہیں باقی چھ حصے وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں تو اس طرح اس کے کل حصے بارہ ۱۲ میں سے دس ۱۰ ہوجائیں گے جو کہ چھ میں پانچ (۵/۶) بنتے ہیں۔ (ت)

بعدازاں سوالاتِ عدالت کا نمبروار جواب بتفصیل ہے یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی ہے اور موافق اس تفصیل کے جو مجمل جواب میں گزر چکی ہے شرعاً صحیح و نافذ ہے وصیت بحق شاہ محمد زائد علی الثلث ہے عالم خاتون زوجہ نے اگر اس کو قبول نہیں کیا تو اس کا نفاذ حسب ذیل تقسیم ہوکر ہوگا۔ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار ہوگا بلکہ تمام زیورات اس کو ملیں گے ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو ۲/۳ سہام مدعا علیہ کو ۱/۳ سہام اور دیگر جائداد و مکانات و ظروف وغیرہ میں سے مدعیہ ۲/۱۲ اور مدعا علیہ کو ۱۰/۱۲ سہام ملیں گے کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعا علیہ کو ملے گا پھر ربع باقی ماندہ ۲/۸ یعنی سدس کل ۲/۱۲ مدعیہ کو ملے گا بعدازاں باقیماندہ یعنی نصف ۶/۱۲ مدعا علیہ کو ملے گا جو زیورات قیمتی سماۃ عسے بروئے وصیت مدعیہ کو دیئے گئے ہیں اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں ہے اور اگر محض بطورِ وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا بروئے وصیت بالثلث حق ثلث ہوگا اور اس صورت میں تمام زیورات میں ۱/۳ سہام مدعا علیہ کو اور ۲/۳ مدعیہ کو ملیں گے لیکن اس شق ثانی پر نفاذ وصیت سے بیشتر مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا اگر مدعا علیہ نے تجہیز و تکفین متوفی کی اپنے مال سے بلا اطلاع و بلا اجازت مدعیہ کی ہے چونکہ یہ صرف تبرع ہے لہذا اس خرچ کا بار صرف مدعا علیہ کے مال پر ہے اور مدعیہ پر اس کا مطلق بار نہ ہوگا اور اگر باجازت مدعیہ اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ہے یا متوفی کے ترکہ میں سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا جو ہر دو مدعا علیہ اور مدعیہ کے متعلق ہوگا۔ حق سکنی مکانات اور حق استعمال ظروف وغیرہ کے جو موصی نے عالم خاتون زوجہ کو وصیت کی ہے اس وصیت کے بار سے ثلث مال جو بطور وصیت شاہ محمد کو اول ملے گا بری رہے گا البتہ علاوہ ثلث مال کے جو شاہ محمد کو بعد اخراج ثلث ملے گا اس میں مدعیہ کو تا نکاح ثانی حسبِ وصیت حاصل رہے گا کیونکہ زوجہ کی وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہوسکتی ہاں زائد علی الثلث کے مساوی ہے لہذا زائد علی الثلث یعنی ۶/۱۲ میں اس کا نفاذ اس طرح ہوگا کہ رقبہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے اور منفعت کی وصیت مدعیہ کے لئے قرار دی جائے گی جو حصہ مدعیہ کا اور مدعا علیہ کا جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میں ہے اُس کے متعلق ہر ایک فریق کو اختیار ہے کہ وہ فریق ثانی سے بشرطیکہ

---

[۱] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۹۰-۳۸۹

وہ رضامند بھی ہو قیمت لے ورنہ حسب سہامات مذکور تقسیم کرالے شرعًا قیمت لینے کے متعلق کسی فریق پر جبر نہیں ہوسکتا۔

الحاصل تعین حصص مدعیہ و مدعی کے متعلق جواب علمائے ریاست صحیح ہے اور مستشار العلماء لاہور صحیح نہیں ہے زیورات کے متعلق شرعی بایں تفصیل ہے کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگر مدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیکًا دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں اُن پر کوئی بار حق کہ تجہیز و تکفین اور وصیت کا بھی نہیں ہوگا اور اگر مرض موت میں وصیت کی ہے تو اگر بعوض دین مہر ہو تو البتہ اس صورت میں تجہیز و تکفین کے بارے حسب حصہ زیورات مستثنیٰ نہ ہوں گے بشرطیکہ مدعا علیہ نے بلا اجازت مدعیہ اپنے مال سے خرچ نہ کیا ہو لیکن وصیت بالثلث کے بارے مستثنیٰ ہوں گے یعنی بعد خرچ تجہیز و تکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے اور اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بعد تجہیز و تکفین اول دین مہر ادا کیا جائیگا، بعد ازاں بحکم وصیت بالثلث زیورات میں سے بھی $\frac{1}{3}$ یعنی $\frac{1}{3}$ ثلث مدعا علیہ کو ملے گا باقیماندہ $\frac{2}{3}$ حصہ زیورات مدعیہ کو ملیں گے، پس حکم عدم جواز وصیت صحیح نہیں اور نہ حکم بعدم جواز وصیت بالمنفعت بھی صحیح نہیں بلکہ اُس کا نفاذ علاوہ ثلث کے ہوگا، صورتِ موجودہ میں علماء انجمن مستشار العلماء کا دعویٰ بطلان وصیت اور جواز رد علی الزوجین کے متعلق صحیح نہیں ہے کیونکہ رُد علی الزوجین کا تعلق اس صورت کے ساتھ جس جگہ حقوق متقدمہ سے باقیماندہ کو بیت المال کے لئے قرار دیا ہے اور جس صورت میں حقوق تمام ترکہ کو مستغرق ہوں اور بیت المال تک نوبت نہ پہنچے جیسا کہ وہاں بیت المال کے لئے کچھ نہیں باقی رہا تو رد علی الزوجین کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ بحکم مقدمہ خامسہ رد علی الزوجین کے جواز کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا بیت المال کے فساد کے ساتھ مشروط ہے اگر بیت المال منتظم موجود ہو تو رد علی الزوجین نہیں ہوسکتا لہذا حکم رد علی الزوجین حکم تفویض بیت المال سے بھی مؤخر ہوا صورت موجودہ میں اور فرض زوجہ تمام باقیماندہ ترکہ کو مستغرق ہیں باقی ماندہ ترکہ کا کوئی فرد ان حقوق متقدمہ کے بعد باقی نہیں رہتا، پس نہ تفویض بیت المال کا حکم ہوسکتا ہے نہ رد علی الزوجین کا۔ پس یہ بحث اس جگہ نہایت تعجب انگیز ہے، چنانچہ اس کی تشریح اور تردید اپنی تحریر مندرجہ مسل کافی طور پر کردی ہے اپنی دوسری تحریر میں ایک نوٹ لکھتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ واحد بخش نے شاہ محمد کو حفاظت جائداد کی وصیت کی ہے نہ تملیک کی، لہذا وہ وصی ہے نہ موصی لہ چونکہ اس کی تردید علمائے ریاست نے کافی طور پر فرمائی ہے لہذا ہم کو اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم وعلمہ

اتم و احکم۔

نقل جواب ۸

میں نے حضرات علمائے کرام کے فتاوٰی مع کاغذات متعلقہ مسل مقدمہ کو غور سے پڑھا اور بار بار بغرضِ تنقیح امر متنازعہ فیہ حوالہ جات کتب فقہ میں تدبر کیا چنانچہ حسب ذیل فیصلہ پر آگاہ ہوا، بتوفیقہ تعالٰی اس میں تو کلام نہیں کہ رد علی الزوجین میں فقہائے متاخرین کا اختلاف ہے یعنی فقہائے متقدمین قطعاً رد علی الزوجین کے قائل نہیں ہیں اور فقہائے متاخرین رد مذکور کے قائل ہیں نیز اس میں کلام نہیں کہ فتوٰی متاخرین کے قول پر ہے چنانچہ صاحبِ ردالمحتار فرماتے ہیں:

قال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النہایۃ ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذا البنت و الابن من الرضاع یصرف الیہما وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیہما اذالم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام وظلم الحکام فی ھذہ الایام الی اخرہ۔

قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا جائیگا' زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے فرضی حصہ کو وصول کرنے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ اسی پر رد کر دیا جائیگا' یوں ہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف لوٹایا جائے گا، مستصفٰی میں کہا آج کے زمانے میں فتوٰی زوجین پر رد کرنے کے ساتھ ہے' محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سے مشائخ نے فتوٰی دیا ہے کہ زوجین پر رد کیا جائے گا جبکہ اُن کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو، کیونکہ ان دنوں میں پیشوا خراب اور حکام ظالم ہو چکے ہیں الخ۔ (ت)

اب بحث طلب بات رہ جاتی ہے کہ فقہائے متاخرین جن کے قول پر فتوٰی ہے ذوی الارحام مولی الموالات مقرلہ بالنسب علی الغیر موصی لہ بجمیع المال ان چاروں کے نہ ہونے کی صورت میں رد مذکور کے قائل ہیں، صاحبِ درمختار کی عبارت مندرجہ ذیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین رد علی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجہ میں اور انھیں کے ساتھ رد علی احد الزوجین کے

لے ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

قائل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والرد ضدہ (ای ضد العول) کما مر وحینئذ فان فضل عنہا ای عن الفروض والحال انہ لاعصبۃ ثمۃ یرد الفاضل علیہم بقدر سہامہم اجماعا لفساد بیت المال الاعلی الزوجین فلا یرد علیہما وقال عثمان رضی اللہ عنہ یرد علیہما ایضا قالہ المصنف وغیرہ قلت وجزم فی الاختیار بان ھذا وھم من الراوی فراجعہ قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیہما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء[1]

رد ضد ہے عول کی، جیسا کہ گزرا، تو اب جب فروض سے کچھ بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ وہاں موجود نہ ہو تو وہ بچا ہوا مال بالاتفاق ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائیگا سوائے زوجین کے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رُد کیا جائے گا، ایسا ہی مصنف وغیرہ نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اختیار میں جزم کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے تو تم اسی کی طرف رجوع کرو۔ میں کہتا ہوں اشباہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے گا۔ اسکا ذکر پہلے ہم کتاب الولاء میں کر آئے ہیں (ت)

اگر فقہائے متاخرین کے نزدیک رد علی الزوجین کا درجہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مصنف صاحب اشباہ کے اختلاف کو یہاں یعنی رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے ساتھ ملا کر بیان کی کیا ضرورت تھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر جو دلیل کتاب روح الشروح سے منقول ہے اس سے یہی صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ رد علی الزوجین اور رد علی ذوی الفروض النسبیہ ایک ہی درجہ پر رکھتے ہیں کیونکہ اس میں رُد کو عول پر قیاس کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ عول میں ذوی الفروض النسبیہ اور احد الزوجین برابر ہیں تو پھر رد میں بھی ان کو برابر ہونا چاہئے متاخرین کی طرف سے رد علی الزوجین کی دلیل میں فساد بیت المال بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ جب ترکہ کے بیت المال میں جانے کا موقعہ ہو تو اس کے فاسد ہوجانے کے باعث رد علی الزوجین ہونا چاہئے اور جب بیت المال میں جانے کا موقعہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہے تو رد علی الزوجین بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

ہونا چاہئے لیکن درمختار کی عبارت مسطورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد علی ذوی الفروض النسبیہ کی دلیل سے ہی فساد بیت المال ہی کو پیش کیا ہے تو چاہئے کہ رد علی ذوی الفروض النسبیہ بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہی ہو اور اس کا تو کوئی قائل بھی نہیں ہے۔ حاشیہ ضیاء السراج وغیرہ سے جو جزئیات علماء نے نقل کئے ہیں وہ سب متقدمین کے مذہب پر مبنی ہیں جو زیادہ تر مروج اور مشہور ہے، اسی لئے ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

اقول ولم نسمع ایضا فی زماننا من افتی بشیئ من ذلك ولعله لمخالفته للمتون فلیتأمل لکن لا یخفی ان المتون موضوعة لنقل ما هو المذهب وهذه المسئلة مما افتی بها المتاخرون علی خلاف اصل المذهب[1]

میں کہتا ہوں ہم نے اپنے زمانے میں سنا بھی نہیں کہ کسی نے ایسا فتوٰی دیا ہو شاید متون سے اس کے مخالف ہونے کی وجہ سے۔ پس تأمل چاہئے، لیکن پوشیدہ نہیں کہ متون نقلِ مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں، اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں متاخرین نے اصلِ مذہب کے خلاف فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

بہرکیف اگر کسی صاحب کو کوئی ایسی طرح روایت مل جائے کہ فقہائے متاخرین موصی لہ بجمیع المال کے نہ ہونے کی صورت میں رد علی الزوجین کے قائل ہیں تو خاکسار اور دیگر اراکین مستشار العلماء کو اپنی رائے بدل دینے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا لیکن حضرات مفتیان نے ابھی تک اس امر کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچایا وہ روایات وجزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ بجمیع المال کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین نہیں ہوگا وہ بتمامہا فقہائے متقدمین کے قول پر مبنی نہیں ہے اور اس قول کے موافق اگر موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو بھی رد علی الزوجین نہیں ہوسکتا مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو رد علی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں، اور میرے خیال میں یہ کسی کا بھی مذہب نہیں، بہرصورت جزئیات مندرجہ فتاوٰی متعلقہ مسئلہ ہذا جن سے موصی لہ بجمیع المال کو رد علی الزوجین پر مقدم رکھا گیا ہے وہ مذہب متقدمین پر مبنی ہیں نہ متاخرین پر جو مفتی بہ مذہب ہے اور اگر یہ امر قطعاً ثابت ہوجائے کہ وہ مذہب متاخرین پر مبنی ہیں تو حضرات علماء ریاست کا فتوٰی صحیح ہے مگر بنظرِ امعان صاف معلوم ہوتا ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

کہ اس امر کو کسی مفتی نے صاف نہیں کیا لہذا خاکسار کا فیصلہ اس مسئلہ میں وہی ہے جس کو انجمن مستشار العلماء لاہور نے اپنے فتوی میں لکھ دیا ہے اور جس کے ساتھ یہی متفق ہیں؛ اس مسئلہ میں اس سے زیادہ بحث فضول ہے اور فیصلہ عدالت کے لئے کافی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع و المآب ۔ فقط

الجواب

(جواب امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ رب العٰلمین وبہ نستعین برسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو کُل جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی سے پھر اس کے رسول سے ہم مدد چاہتے ہیں اللہ تعالٰی اپنے رسول پر درود، سلام اور برکتیں فرمائے اور آپ کی تمام آل واصحاب پر ۔ (ت)

الحمدللہ یہاں فتوٰی پر فیس نہیں لی جاتی ان اجری الا علی رب العٰلمین[1] (میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے ۔ ت) منی آرڈر واپس کر دیا، سوالات اور ان کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے، مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجب نہ تھا ایک کے فتوٰی میں دوسرے کا جو ذکر تھا وہ لکھ کر محو کر دیا گیا یا بیاض چھوڑی ہے یہاں اس سے کوئی بحث نہیں بعونہٖ عزوجل تحقیق حق سے کام ہے مگر اتنی گزارش مناسب ہے بحمدہٖ تعالٰی یہاں مسائل میں نہ کسی دوست، کی رعایت ہے، ہمارے رب عزوعلا نے نہ فرمایا:

یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علٰی انفسکم[2]

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۹
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت۔ کیا ہمارے مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے نہ فرمایا:

لا یجرمنکم شنأن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی[1] اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔ (ت)

مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت پھر مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت سے امید واثق ہے کہ لایخافون لومۃ لائم سے بہرۂ وافی عطا فرمایا ہے، وللہ الحمد، اسی بنا پر بہت افسوس کے ساتھ گزارش کہ آٹھوں فتووں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں اکثر سراپا غلط ہیں اور بعض مشتمل بر اغلاط۔ اب ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ اولاً کچھ مسائل کا افادہ کریں اور ہر افادہ پر جو فوائد متفرع ہوتے اس کے ساتھ لکھیں جن سے وضوحِ احکام کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو کہ ان فتووں نے کہاں کہاں کیا غلطیاں کیں اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں اُن کی نظر سے رہ گئیں۔ مفتی صاحبوں نے انصاف فرمایا تو یہ امر باعثِ ناراضی نہ ہوگا بلکہ وجہِ شکر کہ مقصود بیانِ حق و اظہارِ احکام ہے نہ کہ کسی کے طعن و الزام، اور یہ امر قدیم سے معمول علمائے اسلام۔

ثانیاً پانچوں سوالات حال کے جواب دیں۔

ثالثاً ساتوں سوالات سابق کے جواب لکھیں جو اُن مفتیوں سے کئے گئے اور جواب غلط و ناقص ہے، یہ اس لئے کہ محکمہ قضا نے جن امور کی نسبت تحریر فرمادیا ہے کہ فتاوٰی مصدرہ میں جو سوال زیر بحث آکر طے ہوچکے ہیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ان میں بھی اظہارِ حق ہو کہ قابل اطمینان بات ساف نہ ہوئی تھی اس کا حق ہمیں خود ہی تھا اور اس تحریر دار القضا کے بعد بدرجۂ اولیٰ کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوٰی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں۔

رابعاً حکم اخیر لکھیں کہ اس مقدمہ میں دار القضا کو کیا کرنا چاہئے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب (اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/۸
[2] القرآن الکریم ۵/۵۴

الافادات و التفریعات
(افادے اور تفریعیں)

افادۂ اُولیٰ

شاہ محمد خاں مکانات و اثاث البیت کا ضرور موصٰی لہ ہے آغاز وصیت نامہ میں ہے وہ مکانات زیرِ حفاظت شاہ محمد خاں کے رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر صرف "زیرِ حفاظت" کہتا شاہ محمد خاں وصی ہوتا مگر اس فقرہ نے کہ مالک بھی رہے گا ظاہر کر دیا کہ مقصود وصیت ہے نہ کہ وصایت۔ پھر کہا مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے، پھر کہا غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اس "وغیرہ" کی یوں تشریح کی ہے علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ پھر کہا کل اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے۔ غرض جا بجا تملیک کی تصریح کی اور پُر ظاہر کہ یہ تملیک بلا معاوضہ بروجہ تبرع و احسان ہے اور آخر میں کہا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابلِ تعمیل ہوں گے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہونگے، صاف واضح کر دیا کہ یہ تملیک مضاف الیہ مابعد الموت ہے تو قطعاً وصیت ہوئی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ میں فرماتے ہیں:

الوصیۃ فی الشریعۃ تملیک مضاف الی ما بعد الموت بطریق التبرع[1]

وصیت شریعت میں ایسی تملیک کو کہتے ہیں جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ (ت)

ہاں وصیت نامہ میں مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن زرِ رہن یا زرِ بیع میری تجہیز و تکفین اور میری ارواح پر بخشش دے گا اسے منافیِ تملیک سمجھنا صریح غلط ہے وہ خود اس کے متصل ہی کہتا ہے یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے خود اسی کلام کی تفسیر تملیک سے کر رہا ہے تو اسے تملیک سے جدا کرنا توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ (قول کی ایسی توجیہ کرنا جس پر قائل

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب صفۃ الوصایا الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۲

35

راضی نہ ہو۔ ت) ہے اور جب مالک شاہ محمد خاں ہوا تو جملہ مذکورہ کسی طرح وصایت یعنی اُسے وصی بنانے کا مفید نہیں ہوسکتا کہ وصی وہ ہے جسے موصی مال موصی میں تصرف کا اختیار دے نہ وہ جسے ایک مال کا مالک کرکے پھر اس سے درخواست کرے کہ وُہ اپنا مال بیچ کر اس کے کام میں خرچ کردے یہ سوال ہوا نہ کہ ایصاً ظاہر ہے کہ وصایت مثل وکالت دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ہے بلکہ وصایت عین وکالت ہے فرق اس قدر کہ وکالت حیات میں ہوتی ہے اور وصایت بعد موت۔ خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

انت وکیلی بعد موتی یکون وصیا انت وصیی فی حیاتی یکون وکیلا لان کلا منھما اقامۃ للغیر مقام نفسہ فینعقد کل منھما بعبارۃ الآخر[1]

تُو میرے مرنے کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ وصی بن جائے گا۔ اور تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو اس سے وہ وکیل بن جائے گا کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک کسی غیر کو اپنا قائمقام بنانا ہے لہذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عبارت کے ساتھ منعقد ہوجائے گا۔ (ت)

مال اگر اپنی ملک پر رکھ کر اُس سے کسی تصرف کے لئے کہتا تو ضرور اسے اپنی جگہ قائم کرنا ہوتا اور جب مال اس کی ملک کرچکا تو اب موصی کا اس میں کیا مقام رہا جس پر اسے قائم کرتا ہے ولوجہ اجلی وصایت باب ولایات واطلاقات سے ہے یعنی دوسرے کو اختیار دینا اُسے نافذ التصرف بنانا، ولوالجیہ پھر ادب الاوصیاء میں ہے:

الایصاء المیت نقل الولایۃ الی الوصی[2]

میّت کا وصیّت کرنا اپنی ولایت کو وصی کی طرف منتقل کرنا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان فی الوکالۃ والاذن للعبد اطلاقا عما کانا ممنوعین عنہ من التصرف فی مال المؤکل والمولی[3]

اس لئے کہ وکالت اور اپنے غلام کو اذن دینے میں اس چیز کی اجازت دینا ہے جس سے پہلے اس کے لئے ممانعت تھی یعنی مؤکل اور مولا کے مال میں تصرف کرنا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۴۷

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الایصاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۸۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۲۲-۲۲۳

توضرور ہے کہ اس کے اختیار دینے سے اُسے اختیار ملے اور جس مال کا آدمی خود مالک ہوگیا اس کا اختیار خود اس کی مالکیت اُسے دے گی اگرچہ شئی کی مالکیت دوسرے کے دیئے سے ہو جیسے ہبہ کہ موہوب لہ بعد ملک جو اس میں تصرفات کریگا اپنے اختیار ذاتی سے کریگا نہ کہ واہب کی نیابت سے اگرچہ موہوب لہ پر ملک واہب کے دیئے سے ملی تو جس طرح تملیک عین بلا عوض فی الحیاۃ یعنی ہبہ سے حصول اختیارات کے باعث موہوب لہ واہب کا وکیل نہ ہوجائے گا یوں ہی تملیک عین بلا عوض بعد الممات یعنی وصیت مال سے حصول اختیارات کے سبب موصی لہ موصی کا وصی نہیں ہوسکتا۔ وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت)۔

وبوجہ اخصر یہ تملیک ہے اور کوئی اطلاق تملیک نہیں تو یہ اطلاق نہیں اور ہر وصایت اطلاق ہے تو یہ وصایت نہیں وھو المطلوب قیاس ثانی کا صغری پہلے کا نتیجہ ہے اور کبری کا ثبوت ردالمحتار سے گزرا اور قیاس اول کا صغری بدیہی ہے اور کبری کا ثبوت اس عبارت درمختار سے ہے:

کل ماکان من التملیکات او التقییدات یبطل تعلیقہ بالشروط والاصح لکن فی اسقاطات والتزامات یحلف بھما یصح مطلقا وفی اطلاقات وولایات وتحریضات بالملائم بزازیۃ[1]

جو کچھ تملیکات وتقییدات میں سے ہے وہ اسکی تعلیق شرط کے ساتھ باطل ہے ورنہ صحیح ہے، لیکن اسقاطات والتزامات جن پر قسم کھائی جاتی ہے ان میں شرط کے ساتھ تعلیق مطلقاً صحیح ہے جبکہ اطلاقات، ولایات اور ترغیبات میں بشرط مناسب جائز ہے، بزازیہ۔ (ت)

تنبیہ: قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ اگر مملِّک بالکسر کہ تملیک بلا عوض کے ساتھ مملَّک بالفتح کی کسی مصلحت میں خرچ یا استعمال کرنا ذکر کرے تو اُسے مشورہ ٹھہراتے ہیں مملَّک پر اس کی پابندی ضرور نہیں ہوتی کہ جب وہ مالک ہوگیا اُسے اختیار ہے جہاں چاہے اُٹھائے مثلاً یہ کپڑا میں نے تجھے دیا کہ تو اسے پہنے یا یہ مکان تجھے ہبہ کیا کہ تو اس میں سکونت کرے۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصح بایجاب کوھبت ونحلت واطعمتک ھذا الطعام وداری لک ھبۃ تسکنھا[2]

یہ ایجاب سے صحیح ہوجاتا ہے جیسے کہا کہ میں نے ہبہ کیا، میں نے بخوشی بخشا، میں نے یہ طعام تجھے دے دیا اور میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے کہ تو اس میں رہائش رکھے۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ " " " ۲/ ۵۹-۱۵۸

درمختار میں ہے :

لان قولہ تسکنھا مشورۃ فقد اشار علیہ فی ملکہ بان یسکنہ فان شاء قبل مشورۃ وان شاء لم یقبل[1]

کیونکہ اس کا قول کہ "تُو اس میں رہائش رکھے" ایک مشورہ ہے جو واہب نے موہوب لہ کی ملکیت میں دیا اگر چاہے تو مشورہ قبول کرے ورنہ نہ کرے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

کقولہ ھذا الطعام لک تاکلہ او ھذا الثوب لک تلبسہ ، بحر[2]۔

جیسے واہب کا قول کہ یہ کھانا تیرے لئے ہے کہ تو اس کو کھائے یا یہ کپڑا تیرے لئے ہے کہ تُو اس کو پہنے ، بحر۔ (ت)

اور اگر خود اپنی یا اس چیز یا صالح استحقاق شخص ثالث کی کوئی مصلحت ذکر کرے تو اسے شرطِ فاسد قرار دے کر تملیک کو صحیح اور شرط کو باطل کرتے ہیں ، مثلاً یہ غلام میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر میری یا زید کی خدمت کرے ، یا اس شرط پر کہ تُو اسے آزاد کردے۔ درمختار میں ہے :

حکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح وتبطل الشرط[3]۔

ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ، چنانچہ غلام کا ہبہ اس شرط پر کہ موہوب لہ اس کو آزاد کردے صحیح ہے اور شرط باطل ہوجائے گی۔ (ت)

نہ یہ کہ جب اپنی مصلحت ذکر کرے تو سرے سے تملیک ہی اڑا دیں اور اسی ذکر مصلحت کو اس کے بطلان کا قرینہ ٹھہرا دیں۔ یُوں ہوتا تو یہ کہنا کہ میں نے زید کو اس غلام کا مالک کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر بعد مجھے واپس کردے ہبہ نہ ہوتا عاریت قرار پاتا حالانکہ یہ باجماعِ ائمہ حنفیہ باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے :

---

[1] الدرالمختار | کتاب الھبۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۵۹
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/۵۰۹
[3] الدرالمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۵۸

قال اصحابنا جمیعا رحمهم اللّٰہ تعالٰی اذا وھب ھبۃ وشرط فیھا شرطا فاسدا فالھبۃ جائزۃ والشرط باطل کمن وھب لرجل أمۃ فاشترط علیہ ان یردھا علیہ بعد شھر کذا فی السراج الوھاج[1]

ہمارے تمام اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب کسی نے ہبہ کیا اور اس میں کوئی فاسد شرط لگادی تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ جیسے کسی نے لونڈی اس شرط پر ہبہ کی کہ ایک ماہ بعد موہوب لہ وہ لونڈی واہب کو لوٹا دے گا، سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

افادۂ ثانیہ

جس طرح الفاظ مذکورہ سے شاہ محمد خاں کو وصی سمجھنا باطل ہے یوں ہی ان مکانوں کی وصیت تجہیز و تکفین و ایصالِ ثواب کے لئے ٹھہرانا حلیۂ صواب سے عاری و عاطل ہے وہ تو مکانات کو شاہ محمد خاں کی ملک کر چکا اور اختیار بیع و رہن کا ملک پر متفرع ہونا بدیہی۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ شاہ محمد پر لازم ہے کہ ان کو بیع یا رہن کرکے روپیہ میری تجہیز و تکفین فاتحہ میں اٹھادے بلکہ یہ کہتا ہے کہ شاہ محمد انکا مالک ہے اسے بیع و رہن کا اختیار ہے اور اگر بیع یا رہن کرے تو اس صورت میں کہتا ہے کہ روپیہ میری ارواح پر بخش دے گا۔ اس جملہ کو اگر اس کے ظاہر پر رکھیں تو خبر ہے جس کا حاصل شاہ محمد خاں اور موصی کی دوستی کا بیان ہے کہ مجھے اس سے یہ امید ہے و لہذا میں اسی کو اپنے مال کا مالک کرنا چاہتا ہوں جس طرح آخر میں کہا کہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت از حد کی ہے بعد انتقال میری تجہیز و تکفین کا انتظام کرے گا اور میری منزلت اخیر کو پورا انجام دے گا اور اگر خبر بمعنی امر لیں تو حاصل یہ ہوگا کہ شاہ محمد خاں اگر بیع یا رہن کرے تو روپیہ میری ارواح پر بخشدے یہ ایصال ثواب کی وصیت نہیں ہوسکتا بعد اس کے کہ مکانات ملک موصی لہ کرچکا پرائی ملک میں اسے وصیت کا کیا اختیار رہا وصیت ایجاب ہے اور ملک غیر میں اس کے کہے سے کوئی بات واجب نہیں ہوسکتی مالک کو اختیار ہے کہ مانے یا نہ مانے، ایضاح پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر نتائج الافکار میں ہے:

الوصیۃ ما اوجبھا الموصی فی مالہ بعد موتہ او مرضہ

وصیت وہ ہے کہ موصی اپنے مال میں اس کا ایجاب کرے اس کی موت کے بعد یا ایسی

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الہبہ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۹۶

الذی مات فیہ[1]

بیماری میں جس کے اندر وہ مرا۔(ت)

تفریعات

(۱) فتوٰی ۶ کا ادعا کہ وصیت نامہ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی نے شاہ محمد کے حق میں کچھ بھی وصیت نہ کی بلکہ صرف اپنا وصی مقرر کیا ہے، محض باطل ہے۔

(۲) فتوٰی ۶ کا اس ادعا پر جملہ مذکورہ میری ارواح پر بخش دے گا سے استدلال کروصیت بحق شاہ محمد متوفی ہوتی تو یہ کہنا بے معنی ہوجاتا خود بے معنی اور صحیح و باطل کا قلب کردینا ہے جیسا کہ تنبیہ میں واضح ہوا۔ اس نے مطلقاً کہا ہے کہ مالک محمد شاہ خاں مذکور ہے اور اس کے بعد وہ الفاظ کہ بعد فروخت یا رہن الخ جملہ مستقلہ ہیں کہ اُس جملہ کی قید و شرط نہیں ہوسکتے۔ بحرالرائق متفرقات البیوع جلد ۶ میں ہے:

فی بیوع الذخیرۃ اشتری حطبا فی قریۃ شراء صحیحا وقال موصولا بالشراء من غیر شرط فی الشراء احملہ الی منزلی لایفسد العقد لان ھذا لیس بشرط فی البیع بل ھو کلام مبتدأ بعد تمام البیع فلایوجب فسادہ اھ فعلی ھذا لو استاجر قریۃ او ارضا للزراعۃ ثم قال بعد تمامھا ان الحرث علی المستأجر لاتفسد لانہ لم یکن شرطا فیھا وانما یکون شرطا لو قال علی ان الحرث علیہ فلیحفظ ھذا فانہ یخرج علیہ کثیر من المسائل[2]۔

بیوع ذخیرہ میں ہے کسی نے ایک قریہ میں ایندھن خرید اصحیح خریداری کے ساتھ۔ پھر اس سے متصل بلاشرط کہا اس کو میرے گھر تک لے چلو تو عقد فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ بیع میں شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہوجانے کے بعد نیا کلام ہے جو موجب فساد نہیں اھ اسی پر مبنی ہے یہ مسئلہ کہ کسی نے زراعت کے لئے دیہات یا زمین کرایہ پر لی پھر بیع کے مکمل ہونے کے بعد کہا کہ کاشت کرنا کرایہ دار کے ذمہ ہوگا تو اجارہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ یہ اجارہ میں شرط نہیں وہ تو تب ہوتی کہ یوں کہتا اس شرط پر کہ کاشتکاری کرایہ دار کے ذمہ ہوگی، اس کو محفوظ کرلینا چاہئے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوسکتی ہے۔(ت)

اور اگر بفرض غلط اس کے معنی یہ قرار دے لیجئے کہ شاہ محمد کی تملیک کو اس شرط سے مشروط

---

[1] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[2] بحرالرائق کتاب البیوع باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۸۸

کرتا ہے یعنی میں نے شاہ محمد خاں کو وصیۃً ان مکانات کا مالک کیا اس شرط پر کہ اگر وہ بیع یا رہن کرے تو روپیہ میری فاتحہ میں اٹھائے، تو اوّلاً ہم ثابت کرچکے کہ تملیک بلاعوض میں ایسی شرط باجماع ائمہ حنفیہ باطل ہوگی۔

ثانیاً ہم پوچھتے ہیں اس صورت میں بعد موت موصی کے مکانات ملک موصی سے خارج ہوگئے ملک موصی لہ میں داخل ہوئے یا نہیں، اگر کہتے ہو ہاں تو مقصود حاصل کہ مالک پر اس کی ملک میں جبر کیا معنی، اور اگر کہتے ہو نہیں تو کیوں، حالانکہ موصی نے وصیت کی اور موصی لہ قبول کرچکا اور وصیت بعد قبول ناقل ملک ہے۔ اشباہ میں ہے:

الموصی لہ یملك الموصی بہ بالقبول[1]۔ جس کے لئے وصیت کی گئی وہ وصیت والی چیز کو قبول کرنے سے اس کا مالک ہوجاتا ہے(ت)

اور یہ کہنا محض نادانی ہوگا کہ وصیت تو مشروط تھی جب تک شرط نہ پائی جائے گی، یہ شرط فی الوصیۃ بالشرط اور تعلیق الوصیۃ بالشرط میں فرق نہ کرنے سے ناشی ہوگا یہاں اگر ہے تو اول ہے نہ ثانی کہ سرے سے مبطل وصیت ہے کہ وصیت تملیک ہے اور تملیکات تعلیق بالخطر قبول نہیں کرتیں، درمختار میں ہے:

کل ماکان من التملیکات اوالتقییدات یبطل تعلیقہ بالشرط[2]۔ جو کچھ تملیکات یا تقییدات میں سے ہے اُس کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے(ت)

معہذا وہ کیا شرط تھی کہ نہ پائی گئی آیا روپیہ صرف فاتحہ کرنا نہ ہوا تو یہ تو بحال بیع و رہن شرط تھا بیع و رہن خود ہی نہ پائے گئے، رہا بیع و رہن کرنا تو یہ شرط ہی نہ کئے گئے تھے شرط لازم کی جاتی ہے اور بیع و رہن کا اس نے اختیار بتایا ہے نہ کہ ایجاب۔

(۴) فتوٰی ۶ کا قول کہ اس لئے شاہ محمد خاں کو بحیثیت وصیت تیسرا حصہ جائداد کا ملے گا اس لئے کہ بحق واحد بخش خیرات کردے نہ اس لئے کہ وہ خود اس کا مالک بن جائے، بنائے فاسد علی الفاسد ہے بلکہ بلاشبہہ وہ وصیت بحق شاہ محمد ہے اس لئے کہ وہ خود اس کا مالک کرچکا

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

موصی نے جا بجا جس کی صریح تصریح کی مگر فتوٰی کہتا ہے کہ موصی خود اپنی مراد نہ سمجھا مراد یہ ہے جو ہم کہتے ہیں۔

(۴) بفرض باطل ایسا ہوتا بھی تو یہ الفاظ کہ میری ارواح کو بخش دے گا موصی نے صرف مکانات کی نسبت لکھے ہیں باقی وصیت کی نسبت نہیں فتوٰی ۲ کا تو مطلقاً سب جائداد پر یہی حکم لگا دینا اور پورا ثلث خیرات کے لئے ٹھہرا دینا صریح ظلم یا عدم فہم ہے نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ ت)

(۵) یہی خطا فتوٰی ۲ کو آڑے آئی کہ لکھا زوجہ کا حق متروکہ متوفی سے سدس ہے باقی موصٰی لہ کا ہے اور لہٗ اسباب خیر میں صرف کرے جب باقی موصٰی لہ کا ہو چکا پھر وجوہ خیر میں صرف کرنے کا اس پر ایجاب کیا معنی، اگر وہ کرے گا تبرع ہوگا اور تبرع پر جبر نہیں ما علی المحسنین من سبیل[1] (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ ت)

(۶) بلکہ فتوٰی ۲ کی غلطی فتوٰی ۲ سے بڑھ کر ہے اس نے تو شاہ محمد کے لئے وصیت مانی ہی نہ تھی تو اسے گنجائش ملی کہ خیرات کے لئے وصیت ٹھہرا دے اگرچہ یہ سرتاپا غلط تھا اس نے اس سے عجیب تر راہ اختیار کی کہ تمام باقی بعد فرض الزوجہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے مانی پھر اُسی پر خیرات کا حکم لگا دیا یعنی شیئ واحد کی وصیت عمرو کے لئے بھی ہے اور بعینہٖ اسی شَے کی وصیت اللہ عزوجل کے لئے بھی ہے حالانکہ یہ بداہۃً محال ہے۔

(۷) فتوٰی ۲ نے اس مطلب پر عبارات یہ نقل کیں:

(۱) اوصی بثلث مالہ للّٰہ تعالٰی[2]	اللہ تعالٰی کے لئے اس نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی (ت)
(۲) لو اوصی بالثلث وجوہ الخیر[3]	اگر اس نے نیکی کے کاموں کے لئے تہائی مال کی وصیت کی (ت)
(۳) لاتصح من ممیز الا فی تجہیزہ[4]	باتمیز صغیر کی وصیت صحیح نہیں مگر صرف اسکی تجہیز میں۔ (ت)

اور نہ دیکھا کہ جب میں باقی کی وصیت عمرو کے لئے مان چکا تو ان عبارات کا کیا محل رہا۔ نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱   [2] ردالمحتار کتاب الوصایا ۲/ ۳۲۲

[3] الفتاوی الہندیۃ الباب الثانی ۶/ ۹۷   [4] الدرالمختار " " ۲/ ۳۱۹

افادۂ ثالثہ

عالم خاتون بھی ضرور موصی لہا ہے مکانات و اثاث البیت کے باب میں اس کیلئے وصیت المنفعۃ ہونا تو بدیہی اور نظر بسیاق و سباق وصیت نامہ اس زیور کی بھی اُس کے لئے وصیت ہے ابتدا وصیت نامہ میں ہے مجھ کو اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا انتظام ضروری ہے کہ پس ماندگان میں تکرار نہ ہو اس کا انتظام یہ ہے کہ زیورات ذیل زوجہ کو ملے گا الخ پھر مکانات و اثاث البیت کے وصیت بنام شاہ محمد خاں کی جس کا حاصل یہ تقسیم ہوئی کہ وہ زیور عالم خاتون کے اور مکانات و اثاث البیت شاہ محمد خاں کے۔ آخر میں لکھا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہونگے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہونگے صاف واضح ہو گیا کہ دونوں کے لئے تملیک بعد الموت کر رہا ہے تو اس کا زیور مذکور کی نسبت کہنا میری زوجہ کے ہیں ایسا ہی ہے جیسا مکانات کو کہا مالک شاہ محمد خاں ہے اور وارث کے لئے وصیت بلاشبہہ جائز ہے جبکہ اور کوئی وارث نہ ہو، ردالمحتار بیان شرائط وصیت میں ہے:

وکونہ غیر وارث ای ان کان ثمۃ وارث اٰخر والا تصح کما لو اوصی احد الزوجین للاٰخر ولا وارث غیرہ[1]

اور اس کا غیر وارث ہونا، یعنی جب وہاں کوئی اور وارث ہو ورنہ صحیح ہے، جیسا کہ زوجین میں ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اور اسکے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو (ت)

درمختار میں ہے:

لا لوارثہ الا باجازۃ ورثتہ اولم یکن لہ وارث سواہ کما فی الخانیۃ حتی لو اوصی لزوجتہ اوھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ ابن کمال[2]

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر اس وقت دیگر ورثاء اجازت دے دیں یا کوئی اور وارث موجود ہی نہ ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے، یہاں تک اگر خاوند نے بیوی کے لئے یا بیوی نے خاوند کے لئے وصیت کی اور وہاں کوئی دوسرا وارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہوگی، ابن کمال۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۶

[2] الدرالمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۹

تفریعات

(۸) فتوی ۵ کا قول مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث کے واسطے وصیت جائز ہے۔ مسئلہ وارث واحد کے حکم سے غفلت ہے۔

(۹) طرفہ یہ کہ خود فتوی ۵ نے سند میں عبارت درمختار لا لوارثہ الخ (وارث کے لئے جائز نہیں۔ت) نقل کی جس کے آخر میں موجود یعنی عند وجود وارث آخر[1] (دوسرے وارث کی موجودگی میں۔ت)

(۱۰) زیور بعد موت عوض مہر میں دیئے جانے کو لکھنا بھی وصیت ہوا لکونہ ایجابا بعد الموت (موت کے بعد ایجاب ہونے کی بنا پر) تو فتوی ۵ کا کہنا کہ بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں اور اسے منافی وصیت جاننا عجیب ہے۔

(۱۱) استفتاء مرتبہ ڈسٹرکٹ جج خانپور کے سوال میں آتا ہے کہ جو زیورات مدعیہ کو ملے ہیں ان کی نسبت وہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ان سے بھی ہرگز مفہوم نہ ہوا کہ یہ دیا جانا صحت میں تملیک فی الحال تھا جب وہ لکھ گیا کہ میرے بعد یہ زیور میری زوجہ کے ہیں تو ضرور وصیت ہی ہوئی اگرچہ بعوض مہر دینا مراد ہو اور اس صورت میں عورت کا کہنا کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا بلاشبہہ صادق ہے تو فتوی ۵ کا قول کہ بلکہ زیورات مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے محض نامفید مقصود ہے۔

(۱۲) ہم واضح کرچکے ہیں کہ وصیت نامہ کا صریح مفاد تملیک بعد الموت ہے وہ نص کرچکا کہ جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں تقسیم ہوں گے تو فتوی ۵ کا قول کہ خود عبارت وصیت نامہ کا محمل قوی یہ ہے عجیب ہے۔

افادۂ رابعہ

وصیت جس طرح رقبۂ شیئ کی صحیح ہے یوں ہی تنہا منفعت کی، یونہی یہ بھی کہ ایک کے لئے رقبہ کی وصیت کرے دوسرے کے لئے منفعت کی پہلی صورت میں متروکہ ملک ورثہ ہوگا اور اس کی

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

منفعت ملک موصی لہ اور دوسری صورت میں پہلا موصی لہ رقبۂ شئی کا مالک ہوگا۔ اور دوسرا اسکی منفعت کا۔ بہرحال وہ شئی بغرض انتفاع موصی لہ بالمنفعت کے قبضہ میں رہے گی ورثہ یا موصی لہ بالرقبہ کو اس کی بیع کا اختیار نہ ہوگا جب تک موصی لہ بالمنفعۃ کو اُس سے انتفاع کا حق باقی رہے مثلاً سال بھر کے لئے وصیت منافع کی تو سال بھر تک اور موصی لہ کی زندگی تک تو اس کی حیات تک۔ ہدایہ میں ہے:

تجوز الوصیۃ بخدمۃ عبدہ وسکنی دارہ سنین معلومۃ وتجوز بذلک ابدا فان خرجت رقبۃ العبد من الثلث یسلم الیہ لیخدمہ وان کان لامال لہ غیرہ خدم الورثۃ یومین والموصی لہ یوما بخلاف الوصیۃ بسکنی الدار اذا کانت لاتخرج من الثلث حیث تقسم عین الدار اثلاثا للانتفاع لانہ یمکن القسمۃ بالاجزاء وھو اعدل للتسویۃ بینھما زمانا وذاتا ولو اقتسموا الدار مھایاۃ تجوز ایضا لان الحق لھم، ولیس للورثۃ ان یبیعوا ما فی ایدیھم من ثلثی الدار لان حق الموصی لہ ثابت فی سکنی جمیع الدار ولہ حق المزاحمۃ فیما فی ایدیھم اذا خرب ما فی

اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کی وصیت معین سالوں کے لئے جائز ہے اور دائمی وصیت بھی جائز ہے، پھر اگر غلام کی گردن یعنی اس کی قیمت موصی کے تہائی مال سے نکل سکتی ہے تو غلام موصی لہ کو سونپ دیا جائے گا تاکہ اسکی خدمت کرے، اور اگر موصی کا سوائے اس غلام کے کوئی اور مال نہیں تو وہ غلام دو دن وارثوں کی اور ایک دن موصٰی لہ کی خدمت کریگا بخلاف گھر کی سکونت سے متعلق وصیت کے کہ اگر گھر تہائی مال سے نہیں نکل سکتا تو اس سے نفع اٹھانے کے لئے تہائیوں کے اعتبار سے خود گھر کو تقسیم کرلیا جائے گا کیونکہ گھر کے اجزاء کی تقسیم ممکن ہے اور یہ تقسیم زمان و ذات کے اعتبار سے زیادہ عدل پر مبنی ہے، اور اگر انھوں نے باریوں کے اعتبار سے تقسیم کرلیا تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ ان کا اپنا حق ہے، وارثوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے زیر قبضہ دو تہائی گھر کو فروخت کریں کیونکہ موصٰی لہ کے لئے تمام گھر میں سکونت کا حق ثابت ہے، جب موصٰی لہ کے زیر قبضہ تہائی حصہ خراب ہوجائے تو اس کو وارثوں

یدہ والبیع یتضمن ابطال ذٰلك فمنعوا عنه[1] (ملخصًا)

کے زیرِ قبضہ دو تہائی مکان میں مزاحمت کا حق ہے جبکہ بیع اس حق کے ابطال کو متضمن ہے لہذا وارثوں کو اس سے روکا جائے گا۔ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

ولو اوصی له بخدمة عبدہ ولاٰخر برقبته وھو یخرج من الثلث فالرقبة لصاحب الرقبة والخدمة علیھا لصاحب الخدمة لانه اوجب لکل منھما شیئا معلوما ثم لما صحت الوصیة لصاحب الخدمة فلو لم یوص فی الرقبة بشیئ لصارت الرقبة میراثا للورثة مع کون الخدمة للموصی له فکذا اذا اوصی بالرقبة لانسان اٰخر اذ الوصیة اخت المیراث من حیث ان الملك یثبت فیھما بعد الموت[2] (ملخصًا)

اگر ایک شخص کے لئے غلام کی خدمت اور دوسرے کے لئے اس کے رقبہ کی وصیت کی در آنحالیکہ وہ تہائی مال سے نکل سکتا ہے تو رقبہ صاحبِ رقبہ کے لئے جبکہ اس پر خدمت صاحبِ خدمت کے لئے ہوگی کیونکہ موصی نے ہر ایک کیلئے وصیت میں کچھ معین شَی ثابت کر دی پھر جب صاحبِ خدمت کے لئے وصیت صحیح ہو جائے اور رقبہ میں وہ کسی کے لئے وصیت نہ کرے تو رقبہ وارثوں کی میراث ہوگا باوجودیکہ خدمت موصٰی لہٗ کے لئے ہوگی۔ اور یہی حکم ہوگا اگر اس نے رقبہ کی وصیت کسی دوسرے انسان کیلئے کر دی کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ ان دونوں میں ملک موت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ ملخصًا (ت)

اسی طرح اور کتبِ جلیلہ میں ہے اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اگر دو یا دس مکانوں کے سکنٰی کی زید کے لئے وصیت کی تو اگرچہ وہ اُن میں سے ایک ہی میں سکونت کرے گا جس کا اُسے اختیار ہوگا کہ اُن میں سے جس مکان میں چاہے رہے مگر وہ سب مکان اس کے حق کے لئے مدتِ حق تک محبوس رہیں گے ورثہ یا موصٰی لہ بالرقبہ کو اُن کی بیع کا اختیار نہ ہوگا کہ اُس کا حق ہر مکان میں

---

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنٰی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۷۹-۸۰

[2] " " " " " " ۴/ ۶۸۲

ثابت ہے اور ہر مکان کی نسبت محتمل ہے وہی باقی رہے اور سب کسی آفت سے منہدم ہوجائیں تو اگر ان میں بعض کو مالکان رقبہ بیچ سکیں تو موصی لہ بالمنفعۃ کا حق ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

وانظر الی قول الھدایۃ حق المزاحمۃ فیما فی ایدیھم[1] وثم لم تثبت لہ الوصیۃ الا فی الثلث فکیف وقد اوصی لہ بکل۔

ہدایہ کے قول پر نظر کرو کہ موصی لہٗ کو وارثوں کے زیرِ قبضہ گھر میں مزاحمت کا حق ہے اور پھر نہیں ثابت ہوئی اس کے لئے وصیت مگر تہائی مال میں تو کیسا حال ہوگا جبکہ اس نے کل مال کی وصیت کر دی ہے۔ (ت)

اور اس کے لئے ہرگز شرط نہیں کہ وہ اپنی ملک میں کوئی شے ایسی نہ رکھتا ہو جس سے منفعت حاصل کرسکے جو اپنا ذاتی مکان رکھتا ہو اس کے لئے وصیت یا سکنٰی کی ممانعت نہیں نہ یہ امر مانع نفاذِ وصیت ہو، وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت)۔

تفریعات

(۱۳) یہیں سے ظاہر کہ فتوی ۷ کہ اس احتمال کی کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگر مدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیکًا دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۴) تملیک مضاف الی ما بعد الموت اگرچہ حالتِ صحت میں ہو وصیت ہے کہ فتوٰی ۷ کا یہاں مطلق تملیک کہنا اور شق مقابل کو اگر مرض الموت میں وصیت کی ہے مرض سے مقید کرنا ضیق بیان ہے، ہدایہ میں فرمایا:

کل ما اوجبہ بعد الموت فھو من الثلث وان اوجبہ فی حال صحتہ اعتبارا بحال الاضافۃ دون حال العقد[2]۔

ہر وہ تملیک جس کا ایجاب موت کے بعد کیا ہو تو وہ تہائی مال میں نافذ ہوگی اگرچہ اس کا ایجاب حالتِ صحت میں کیا ہو حالتِ اضافت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ حالِ عقد کا۔ (ت)

(۱۵) فتوٰی ۵ کا قول بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا کوئی حق رہائش مکان و نان نفقہ وغیرہ کا

---

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنٰی والخدمۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۰

[2] " " " باب العتق فی مرض الموت ۴/ ۶۶۹

نہیں۔ نہ فقط وصیت نامہ بلکہ سوال سائل کو بھی نہ سمجھنے پر مبنی ہے سائل نے یہ نہ پوچھا تھا کہ جس طرح حیات میں زوجہ کا نفقہ و سکنیٰ شوہر پر ہے آیا بعد وفات شوہر بھی یہ حق باقی رہتے ہیں جس کا جواب نفی میں دیا جائے وہ تو اس حق سکنیٰ کو پوچھتا ہے جس کی اس کے لئے موصی نے وصیت کی ہے اس کا انکار کرنا اور اپنی طرف سے اس میں نان نفقہ دلا دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۱۶) یوں ہی مستفتی نے وصیت مذکورہ دربارۂ ظروف کو دریافت کیا تھا کہ زوجہ کے لئے جائز اور اپنا حصہ پانے کے بعد بھی نافذ ہے یا نہیں فتوی ۵ نے وصیت نامہ و سوال سائل و مسئلہ وصیت بالمنفعۃ سب سے ذہول فرما کر لکھ دیا کہ اس میں کوئی اثر نہیں۔

(۱۷) اس سے عجیب تر فتوی ۱ کا قول ہے کہ عالم خاتون کو رہائش کا حق حاصل نہیں اس باب میں واحد بخش کی وصیت لغو و بے اثر رہے گی، فتویٰ ۵ نے تو وصیت سے ذہول کیا حیات کے نفقہ و سکنیٰ کے مثل کسی حق بعد الوفاۃ سے استفسار سمجھا مگر فتوی اولیٰ نے صراحۃً وصیت مان کر محض بلاوجہ شرعی اُسے لغو و بے اثر کر دیا، یہ عجیب منطق ہے کیا شرعاً وصیت بالسکنیٰ باطل ہے یا خاص زوجہ تنہا وارثہ کے لئے باطل ہے اور جب کچھ نہیں تو اسے لغو کہنا ہی لغو نہیں صریح باطل ہے۔

(۱۸) سوال ۶ کو فتوی ا بھی مثل فتوی ۵ نہ سمجھا کہ استفسار اس وصیت کے جواز سے ہے جس کا جواب اثبات میں دینا واجب تھا یا یہاں بھی اپنی اُسی منطق کی بنا پر وصیت کو لغو ٹھہرا لیا ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ ت)

افادہ خامسہ جلیلہ مشتمل بر فوائد جزیلہ

فائدہ: اصل یہ ہے کہ ترکہ میں تجہیز[۱] و تکفین کے بعد سب سے مقدم[۲] دین ہے پھر اجنبی[۳] کے لئے ثلث تک وصیت پھر[۴] وارث کی میراث پھر[۵] وارث منفرد کے لئے وصیت اور اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت ہے یہ دونوں مرتبہ واحدہ میں ہیں ثلثہ پیشیں کی تقدیم اور باہم ترتیب معروف و مشہور ہے اور میراث کا وصیۃ للوارث اور مافوق الثلث وصیۃ للاجنبی پر تقدم ہے اگر وہ وارث کل مال بذریعہ ارث پا سکتا ہے تو ثلث وصیت کے بعد کل میراث ہی ٹھہرے گا اس کی وصیت اپنے نفاذ کا محل ہی پائے گی یونہی اجنبی کی وصیت قدر زائد علی الثلث میں معطل رہ جائے گی یعنی جبکہ وارث اجازت نہ دے ورنہ وصیت ثلث کے مثل ارث مجیز پر تقدم پائیگی اور اگر بذریعہ میراث صرف بعض کا مستحق ہے اور وہ نہیں مگر زوجین کہ ربع یا نصف سے زائد کے مستحق نہیں تو ثلث وصایا کے بعد

باقی کا ربع یا نصف انھیں ارثاً پہنچے گا پھر جو بچا اُس میں اُن کی وصیّت اور اجنبی کی زیادہ از ثلث
وصیت حصہ رسد نفاذ پائیگی اگرچہ انکے خواہ اجنبی خواہ ہر ایک کے لئے کل مال کی وصیت ہو
بالجملہ وصیت زائد للاجنبی حصہ میراث میں نافذ نہ ہوگی اور وصیت للوارث نہ اس میں نافذ ہو نہ ثلث
اجنبی میں اس مراعات ترجیح پر ہر ایک کی وصیت ملحوظ رہے گی یہ ہے ان دونوں کی باہم تساوی اور
میراث کا ان پر تقدم۔ مثلاً میت نے صرف ایک زوجہ وارث چھوڑی اور کل مال کی وصیت اس کے لئے
جدا کی اور زید کے لئے جدا کہ ہر ایک موصی لہ بجمیع المال ہوا اس صورت میں ترکہ بارہ ۱۲ سہم ہوکر پانچ سہم
زوجہ کو ملیں گے اور سات زید کو۔ اس لئے کہ اولاً زید کو ثلث دیا کہ میراث پر مقدم ہے ۴ ہوکر، باقی
۸ کا ربع یعنی ۲ زوجہ نے ارثاً لئے، ۶ بچے زید کی وصیت کل مال یعنی پورے ۱۲ سہام کی تھی وہ حصہ
میراث ۱۲/۲ میں نافذ نہیں ۱۲/۱۰ بچے جن میں سے ۱۲/۴ پاچکا ہے باقی ۱۲/۶ رہے اور زوجہ کی وصیت
بھی پورے ۱۲ سہام کی تھی وہ نہ اس ۱۲/۴ میں جاری ہوسکتی ہے جو زید نے ابتداءً پائے نہ اُن
۱۲/۲ میں جو خود زوجہ نے ارثاً لئے تو اس کی وصیت بھی ۱۲/۶ رہی دونوں برابر ہوئے تو ۶ باقی اُن میں
نصف نصف ہوکر زوجہ کے ۵ زید کے ۷ ہوئے، قس علیہ۔

اقول ولعل السرفی تقدیم ارث الوارث علی الوصیۃ لہ ان الارث جبری فبمجرد ما مات المورث او فی اٰخر جزء من اجزاء حیاتہ علی القولین فیہ لمشائخ بلخ والعراق انتقل الملك فی قدر المیراث الی الوارث غیر متوقف علی شیئ بخلاف الوصیۃ فانہا تتوقف علی قبولہ فنفاذھا یعقب القبول وقبولہ یعقب الموت والارث یقارن الموت او یتقدمہ فتاخرت ضرورۃ اما الوصیۃ للاجنبی فالمال باق فیہا الی الثلث علی ملك الموصی نظرا لہ من الشارع کما نصوا

میں کہتا ہوں شاید وارث کی میراث کو اس کے حق میں وصیت سے مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ میراث جبری ہے، محض مورث کی موت یا اس کی زندگی کے آخری جزء میں جیسا کہ مشائخ بلخ وعراق کے قول ہیں بقدر میراث ملک وارث کی طرف منتقل ہوجاتی ہے بخلاف وصیت کے کہ وہ قبول پر موقوف رہتی ہے چنانچہ وصیت کا نفاذ قبول اور قبول موت کے بعد ہوتا ہے جبکہ میراث موت کے ساتھ مقترن یا اس سے مقدم ہوتی ہے تو وصیت میراث سے بداہۃً موخر ہوئی۔ رہی اجنبی کے لئے وصیت تو اس میں مال ایک تہائی تک شارع کی طرف موصی کی ملک پر باقی رہتا ہے جیسا کہ اس پر مشائخ نے

علیه واشار الیه فی الهدایة فلایجری فیه الارث مالم یرد الموصی لہ فاذا قبل فقد تقدم وملکه من دون ان یلحقه ملك الوارث۔

نص کی ہے اور اسی کی طرف ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے تو اس میں اس وقت تک میراث جاری نہیں ہوگی جب تک موصی لہ اس کو رد نہ کردے اگر وہ اس وصیت کو قبول کرلے تو اس کی ملکیت مقدم ہوگی بغیر اس کے اس کے ساتھ کسی وارث کا حق ملحق ہو۔ (ت)

درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

لولم یکن وارث اٰخر واوصی لزوجته اوھی لہ صحت الوصیة واما غیرھما فیرث الکل فرضا اورداً فلا یحتاج لوصیة شرنبلالیة[1]

اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو خاوند نے بیوی کیلئے یا بیوی خاوند کے لئے وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح ہوگی، لیکن جو ان دونوں کا غیر ہے وہ بطور فرض یا بطور رد کل مال کا وارث ہوجائیگا لہذا وہ وصیت کا محتاج نہیں، شرنبلالیہ (ت)

اُسی کے وصایا میں ہے:

وانما قیدوا بالزوجین لان غیرھما لایحتاج الی الوصیة لانه یرث الکل برد اورحم[2]

زوجین کی قید مشائخ نے اس لئے لگائی کہ ان کا غیر وصیت کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ وہ بطور رَد یا بطور رشتہ داری کل مال کا وارث بن جاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ترك امرأة واوصی لها بالنصف ولاجنبی بالنصف یعطی للاجنبی اولا الثلث وللمرأة ربع الباقی ارثا

کسی شخص نے بیوی چھوڑ دی اور اس کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کی جبکہ نصف مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کی تو پہلے اجنبی کو

---

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

والباقی یقسم بینهما علی قدر حقوقهما تاتارخانیة [1]

تہائی مال دیں گے پھر باقی سے چوتھا حصہ بیوی کو میراث دیا جائے گا اور جو باقی بچا وہ ان دونوں میں ان کے حقوق کے مطابق تقسیم کیا جائیگا، تاتارخانیہ۔ (ت)

فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

اذا مات الرجل وترك امرأة ولیس له وارث غیرها واوصی للاجنبی بجمیع ماله ولامرأته بجمیع ماله یاخذ الاجنبی ثلث المال بلامنازعة وللمرأة ربع مابقی وھو السدس بحکم المیراث ویبقی نصف المال یکون بینها وبین الاجنبی نصفین [2]

اگر کوئی مرد مرا اور ایک بیوی چھوڑی جس کے علاوہ کوئی اور وارث موجود نہیں، اور اس نے ایک اجنبی شخص کے لئے کل مال کی وصیت کی اور بیوی کے لئے بھی کل مال کی وصیت کی تو اجنبی شخص تہائی مال بغیر کسی منازعت کے لے گا پھر باقی میں سے چوتھا حصہ بیوی کو بطور میراث جو کل کا چھٹا حصہ بنتا ہے، باقی کل نصف بچ گیا جو بیوی اور اجنبی برابر برابر تقسیم ہوگا۔ (ت)

امام اجل نسفی کافی شرح وافی کتاب الوصایا باب المتفرقات میں زوجہ موصی لہا کی نسبت فرماتے ہیں :

ماکان مستحقالها بحکم الارث لاتستحقه بحکم الوصیة [3]

جس حصہ کی مستحق وہ بطور میراث ہے اس کی مستحق بطور وصیت نہیں ہوگی۔ (ت)

اُس کے ایک ورق بعد زوج موصی لہ کی نسبت فرمایا :

حق الزوج کان فی النصف ایضا بالوصیة ولکن بطل فی السدس لانه اخذ الثلث بحکم الارث شائعا فخرج السدس عن محل

خاوند کا حق نصف میں بھی بطور وصیت تھا لیکن وہ چھٹے حصے میں باطل ہوگیا کیونکہ وہ ایک تہائی بطور میراث مشترکہ مال میں سے لے چکا ہے لہٰذا وہ چھٹا حصہ وصیت کے محل سے نکل گیا تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰-۲۱

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۱۷

[3] الکافی شرح الوافی ؍؍ باب المتفرقات

الوصیة فبطلت وصیته فی ذلك ضربا و استحقاقا عند الکل فبقی حقه فی الثلث[1]

اس میں سب کے نزدیک ضرب واستحقاق کے اعتبار سے وصیت باطل ہوگئی لہذا اس کا حق تہائی میں باقی رہا۔ (ت)

نیز اسی میں عبارتِ اولٰی کے بعد فرمایا:

ان اوصی لکل واحد من الزوجة والاجنبی بکل ماله له سبعة و لها خمسة لان الوصیة للاجنبی یقدم علی الارث فیعطی له الثلث من ستة ولها ربع ما بقی بحکم الارث بقی ثلاثة بینهما نصفان عند ابی حنیفة رحمه الله فحق الاجنبی کان فی کل المال و قد استوفی سهمین فلا یضرب بذلك ولا یضرب ایضا بما اخذت بحکم الارث و ذلك سهم فانما یضرب بثلاثة والمرأة لا تضرب بالثلث الذی اخذ الاجنبی اولا لان الوصیة للاجنبی بقدر الثلث وصیة قویة فتبطل وصیتها بذلك القدر فلا تضرب المرأة بذلك ولا بالسهم الذی اخذت ارثا و انما یضرب بثلاثة فاستویا

اگر بیوی اور اجنبی میں سے ہر ایک کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کی تو اجنبی کے لئے سات اور بیوی کے لئے پانچ حصے ہونگے کیونکہ اجنبی کے لئے وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے، چنانچہ اس کو چھ میں سے ایک تہائی دیا جائیگا پھر بیوی کو باقی کا چوتھائی بطور میراث ملے گا باقی تین بچے جو ان دونوں کے درمیان امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نصف نصف ہونگے کیونکہ اجنبی کا حق کل مال میں تھا جبکہ وہ دو حصے وصول کرچکا ہے تو اب ان کو وہ شامل نہیں کریگا اور اس کو بھی شامل نہیں کیا جائے گا جو بیوی بطور میراث لے چکی جو کہ ایک حصہ ہے چنانچہ وہ فقط تین حصوں میں شریک ہوگا اور عورت اس تہائی میں شریک نہ ہوگی جو اجنبی پہلے لے چکا ہے کیونکہ وصیت تہائی مال تک اجنبی شخص کیلئے مضبوط وصیت ہے لہذا عورت کی وصیت اتنی مقدار میں باطل ہوجائے گی چنانچہ عورت نہ تو اس حصہ میں شراکت کرے گی اور نہ اُس حصہ میں جس کو بطور میراث حاصل کرچکی شراکت

---

[1] الکافی شرح الوافی   کتاب الوصایا   باب المتفرقات

فی الضرب فی الثلاثۃ الباقیۃ فتخرج المسئلۃ من اثنی عشر[1]

صرف تین حصوں میں رہ گئی لہٰذا ان تین باقی حصوں میں وہ دونوں برابر کے شریک ہیں اس لئے مسئلہ بارہ ۱۲ سے بنے گا۔ (ت)

فائدہ ۲: جب ایک شخص کے لئے وصیت رقبہ اور اس کے بعد متصلاً خواہ برسوں کے فصل سے وصیت منفعت کی جائے تو موصی لہ اول صرف مالک رقبہ ہوتا ہے اور اسی قدر میں اُس کے لئے وصیت مستفاد ہوتی ہے منفعت میں اس کا کوئی حق نہیں ہوتا مثلاً مکان کی وصیت زید کے لئے اور اس کے دس برس بعد سکونت مکان مذکور کی وصیت عمرو کے لئے کردی تو زید صرف رقبہ مکان پائے گا سکونت تاحیات عمرو یا جب تک کے لئے موصی نے کہا صرف حق عمرو رہے گی اور یہ ٹھہریگا کہ زید کے لئے خالی رقبہ مکان کی وصیت تھی۔ ہدایہ میں فرمایا:

اسم الرقبۃ لایتناول الخدمۃ وانما یستخدمہ الموصی لہ بحکم ان المنفعۃ حصلت علی ملکہ فاذا اوجب الخدمۃ لغیرہ لایبقی للموصی لہ فیہ حق[2]

رقبہ کا اسم خدمت کو شامل نہیں۔ موصی لہ تو اس سے خدمت اس وجہ سے لیتا ہے کہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہے، پس جب خدمت اُس نے کسی اور کے لئے ثابت کردی تو اب موصی لہ کے لئے اس میں کوئی حق نہ رہا۔ (ت)

اسی طرح کافی میں فرمایا اور اتنا اور بڑھایا:

وکذا اسم الدار لایتناول السکنی واسم النخیل لایتناول الثمرۃ[3]

اسی دار کا اسم سکونت کو اور درختوں کا اسم پھل کو شامل نہیں ہوتا۔ (ت)

عنایہ میں فرمایا:

وصیۃ الرقبۃ والخدمۃ فان الموصول والمفصول فیہما فی الحکم سواء[4]

خدمت و رقبہ کی وصیت چاہے اکٹھے ہو یا الگ الگ ہو وہ حکم میں برابر ہے (ت)

---

[1] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۳

[3] الکافی شرح الوافی

[4] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب السکنی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۴۱۳

فائدہ ۳: وصیت شیئ اگرچہ وضعاً تملیک منفعت شے نہیں مگر التزاماً ضرور مفید تملیک منفعت شے ہے ولہذا اگر پہلے عمرو کے لئے وصیت منفعت کی اس کے بعد شیئ کی وصیت زید کے لئے کی اگر دونوں وصیتیں متصلاً کیں جب تو منفعت والے منفعت اور رقبہ والے کو رقبہ کہ ایسا کلام متصل دلیل توزیع وتقسیم ہوتا ہے ولہذا اگر کہا کہ یہ انگشتری زید کو دینا اور اس کا نگ عمرو کو یا یہ مکان زید کو دیں اور اس کا عملہ عمرو کو تو بالاتفاق صاحبین زید کے لئے خالی انگشتری بے نگ اور زمین بلا عمارت ہوگی اور عملہ اور نگ تنہا عمرو کا حالانکہ انگشتری نگ کو بھی شامل تھی اور مکان میں عملہ بھی داخل تھا، کافی میں ہے:

ان اوصی بھذہ الامۃ لفلان وبحملھا لاٰخر او بھذہ الدار لفلان وبنائھا لاٰخر او بھذا الخاتم لفلان وبفصہ لاٰخر فان وصل فلکل واحد ما اوصی (الی قولہ) لان ذٰلک بمنزلۃ دلیل التخصیص والاستثناء فیلبین بہ انہ اوجب لصاحب الخاتم الحلقۃ خاصۃ دون الفص الاتری انہ لو اوصی بالجاریۃ واستثنی حملا صح الاستثناء[1]

اگر یوں وصیت کی لونڈی فلاں کے لئے اور اسکا حمل فلاں کے لئے یا یہ مکان فلاں کے لئے اور اس کی عمارت فلاں کے لئے یا یہ انگوٹھی فلاں کے لئے اور اس کا نگینہ فلاں کے لئے ہے اگر یہ وصیتیں متصلاً کیں تو ہر ایک کو وہی ملیگا جس کی وصیت اس کے لئے کی ہے (اپنے اس قول تک) اس لئے کہ تخصیص و استثناء کی دلیل ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ موصی نے انگوٹھی والے کے لئے حلقہ خاص کیا ہے بغیر نگینے کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر لونڈی کی وصیت کی اور حمل کو مستثنٰی کردیا تو استثناء صحیح ہے (ت)

اور اگر وصیت رقبہ وصیت منفعت کے بعد کلام مفصول میں کی اور اس میں منفعت کا نام نہ بھی لیا جب بھی مالک رقبہ زید ہوگا اور منفعت عمرو و زید میں نصف نصف ہوجائے گی۔

بدائع امام ملک العلماء مسعود پھر عالمگیریہ میں ہے:

لو ابتدأ بالتبع فی ھذہ المسائل ثم بالاصل بان اوصی بخدمۃ

اگر ان مسائل میں ابتداء تابع سے کی پھر اصل کی وصیت کی مثلاً پہلے خدمت کی وصیت کسی

---

[1] الکافی شرح الوافی

العبد لانسان ثم بالعبد لاٰخر او اوصی بسکنی ھذہ الدار لانسان ثم بالدار لاٰخر او بالثمرۃ لانسان ثم بالشجرۃ لاٰخر فان ذکر موصولا فلکل واحد منھما ماسمی لہ وان ذکر مفصولا فالاصل للموصی لہ بالاصل والتبع بینھما نصفان[1]

شخص کے لئے کی پھر خود غلام کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کر دی یا سکونت کی وصیت کسی کے لئے کرے پھر اُسی گھر کی وصیت کسی دوسرے کیلئے کر دی یا پھل کی وصیت کسی کے لئے کرے پھر درخت کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کر دی اگر وصیتوں کا ذکر متصلاً کیا ہے تب تو ہر ایک کو وہی ملے گا جس کا اس نے نام لیا اور اگر دونوں وصیتوں کے ذکر میں فاصلہ کیا تو پھر جس کے لئے اصل کی وصیت ہے اس کو اصل ملے گا اور تابع ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔ (ت)

تو اگر وصیت رقبہ اصلاً مفید تملیک منفعت نہ ہوتی تو بجال فصل تنصیف منفعت کی وجہ نہ تھی ہاں وصیت رقبہ کے بعد دوسرے کے لئے وصیت منفعت اول کے لئے استحقاق منفعت کے لئے مانع ہو کر اس کے لئے تملیک مجرد رقبہ رہ جاتی ہے اور جب مانع نہ ہوگا دونوں ثابت ہوں گی یہ وضعاً اور وہ التزاماً، کافی میں عبارت مذکورہ آنفا کے بعد فرمایا:

وانما تستحق ھذہ الاشیاء بملك الاصل اذا لم یوجد المانع وھنا وجد المانع وھو الوصیۃ للثانی[2]

ان تمام اشیاء میں ملکِ اصل کا استحقاق تب ہوگا جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ ہے دوسرے کے لئے وصیت۔ (ت)

فائدہ ۴: وصیت منفعت بمنزلہ وصیت رقبہ ہے جس شئی کی منفعت کسی کیلئے وصیۃً قرار دی گویا اُسے خود وہ شئی اس کی حیات یا ایک زمانۂ معین تک وصیۃً دی اور اگر ایک شئی کا رقبہ زید اور منفعت عمرو کے لئے رکھی تو گویا اس شئی کی دونوں کے لئے وصیت کی زید کے لئے مطلق اور عمرو کے لئے وقت محدود انتفاع تک ولہذا صاحب منفعت حساب ثلث وضرب حصص میں صاحب رقبہ کا ہمسر ہوتا ہے اور تنگی ثلث کے وقت اس کا مزاحم ہو کر اس کی وصیت کو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۵
[2] الکافی شرح الوافی

گھٹاتا ہے جب اس کی مدت ختم ہوجاتی ہے صاحبِ رقبہ اُس وقت اپنی وصیت کی تکمیل پاتا ہے کافی میں فرمایا:

الوصیة بالخدمة مالم یستوف الموصی له کمال حقه بمنزلة الوصیة بالرقبة[1]

جب تک خدمت کا موصیٰ لہٗ اپنا حق پورا وصول نہیں کرلیتا اس وقت تک وہ بمنزلہ رقبہ کی وصیت کے ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان له ثلثة اعبد فاوصی برقبة احدهم لرجل وقیمته ثلثمائة و بخدمة الثانی لأخر وقیمته خمسمائة وقیمة الثالث الف جاز لکل واحد ثلثة ارباع وصیته یعطی لصاحب الرقبة ثلثة ارباعها و یخدم لصاحب الخدمة ثلثة ایام و للورثة یوما لان الوصایا جاوزت الثلث لان ثلث المال ستمائة والوصایا کانت ثمانمائة وکان ثلث المال ثلثة ارباع الوصایا کذا فی محیط السرخسی، واذا مات صاحب الخدمة استکمل صاحب الرقبة عبده کله

اگر کسی شخص کے تین غلام ہیں، اس نے ایک غلام کے رقبہ کی ایک شخص کے لئے وصیت کی جس کی قیمت تین سو درہم ہے، اور دوسرے غلام کی خدمت کی وصیت کسی اور شخص کیلئے کی جس کی قیمت پانچ سو درہم ہے جبکہ تیسرے غلام کی قیمت ایک ہزار درہم ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین چوتھائی (¾) وصیت جائز ہوگی چنانچہ پہلے موصیٰ لہٗ کو اس کی وصیت کے غلام کا تین چوتھائی ملے گا اور صاحبِ خدمت کی وصیت کا غلام تین روز اس کی اور ایک روز وارثوں کی خدمت کرے گا کیونکہ وصیتیں تہائی مال سے بڑھ گئیں، تہائی مال تو فقط چھ سو درہم ہے جبکہ وصیتیں آٹھ سو درہم ہوچکی ہیں تو اس طرح کل مال کا تہائی حصہ وصیتوں کا تین چوتھائی (¾) ہوگیا۔ محیط میں یوں ہی ہے۔ اگر صاحبِ خدمت مرگیا تو صاحبِ رقبہ اپنا وصیت کا غلام پورا لے لے گا۔ اسی طرح اگر وہ غلام مرجائے جو

---

[1] الکافی شرح الوافی

وکذلك ان مات العبد الذی کان یخدمہ ولوکانت قیمۃ العبید سواء کان لصاحب الخدمۃ نصف خدمۃ العبد ولصاحب الرقبۃ نصف رقبۃ الاٰخرکذا فی المبسوط[1]

خدمت کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر غلاموں کی قیمت برابر ہو تو صاحبِ خدمت کے لئے نصف خدمت اور صاحب رقبہ کے لئے نصف رقبہ ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہی ہے۔ (ت)

فائدہ ۵: یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس کے لئے وصیت رقبہ ہو اسے وصیت منفعت کی حاجت نہیں کہ وہ بحکم ملک مختار انتفاع ہوگا اس کے ساتھ مطلقاً یا کسی وقت خاص میں اختیار انتفاع کا ذکر اسی لازم کا اظہار ہوگا نہ کہ اُس کے لئے وصیت بالمنفعۃ جو بوجہ عدم حاجت لغو بے اثر ہے جس طرح تنہا وارث غیر زوجین کے لئے وصیت کما تقدم عن الدرالمختار و عن غنیۃ ذوی الاحکام (جیسا کہ درمختار اور غنیہ ذوی الاحکام کے حوالے سے گزرچکا ہے۔ ت)

فائدہ ۶: وصیت میں مقصد موصی پر نظر لازم ہے۔ ہدایہ وکافی میں دربارہ موصی لہ بخدمۃ العبد ہے:

لیس للموصی لہ ان یخرج العبد من الکوفۃ الا ان یکون الموصی لہ واھلہ فی غیر الکوفۃ فیخرجہ الی اھلہ للخدمۃ ھنالك اذا کان یخرج من الثلث لان الوصیۃ انما تنفذ علی مایعرف من مقصود الموصی فاذا کانوا فی مصرہ فمقصودہ ان یمکنہ من خدمتہ فیہ بدون ان یلزمہ مشقۃ السفر واذا کانوا فی غیرہ فمقصودہ ان یحمل العبد الی اھلہ لیخدمھم[2]

موصی لہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے ہاں اگر موصی لہٗ اور اس کے اہل خانہ غیر کوفہ میں رہتے ہیں تو غلام کو نکال کرلے جاسکتا ہے کیونکہ وصیت اس مقصود پر نافذ ہوتی ہے جو موصی سے معلوم ہو۔ اگر موصی لہ اور اس کے اہل خانہ موصی کے شہر میں رہتے ہیں تو اب موصی لہ کا مقصود یہ ہے کہ وہ سفر کی مشقت کے لزوم کے بغیر اس کی خدمت کرسکے اور اگر وہ اُس شہر کے غیر میں رہتے ہیں تو اب مقصود یہ ہوگا کہ موصی لہ اس غلام کو وہاں اپنے اہل خانہ کے پاس لے جائے تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکے۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۲۲

[2] الہدایۃ " باب الوصیۃ بالسکنی والخدمۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۱-۸۲

فائدہ ۷ : دربارۂ مہر مہر مثل تک عورت کا قول مع الیمین بلا بینہ معتبر ہے جبکہ زوجیت معروف ومعلوم ہو فتاوٰی خانیہ میں قبیل فصل رجوع عن الوصیۃ ہے۔

ان ادعت المرأۃ مقدار مھر مثلھا یدفع الیھا اذا کان النکاح ظاھرا معروفا ویکون النکاح شاھدا لھا۔[1]

اگر عورت نے مہر مثل کا دعوٰی کیا تو اس کو دیا جائیگا جبکہ نکاح ظاہر و معروف ہو اور نکاح ہی اس کا شاہد ہوگا۔ (ت)

اسی کے باب الوصی پھر ہندیہ میں ہے :

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الٰی مھر مثلھا یدفع ذٰلک الیھا۔[2]

اگر نکاح معروف ہو تو عورت کا قول مہر مثل کی حد تک مقبول ہوگا اور وہ اس کو دیا جائے گا۔ (ت)

فائدہ ۸ : مہر بھی مثل سائر دیون ہے اور دین کا تعلق مالیت سے ہے نہ عین سے ولہذا ورثہ کو اختیار ہوتا ہے کہ دائن کا دین اپنے پاس سے دے کر ترکہ اپنے لئے بچالیں اگرچہ دین مستغرق ہو جس کے سبب ورثہ کے لئے ترکہ میں اصلاً ملک ثابت نہیں ہوتی۔ جامع الفصولین و اشباہ میں ہے :

لو استغرقھا دین لا یملکھا بالارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ الخ۔[3]

اگر قرض پورے ترکہ کو محیط ہو تو میراث کے طور پر کوئی اس کا مالک نہیں بنے گا سوائے اس قرض خواہ میت کو بری کر دے یا کوئی وارث اس کو ادا کر دے الخ (ت)

اشباہ میں اس کے بعد فرمایا :

وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین لو مستغرقا۔[4]

وارث کو اختیار ہے کہ قرض ادا کرکے ترکہ کو واگزار کرالے جبکہ قرض پورے ترکہ پر حاوی ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۶
[2] 〃 〃 〃 باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی الخ 〃 ۴/ ۸۵۹
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۲۰۵

فائدہ۹: وصیت جہت موصی سے تملیک ہے تو اس کے بتائے سے تجاوز نہیں کرسکتی وصیت اگر حصہ شائعہ مثل نصف مال یا ثلث متروکہ کی ہو تو ضرور ترکہ باقیہ بعد ادار الدین کے ہر جزء میں شائع ہوگی مگر اعیانِ معینہ کی وصیت صرف انھیں اعیان پر مقتصر رہے گی ان کے غیر سے ایک حبہ نہ پاسکے گا یہاں تک کہ اگر وہ اعیان ثلث مال یا اس سے بھی کم ہوں اور تمام وکمال بحکم وصیت اسے ملتے ہوں اور ان میں سے کسی منازعت کے سبب کچھ کم ہو جائے تو اس کی وصیت اُسی کم میں نفاذ پائے گی باقی ترکہ سے اس کی تکمیل نہ کی جائے گی کہ یہ ایجاب بلا موجب ہے اور وہ محض باطل ولہذا اگر ترکہ پندرہ سو روپے نقد اور تین سو روپے کا اسباب یا زمین وغیرہ ہو اور اس تمام اسباب وزمین کی وصیت زید کے لئے کی اور اپنے مال کے ۱/۶ کی وصیت عمرو کے لئے تو مجموع ترکہ اٹھارہ سو ہوا اور مجموع وصایا چھ سو کہ اس کا ثلث ہے اور ثلث تک وصیت بلا اجازت نافذ ہے تو چاہیے تھا کہ دونوں موصی لہ کی وصیت پوری نافذ کرتے اسباب وزمین زید کو دے دیتے اور تین سو روپے کہ سدس مال ہے عمرو کو مگر ایسا نہ کریں گے بلکہ عمرو کو دو سو پچاس ۲۵۰ روپے نقد دیں گے اور پچیس کی قدر زمین واسباب اور باقی صرف پونے تین سو روپے کا اسباب زید پائے گا زر نقد سے اس کی وصیت پوری نہ کریں گے کہ زر نقد میں اس کا کوئی حق نہ تھا اس تقسیم کی وجہ وہی ہے کہ عمرو کے لئے سدس مال کی وصیت ترکہ کے ہر جزء نقد وجنس وجائداد ہر شئ کے ۱/۶ کی وصیت ہے تو اسے پندرہ سو نقد کا بھی سدس چاہیے اور اسباب وزمین کا بھی سدس۔ سدس نقد میں اس کا کوئی منازع نہیں وہ ما رصہ ۲۵۰ اسے دے دئے ہیں سدس جائداد میں زید اس کا منازع ہے وہ کہے گا کہ تمام وکمال بحکم وصیت میرا ہے عمرو کہے گا اس میں سے بھی ۱/۶ میرا ہے تو اس مال کا ۵/۶ زید کے لئے بلا نزاع ہے اور ۱/۶ میں زید وعمرو متنازع ہیں تو بحکم انصاف وہ ان میں نصفا نصف ہو کر اسباب وزمین کا ۱/۱۲ عمرو پائے گا اور ۱۱/۱۲ زید اور اس کے سوا زید کو نقد سے کچھ نہ ملے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

لواوصی لرجل بسیف قیمتہ مثل سدس مالہ ولاٰخر بسدس مالہ ومالہ سوی السیف خمسمائۃ فللثانی سدسہا وللاول خمسۃ

اگر کوئی کسی کے لئے اپنی تلوار کی وصیت کرے جس کی قیمت اس کے کل مال کے چھٹے حصے کے برابر ہے اور دوسرے شخص کے لئے اپنے کل مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جبکہ تلوار کے علاوہ موصی کا مال پانچسو درہم ہے۔ اس

اسد اس السیف وسدس السیف بینھما لان منازعتھما فی سدس السیف فقط فینصف بینھما۔[1]

صورت میں دوسرا شخص پانچ سو درہم میں سے چھٹا حصہ پائے گا اور پہلا شخص تلوار کی قیمت کے چھ حصوں میں سے پانچ ($\frac{5}{6}$) حصے لے گا جبکہ تلوار کا چھٹا حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں کی منازعت فقط اسی چھٹے حصے میں ہے لہٰذا ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ (ت)

فائدہ ۱۰: وصیت اجنبی کہ ثلث تک نافذ ہے اس کے حساب ثلث کے لئے کل متروکہ بعد الدین ملحوظ ہوگا وہ چیزیں بھی جن کی اس کے لئے وصیت ہے اور وہ بھی جن کی اس کے لئے وصیت نہیں مگر اس کا حق ان اشیاء سے ہرگز متجاوز نہ ہوگا جن کی وصیت اس کے لئے ہے جیسا ابھی مسئلہ مذکورہ میں گزرا بالجملہ وصیت کا ثلث تک نفاذ وصیت معینہ کو وصیت شائع نہ کر دے گا اس کا اثر صرف اس قدر ہوگا کہ باقی بعد دین جس قدر مال ہے جس کی وصیت کی ہے اور جس کی نہیں سب کا ثلث لے کر دیکھیں گے کہ جن اعیان مخصوصہ کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کی مالیت اس ثلث کی مقدار سے کم ہے یا برابر یا زائد، دو صورت اولیٰ میں وہ تمام اعیان موصی لہ کو دے دیئے جائیں گے اور صورت ثالثہ میں ان میں سے صرف اتنا حصہ پائے گا جو ثلث کل باقی بعد ادار الدین کی مقدار تک ہے نہ یہ کہ جس چیز کی اس کے لئے وصیت نہ کی اس کا بھی ثلث محض بلا استحقاق اس کو دے دیا جائے یہ سخت جہالت فاحشہ ہے کتب مذہب کے صدہا نصوص اس کے اوپر ناطق اور یہی مسئلہ کہ ابھی ردالمحتار سے گزرا، کافی اور ادنیٰ خادم فقہ پر یہ امر خود بدیہیات واضحہ سے ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)۔

فائدہ ۱۱: اقرار کے بعد کسی تفتیش کی حاجت نہیں، نہ حقوق العباد میں بلا دعویٰ قاضی کو اختیار حکم نہ اسے ایسی بات کی تکذیب پہنچتی ہے جس میں کوئی معارض ہو کہ وہ قطع خصومت کیلئے مقرر ہوا ہے نہ کہ انشاءِ خصومت کے واسطے۔ ہدایہ میں فرمایا: الاقرار موجب بنفسہ[2] (اقرار خود موجب ومثبت ہے۔ ت) تنویر میں ہے:

القضاء فصل الخصومات وقطع

قضاء تو جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۸

[2] الہدایۃ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۰۱

المنازعات[1] — ختم کرنا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

بعد دعوی صحیحة من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء[2]

ایک خصم کے دوسرے حاضر خصم پر صحیح دعوٰی کے بعد ورنہ یہ افتاء ہوگا (ت)

ردالمحتار میں فوائد بدایہ سے ہے:

اتفق ائمة الحنفیة والشافعیة علی انه تشترط لصحة الحکم واعتبارہ فی حقوق العباد الدعوی الصحیحة[3]

اس پر ائمہ حنفیہ شافعیہ کا اتفاق ہے قضاء کے صحیح ہونے اور حقوق العباد میں اس کے معتبر ہونے کے لئے صحیح دعوٰی کا ہونا شرط ہے (ت)

فائدہ ۱۲: زوجہ کے لئے یہاں دو وصیتیں ہیں۔

وصیت منفعت کہ مکانوں میں رہے ظروف استعمال کرے یہ وصیت انھیں اعیان میں ہے جن کی وصیت شاہ محمد اجنبی کے لئے ہے تو ثلث کل مال بعد اداء الدین کے جتنا حصہ مکانات واسباب کا آئے اس میں نافذ نہ ہوگی کہ وصیت اجنبی وصیت وارث سے مقدم ہے کما فی الفائدۃ الاولٰی (جیسا کہ پہلے فائدہ میں ہے۔ ت) اور یہاں اگر یہ وہم گزرتا کہ وصیت رقبہ کر کے اس کیلئے وصیت منفعت کردینے سے اول کے لئے صرف رقبہ کی وصیت رہ جاتی ہے منفعت میں اُس کا کچھ حق نہیں رہتا کما فی الفائدۃ الثانیة (جیسا کہ دوسرے فائدہ میں ہے۔ ت) وصیت اجنبی کہ مقدم ہے اپنے محل نفاذ میں مقدم ہوگی نہ کہ اس شے میں جس کی اُس کے لئے وصیت ہی نہیں یعنی منفعت کہ اس میں اجنبی کے لئے وصیت معدوم ہے معدوم کی تقدیم کیا معنی تو اس کا جواب ہماری تقریر سابق سے واضح کہ وصیت منفعت بھی بمنزلہ وصیت رقبہ ہے ثابت ہو تو اس کی مزاحم ہوتی ہے کما فی الفائدۃ الرابعة (جیسا کہ چوتھے فائدہ میں ہے۔ ت) اور منفعت میں اس کا حق نہ رہنا اسی بنا پر ہوتا ہے کہ یہ مانع آتی ہے کما فی الفائدۃ الثالثة (جیسا کہ تیسرے فائدہ میں ہے۔ ت) اور وصیت وارث جب وصیتِ اجنبی سے مؤخر ہے تو اس کے مقابل مضمحل ہوگی اور اس کے رقبہ میں کالعدم نہ کہ اس کی مانع ومزاحم، پھر بقدر ثلث نفاذ وصیتِ اجنبی کے بعد مرتبہ ارث کا

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار — کتاب القضاء — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱
[2] الدرالمختار — فصل فی الحبس — ۲/ ۷۸
[3] ردالمحتار — داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

ہے کما فی الفائدۃ الاولٰی (جیسا کہ پہلے فائدہ میں ہے۔ ت) اور جو کچھ ارثاً ملک زوجہ ہوگا اس میں اسے وصیت منفعت کی حاجت بھی نہیں ان دونوں کے بعد جو حصہ مکانات واسباب کا بچا اس میں زوجہ کی وصیت نفاذ پائے گی اور اس میں سے موقع محفل حضرات طیبات امامین شہیدین رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ جس قدر ظروف کی شاہ محمد کو حاجت ہوگی اس وقت خاص پر اُتنے ظروف زوجہ کو استعمال کے لئے نہ دیئے جائیں گے موصی نے اس وقت شاہ محمد کے لئے اُن کا استعمال لکھا ہے یہ اگرچہ شاہ محمد کے لئے وصیت بالمنفعۃ نہیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ (جیسا کہ پانچویں فائدہ میں ہے۔ ت) مگر وصیت زوجہ سے اتنے وقت اخراج کے لئے کافی ہے،

لما تقدم عن الهداية والكافي انه انما لم يكن للموصى له بالعين حق في المنفعة مع ملكه للرقبة للايصاء بها لغيره وتجريد الرقبة في الوصية له فلم يثبت له فوق ما اثبت الموصى اما هنا فقد اثبت له الانتفاع في الوقت الخاص فكان معزولا عما اوصى به لغيره وكان كأن يقول اوصيت لها بالمنفعة الا وقت كذا ولو اقتصر على هذا لم يكن للزوجة الانتفاع في الوقت المستثنى وكان ذلك للاجنبي الموصى له بحكم الملك فاذا صرح بكونه له فيه فبالاولٰى۔

اس دلیل کے ساتھ جو ہدایہ وکافی کے حوالہ سے گزر چکا کہ عین کے موصی لہٗ کے لئے رقبہ میں ملکیت کے باوجود منفعت میں کوئی حق نہیں، اس لئے وصیت میں اس کے لئے رقبہ کی تخصیص اور منفعت کی وصیت کسی اور کے لئے کی گئی ہے لہٰذا موصی کے مقصود سے زائد اس کے لئے کچھ ثابت نہ ہوگا لیکن یہاں تو اس کے لئے خاص وقت میں انتفاع کا اثبات ہے، تو جس چیز کی وصیت اس کے غیر کے لئے ہے اس میں وہ معزول ہوگا۔ گویا موصی یوں کہے میں نے عورت کے لئے نفع اٹھانے کی جو وصیت کی سوائے فلاں وقت کے، اگر اسی پر اقتصار کرتا تو بھی بیوی کو مستثنٰی وقت میں انتفاع کا حق نہ ہوتا اور یہ اجنبی شخص کیلئے بطور ملک ثابت ہوتا جب اس نے اس کی تصریح کردی تو بدرجہ اولٰی یہ حکم ہوگا۔ (ت)

اور پُر ظاہر کہ اُس کے بعد زوجہ کے لئے وصیت استعمال سے یہ مقصود موصی نہیں کہ محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت استعمال شاہ محمد کو منع کردے یا اس وقت کی ضروری اشیائے

صرف نصف حاجت روائی شاہ محمد کے لئے رکھے نصف زوجہ کردے بلکہ مقصود یہی ہے کہ اس وقت خاص جن اشیاء کی حاجت ہو شاہ محمد استعمال کرے باقی اوقات میں زوجہ اپنے صرف میں رکھے اور مقاصد موصی پر نظر لازم ہے کما فی الفائدۃ السادسۃ (جیسا کہ چھٹے فائدہ میں ہے۔ ت)

وصیت زیور، جس کی نسبت اگرچہ وصیت نامہ میں کوئی تصریح معاوضہ نہیں مگر زوجہ کہتی ہے کہ میرے مہر میں دیئے ہیں اور اُس کا یہ کہنا دعوٰی نہیں بلکہ اقرار ہے مہر مثل تک اُس کا قول بلا بینہ معتبر تھا کما فی الفائدۃ السابعۃ (جیسا کہ ساتویں فائدہ میں ہے۔ ت) اور وصیت نامہ میں زیور کی خالص وصیت اس کے نام لکھی ہے یہاں نہ کوئی دوسرا وارث ہے کہ زوجہ کا معارض ہو اس سے کہے کہ تیرا حق دین میں ہے نہ عین میں کما فی الفائدۃ الثامنۃ (جیسا کہ آٹھویں فائدہ میں ہے۔ ت) یا کہے تیرے لئے وصیت بے میری اجازت کے باطل ہے۔ نہ زیور کے کسی جزء کی شاہ محمد کے لئے وصیت ہے نہ اس کی وصیت کہ ثلث کل مال کی مقدار تک حق تقدم رکھتی ہے اُسے اس زیور کے کسی ذرہ کی مستحق بنا سکتی ہے کما فی الفائدۃ التاسعۃ (جیسا کہ نویں فائدہ میں ہے۔ ت) اگرچہ وصیت محضہ للزوجہ ہو جب بھی اجنبی کے لئے صرف حساب ثلث میں ملحوظ ہوگا نہ کہ اس کا کوئی جبہ اُسے ملے کما فی الفائدۃ العاشرۃ (جیسا کہ دسویں فائدہ میں ہے۔ ت) نہ کل زیور زوجہ کے لئے بعوض مہر ماننا شاہ محمد کے حساب ثلث پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ اگر زیور مہر مثل سے کم یا برابر ہے جب تو ظاہر کہ مہر مثل کی مقدار تک زوجہ کا قول مسلم اور وہ شاہ محمد کی وصیت پر مقدم اور اگر بالفرض مہر مثل سے زائد ہو جب بھی یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ سب زیور بعوض مہر حق زوجہ ماننے میں شاہ محمد کا حصہ ثلث مکانات واسباب میں کم ہو جائے گا فرض کیجئے کہ زیور ۳۲۲ روپے کا ہے اور مہر مثل ۲۰۲ کا اور مکانات واسباب جن کی وصیت شاہ محمد کے لئے ہے ۱۲۰۰ کے تو اگر کل زیور بحق مہر زوجہ کے لئے مانا جائے تو وہ ثلث جس میں وصیت اجنبی جاری ہوگی صرف مکانات و اسباب کا ثلث رہا جبکہ اُس کے سوا اور کوئی متروکہ نہ ہو شاہ محمد ان میں سے صرف ۴۰۰ کے قدر بحکم وصیت مقدمہ پائے گا اور اگر فقط مہر مثل تک زوجہ کو مہر میں دیں تو بعد ادائے مہر متروکہ ۱۳۲۰ بچے گا ۱۲۰۰ کے مکانات اسباب اور ۱۲۰ کا باقی زیور جس کا ثلث ۴۴۰ تو مکانات واسباب سے ۴۴ روپے کے قدر شاہ محمد کے حق مقدم میں بڑھ جائیں گے یہ وہم اس وقت ہو سکتا ہے کہ بحال کمی مہر مثل کل زیور زوجہ کو مرتبہ مہر مثل تک تقدم ہے اور زیادہ ان مہر مثل بعوض مہر مثل ہونا محاباۃ ہے اور وہ زوجہ کے لئے وصیت ہے اور زوجہ کے لئے وصیت خود اس کی میراث سے بھی موخر ہے

کما فی الفائدۃ الاولیٰ (جیسا پہلے فائدہ میں ہے۔ ت) تو وصیت اجنبی سے دو درجہ مؤخر ہے جب تک وصیت مقدمہ اجنبی ادا نہ ہولے زیور زائد از مہر مثل ضرور متروکہ ہی ٹھہر کر حساب ثلث میں محفوظ رہے گا اور شاہ محمد کو مکانات واسباب کے حصہ مقدمہ میں کچھ نقصان نہ پہنچے گا بہر حال اُس کے اس قول سے کسی کا کچھ ضرر نہیں تو اُس میں اُس کا کوئی مخاصم نہیں پھر قاضی کس وجہ سے اُس کی تکذیب کرسکتا ہے کما فی الفائدۃ الحادیۃ عشرۃ (جیسا کہ گیارھویں فائدہ میں ہے۔ت) زوجہ اگر اس بیان میں سچی ہے فبہا اور اگر اس نے غلط کہا تو یہ اسی کے حق میں مضر ہوا اسے صاف اختیار تھا کہ مہر کا دعوٰی جدا کرتی جس میں مہر مثل تک اُس کا قول معتبر رہتا اور یہ زیور بحکم وصیت جدا لیتی کہ اس میں اس کا معارض نہ تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ اس زیور ہی کو اپنے مہر میں دیا جانا بتایا تو یہ اس کا اپنے ہی حق میں اقرار ہوا، ولہذا نہ دعوٰی بلکہ اقرار ہوا اور بعد اقرار حاجت تفتیش کیا معنی کمافی الفائدۃ المذکورۃ (جیسا کہ مذکورہ بالا فائدہ میں ہے۔ ت) اور سب پر علاوہ یہ کہ ادھر زوجہ نے یہی زیور اپنے مہر کے عوض بتائے ان سے جدا کوئی دعوٰی مہر نہ رکھا ادھر شاہ محمد نے وہ تمام وکمال زیور اُس کے تسلیم کرکے اُسے سپرد کردیئے اب خواہ اُن سب کو اس کا وہ حق مہر مانا جو وصیت شاہ محمد پر مقدم رہتا یا بعض کو حق مہر بعض کو اور اس کے لئے وصیت یا کل کو وصیت جو وصیت شاہ محمد سے مؤخر رہتی مگر جب یہ اُسے نافذ کرچکا اپنے حق کو ساقط کردیا جیسے وارث کہ زائد از ثلث میں وصیت اُس کے حق ارث سے مؤخر ہے مگر وہ اجازت دے دے تو وہ مؤخر ہی مقدم ہوجاتی اور اس قدر میں اجازت دہندہ کا حق ارث ساقط ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اگر وصیت کل مال کی تھی اور سب ورثہ عاقلین بالغین نے اجازت دے دی کل مال موصی لہ کا ہوجائے گا اور کوئی وارث کچھ نہ پائیگا تو عالم خاتون کا مہر اور کل زیور اس کی ملک ہونا اور شاہ محمد کا ضرراً یا استحقاقاً اس سے کچھ متعلق ہونا یہ سب مسائل طے شدہ اور فریقین کے متفق علیہ ہیں جن میں انھیں کوئی نزاع نہیں اور وہ ان کے خالص حقوق تھے جن کے ابقاء و اسقاط کا انھیں اختیار مطلق تھا تو اب قاضی مفتی کسی کو اصلاً حق نہیں کہ اُن طے شدہ امور کو زیر بحث لائے اُن کے لئے کوئی تفتیش اپنی طرف سے قائم کرے فریقین میں ایک کو دوسرے پر اس بارے میں کوئی دعوٰی نہیں یہ خود مدعی بنے اور اس متفق علیہ کو نزاعی قرار دے کمافی الفائدۃ المذکورۃ ایضاً (جیسا کہ یہی فائدہ مذکورہ میں ہے۔ ت)

تفرلیات

(۱۹) فتویٰ ا کا قول بعد اس کے عالم خاتون کا مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کرینگے نافہمی ہے۔

(۲۰) فتویٰ ا کا کہنا ہے اگر ثابت ہوجائے کہ یہ زیور مہر کے عوض دیئے گئے اقرار میں تفتیش ہے۔

(۲۱) فتویٰ ا کی اس پر تفریع کہ تو ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں مفہوم غلط ہے شاہ محمد خاں کا زیور میں کسی طرح کچھ حق نہیں اگرچہ مہر کے عوض دیا جانا ثابت نہ بھی ہو۔

(۲۲) فتویٰ ا نے اس مفہوم باطل ہی پر قناعت نہ کی بلکہ آگے اس ظلم صریح کی تصریح کر دی کہ لیکن اگر ان زیورات کا مہر میں دیا جانا ثابت نہ ہو تو زیورات کے تیسرے حصہ میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دو حصے عالم خاتون کے، انا للہ وانا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ت) شاہ محمد خاں وارث نہیں زیور کی اس کے لئے وصیت نہیں، وصیت نہ ہونا درکنار موصی نے صراحۃً زیور کو اس کی وصیت سے جدا کر دیا کہ بعد ذکر زیور کہا ماسوا اس کے میری جائداد الخ مگر فتویٰ کہتا ہے کہ موصی کے دینے نہ دینے سے کیا ہوتا ہے ہم جو دیتے ہیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (بلندی و عظمت والے اللہ تعالےٰ کی توفیق کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ ت)

(۲۳) فتویٰ ۷ نے اور کمال کیا زوجہ کا وہ قول اقرار مان کر پھر اگر مگر کو دخل دیا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائے گا۔

(۲۴) فتویٰ ۷ نے اور بھی قدم عشق پیشتر بہتر کی ٹھہرائی یعنی زوجہ کا قول اقرار بھی ٹھہرایا اور شاہ محمد کی تسلیم بھی مانی پھر بھی فریقین کی متفق علیہ بات بات طے شدہ نہ جانی کہ سب سے اول تجہیز و تکفین کا خرچ ادا کیا جائے گا بعد ازاں اگر متوفی نے مدعیہ کو دین مہر میں زیورات کی وصیت کی ہے (چنانچہ اس کا اعتراف ہے اور مدعا علیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کرکے قبول کر لیا ہے) تو زیورات اس کو دین مہر میں دیئے جائیں گے۔

(۲۵) فتویٰ ۷ ان دونوں کی تصریحیں خود اپنے اقراروں اعترافوں کے ساتھ ایک فرض غلط کی راہ نکالی ہے اگر بالفرض دین مہر میں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تو باقی تمام مال میں سے مہر زوجہ

ادا کیا جائے گا یہ فرض بے معنی کس لئے اور فتوٰی متعلقہ دار القضا میں اس کا کیا محل۔

(۲۶) فتوٰی ۲ نے اس تفریع میں ڈگری بلا دعوٰی بھی فتوٰی اول کی طرح دی اور آگے چل کر کہا مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا زوجہ تو کہہ رہی ہے کہ مجھے یہ زیور مہر میں دیا فتوٰی کہتا ہے نہیں نہیں تمام مال میں سے تجھے مہر ملے گا اگرچہ کل مال کو مستغرق ہو اور موصی لہ کے لئے کچھ نہ بچے۔

(۲۷) فتوٰی ۲ کو منظور نہیں کہ یہاں کسی غلطی میں فتوٰی اول سے پیچھے رہے بلا وصیت استحقاق اجنبی میں بھی اس کا ساتھ دیا کہ زیورات اگر مہر میں دیئے تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو $\frac{2}{3}$ مدعا علیہ کو $\frac{1}{3}$۔

(۲۸) بلکہ فتوٰی ۲ کا یہاں بھی قدم پیشتر ہے اس نے صاف مانا کہ زیوروں کی وصیت شاہ محمد خاں کے لئے نہیں پھر بھی اُسے تہائی کا حصہ دار کر دیا۔ زیور کا یہ حکم لکھ کر آگے کہا اور دیگر جائداد مکانات ظروف وغیرہ سے مدعیہ $\frac{2}{12}$ مدعا علیہ $\frac{10}{12}$ کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعا علیہ کو ملے گا پھر ربع باقیماندہ یعنی سدس کل مدعیہ کو ملے گا بعد ازاں باقیماندہ مدعا علیہ کو، اگر یہ فتوٰی زیور کی بھی اس کیلئے وصیت مانتا تو یہی حکم اس پر بھی کرتا نہ کہ شاہ محمد کو زیور کا تو $\frac{1}{3}$ اور باقی اموال کے $\frac{5}{6}$۔

(۲۹) فتوٰی ۲ نے اس باطل صریح پر استدلال کی بھی جرأت کی یوں بھی اسے فتوٰی ۱ پر فوقیت رہی کہ اس نے آگے زیوروں کو کہا اگر محض بطور وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا برو‌ئے وصیت بالثلث حق ثلث ہوگا، پھر کہا اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بحکم وصیت بالثلث زیورات میں بھی $\frac{1}{3}$ مدعا علیہ کو ملے گا $\frac{2}{3}$ زیورات مدعیہ کو۔ اس کا منشا وہی غلط شدید و بعید ہے کہ ثلث کل مال کے لحاظ سے وصیت کی تنفیذ وصیت معینہ کو وصیت شائعہ کر دی ہے جس کا ردِ بلیغ فائدہ نہم و دہم میں گزرا۔ سبحٰن اللہ۔ حساب کے لئے ثلث ہر شَے کا لحاظ کیا ہوا کہ ثلث ہر شَے میں اس کی ملک ہی پیدا ہو گئی اگرچہ اُس شَے کا اُسے اصلاً استحقاق نہیں، نہ اُس کے لئے وصیت، بلکہ اس کی وصیت سے جدا ہونے کی صاف تصریح، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم (بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ بُرائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ ت)

(۳۰) فتوٰی ۱ نے یہاں ایک اور غلطی کی اگر زیور بعوض مہر دیا جانا ثابت نہ ہونے کی حالت میں اسکے نزدیک ان کا ثلث شاہ محمد کو ملنا تھا تو مطلقاً یہ کہتا کہ اگر زیور مہر کے عوض دیئے گئے تو ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں غلط بر غلط ہے اگر زیور مقدارِ مہر سے زائد ہوئے تو قدرِ زیادت میں زوجہ کے لئے وصیت بالمحاباۃ ہوئی اور وہ اجنبی کے حق ثلث کو باطل نہیں کرتی بلکہ خود اس کے حضور مضمحل ہو جاتی ہے۔

(۳۱) فتوٰی ۶ نے بھی یہاں غلطی میں اس کا ساتھ دینے کی منت مانی ہے اس نے بھی جا بجا وہی تصریحات کیں بلکہ صاف تر۔ کہا کہ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا تمام زیورات اس کو ملیں گے ورنہ مدعا علیہ کو ملے، پھر کہا اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں اور محض بطور وصیت دیئے گئے تو مدعا علیہ کا ثلث۔ پھر کہا وصیت اگر بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بارے مستثنٰی ہوں گے گویا ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مال بعوض دین دینے کی وصیت کرنا خود اس مال کو دین کردیتا ہے کہ اس کا ادا کرنا مطلقاً وصیت سے مقدم ہوجاتا ہے اگرچہ ایک روپیہ دین کے عوض ہزار روپیہ کا مال دینے کی وصیت کی ہو۔

(۳۲) فتوٰی ۷ نے یہاں بھی قدم بیشتر کی آن نہ چھوڑی یہ ٹھہری کہ بعوض مہر کے وصیت ہونا تمام و کمال زیوروں کو دَین کے مرتبہ میں کردے گا کہ اُن کا ادا کرنا وصیت للاجنبی سے مقدم ہوگا اور بعوض مہر دیئے جانے کا ثبوت نہیں مگر بیان زوجہ تو اب اس ادعا سے اپنا نفع اور موصی لہ کا ضرر چاہتی ہے کہ وہ وصیت جو وصیت نامہ میں بلامعاوضہ لکھی ہے جو وصیت اجنبی سے مؤخر رہتی بمعاوضہ بتاکر وصیت اجنبی سے مقدم کئے لیتی ہے تو اب اس کا قول تو صرف اقرار بلکہ صاف دعوٰی ہوا اور اگر مدعی محض اپنے زبانی دعوٰی پر ڈگری نہیں پا سکتا تو یہ کہنا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائیگا عجب در عجب ہے۔

(۳۳) اگر فتوٰی ۸ وہ ہماری غلطی کہ ایک صورت میں کہ بلاوصیت و بلا استحقاق شاہ محمد کو زیوروں میں تہائی کا حصہ دار کردیا نہ بھی کرتا جب بھی اُس کا مطلقاً یہ کہنا کہ اگر وصیت بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بارے مستثنٰی ہونگے یعنی بعد خرچ تجہیز و تکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے صحیح نہ تھا کہ اگر زیور مہر سے زائد ہیں تو قدر زیادت میں وصیت بالثلث کے بارے مستثنٰی نہیں ہوسکتے ثلث میں وہ بھی محسوب ہوتے اگرچہ اُن میں سے شاہ محمد خاں کو کچھ نہ دیا جاتا انھیں مطلقاً مستثنٰی شاہ محمد کی تسلیم نے کردیا نہ کہ وصیت بعوض مہر ہونے نے۔

(۳۴) یونہی فتوٰی ۵ کا قول کہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کی محتمل قوی ہے اور مہر دین ہے اس لئے وصیت اور ارث دونوں سے مقدم ہے وہی طرفہ منطق ہے محل وصیت نامہ کا حال تو اوپر گزرا اور بالفرض اس کی عبارت محتمل ہو تو محض قوتِ احتمال غایت درجہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں ہوسکتا، ہدایہ وغیرہ تمام کتب مسائل میں تصریح ہے کہ:

الظاهر یصلح حجۃ للدفع لا للاستحقاق[1] ظاہر حجت دفاع ہے حجت استحقاق نہیں(ت)

اب نہ رہا مگر خود مدعیہ کا قول اُسے اپنے حق میں حجت مان لینا نرالا قانون ہے زیور اگر مہر سے زائد ہیں تو وہ سب کیونکر دین سمجھ کر وصیت وارث دونوں سے مقدم کردیے جائیں۔

(۳۵) فتوٰی ۳ نے اور بھی دون کی لی کہ جن زیورات کے بارے میں متوفی بعوض مہر زوجہ کے دینے کی وصیت کرگیا ہے وہ اس کا قرض تھا اس کا ادا کرنا اس کو فرض تھا قرض و فرض کا قافیہ ملا لیا اگرچہ مہر شرعاً قرض نہیں ہوتا قرض و دین میں عموم و خصوص ہے خیر یہ بات کہ بعوض مہر دینے کی وصیت کرگیا ہے وصیت نامہ میں تو کہیں نہیں عورت کا بیان ہے اور ہو بھی تو بحال کمی مہر محاباۃ ہے نہ قرض ہے نہ فرض۔

(۳۶) فتوٰی ۷ نے یہاں ایک اور غلطی کی کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہو یا بالمنفعۃ"، وہ حصہ اور یہ سب کلی دونوں غلط ہیں اجنبی کی وصیت بالثلث بھی اُس کی مانع اور اس سے مقدم ہے۔

(۳۷) فتوٰی ۷ کو خود اپنا کہا یاد نہ رہا آگے چل کر کہا حق سکنی مکانات و حق استعمال ظروف وغیرہ کی جو زوجہ کو وصیت کی ہے اس کے بارے ثلث مال جو شاہ محمد کو اول ملے گا جاری رہے گا کیونکہ زوجہ کے لئے وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہوسکتی۔ اب یہ وصیت للزوجہ کا بے مزاحمت حق ورثہ اور مزاحم قوی و مرجح کدھر سے نکل آیا یہ صاف تناقض ہے۔

(۳۸) یونہی فتوٰی ۲ کا قول کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ سالم زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت لے سکتی ہے اس سے ذہول ہے کہ وارث کے لئے وصیت میراث سے مؤخر ہے تو بعد اجرائے میراث جو باقی بچے اُتنی چیز بذریعہ وصیت لے سکے گی نہ کہ سالم۔ تسأل اللہ السلامۃ۔

افادۂ سادسہ

وصیت ضرور مقید بشرط ہوسکتی ہے اور وہ زبان موصی پر ہے ایک شخص کے لئے متعدد وصایا ہیں اگر ایک وصیت کو کسی شرط سے مقید کردے دوسری کو نہ کرے یا ایک کو ایک شرط سے مقید کرے

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی باب التحکیم مسائل شتی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۴۷

دوسری کو دوسری سے تو جس طرح اس نے کہا ہے اُسی پر عمل واجب ہوگا، جو جس شرط سے مقید ہے اسی سے مقید رہے گی نہ کہ دوسری کی قید سے، اور جو مطلق ہے مطلق رہے گی نہ کہ از پیش خود اُسے بھی مقید کرلیا جائے المطلق یجری علی اطلاقہ (مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ت) قاعدہ اجماعیہ ہے، اور القران فی الذکر لایستلزم القراٰن فی الحکم (ذکر میں اقتران حکم میں اقتران کو مستلزم نہیں۔ت) ضابطہ وفاقیہ جمع محققین ہے اور المطلق لایحمل علی المقید فی حادثتین (دو حادثوں میں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ت) قاعدہ مطردہ حنفیہ ہے موصی نے زوجہ کے لئے صرف وصیت سکونت کو اس شرط سے مقید کیا کہ مظہر کی عورت مظہر کے عقد میں رہ کر گزارہ کرے تو اُس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا یعنی تاحق مظہر آباد رہے گی، وصیت ظروف میں یہ شرط نہ لگائی تو صرف وصیت سکونت مکانات اس قید سے مقید ہوگی یعنی جب تک نکاح ثانی نہ کرے اُسے حق سکونت رہے گا اور اگر نکاح کرلے گی یہ حق جاتا رہے گا مگر وصیت ظروف مطلق رہے گی استعمال ظروف کا اُسے اختیار رہے گا اگرچہ نکاح ثانی کرلے۔

وھٰھنا فی تقیید الوصیۃ بعدم التزوج دقیقۃ انیقۃ نبھنا علیھا فیما علقنا علٰی ردالمحتار من متفرقات البیوع۔

اور یہاں وصیت کو شادی نہ کرنے کی قید سے مقید کرنے میں انتہائی نفیس باریک نکتہ ہے جس پر ہم نے ردالمحتار باب متفرقات البیوع پر اپنی تعلیق میں خبردار کیا ہے۔(ت)

رہا شاہ محمد خاں کا ادعا کہ مدعیہ (معاذ اللہ) حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہ رہی اوّل تو ایسی ناپاک بات ہے جس کی نسبت رب عزوجل کا ارشاد ہے:

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین[1]

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

اور جس کی نسبت ہم کو ہدایت فرماتا ہے کہ اُسے سنتے ہی فوراً کہیں: سبحٰنک ھذا بھتان عظیم[2] پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے اور جس کی نسبت حکم فرماتا ہے کہ اگر وہ چار گواہ نہ لائیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷
[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۶

(چاروں مرد ثقہ عادل جنھوں نے نہ کوئی گناہِ کبیرہ کیا ہو نہ کسی گناہِ صغیرہ کے عادی ہوں نہ کوئی حرکت خلافِ مروت اُن سے صادر ہوئی ہو اور چاروں یکزبان گواہی دیں کہ ہم نے اس عورت کو اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا اور اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی) ایسے چار گواہ نہ لا سکیں، فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون[1] تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ پھر ان کی سزا بیان فرماتا ہے:

فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا[2] ان کو اسّی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی نہ مانو۔

کیا شاہ محمد خاں اپنے اس اتہام پر ایسے چار گواہ پیش کرسکتا ہے اور جب نہیں لا سکتا تو وہی عند اللہ جھوٹا ہے اور اسّی کوڑوں کا مستحق ہے، اور اگر بفرض باطل وہ سچا بھی ہوتا جب بھی اس کا کہنا کہ اب وہ نشست کی بھی حقدار نہ رہی غلط تھا موصی نے حقِ سکونت کو عورت کی پارسائی سے مشروط نہ کیا بلکہ اس شرط سے کہ وہ نکاحِ ثانی نہ خود کرے نہ دوسرے کی وکالت و وساطت سے' وہ خود اپنی شرط کا مفہوم بتاتا ہے کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرائے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا عورت کہ نکاح ثانی نہ کرے روزِ قیامت اپنے شوہر کو ملے گی جبکہ دونوں نے ایمان پر وفات پائی ہو۔

اللھم ارزقنا الوفاۃ علی الایمان بجاہ حبیبک الکریم یا رحمٰن علیہ وعلٰی اٰلہ افضل و اکمل التسلیمات ما بقیت الجنان۔ اے اللہ اے مہربان! ہمیں اپنے حبیب کریم کے صدقے ایمان پر وفات نصیب فرما' اپنے حبیب کریم اور ان کی آل پر افضل و اکمل درود و سلام نازل فرماتا رہ جب تک جنتیں باقی ہیں (ت)۔

اور اگر دوسرا شوہر کرے تو اگر اس کے نکاح میں مرجائے اُس دوسرے کو بشرطِ ایمان ملے گی' کما فی حدیث۔ اور اگر اُس سے بھی بیوہ ہوگئی غرض کسی شوہر کے نکاح میں نہ مری تو اسے روزِ قیامت اختیار دیا جائے گا کہ اُن شوہروں میں جسے چاہے پسند کرلے وہ اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ زیادہ نیک سلوک سے معاشرت کرتا تھا'

کما فی حدیث اٰخر والتطبیق بینھما جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے ان دونوں حدیثوں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

ما ذکرنا کما بیناہ فی فتاوٰنا۔ | میں تطبیق وہ ہے جیسا ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ (ت)

بہرحال نکاح ثانی سے عورت یا تو شوہر اول کے لئے رہتی ہی نہیں یا اس کے لئے اس کا رہنا مشکوک ہوجاتا ہے بخلاف بدکاری کہ وہ اُسے حقِ شوہر سے باہر نہیں کرتی حق کا ابطال حقِ اقوٰی سے ہوتا ہے نہ کہ ناحق و باطل طغوٰی سے جیسے بحال حیات اس کے باعث نہ نکاح میں فرق آئے نہ شوہر کو اس سے جدائی لازم ہو۔ درمختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[1] | بدکار عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں۔ (ت)

(۳۹) فتوٰی ۷ کا وصیت سکنٰی و وصیت ظروف وغیرہا دونوں کو قید عدم نکاح ثانی سے مقید کرنا کہ حق سکنٰی و حق استعمال ظروف وغیرہ مدعیہ کو تا نکاح ثانی حاصل رہے گا صحیح نہیں۔

افادہ سابعہ

وصیت نامہ کے کسی لفظ کا مفاد نہیں کہ شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال ہو، زیوروں کو جدا کرکے بھی اُس کے لفظ یہ ہیں ماسوا اس کے نیری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات ہیں وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں وہ زیرِ حفاظت شاہ محمد خاں رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا۔ یہاں سے صرف مکانات کی وصیت ہوئی آگے کہا علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن و چارپائی وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ اس سے اثاث البیت کی وصیت ہوئی خاتمہ پر اس نے انھیں اشیائے معینہ میں وصیت کا انحصار کردیا کہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے تو مندرجہ بالا مکانات و اثاث البیت کے سوا اگر کچھ ترکہ ہو وہ زیرِ وصیت نہ آیا اور استفتائے مرتبۂ جی خانپور سے واضح کہ زوجہ دعوٰی کرتی ہے کہ مدعا علیہ کے پاس دیگر زیورات از ترکہ شوہرش موجود ہیں تو جب تک اس دعوٰی کا بطلان ثابت نہ ہو شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ ہاں موصی نے ذکر مکانات و اختیار فروخت و رہن مکانات کے بعد یہ لفظ بھی لکھا کہ غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے۔ یہ وغیرہ اسی اختیار بیع و رہن پر محمول ہے کہ اس نے اس کے متصل ہی بلافصل یہ لفظ لکھے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری الخ

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۴

اگر وغیرہ سے کل متروکہ جمیع مملوکہ مراد ہوتا تو اس کے علاوہ کہنا باطل ہوجائے گا اور کلام عاقل بالغ کا مہما امکن محل صحیح پر حمل کرنا واجب۔ معہذا اگرچہ یہ محل متعین نہ ہو تو احد الاحتمالین بلکہ انصافاً اقوی الاحتمالین ہے تو مکانات و اثاث البیت کے غیر میں وصیت ثابت نہ ہوئی اور یہاں عدم ثبوت ثبوت عدم ہے۔

اذا لوصیۃ ایجاب یحدثہ الموصی فلا وجوب بلا ایجاب فلا ثبوت لوجوب بلا ثبوت ایجاب والوجوب فی القضاء مرھون بالثبوت فاذ لا ثبوت لا وجوب وھو المطلوب۔

کیونکہ وصیت ایک ایسا ایجاب ہے جس کو موصی صادر کرتا ہے، تو ایجاب کے بغیر وجوب نہیں ہوتا، چنانچہ ایجاب کے ثبوت کے بغیر وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا اور قضاء میں وجوب محتاج ہے ثبوت کا۔ جب ثبوت نہیں تو وجوب نہیں، وہی مطلوب ہے۔ (ت)

تفریعات

(۴۰) فتوٰی ۱ کا قول مہر کے بعد جس قدر جائداد بچے تین حصے کرکے ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں۔

(۴۱) فتوٰی ۵ کا قول شرعاً جائداد متوفی میں سے مدعیہ کو $\frac{1}{6}$ ملنا چاہیے اور مدعا علیہ کو $\frac{5}{6}$ پھر اس کا قول ماسوی زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیسا کہ بالاتشریح ہوچکی ہے پھر اس کی تصریح کہ صورت متنازعہ میں زوجہ کے ساتھ دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے۔

(۴۲) فتوٰی ۶ کا قول جب ترکہ میں سے $\frac{1}{3}$ من حیث الوصیۃ اور $\frac{1}{6}$ عالم خاتون کو من حیث الارث دے دیا گیا تو آدھا ترکہ باقی رہتا ہے۔

(۴۳) یونہی فتوٰی ۷ کا قول کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یا ظروف وغیرہ $\frac{2}{12}$ اس کو دیا جائے گا $\frac{6}{12}$ شاہ محمد کو نیز اس کی تصریح کہ تین وصیتیں کی ہیں جو اس کے تمام مال کو مستغرق ہیں نیز اس کی صاف تر تصریح کہ تیسری وصیت باقیماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے، یہ سب بے ثبوت محض و بلا افادہ وصیت نامہ صرف اپنی طرف سے شاہ محمد کو موصی لہ بجمیع المال یا بجمیع ماسوی علی المہر ٹھہرا لینا ہے اور اگر دعوی زوجہ ثابت ہوجائے کہ اُن کے سوا اور زیور بھی متروکہ موصی شاہ محمد کے پاس موجود ہیں تو تصریح حق تلفی

اور دو بار ظلم ہوگا کہ مستحق کو نہ دینا اور نامستحق کو دینا شاہ محمد کیونکر بلاوصیت کل جائداد یا قیماندہ کو $\frac{5}{6}$ لے لے گا۔

(۴۴) فتوٰی ۵ نے اس مطلب پر عبارت درمختار وجوہرہ پیش کیں اول میں صراحۃً تھا:

اوصی لرجل بکل مالہ فلھا السدس والباقی للموصی لہ[1]

خاوند نے کسی مرد کے لئے پورے مال کی وصیت کی تو بیوی کو کل مال چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) اور اور باقی موصی لہٗ کو ملے گا۔ (ت)

دوم (جوہرہ) میں تھا:

اوصی لرجل بجمیع مالہ کان لھا السدس وللموصی لہ خمسۃ اسداس[2]

اگر خاوند نے اجنبی مرد کے لئے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو اس کی بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) ملے گا اور موصی لہٗ کو چھ میں سے پانچ ($\frac{5}{6}$) حصے ملیں گے۔ (ت)

حکم وہ نقل کرنا جو اجنبی کے لئے وصیت بجمیع المال کی حالت میں ہو اور اسے وہاں منطبق کردینا جہاں اس کا ہرگز ثبوت نہیں

(۴۵) یونہی فتوٰی ۷ نے بھی اس پر یہی عبارت جوہرہ نقل کی یعنی حدِ اوسط کا اشتراک ثابت نہیں اور تعدیہ ہوگیا۔

(۴۶) فتوٰی ۲ نے بھی یہی حکم لکھا کہ زوجہ کا حق سدس ہے باقی موصی لہ کا مگر اس پر اس حکم میں اعتراض نہیں کہ سوال جو اس کے یہاں پیش ہوا اس میں سائل ہی نے ایک غلط عبارت موصی کی طرف سے لکھ دی تھی کہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مالک عمرو ہے اس کا مفاد صرف وصیت بجمیع المال ہے اگرچہ وصیت نامہ میں اس کا کہیں نشان نہیں تو مجیب سے جیسا سوال ہوا ویسا جواب دیا مگر اب فتوٰی ۲ کا یہ اطلاق حکم کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی وہ سالم زوجہ کی ہے بذریعہ وصیت لے سکتی ہے صریح غلط ہے اُس کے سامنے سائل کا یہ بیان ہوا ہے کہ چند زیورات کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کرگیا یعنی کہہ گیا کہ بعد میرے ان زیورات کی مالک میری زوجہ ہے اس بیان پر وہ جواب باطل ہے زوجہ کے لئے وصیت وارث کیلئے ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الجوہرۃ النیرۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۰

اور وارث کی وصیت اجنبی کی وصیت سے دو درجہ مؤخر ہے باقی کلام مباحث سابقہ سے واضح۔

افادہ ثامنہ

یونہی استفتائے مرتبہ حجی خانپور سے واضح کہ شاہ محمد خاں دعوٰی کرتا ہے کہ وصیت کو مدعیہ نے بوقتِ وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا، یہ دعوٰی بہت واجب اللحاظ ہے اگر اس کا ثبوت ہوجائے تو پھر زوجہ مکانات و اثاث البیت سے بحقِ میراث کچھ بھی نہ پائے گی اور بعد قبول اس کا اعتراض ہرگز نہ مسموع ہوگا اور اس کا دعوٰی بوجہ تناقض مدفوع ہوگا، ہدایہ میں فرمایا:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ ولامعتبر باجازتھم حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف مابعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق فلیس لھم ان یرجعوا عنہ لان الساقط متلاش[1]۔

تہائی سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں، اس کی زندگی میں اجازت معتبر نہیں کہ وہ ثبوت حق سے قبل ہوئی کیونکہ حق تو موصی کی موت کے وقت ثابت ہوگا لہٰذا انھیں موصی کی موت کے بعد رد کرنے کا اختیار ہے بخلاف موت کے بعد کی اجازت کے کیونکہ وہ ثبوتِ حق کے بعد ہوئی لہٰذا اس سے رجوع نہیں کرسکتے اس لئے کہ جو ساقط ہوجائے وہ لاشئی ہوجاتا ہے۔ (ت)

البتہ منفعت کی وصیت کہ ثلث کے بعد میں نافذ ہوگی نافذ رہے گی اور یہ خود اسی دعوٰی موصی لہٗ سے ظاہر کہ وصیت کو مدعیہ نے بعد وفات شوہر قبول کیا وصیت میں وصیت منفعت کی تصریح ہے تو اس کا قبول اس کا قبول ہے نہ کہ اس سے عدول۔ قبول کا حاصل یہ کہ موصی جو کرگیا منظور ہے اور وہ یہ کرگیا کہ مکانات و اثاث البیت کا مالک شاہ محمد کو اور منفعت کا اختیار زوجہ کو۔

وھذا ظاھر جدا نعم ما ابطلہ الشرع وھو وصیتھا الٰی حق الثلث

اور یہ خوب ظاہر ہے ہاں جس کو شرع نے باطل کیا ہے وہ تہائی کے حق تک اس کی وصیت

---

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۶۵۱/۴

فلیس الیھا قبولہ کما لا یخفی۔

ہے جسے قبول کرنے کا اختیار اس کے پاس نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

تفریعات

• اس امر مہم کے لحاظ سے سب فتووں نے ذہول کیا جن کے سامنے استفتائے جی خانپور پیش ہوا۔

(۴۷) فتوٰی ۱ کا قول مہر کے بعد جس قدر بچے دو حصے عالم خاتون کو دیں۔

(۴۸) فتوٰی ۵ کا قول مدعیہ نے وصیت پر اعتراض کیا اس پر مدعیہ کو ۱/۴ ملنا چاہیے۔

(۴۹) فتوٰی ۶ باقی سے ۱/۴ عالم خاتون کا حق ہے سب محل تفصیل میں یکطرفی حکم ہے۔

(۵۰) فتوٰی ۵ نے اعتراض مدعیہ کے ساتھ استناد کیا اور لحاظ نہ کیا کہ اگر بعد موت شوہر قبول کر چکی تو اب اعتراض کا اُسے کیا حق رہا۔

(۵۱) یونہی فتوی ۱ نے کہا کہ مدعیہ کے اعتراض پر تیسرے حصے کے زائد میں جائز نہ ہوگی کیا اگر اعتراض بعد القبول ہو یہ دونوں فتوے تو وصیت بالمنفعت کے بھی قائل نہیں انھیں تو یہ کہنا لازم تھا کہ اگر زوجہ قبول کر چکی تو دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑی ہو اُس کے لئے میراث و وصیت کچھ نہیں نہ کہ مطلقاً اسے پورے دو ثلث دے دیں۔

(۵۲) فتوٰی ۵ نے خود ہی درمختار سے عبارت نقل کی:

ان لم تجز فلھا السدس[1]

اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصّہ ملے گا۔ (ت)

اور حکم میں یہ قید بھلا دی۔

(۵۳) فتوٰی ۶ نے آپ ہی کہا تھا کہ اگر وہ اجازت دے دیں نافذ ہوگی پھر کس طرح مطلقاً حکم مذکور لگا دیا۔

(۵۴) فتوٰی ۷ نے خود ہی کہا کہ اگر ورثا اپنے اضرار کو قبول کر لیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز و نافذ ہوگی پھر مطلقاً یہ حکم کس لئے کہ دو سہام جو ربع مابقی ہے عالم خاتون کو۔

(۵۵) ہاں فتوٰی ۷ نے یہ علاج کیا کہ وصیت باقی تمام مال کی شاہ محمد کو کی ہے جس کو مدعیہ نے

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۹

قبول نہ کیا۔ یہ جزوی حکم کس بنا پر حالانکہ سوال میں دونوں پہلو تھے۔

افادۂ تاسعہ

اگر زوجہ کا قبول ثابت نہ ہو تو وصیت کا بے اجازت وارث ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہونا اُن ورثہ کے ساتھ ہے جن کے حقوقِ میراث کے بعد کچھ نہ بچے زوجین کہ کسی حال میں اُن کا حق ارث ربع یا نصف سے زائد نہیں، وصیت میں ثلث پر زیادت جہاں تک ان کے حق کے معارض نہیں یعنی زوجہ کے ساتھ ثلث کے علاوہ نصف مال اور زوج کے ساتھ ثلث کے علاوہ دوسرے ثلث میں اس کا نفاذ ان کی اجازت و رضا پر موقوف نہیں، ہاں ارث پر حق تقدم صرف ثلث تک ہے جس کا بیان اوپر گزرا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثلث سے زیادہ موصی لہ بالزائد کو بے ان کی اجازت کے ملتے ہی نہیں یہ محض باطل ہے نوازل امام فقیہ ابوالیث پھر فتاوی حامدیہ، جوہرہ نیرہ پھر عقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

الوصیۃ بما زاد علی الثلث غیر جائزۃ اذا کان ھناك وارث یجوز ان یستحق جمیع المال اما اذا کان لایستحق جمیع المیراث کالزوج والزوجۃ فانہ یجوز ان یوصی بما زاد علی الثلث[1]

تہائی مال سے زائد کی وصیت ناجائز ہے جبکہ کوئی ایسا وارث موجود ہو جو تمام مال کا مستحق بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ وارث تمام مال کا مستحق نہ بن سکتا ہو جیسے خاوند اور بیوی، تو دو تہائی سے زائد کی وصیت کرنا جائز ہوگا۔ (ت)

تفریعات

(۵۶) فتوی ۱ کا وصیت شاہ محمد کے لئے کہنا کہ مدعیہ کے اعتراض کرنے پر تیسرے حصہ میں جائز ہوگی زائد میں جائز نہ ہوگی اس لئے دو حصے عالم خاتون کو دینگے۔

(۵۷) یونہی فتوی ۴ کا قول کہ بوقتِ موجودگی ورثہ وصیت ثلث سے جاری ہوگی ثلث سے زیادہ ناجائز ہے۔

(۵۸) اسی طرح فتوی ۶ کا ادعا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں متوفی کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے $\frac{1}{3}$ سے زیادہ ہے بدون اجازت عالم خاتون کے نافذ نہیں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۹

ہوسکتی نسب باطل اور مسئلہ لاتجوز بمازاد علی الثلث الاان یجیزھا الورثۃ[1] (تہائی مال سے زائد کی وصیت ورثاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ ت) میں ورثہ سے مراد علماء کی نافہمی پر مبنی ہے۔

(۵۹) فتوٰی ۲ نے اور ترقی کی کہ صریح مخالف عبارت اپنی سند ٹھہرائی عبارت ہدایہ:

لاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ[2] — تہائی مال سے زائد کی وصیت اس لئے جائز نہیں کہ وہ وارثوں کا حق ہے (ت)

صاف ارشاد فرمارہی تھی کہ یہ عدم جواز معارضہ حق وراثت کے سبب ہے زوجہ کا حق وراثت ربع سے زیادہ کہاں ہے کہ باقی نصف مال میں معارضہ کرے۔

(۶۰) یہی خوش فہمی فتوٰی ۶ نے دکھائی عبارت ہدایہ سنائی:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الاان یجیزھا الورثۃ لان الامتناع لحقھم[3] — تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے ورثاء اجازت دے دیں کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے۔ (ت)

اور جملہ تعلیل کو نہ دیکھا کہ صراحۃً اس کے خلاف ہے مگر یہ اغلاط ان فتاوٰی والے سرگاز کی اس شدید غلط فہمی پر مبنی ہیں جس کا کشف افادہ آخر میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

افادہ عاشرہ

کسی تقسیم میں نہ حاکم کو یہ جبر پہنچتا ہے نہ ایک حصہ دار کو روا ہے کہ بے رضائے دیگر بجائے عین قیمت لے مگر بمجبوری محض جہاں بے اس کے مساوات ناممکن ہو نہ زنہار حاکم کو یہ اختیار کہ بے رضائے فریقین مختلف الجنس اشیاء میں ایک کا حصہ کہ اس جنس میں ہو دوسرے کو دے دے اور اس کے بدلے دوسری جنس دوسرے کے حصے سے اسے دلائے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الدراھم لاتدخل فی — یہ جان لے کہ درھم زمین اور گھر کی تقسیم میں داخل

---

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[2] الہدایۃ 〃 〃 〃

[3] الہدایۃ 〃 〃 〃

القسمة لعقار او منقول الا برضاهم فلو کان ارض وبناء او منقول قسم بالقیمة عند الثانی وعند الثالث یرد من العرصة بمقابلة البناء فان بقی فضل ولا یمکن التسویة رد الفضل دراھم للضرورة و استحسنه فی الاختیار[1]

نہیں ہوتے مگر اُس وقت جب شرکاء اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ اگر زمین، عمارت یا مال منقول ہو تو اس کی تقسیم امام ابویوسف کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک زمین کو عمارت کے مقابل پھیر دیا جائے گا، پھر اگر کچھ عمارت زائد بچ جائے زمین دے کر دونوں میں برابری ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس زیادتی کے برابر درھم پھیرے جائیں گے۔ اختیار میں اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاتدخل فی القسمة الدراھم والدنانیر الا براضیھم لانه لاشرکة فی الدراھم والقسمة من حقوق الاشتراك لانه یفوت به التعدیل فی القسمة واذا کان ارض و بناء فعن ابی یوسف انه یقسم علی اعتبار القیمة لانه لایمکن اعتبار المعادلة الا بالتقویم[2]

شرکاء کی باہمی رضامندی کے بغیر دراہم و دنانیر تقسیم میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ دراہم میں کوئی شراکت نہیں اور تقسیم حقوق اشتراک میں سے ہے، اس لئے بھی کہ اس سے تقسیم برابری فوت ہوجاتی ہے۔ اور جب زمین مع عمارت ہو تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی کیونکہ اس کے بغیر برابری کا اعتبار ممکن نہیں (ت)

اور روایت مذکورہ امام محمد کے بیان میں فرمایا:

اذا بقی فضل ولا یمکن تحقیق التسویة بان لاتفی الوصیة بقیمة البناء حینئذ یرد للفضل دراھم لان الضرورة فی ھذا القدر

جب عمارت میں کچھ زیادتی باقی رہی اور زمین کی قیمت لگاکر بھی وصیت میں مساوات ممکن نہیں تو اب وہ زیادتی بامر مجبوری دراھم سے لوٹائی جائے گی کیونکہ مجبوری فقط اتنی ہی مقدار

---

[1] الدرالمختار کتاب القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

[2] الہدایۃ " فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۴

فلا یترك الاصل الابها وھذا یوافق رواية الاصل[1]

میں ہے لہذا سوائے اس کے اصل کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور یہ مبسوط کی روایت کے موافق ہے (ت)

اُسی میں ہے:

لایقسم الجنسین بعضھما فی بعض لانہ لا اختلاط بین الجنسین فلا یقع القسمۃ تمییزا بل تقع معاوضۃ وسبیلھا التراضی دون جبر القاضی[2]

دو جنسوں کی تقسیم میں بعض کو دوسری بعض میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ دو جنسوں میں اختلاط نہیں ہوتا تو اس طرح تقسیم تمیز کے لئے نہیں بلکہ معاوضہ کے لئے واقع ہوگی اور اس کی صورت صرف باہمی رضامندی ہے نہ کہ جبر قاضی۔ (ت)

تفریعات

(۶۱) فتوی ا کا قول کہ اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت پر رضامند ہوجائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا عدالت کے اختیار سے باہر ہے ناقص و قاصر ہے ایک فریق کے رضامند ہونے سے عدالت کو لازم درکنار جائز بھی نہیں کہ اسے قیمت دلادے جب تک دوسرا فریق بھی قیمت دینے پر راضی نہ ہو اسے قیمت لینے پر مجبور کرنا اختیار سے باہر ہے تو اسے قیمت دینے پر مجبور کرنا کب اختیار میں داخل ہے۔

(۶۲) فتوی ۵ نے اس سے بھی زیادہ بے تکان کہا کہ مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر چیز سے $\frac{1}{9}$ حصہ بجنسہٖ لے سکتی ہے اگر باختیار خود قیمت اپنے حصے کی فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۶۳) طرفہ تر فتوی ا کا یہ قول ہے کہ ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہوگی کہ تیسرے حصہ میں شاہ محمد کا حق اور دو حصے مسماۃ کا حق ہیں لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو اُن ظروف میں ہے وہ جائداد غیر منقولہ سے پورا

---

[1] الہدایۃ کتاب القسمۃ فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۱۵-۴۱۴

[2] ؎ " " " " ۴/ ۴۱۲

کردیا جائے۔ اب یہاں ایک فریق کی رضا بھی شرط نہ رہی خود ہی حاکم کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ یوں کردو۔ لطف یہ کہ یہاں اس سے سوال بھی نہ تھا سوال یہ تھا کہ ظروف وغیرہ کا دیا جانا بھی درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے، اس کا جواب یہ ہوتا ہے جو پیش نظر ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

افادۂ حادیہ عشر

اجنبی کہ نہ وارث ہو نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین بطور خود کرے تو اُسے ترکہ میں رجوع کا اختیار نہیں وہ اس کا تبرع ٹھہرے گا جب تک وارث کے اذن واجازت سے نہ ہو اور وارث کی اجازت بھی کافی نہیں جب تک اُس کا امر نہ ہو اور تحقیقاً اُس کا امر بھی کافی نہیں جب تک واپسی کی شرط نہ کرلی ہو مثلاً زید نے وارث سے کہا میں اس کی تجہیز و تکفین کئے دیتا ہوں جو خرچ ہوگا ترکہ سے لے لوں گا وارث نے سکوت کیا زید نے اس کہنے پر لوگوں کو گواہ کرلیا اور اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ایک حبّہ واپس نہ پائے گا کہ یہ بلا اذن وارث تھی یا زید نے وارث سے کہا میت میرا دوست یا میرا معظم تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کی تجہیز و تکفین میں خود کروں اس نے کہا اچھا یا وارث ہی نے اس سے کہا کہ اگر تم اُس کی تجہیز و تکفین کا ثواب لینا چاہو تو تمھیں اجازت ہے اس نے کہا منظور، دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت ہوئی اور اختیار رجوع نہیں کہ بے امر وارث ہے، یا وارث نے کہا میت تمھارا دوست تھا یا تمھارا پیر یا استاذ تھا تم پر بھی اس کا حق ہے اسکی تجہیز و تکفین تمھیں اپنے مال سے کرو، اس نے کہا بسر و چشم، اس میں وارث کا بھی امر ہوا اور رجوع نہیں کہ اس کی شرط نہ کی گئی، ہاں وارث نے کہا تم اس کی تجہیز و تکفین کردو جو خرچ ہوگا ترکہ سے تمھیں دے دیا جائے گا تو اب بلاشبہہ اختیار رجوع ہے۔ عیون پھر تاتارخانیہ پھر نہج النجاۃ پھر تنقیح الحامدیہ میں ہے:

اذا کفن الوارث المیّت من مال نفسہ یرجع والاجنبی لایرجع[1]

اگر وارث نے میت کو اپنے مال سے کفن پہنایا تو رجوع کرسکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کرسکتا۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۶

ردالمحتار متفرقات البیوع مسئلہ تکفین میں ہے:

لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیرامرالوارث فلیس له الرجوع اشهد علی الوارث اولم یشهد ولوکفن الوصی من مال نفسه لیرجع کان له الرجوع[1]

اگر غیر وارث نے میّت کو وارث کے حکم کے بغیر اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا چاہے وارث کو گواہ بنایا ہو یا نہیں اور اگر وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار رہوگا۔ (ت)

مجمع الفتاوٰی پھر نورالعین پھر تنقیح مغنی المستفتی میں ہے:

امراحد الورثة انسانا بان یکفن المیت فکفن ان امره لیرجع علیه یرجع کما فی انفق فی بناء داری و هو اختیار شمس الاسلام و ذکر السرخسی ان له ان یرجع بمنزلة امرالقاضی اھ قلت والدلیل دلیل التعویل ثم التقدیم دلیل التقدیم ثم الاختیار من الفاظ الفتوی۔

اگر وارثوں میں سے ایک نے کسی شخص کو کہا کہ وہ میّت کو کفن پہنا دے اور اس نے پہنا دیا اب اگر وارث نے اس کو رجوع کا کہا تو رجوع کرسکے گا، جیسا کہ کوئی کسی کو کہے تو میرے گھر کی عمارت میں خرچ کر۔ وہی شمس الاسلام کا اختیار ہے، اور امام سرخسی نے ذکر فرمایا کہ اس کو بمنزلہ امر قاضی رجوع کا اختیار ہے اھ میں کہتا ہوں کہ تعلیل دلیلِ تعویل ہے، پھر تقدیم دلیلِ تقدیم ہے پھر اختیار فتوٰی کے الفاظ میں سے۔ (ت)

یہاں شرطِ رجوع درکنار امر زوجہ برکنار اجازت زوجہ کا بھی ثبوت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ شاہ محمد نے بطور خود یہ تجہیز و تکفین کی موصی نے اُسی کے گھر میں وفات پائی اُس کا اس کا یارانہ تھا اور اس نے اس پر احسان کیا کہ اپنے دونوں مکان اور جملہ اسبابِ خانہ داری اپنی زوجہ سے چھڑا کر اس کو وصیت کرگیا اور اس نے وصیت نامہ میں دوجگہ اس سے اپنی تجہیز و تکفین درخواست تھی اور سوال فتوائے دوم جس کی طرزادا بتارہی ہے کہ وہ شاہ محمد کا مرتب کرایا ہوا ہے

---

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷
[2] ؍؍ ؍؍ بحوالہ مجمع الفتاوٰی کتاب الکفالہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۳۰۳-۳۰۲

اُس میں یہ لفظ ہیں زید وصیت کرگیا کہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مالک عمرو ہے میری تجہیز وتکفین بھی کرے گا اور للہ میری ارواح بھی دے گا بعد وفاتِ زید عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفائے امورات ایصا میں لگ گیا جس سے صاف واضح کہ یہ تجہیز وتکفین بربنائے درخواست وصیت نامہ تھی نہ بربنائے امر عالم خاتون، تو کوئی امر ایسا ثابت نہیں جس سے یہ خرچ اُسے واپس دلایا جائے بلکہ اس کے خلاف کا ثبوت ظاہر ہے تو حکم واپسی نہیں ہوسکتا ثم اقول یہاں ایک دقیقہ اور ہے تجہیز وتکفین ضرور جمیع حقوق متعلقہ بہ ترکہ پر مقدم ہے،

اما المتعلق بعین کالمرھون والمبیع المحبوس بالثمن ودار مستأجرۃ قدم اجرتھا وعین جعلھا مھرا والمقبوض بالبیع الفاسد فانہ اذا مات الراھن اوالمشتری اوالاٰجر اوالزوج اوالبائع فی ھذہ الصور علی الولاء قدم حق المرتھن اوالبائع اوالمستاجر اوالمرأۃ اوالمشتری علی تجہیز المیت فانما ذلک لتعلقھا بالمال قبل صیرورتہ ترکۃ کما فی الدر المختار ورد المحتار[1]

لیکن وہ حق جو عین سے متعلق ہے جیسے رہن رکھی ہُوئی چیز، وہ مبیع جو ثمن کے بدلے روکا گیا ہے، وہ اجارہ کا مکان جس کا کرایہ پیشگی ادا کیا گیا ہے، وہ عین شَے جس کو مہر بنایا گیا ہے اور وہ شَے جس پر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیا گیا۔ ان صورتوں میں اگر راہن، مشتری، آجر، خاوند یا بائع اسی حال پر مرگیا تو مذکورہ حقوق یعنی مرتہن، بائع، مستاجر، بیوی یا مشتری کا حق تجہیزِ میت پر مقدم ہوگا۔ اس لئے ہے کہ یہ حقوق مال کے ترکہ ہونے سے پہلے ہی اس سے متعلق ہوگئے ہیں، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

مگر یہ تقدیم تجہیز وتکفین کو ہے نہ اُس دَین کو کہ بسبب تجہیز وتکفین عائد ہو وہ اگر ہے تو مثل سائر دیون ایک دَین ہے نہ کہ اور جملہ دیون پر مقدم اولاً تمام علمائے یبدأ بتجھیزہ (اس کی تجہیز سے ابتدا کی جائے گی۔ ت) فرمایا ہے کہیں یبدأ بدین تجھیزہ (اس کی تجہیز کے قرض سے ابتدا کی جائے گی۔ ت) بھی آیا ہے۔

ثانیاً علماء نے اسے لباس حیات پر قیاس فرمایا ہے کہ زندگی میں تن کے کپڑے دائن کو

---

[1] الدرالمختار | کتاب الفرائض | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۳۵۲
ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۴۸۳-۴۸۲

نہ دیے جائیں گے یا کپڑوں کی حاجت ہے تو اس قدر دین میں نہ دیں گے، شریفیہ میں فرمایا:

انما کان قضاء الدین مؤخرا عن الکفن لانہ لباسہ بعد وفاتہ فیعتبر بلباسہ فی حیاتہ الا تری انہ یقدم علی دینہ اذ لایباع ما علی المدیون من ثیابہ مع قدرتہ علی الکسب[1] (ملخصاً)

بیشک قرض کی ادائیگی کفن سے مؤخر اس لئے ہے کہ کفن مرنے کے بعد میت کا لباس ہے، لہذا اس کو اس کی زندگی کے لباس پر قیاس کیا جائیگا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ زندگی میں لباس قرض پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کسب کی قدرت رکھنے والے مدیون کے کپڑے فروخت نہیں کئے جاتے۔ (ملخصاً)۔(ت)

اور پُرظاہر کہ زید کے مدیون نے اگر عمرو سے قرض لے کر کپڑے بنائے تو عمرو کو زید پر کوئی ترجیح نہ ہوگی دونوں دَین یکساں ہوں گے دَین پر تقدم لباس کو تھی نہ کہ دَینِ لباس کو شرع میں اس کی کہیں اصل نہیں تو واجب کہ دَینِ تکفین بھی دیگر دیون پر اصلاً مقدم نہ ہو بلکہ کفن دہندہ اسوۂ غرباء ہو۔ در منتقی پھر رد المحتار میں ہے:

الاصل ان کل حق یقدم فی الحیاۃ یقدم فی الوفاۃ[2] اھ ویضم منہ علی العرف الفقھی ان ما لایقدم فی الحیاۃ لایقدم فی الوفاۃ۔

اصل یہ ہے کہ جو حق زندگی میں مقدم ہوتا ہے وہ موت میں بھی مقدم ہوتا ہے اھ اور عرف فقہ میں اس کے ساتھ یہ ضابطہ ملایا جاتا ہے کہ جو زندگی میں مقدم نہ ہو وہ وفات میں بھی مقدم نہیں ہوتا۔(ت)

ثالثاً علماء اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ و زندہ کی یکساں ہے۔ تبیین الحقائق میں فرمایا:

المرء یقدم نفسہ فی حیاتہ فیما یحتاج الیہ من النفقۃ والسکنی والکسوۃ علی اصحاب الدیون فکذا

انسان اپنی ذات کو زندگی میں اپنی ضروری حاجات یعنی نفقہ، سکونت اور لباس میں قرضخواہوں پر مقدم رکھتا ہے اسی طرح وفات

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ خطبۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

[2] رد المحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۴

بعد وفاته یقدم تجهیزہ وھو محترم حیا ومیتا فلا یجوز کشف عورتہ و فی الاثر لعظام المیت من الحرمۃ مالعظام الحی[1] (ملخصًا)

کے بعد اس کی تجہیز وتکفین کو مقدم رکھا جائے گا انسان زندہ ومردہ دونوں حالتوں میں محترم ہے لہٰذا اس کو برہنہ کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے میت کی ہڈیوں کا احترام وہی ہے جو زندہ کی ہڈیوں کا ہے۔ ملخصًا (ت)

اور پُر ظاہر کہ یہ علت نفسِ تجہیز میں ہے نہ دَینِ تجہیز میں۔

رابعًا علماء فرماتے ہیں یہاں دو چیزیں ہیں؛ حق للمیت اور وہ تجہیز ہے، اور حق علی المیت اور وہ دَین ہے، اور اول ثانی پر مقدم ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الحقوق المتعلقۃ بالترکۃ ھنا خمسۃ بالاستقراء لان الحق اما للمیت او علیہ اولا والاول التجہیز والثانی الدین الخ[2]

تو جان لے کہ بیشک میت کے ترکہ سے متعلق حقوق بطورِ استقراء پانچ ہیں اس لئے کہ حق یا تو میت کے لئے ہوگا یا اس پر ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا بصورتِ اول تجہیز ہے اور بصورتِ ثانی قرض الخ (ت)

ظاہر ہے کہ دَینِ تجہیز مثل سائر دیون حق علی المیت ہے نہ کہ حق للمیت، تو مرتبہ دیون ہی میں ہوگا نہ مرتبہ تجہیز میں۔

خامسًا جس طرح یہ دَین حاجت ستر کے لئے تھا اور بہت دیون بھی آدمی اپنے کھانے پینے پہننے رہنے وغیرہا حاجات اصلیہ کے اپنی حیات میں لیتا ہے تو شَی اپنے مثل پر کیسے مقدم ہوسکتی ہے یُوں ہی مہرِ مثل بھی وہ دَین کہ حاجت اصلیہ کے سبب لازم آتا ہے۔ ہدایہ باب اقرار المریض میں ہے:

النکاح من الحوائج الاصلیۃ وھو بمھر المثل[3]

نکاح حاجاتِ اصلیہ میں سے ہے اور وہ مہرِ مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۲۹-۲۳۰
[2] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۹۳
[3] الہدایۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۰

تو دین تجہیز اُس پر مقدم ہونے کے کوئی معنی نہیں فقیر نے جد الممتار میں اس مسئلہ کا استظہار کیا تھا اور اب یہ اس کی تحقیق تام ہے وباللہ التوفیق عبارت اُس کی یہ ہے:

ونصوا علٰی ان الوصی او الوارث اذا کفن من مال نفسه کفن المثل یرجع فی الترکة ویظهر لی انه یکون المکفن حینئذ اسوة للغرباء لا تقدیم لحقه علٰی حقوقهم وان کان دینه لاجل التکفین فان تقدیم التجهیز کان لحاجة المیت اعتبارا بحالة الحیاة وقد اندفعت حاجته ولم یبق الا اداء الدین فیکون کمثل سائر الدیون الا تری ان المدیون ان کان محتاجا الی اللباس یقدم علٰی اداء الدیون وان البسه رجل من مال نفسه شارطا علیه الرجوع کان کاحد الدائنین وایضا بما یستدین الرجل فی حیاته لاکله وشربه و مالابد منه فالذی اداه لهذا کیف یتأخر عن الذی اداه لمثل الحاجة بعد الموت، واللہ تعالٰی اعلم اھ۔[1]

مشائخ نے اس پر نص فرمائی کہ وصی یا وارث جب اپنے مال میں سے میت کو مثلی کفن پہنا دے تو وہ ترکہ میں رجوع کرے گا۔ میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اس صورت میں وہ کفن دینے والا باقی غرباء کے مساوی ہوگا دوسروں کے حق پر اس کا حق مقدم نہ ہوگا اگرچہ اُس کا یہ قرض تکفین کی وجہ سے ہے کیونکہ تجہیز کو مقدم کرنا میت کی حاجت کے لئے اس کی زندگی کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور تحقیق وہ حاجت پوری ہو چکی اور نہ باقی رہا مگر قرض کا ادا کرنا تو وہ مثل باقی قرضوں کے ہوگیا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مقروض جب لباس کا محتاج ہو تو وہ قرض کی ادائیگی پر لباس کو مقدم رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مال سے اس کو لباس پہنا دے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس پر رجوع کرے گا تو وہ دیگر قرضخواہوں میں سے ایک ہو جائے گا نیز بسا اوقات کوئی شخص اپنی زندگی میں کھانے پینے اور دیگر ضروری اشیاء کے لئے قرض لیتا ہے، تو جس شخص نے ان ضروریات کے لئے قرض دیا وہ اس شخص سے کیسے متأخر ہوگا جس نے موت کے بعد ایسی ہی حاجت کے لئے اس کو قرض دیا، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] جد الممتار علی رد المحتار

تو اگر شاہ محمد بامر زوجہ بشرط رجوع تجہیز و تکفین کرتا جب بھی غایت درجہ میں دین مرتبۂ دین میں رہتا نہ کہ مرتبۂ تجہیز و تکفین میں ہوکر مہر وغیرہ دیون پر مقدم ہوجاتا کہ یہ محض بلاوجہ بلکہ بے معنی ہے ومن ادعی فعلیہ البیان ولا یستطیع الٰی ان یؤب القارظان۔ جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس کے ذمّے ہے اور وہ دلیل نہیں لاسکے گا یہاں تک کہ سلم کے پتّے چننے والے واپس آئیں (ت)

تفریعات

(۶۴، ۶۵) فتوی ۱ کا قول تجہیز و تکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہ پڑے گا۔

(۶۶، ۶۷) فتوی ۵ کا قول خرچ دفن کرنے کا چھ سات روپے تک آخر دس روپے تک اس کا بار فریقین پر ہے۔

(۶۸، ۶۹) فتوی ۷ کا قول جمیع متروکہ میں سے سب سے اول تجہیز کا خرچ نکال لیا جائے گا نیز اس کا قول وصیت اگر بعوض دین مہر ہو تو تجہیز و تکفین کے بارے حسب حصہ زیورات مستثنٰی نہ ہوں گے الخ سب دو دو وجہ سے غلط ہیں اوّلاً بلاثبوت موجب رجوع بلکہ بعد ظہور مانع رجوع حکم رجوع دینا، ثانیاً اسے مرتبۂ تجہیز و تکفین میں رکھنا۔

(۷۰) فتوی ۷ کا قول اگر مدعا علیہ نے تجہیز و تکفین اپنے مال سے بلا اطلاع و بلا اجازت مدعیہ کی ہے اس کا بار صرف مدعا علیہ کے مال پر ہوگا اور باجازت مدعیہ اپنے مال سے کی ہے یا متوفی کے ترکہ سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا بھی صحیح نہیں فقط اجازت مدعیہ رجوع کے لئے کافی نہیں طرفہ یہ کہ شق اول میں بلا اطلاع کا لفظ بڑھا دیا جو اس کا موہم کہ صرف باطلاع وارث ہونا ہی رجوع کو بس ہے۔

افادۂ ثانیہ عشر جامع فوائد غرر

فائدہ ۱۳۷: ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب یہ ہے کہ اصحاب فرائض میں کہ زوجین پر رد نہیں اُن کے فرض سے جو بچے اور کوئی عصبہ نسبی و سببی نہ ہو تو باقیماندہ ذوی الارحام کو دیں گے وہ نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کو، وہ نہ ہو تو مقرلہ بالنسب علی الغیر کو، وہ نہ ہو تو موصی لہ بالزائد

کو، وہ نہ ہو یا اُسے دے کر بھی بچے تو وہ باقی فقرا مسلمین کا حق ہے مسلمانوں کے بیت المال میں رکھیں مثل تمام اموال ضائعہ کے جن کا کوئی مالک وارث نہ ہو ان تمام مراتب اور ان کی ترتیب میں ائمہ وعلمائے حنفیہ کرام متقدمین و متاخرین کسی کو اصلاً خلاف نہیں جمیع کتب سلف وخلف میں آج تک برابر اسی طرح لکھتے اور اسی پر عمل کرتے فتوے دیتے آئے اور جبکہ ترتیب مراتب کے یہ معنی ہیں کہ محل استحقاق رتبہ متقدمہ میں رتبہ متاخرہ کو نہ دیا جائے گا بلکہ وہ اس وقت پائے گا کہ رتبہ متقدمہ موجود نہ ہو جیسے جمیع صور میں یا اس کے حق کے بعد بھی کچھ باقی بچے جیسے اصحاب فرائض وعصبات یا احد الزوجین و مراتب نازلہ یا موصی لہ بالزائد دون الکل و بیت المال میں اور بیت المال کا کوئی حصہ معین نہیں کہ اس کے بعد کچھ بچے نہ زمان برکت نشان سلف میں اس کے عدم کی صورت تھی لہذا ائمہ متقدمہ نے اسے آخر المراتب رکھا زمانہ متاخرین میں جبکہ بیت المال فاسد ہوا اور فاسد مثل معدوم ہے تو اب بیت المال آخر المراتب نہ رہا اور صورت یہ پیدا ہوئی کہ ذوی الارحام نہ ہوں تو ذوی الولاء کو، وہ نہ ہو تو مقرلہ کو، وہ نہ ہو تو موصی لہ بالزائد کو، وہ نہ ہو تو بیت المال کو، اور وہ بھی نہ ہو جیسے زمانہ متاخرہ میں تو اب کس کو۔

اس کے لئے ائمہ متاخرین نے نواں مرتبہ رد علی الزوجین نکالا اور زوجین بھی نہ ہوں تو بنات معتق کو، وہ بھی نہ ہوں تو معتق کے ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کے اولاد رضاعی کو، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ ان مراتب اربعہ کے احداث سے علماء متاخرین اُس ترتیب مجمع علیہ مراتب سابقہ کو توڑنا چاہتے ہیں حاشا اُس پر تو ہمارے تمام علماء کا قطعی اجماع بلا نزاع ہے بلکہ از انجا کہ مرتبہ اخیرہ اب مرتبہ اخیرہ نہ رہا اس کے بعد اور مراتب بڑھاتے ہیں تو یہ چاروں مراتب جدیدہ بالیقین بیت المال منتظم سے مؤخر ہیں اور بیت المال منتظم موصی لہ بالزائد سے مؤخر ہے تو قطعاً یقیناً یہ چاروں مراتب موصی لہ بالزائد سے بدرجہا مؤخر ہیں، علمائے جس طرح رد علی الزوجین کا مرتبہ نکالا یہ تینوں مراتب بنات معتق و ذوی الارحام معتق و اولاد رضاعی بھی نکالے۔ نہایہ پھر تبیین الحقائق پھر اشباہ والنظائر پھر منح الغفار پھر درمختار کتاب الولاء میں ہے:

واللفظ لہ لومات المعتق ولم یترك الا ابنۃ معتقہ فلا شیئ لھا ویوضع مالہ فی بیت المال ھذا ظاھر الروایۃ وذکر الزیلعی معزیا للنھایۃ ان	اور لفظ درمختار کے ہیں کہ اگر مُعتِق مر گیا اور سوائے مُعتَق کی بیٹی کے اس کے پسماندگان میں کوئی نہیں تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور معتق کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائیگا یہ ظاہر الروایۃ ہے اور زیلعی نے نہایہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

بنت المعتق ترث فی زماننا لفساد بیت المال وکذا ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیه وکذا المال یکون للابن او البنت رضاعا کذا فی فرائض الاشباہ واقرہ المصنف وغیرہ[1]۔

ذکر کیا کہ معتق کی بیٹی ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے وارث ہوگی یونہی زوجین میں کسی ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کردیا جائے گا۔ اور اسی طرح ترکہ کا مال رضاعی بیٹے یا بیٹی کو ملے گا۔ الاشباہ کی کتاب الفرائض میں یونہی ہے، اور مصنّف وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومثله فی الذخیرۃ قال وھکذا کان یفتی الامام ابوبکر البرزنجری والقاضی الامام صدر الاسلام لانها اقرب الی المیت من بیت المال فکان الصرف الیها اولٰی اذ لو کانت ذکرا تستحق المال، قوله ترث فی زماننا عبارۃ الزیلعی یدفع المال الیها لابطریق الارث بل لانها اقرب الناس الی المیت ح، قوله وکذا ما فضل الخ عزاہ فی الذخیرۃ الٰی فرائض الامام عبد الواحد الشهید، قوله للابن او البنت رضاعا عزاہ فی الذخیرۃ الٰی محمد رحمه الله تعالٰی[2]۔

اسی کی مثل ذخیرہ میں فرمایا، اور ایسے ہی فتوٰی دیتے تھے امام ابوبکر البرزنجری اور قاضی امام صدر الاسلام۔ کیونکہ معتق کی بیٹی بیت المال کی نسبت میّت کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ مال کو اس کی طرف پھیرنا اولٰی ہے، کیونکہ اگر وہ مذکر ہوتی تو مال کی مستحق ہوتی۔ ماتن کا قول "وہ ہمارے زمانے میں وارث بنے گی"۔ زیلعی کی عبارت ہے اس کو مال بطور میراث نہیں دیا جائے گا بلکہ اس لئے دیا جائے گا کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے ح۔ ماتن کا قول "اور یونہی جو بچ جائے الخ" اس کو ذخیرہ میں فرائض امام عبد الواحد شہید کی طرف منسوب کیا ہے۔ ماتن کا قول "رضاعی بیٹا یا بیٹی" اس کو ذخیرہ میں امام محمد علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔(ت)

---

[1] الدر المختار کتاب الولاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۴

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۶۷

الرحیق المختوم میں ہے :

بنت المعتق فلاشیئ لہا فی ظاھر الروایۃ وافتی بعضھم بدفعہ لہا لکن لابطریق الارث بل لکونہا اقرب الناس الیہ بل ولذی ارحامہ بل وللولد رضاعا کما یرد علی الزوجین فی زماننا کما فی القنیۃ والزیلعی عن النھایۃ والاشباہ اقرہ فی المنح وسکب الانھر۔[1]

ظاہر الروایہ میں معتق کی بیٹی کے لئے کچھ نہیں، اور بعض مشائخ نے اس کو دینے کا فتوٰی دیا ہے لیکن بطورِ میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میّت کے زیادہ قریب ہے بلکہ معتق کے ذوی الارحام بلکہ اس کی رضاعی اولاد کو دینے کا بھی فتوٰی دیا ہے جیساکہ ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کیا جاتا ہے۔ جیساکہ قنیہ، زیلعی بحوالہ نہایہ، اور الاشباہ میں ہے اسی کو برقرار رکھا ہے منح اور سکب الانہر نے۔ (ت)

کیا کوئی عاقل وہم کرسکتا ہے کہ یہ مراتب موصی لہ بالزائد پر مقدم ہیں زید اگر اپنے کل مال کی وصیت عمرو کے لئے کرجائے اور کوئی وارث نہ رکھتا ہو ایک لڑکی ہو جس نے اس کی زوجہ کا دُودھ کہ اس سے تھا پیا ہے تو زید کی وصیت نافذ نہ کرینگے اور ثلث سے زائد اس دودھ کی لڑکی کو دے دینگے یہ بلاشبہہ باطل ومردود وخلافِ اجماع ہے یہ سب مراتب جدیدہ اس امر میں یکساں ہیں کہ سب مرتبۂ اخیرہ کے بعد رکھے گئے ہیں۔

فائدہ ۱۴۲ : اقول زیادت علی الثلث میں موصی لہ کا حق صرف وارث سے مؤخر ہے اور غیر وارث پر مقدم، ولہٰذا بیت المال پر مقدم ہے کہ بیت المال ہمارے نزدیک وارث نہیں۔ علامہ سیّد شریف شرح سراجیہ پھر علامہ شیخی زادہ مجمع الانہر پھر علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں :

اذا عدم من تقدم ذکرہ یبدأ بمن اوصی لہ بجمیع المال فتکمل لہ وصیتہ لان منعہ عما زاد علی الثلث کان لاجل

جب وہ معدوم ہوجائیں جن کا پہلے ذکر ہوا تو پھر اس سے ابتداء کی جائے گی جس کے لئے میّت نے کل مال کی وصیت کی۔ چنانچہ اسکی وصیت پُوری کردی جائے گی اس لئے کہ

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۱۸

الورثة فاذا لم یوجد منھم احد فله عندنا ما عین له کملا وانما اخر ذٰلك عن المقرله بناء علی ان له نوع قرابة بخلاف الموصی له[1]

تہائی مال سے زائد کی وصیت کا ممنوع ہونا وارثوں کی وجہ سے تھا جب ان میں سے کوئی موجود نہیں تو ہمارے نزدیک موصی لہٗ کو مکمل طور پر وہ دے دینگے جس کی تعیین اس کے لئے موصی نے کی ہے۔ موصی لہٗ اس شخص سے مؤخر اس لئے ہے جس کے لئے میّت نے نسب کا اقرار کیا ہے کہ اقرار والے کو ایک قسم کی میّت سے قرابت حاصل ہے بخلاف موصی لہٗ کے۔ (ت)

اور ان مراتب اربعہ جدیدہ کو دیا جانا بطور ارث نہیں تو واجب کہ موصی لہ بالزائد رد علی الزوجین و باقی مراتب ثلٰثہ پر مقدم ہو۔ امام فخر الدین زیلعی تبیین میں فرماتے ہیں:

لومات المعتق ولم یترك الا ابنة المعتق فلا شیئ لبنت المعتق فی ظاھر الروایة اصحابنا ویوضع ماله فی بیت المال وبعض مشائخنا کانوا یفتون بدفع المال الیھا لابطریق الارث بل لانھا اقرب الناس الی المیت فکانت اولی من بیت المال الاتری انھا لو کانت ذکرا کانت تستحقه ولیس فی زماننا بیت المال ولو دفع الی السلطان او الی القاضی لایصرفه الی المستحق ظاھرا وعلی ھذا ما فضل عن فرض احد الزوجین یردعلیه لانه اقرب

اگر مُعتَق مرگیا اور مُعتِق کی بیٹی کے علاوہ کسی کو نہ چھوڑا تو ظاہر الروایہ میں ہمارے اصحاب کے نزدیک معتق کی بیٹی کو کوئی شیئ نہیں ملے گی اور سارا مال بیت المال میں رکھ دیا جائیگا، ہمارے بعض مشائخ معتق کی بیٹی کو مال دینے کا فتوٰی دیتے تھے مگر بطور میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے لہذا وہ بیت المال کی بنسبت اولٰی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ مذکر ہوتی تو مال کی مستحق ہوتی۔ اور ہمارے زمانے میں بیت المال نہیں ہے اور اگر وہ مال بادشاہ یا قاضی کو دیا جائے تو بظاہر مستحق پر خرچ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی

---

[1] رد المحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸
مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " " " ۲/ ۷۴۸
الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

الناس الیہ ولا یوضع فی بیت المال وکذا الابن والبنت من الرضاع یصرف الیھما اذا لم یکن ھناک اقرب منھما ذکر ھذہ المسائل فی النھایۃ [1]

پر رد کیا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے اور وہ بچا ہوا مال بیت المال میں نہ رکھا جائے گا، اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف مال کو لوٹایا جائیگا اگر وہاں ان سے بڑھ کر کوئی قریبی موجود نہ ہو یہ مسائل نہایہ میں مذکور ہیں۔ (ت)

یہ کلام فہیم کے لئے نص صریح ہے کہ رد علی الزوجین وراثۃ نہیں بلکہ اسی طرح ہے جیسے مفاسد بیت المال فاسد سے بچنے کو رضاعی اولاد کو دیا جاتا ہے نیز اس پر دلیل اخیر امام جلیل کا ارشاد ہے کہ اصحاب رد پر رد بجہت عصوبت ہے۔

حیث قال الاخذ بطریق الرد لیس بفرض انما ھو بطریق العصوبۃ [2]

جہاں فرمایا بطور رد لینا یہ فرض کے طور پر نہیں بلکہ عصبہ کے طور پر ہے۔ (ت)

اور ظاہر ہے کہ زوجیت عصوبت نہیں، نیز انھیں کا ارشاد ہے:

الرد علی ذوی السھام اولٰی من ذوی الارحام لانھم اقرب الا الزوجین فانھما لا قرابۃ لھما مع المیت [3]

ذوی الفروض پر رد کرنا ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میت سے زیادہ قرب رکھتے ہیں سوائے زوجین کے اس لئے کہ ان دونوں کی میت سے کوئی قرابت نہیں۔ (ت)

نیز امام اجل نسفی کا شرح وافی میں ارشاد:

الرد باعتبار الرحم حتی لا یرد علی الزوجین لعدم الرحم [4]

رد قرابت کے اعتبار سے ہے یہاں تک کہ زوجین پر قرابت کے نہ ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جاتا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الولاء المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/۱۷۸
[2] " " کتاب الفرائض " " " ۶/۲۴۷
[3] " " " " " ۶/۲۴۲
[4] الکافی شرح الوافی

لاجرم رحیق المختوم میں تصریح فرمائی:

ان الرد انما یستحق بالرحم والزوجان لیسا بذوی رحم فلذا استثناھما وقیل یرد علیھما لفساد بیت المال وقدمنا فی عصبۃ العتق ان ذلک لابطریق الارث[1] (ملخصاً)

بیشک رَد کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے زوجین چونکہ قرابت نہیں رکھتے اس لئے وہ دونوں مستثنیٰ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیا جائے گا اور ہم معتق کے عصبہ میں بیان کرچکے ہیں کہ وہ بطورِ میراث نہیں۔ ملخصاً (ت)

تو زوجین کہ باہم اجنبی ہوں اور کوئی رشتہ نہ رکھتے ہوں اُن پر رد بجہت ارث نہیں ہوسکتا اور اسے ارث ٹھہرانا کتاب اللہ پر زیادت ہے تو وہ نہیں مگر اُسی وجہ مذکور اولاد رضاعی پڑا ور موصی لہٗ کا مانع نہ تھا مگر حق ارث تو رد علی الزوجین اس کا مانع نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے موخر رہنا واجب، وھو المقصود والحمد للہ الودود۔

فائدہ ۱۵: اقول رد علی الزوجین اگر مرتبہ رَد میں فرض کیا جائے تو رد کی چار صورتوں سے جن پر متقدمین متاخرین سب کی کتب اجماع کئے ہوئے ہیں دو منسوخ ہوجائیں کہ اب ذوی الفروض میں من لایرد علیہ کوئی نہ رہا مرد مرے اور ایک زوجہ ایک دختر چھوڑے تو جمیع کتب متقدمین ومتاخرین حنفیہ میں مسئلہ آٹھ سے کرتے ہیں ایک زوجہ کا کہ صرف اس کا فرض ہے اور سات دختر کے چار فرضاً اور تین رَداً، ہم بہت شکر گزار ہوں گے اگر کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد مثلاً علامہ طحطاوی یا علامہ شامی وغیرہما کسی کے کلام میں دکھا دیں کہ صورت مذکورہ میں زوجہ و دختر کو نصف نصف دلایا ہو۔ اگر کہئے زوجین پر رد ہے تو مگر ذوی الفروض النسبیہ پر رَد سے مؤخر ہے یعنی وُہ ہوں تو انھیں پر رَد ہوگا نہ ان پر تو اسی کی سند کسی معتمد اگلے پچھلے کے کلام سے دکھائیے جب مذہب منسوب بامیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ لیا گیا اور عول پر قیاس کیا گیا اور اسی زعم پر عدمِ رَد کے خلاف روایت ودرایت بتایا گیا تو وجہ تفرقہ کیا۔

فائدہ ۱۶: اقول نہ سہی اگر رد علی الزوجین کو متاخرین نے مرتبہ رَد میں رکھا ہے تو آخر کسی متاخر نے ذوی الارحام پر مقدم کیا ہوگا کہ باجماع حنفیہ رَد ان پر مقدم ہے اسی کی تصریح

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۳۰

کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد کے کلام میں دکھا دیجئے کہ آدمی مرے اور زوجہ یا زوج اور حقیقی نواسا نواسی بھتیجی بھانجا بھانجی چھوڑے تو سارا مال زوج یا زوجہ کو ملے گا نواسا کچھ نہ پائے گا اور کیونکر دکھا سکتے ہیں کہ وہ اجماع حنفیہ کے خلاف ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

اجمعوا علی ان ذوی الارحام لایحجبون بالزوج والزوجۃ ای یرثون معھما فیعطی الزوج اوالزوجۃ نصیبہ ثم یقسم الباقی بین ذوی الارحام کما لو انفردوا امثالہ زوج و بنت بنت و خالۃ وبنت عم فللزوج النصف و الباقی لبنت البنت[1]

مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ ذوی الارحام خاوند اور بیوی کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے یعنی ان دونوں کی موجودگی میں وارث بنتے ہیں چنانچہ خاوند یا بیوی کو فرضی حصہ دے کر باقی ذوی الارحام میں تقسیم کردیا جائے گا جیسا کہ ان کے منفرد ہونے کی صورت میں کیا جاتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے یہ ورثاء چھوڑے خاوند، نواسی، خالہ اور چچا کی بیٹی تو اس صورت میں نصف خاوند کو ملے گا باقی نواسی کو ملے گا۔ (ت)

اس مسئلہ بدیہیہ میں تشکیک کرنے والے اگر اپنے ہی کارنامے یاد کریں تو غالباً ایسا بے معنی فتوٰی کبھی نہ دیا ہوگا بلکہ ہمیشہ فرض احد الزوجین دلا کر باقی نواسے وغیرہ کو پہنچایا ہوگا۔

فائدہ ۱۷۶: اقول اگلی کارروائیاں یاد دلانے کی کیا حاجت، اور ممکن کہ بہتوں کو کبھی مسئلہ ذوی الارحام کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو اب حال کے یہی فتاوٰی نہ دیکھے جو کہ مقدمہ میں پیش نظر ہیں، فتوٰی اولٰی میں ہے اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ درمختار ورد المحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ فتوٰی سوم میں ہے بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے زوجہ پر رد کیا جائے گا۔ فتوٰی ششم میں ہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہُوا ترکہ احد الزوجین کو دے دیں گے۔ فتوٰی سوم و ششم وہشتم نے اس پر عبارت بھی نقل کی ہے:

الرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما[2]

زوجین پر رد اس صورت میں ہوگا جب ان کے ماسوا اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الکافی شرح الوافی

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۲

مگر نسی ما قدمت یداہ کا کیا علاج۔

فائدہ ۱۸: تمام کتب شاہد ہیں کہ اس فتوٰی متاخرین کی علت فساد بیت المال ہے کہ عبارات سابقہ سے واضح اور خود ان خلافی فتووں نے نادانستہ اُسے بار بار نقل کیا۔ فتوی سوم و ششم و ہفتم سب میں بحوالہ ردالمحتار قنیہ سے ہے:

یفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال[1]

بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کا فتوٰی دیا جائیگا(ت)

نیز اُن میں بحوالہ شامی محقق علامہ تفتازانی سے ہے:

افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام[2]

بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوٰی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ پیشوا بگڑ چکے ہیں۔ (ت)

نیز اُن سب میں بحوالہ درمختار اشباہ سے ہے:

یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال[3]

بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کیا جائیگا۔ (ت)

اللہ عزوجل عافیت بخشے ہر تھوڑی عقل والا بھی ان عبارات کو بنگاہِ اوّلین دیکھتے ہی فوراً سمجھ لیتا کہ زوجین پر رَد اس عارض کے سبب ضرورۃً مانا ہے اگر یہ عارض نہ ہو یعنی بیت المال منتظم ہو تو باقیماندہ اسی میں رکھا جائے گا اور زوجین پر رَد نہ کیا جائے گا تو رَد علی الزوجین موصی لہ بالزائد سے دو مرتبہ مؤخر ہوا نہ کہ زبردستی اُس پر مقدم کردیا جائے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نسأل اللہ العفو والعافیۃ (بلندی اور عظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

فائدہ ۱۹: اقول شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک بیت المال وارث ہے ولہذا وہ بحالت عدم عصبہ اصحابِ فرائض نسبیہ پر بھی رَد نہیں کرتے بعد کے مراتب ذوی الارحام و مولی الموالاۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۲

[2] " " " " " "

[3] الدرالمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

ومقرلہ وموصی لہٗ بالزائد کا کیا ذکر ہے تو اُن کے نزدیک مستحقین صرف چار ہیں اصحاب فرائض پھر عصبات نسبیہ پھر سببیہ پھر بیت المال بس۔ کافی میں ہے:

ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق لہ یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقھم الا علی الزوجین عندنا وھو قول عامۃ الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم، وقال زید الفاضل لبیت المال ولا یرد علیھم وبہ قال مالک والشافعی رحمھم اللہ تعالٰی وقیل مسألۃ الرد مبنیۃ علی مسألۃ ذوی الارحام اذالرد باعتبار الرحم حتی لایرد علی الزوجین لعدم الرحم وعند مالک والشافعی رحمھما اللہ تعالٰی لم یستحق ذوو الارحام شیئا ومصب المال بیت المال فکذا الفاضل عن فرض ذوی الفروض مصبہ بیت المال اھ[1] اقول وعندی الاظھر عکسہ ای تبنی مسألۃ ذوی الارحام علی مسألۃ الرد فان قرابۃ ذوی السھام اقوی فلما تعارض عندھما بیت المال و

ذوی الفروض سے جو کچھ بچ جائے اور اس کا کوئی مستحق نہ ہو تو ہمارے نزدیک زوجین کے علاوہ ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے برابر رد کیا جائیگا یہی قول عام صحابہ کرام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جو بچ گیا وہ بیت المال کا ہے ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائے گا، اور یہی فرمایا امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی علیہما نے۔ اور کہا گیا ہے کہ رد کا مسئلہ ذوی الارحام کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ رد قرابت و رشتہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے یہاں تک کہ رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے زوجین پر رد نہیں کیا جاتا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ذوی الارحام کسی شئی کے مستحق نہیں اور مال رکھنے کی جگہ بیت المال ہے، یونہی جو ذوی الفروض کے فرضی حصوں سے بچ گیا اس کو رکھنے کی جگہ بھی بیت المال ہے اھ میں کہتا ہوں میرے نزدیک زیادہ ظاہر اس کا عکس ہے یعنی ذوی الارحام کا مسئلہ رد کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ ذوی الفروض کی قرابت زیادہ قوی ہے تو جب وہ امام

---

[1] الکافی شرح الوافی

قدم على الرد عليهم لو تعارضه قرابة ذی الرحم بالاولٰی وکانه رحمہ اللہ تعالٰی لذا عبرہ بقیل۔

شافعی اور امام مالک کے نزدیک بیت المال کے معارض ہے تو بیت المال ذوی الفروض پر رَد سے مقدم ہوگیا، ذوی الارحام کی قرابت بدرجۂ اولٰی مُزاحم نہیں ہوگی گویا مصنف علیہ الرحمہ نے اسی واسطے اسے قِیل سے تعبیر فرمایا ہے۔ (ت)

کتاب الانوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

اسباب التوریث القرابة والنکاح والولاء والاسلام[1] اھ فالقرابة لذی سھم والعصبة النسبیین والنکاح لذی السھم السببی والولاء للعصبة السببیة والاسلام لاھل بیت المال۔

وارث بننے کے اسباب قرابت، نکاح، ولاء اور اسلام ہیں پس قرابت تو نسبی ذوی الفروض اور نسبی عصبہ کے لئے ہے اور نکاح سببی ذوی الفروض کے لئے ہے اور ولاء سببی عصبہ کے لئے ہے اور اسلام بیت المال والوں کیلئے ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قلنا لایرد علی اصحاب الفروض ولا یورث ذوو الارحام[2]

ہم کہتے ہیں کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائیگا اور نہ ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا (ت)

مگر فساد بیت المال کے وقت وہ بھی رد علی اصحاب الفروض النسبیہ اور اُن کے بعد توریث ذوی الارحام کے قائل ہوئے ہیں اور اس کی علت وہی فساد بیت المال بتاتے ہیں سیدی السراجی میں ہے:

عند الشافعیة ان بیت المال ان کان منتظما یقدم علی ذوی الارحام والرد وان لم ینتظم یرد اولا علی ذوی الفروض النسبیة بنسبة فرائضھم ثم یصرف

شافعیہ کے نزدیک بیت المال اگر منتظم ہو تو وہ ذوی الارحام اور رَد پر مقدم ہوتا ہے اور اگر وہ منتظم نہ ہو تو پھر اولاً نسبی ذوی الفروض پر ان کے فرضی حصّوں کے مطابق رَد کیا جائیگا پھر ذوی الارحام کی طرف پھیرا جائیگا ان کے

---

[1] الانوار الاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/۲
[2] " " " " " ۳/۲

الی ذوی الارحام ولا میراث عندھم اصلا لمولی الموالاۃ ولا للمقر لہ بالنسب علی الغیر ولا للموصی لہ بجمیع المال[1]

نزدیک مولٰی موالاۃ اور نسب کے اقرار والے شخص اور کل مال کے موصٰی لہٗ کے لئے کوئی میراث نہیں۔ (ت)

تبیین میں ہے:

ان کثیرا من اصحاب الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ منھم ابن سریج خالفوہ وذھبوا الٰی توریث ذوی الارحام وھو اختیار فقہائھم للفتوی فی زماننا لفساد بیت المال وصرفہ فی غیر المصارف[2]

امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہت سارے اصحاب جن میں ابن سُریج بھی ہیں نے اسکی مخالفت کی اور وہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کی طرف گئے ہیں اور یہی ہمارے زمانے میں فتوٰی کے لئے ان کے فقہاء کا مختار ہے بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور مصارف کے غیر میں اس کے خرچ ہونے کی وجہ سے۔ (ت)

انوارِ شافعیہ میں ہے:

ان لم ینتظم ای بیت المال فالصحیح المرجح المفتی بہ انہ یرد الفاضل منھم علیھم ویورث ذوو الارحام ان فقدوا[3]

اگر بیت المال منتظم نہ ہو تو صحیح راجح مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ ذوی الفروض سے بچا ہوا انہیں پر رَد کیا جائے گا اور اگر وہ مفقود ہوں تو ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔ (ت)

توفسادِ بیت المال کے وقت مسئلہ رَد میں ہمارا اُن کا اتفاق ہوگیا ہم تو رَد مانتے ہی تھے اور اب بوجہ فساد وہ بھی ماننے لگے یہ معنٰی ہیں عبارت درمختار:

ان فضل عن الفروض ولا عصبۃ یرد الفاضل علیھم اجماعا لفساد

اگر ذوی الفروض سے کچھ بچ جائے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بچا ہوا بالاجماع ذوی الفروض

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

[3] الانوار الاعمال الابرار " مطبعۃ الجمالیۃ مصر ۲/ ۲

بیت المال الاعلی الزوجین[1]

پر لوٹا دیا جائیگا بوجہ بیت المال کے فاسد ہونے کے سوائے زوجین کے۔ (ت)

تو فساد بیت المال علت اتفاق ہے نہ کہ ہمارے نزدیک ذی سہم نسبی پر رَد کی علت، جسے ادنٰی طالب علم بھی نہ کہے گا پھر علت ہے تو صرف اتفاق شافعیہ کی ورنہ مالکیہ سے منقول کہ بحال فساد بھی رد نہیں کرتے۔ لاجرم ردالمحتار میں ہے:

قولہ لفساد بیت المال علۃ لقولہ اجماعا ولا یظھر لان المشھور من مذھب مالک انہ لبیت المال وان لم یکن منتظما[2]۔

مصنّف کا قول "بوجہ فساد بیت المال" علت ہے اس کے قول اجماعًا کی اور یہ ظاہر نہیں کیونکہ امام مالک کے مذہب سے مشہور ہے کہ ذوالفروض کے فرضی حصوں سے بچا ہوا مال بیت المال کا ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔ (ت)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ اجماعا لفساد بیت المال ھذہ العلۃ غیر ظاھرۃ بالنظر للقول بالرد عندنا فان الرد عندنا مقدم علی بیت المال وان کان منتظما وان کان علۃ لقولہ اجماعا لایظھر ایضا لان القول بالرد حینئذ قول لبعض الشافعیۃ والمشھور من مذھب المالکیۃ انہ لبیت المال وان لم یکن منتظما[3]۔

ماتن کا قول "بالاجماع بوجہ فساد بیت المال" یہ علت ہمارے نزدیک رَد کے قول کی طرف نظر کرتے ہوئے ظاہر نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک رد بیت المال پر مقدم ہے اگرچہ بیت المال منتظم ہو اور اگر یہ ماتن کے قول اجماعًا کی علت ہو تو بھی ظاہر نہیں کیونکہ اس صورت میں رد کا قول بعض شافعیہ کا قول ہے، اور مالکیہ کے مذہب سے مشہور یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لئے ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار 〃 المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

فائدہ ۲۰۵: اقول ذی سہم نسبی پر رَد کی علّت ہمارے نزدیک فساد بیت المال ٹھہرانا افسد فاسدات ہے، **اوّلا** ہمارے ائمہ کے نزدیک وہ کوئی امر عارضی نہیں کہ بضرورت مانا گیا بلکہ عصوبت کے بعد حق راجح قوی مستقل ہے کہ قرابت ذوی الارحام پر بھی مقدم ہے نہ کہ دیگر مراتب نازلہ۔ ہمارے علماء نے اُسے آیت واحادیث وارشاداتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت فرمایا ہے نہ کہ فسادِ بیت المال کی ناچاری سے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لنا قوله تبارك وتعالٰى واولوا الارحام بعضهم اولٰى ببعض فی کتاب الله وهو المیراث فیکون اولٰی من بیت المال ومن الزوجین الا فیما ثبت لهما بالنص وکان ینبغی ان یکون ذلك لجمیع ذوی الارحام لاستوائهم فی هذا الاسم الا ان اصحاب الفرائض قدموا علٰی غیرهم من ذوی الارحام لقوة قرابتهم الاترٰی انهم یقدمون فی الارث فکانوا احق به ومن حیث السنة ما روی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل علٰی سعد یعوده فقال یا رسول الله صلی الله علیك وسلم ان لی مالا ولا یرثنی الا ابنتی الحدیث ولم ینکر علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم حصر المیراث علٰی ابنته

ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالٰی کا یہ ارشاد ہے "اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں الآیۃ"۔ اور وہ میراث ہے چنانچہ ان پر رد بیت المال سے اولٰی ہوگا اور زوجین سے بھی اولٰی ہوگا سوائے اس کے جو زوجین کے لئے نص سے ثابت ہے اور چاہئے کہ بچے ہوئے کا رَد تمام رشتہ داروں کے لئے برابر ہو کیونکہ اس نام میں سب برابر ہیں مگر اصحابِ فرائض باقی رشتہ داروں پر اپنی قرابت کی قوت کی وجہ سے مقدم ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ میراث میں مقدم ہیں تو وہ رَد کے بھی زیادہ حقدار ہونگے اور یہ حکم سنت سے بھی ثابت ہے۔ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم میرا کچھ مال ہے اور سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں (الحدیث) انھوں نے اپنی بیٹی پر میراث کو منحصر کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اگر

39

ولولاان الحکم کذلك لانکر علیه ولم یقرہ علی الخطا لاسیما فی موضع الحاجۃ الی البیان وکذا روی ان امرأۃ اتت الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ انی تصدقت علی امی بجاریۃ فماتت امی وبقیت الجاریۃ فقال وجب اجرك ورجعت الیك فی المیراث جعل الجاریۃ راجعۃ الیھا بحکم المیراث وھذا ھو الرد[1]

حکم ایسا نہ ہوتا تو آپ ضرور انکار فرماتے اور انھیں خطا پر برقرار نہ رہنے دیتے خصوصًا جبکہ بیان کی ضرورت ہو۔ یونہی مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا یارسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیک وسلم میں نے اپنی ماں پر ایک لونڈی صدقہ کی اب میری ماں فوت ہوگئی اور وہ لونڈی باقی رہ گئی تو آپ نے فرمایا تیرا اجر ثابت ہوچکا اور وہ لونڈی میراث میں تیری طرف لوٹ آئی۔ تو آپ نے بطورِ میراث وہ لونڈی اس کی طرف لوٹائی، اور یہی رَد ہے۔ (ت)

اقول پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے اور دوسری حدیث عبدالرزاق نے مصنّف اور سعید بن منصور نے سنن اور ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور بریدہ بن الخصیب الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں :

فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لك اجرك وردھا علیك المیراث[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے تیرا اجر ثابت ہے اور وہ لونڈی میراث نے تیری طرف لوٹا دی۔ (ت)

یہ لفظ لفظ مذکور تبیین سے ادل علی المقصود ہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

علامہ سید شریف نے آیت کریمہ سے استدلال کرکے حدیث اول سے اور زیادہ نفیس وجہ سے استدلال کیا اور بعض اور احادیث جلیلہ زائد کیں فرماتے ہیں :

وایضا لما دخل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی سعد بن ابی وقاص یعودہ

جب نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] کنز العمال برمز عب، ص وابن جریر فی التہذیب حدیث ۳۰۷۰۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۸۳

قال سعد اما انہ لا یرثنی الا ابنۃ لی فاوصی بجمیع مالی قال لا قال فاوصی بنصفہ قال لا الحدیث الی ان قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الثلث خیر والثلث کثیر فقد ظہر ان سعدا اعتقد ان البنت ترث جمیع المال ولم ینکر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومنعہ عن الوصیۃ بما زاد علی الثلث مع انہ لا وارث لہ الا ابنۃ واحدۃ فدل ذٰلک علی صحۃ القول بالرد اذ لو لم تستحق الزیادۃ علی النصف بالرد تجوز لہ الوصیۃ بالنصف وفی حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورّث الملاعنۃ ای جمیع المال عن ولدھا ولا یکون ذٰلک الا بطریق الرد وفی حدیث واثلۃ بن الاسقع انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال تحوز المرأۃ میراث لقیطہا وعتیقہا

عیادت کرنے تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا سوائے ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کی: نصف کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں (الحدیث) یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تہائی بہتر ہے اور تہائی بہت ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اعتقاد تھا کہ بیٹی تمام مال کی وارث بن سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا اور آپ نے تہائی مال سے زائد کی وصیت سے انھیں منع فرمایا باوجودیکہ سوائے ایک بیٹی کے ان کا کوئی وارث نہیں تھا تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ رد کا قول صحیح ہے کیونکہ اگر وہ بیٹی بذریعہ رد نصف سے زائد کی مستحق نہ ہوتی تو اُن کے لئے نصف کی وصیت جائز ہوتی۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعان والی عورت کو اپنی ولد کے تمام مال کا وارث بنایا۔ اور یہ بذریعہ رد ہی ہوسکتا ہے۔ اور واثلہ بن اسقع کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنے لقیط یعنی جو بچہ اسے گمشدہ ملا ہے اور اپنے آزاد شدہ

والابن الذی لوعنت بہ۔[1] غلام یا لونڈی اور اپنے اس بیٹے جس کے سبب اس عورت کے ساتھ لعان کیا گیا کی میراث کو سمیٹ لیتی ہے۔ (ت)

ثانیًا سراجیہ وتبیین وعامہ کتب حنفیہ میں ہے:

ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وبہ اخذ اصحابنا۔[2] عام صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا وہی قول ہے اور ہمارے اصحاب نے اسی سے اخذ کیا ہے۔ (ت)

اقول امام سفیان ثوری کتاب الفرائض وعبدالرزاق مصنف اور سعید بن منصور سنن میں عامر شعبی سے راوی:

قال کان علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ یرد علٰی کل ذی سھم سھمہ الا الزوج والمرأۃ۔[3] حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہر ذی فرض پر اس کا حصہ رَد کیا جائے گا سوائے شوہر اور بیوی کے۔ (ت)

سعید بن منصور وبیہقی ابخعی سے راوی:

ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی ابن الملاعنۃ ترک اخاہ وامہ لامہ الثلث ولاخیہ السدس ومابقی فھو رد علیھما بحساب ما ورثا۔[4] بیشک حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لعان والی عورت کے ایسے بیٹے کے بارے میں فرمایا جو ایک بھائی اور ماں چھوڑ کر مرگیا کہ اس کی ماں کا حصہ کل مال سے تہائی ہے جبکہ بھائی کا حصہ چھٹا ہے اور جو باقی بچا وہ ان دونوں پر ان کے میراث والے حصہ کے حساب کے مطابق رَد ہوگا۔ (ت)

امام اجل طحاوی سوید بن غفلہ سے راوی:

ان رجلا مات وترک ابنۃ ایک مرد فوت ہوا جس کے پسماندگان میں ایک بیٹی

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب الرد مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۷

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[3] المصنف لعبدالرزاق " حدیث ۱۹۱۲۸ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۶

[4] السنن الکبری " باب میراث ولد الملاعنۃ دار صادر بیروت ۶/ ۲۵۸

وامرأة ومولاه قال سوید انی جالس عند علی کرم اللہ تعالٰی وجهه اذ جاءته مثل هذه القصة فاعطی ابنته النصف وامرأته الثمن ثم رد ما بقی علی ابنته ولم یعط المولی شیئا[1]

ایک بیوی اور ایک اس کا آزاد کیا ہوا غلام ہے، حضرت سوید نے کہا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک خاتون ایسا ہی قصہ لے کر آئی تو آپ نے مرنے والے شخص کی بیٹی کو نصف اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دیا، پھر جو بچ گیا وہ اس کی بیٹی پر رد فرمادیا اور اس کے آزاد شدہ غلام کو کچھ نہیں دیا۔ (ت)

بیہقی نے اسے مختصراً روایت کیا:

کان علی رضی اللہ تعالٰی عنه یعطی الابنة النصف والمرأة الثمن ویرد ما بقی علی الابنة۔[2]

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرنے والے کی بیٹی کو کل مال کا نصف اور بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ دیتے تھے اور باقی کو بیٹی پر رد فرمادیتے تھے (ت)

سعید بن منصور نے امام شعبی سے روایت کی:

انه قیل له ان ابا عبیدة ورث اختا المال کله فقال الشعبی من هو خیر من ابی عبیدة قد فعل ذلك کان عبداللہ بن مسعود یفعل ذلك۔[3]

حضرت ابوعبیدہ کے بارے میں امام شعبی کو کہا گیا کہ انھوں نے بہن کو کل مال کا وارث بنایا ہے تو امام شعبی نے فرمایا کہ جو ابوعبیدہ سے بہتر ہے اس نے ایسا کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسا کرتے تھے (ت)

سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرة عن اصحابه فی قول زید بن ثابت وعلی بن ابی طالب

جریر نے مغیرہ سے انھوں نے آپ کے اصحاب سے حضرت زید بن ثابت، حضرت علی بن ابی طالب

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الفرائض باب مواریث ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۱
[2] السنن الکبرٰی " باب المیراث بالولاء دار صادر بیروت ۶/ ۲۴۲
[3] کنز العمال برمز ص حدیث ۳۰۵۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۲۶

وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اذا ترک المتوفی اباہ ولم یترک احدا غیرہ فلہ المال[1]

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اس قول کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب مرنے والا باپ کو چھوڑ جائے اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے تو تمام مال باپ کا ہوگا۔ (ت)

عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

انہ قضی فی ام و اخ من ام لاخیہ السدس وما بقی لامہ[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ماں اور اخیافی بھائی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ بھائی کو چھٹا حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا (ت)

کیا امیر المومنین مولٰی علی و سیدنا عبداللہ بن مسعود و عامہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد کرامت عہد میں بھی بیت المال فاسد تھا۔

ثالثاً احادیث صحاح وحسان سے گزرا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اصحاب فرائض پر رد فرمایا معاذ اللہ کیا زمانہ اقدس میں بھی انتظام بیت المال نہ تھا ایسے مسئلہ جلیلہ کو کہ عہد رسالت و زمانہ صحابہ سے ثابت و مستمر ہے آخر زمانہ کے فساد پر مبنی کرنا کس درجہ ناداتی اور دانستہ ہو تو کیسی سخت بے ادبی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فائدہ ۲۱: امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رد علی الزوجین ثابت نہیں وقائع عین مورد ہر گونہ احتمال ہوتے ہیں شوہر جبکہ چچا کا بیٹا اور تنہا وارث ہو کل مال پائے گا نصف فرضاً نصف عصوبۃً اسے رد سے کیا علاقہ۔ درمختار میں ہے:

قال عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ یرد علیھما ایضا قالہ المصنف وغیرہ قلت وجزم فی الاختیار بان ھذا وھم من الراوی[3]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا زوجین پر بھی رد کیا جائیگا۔ مصنف وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اختیار میں اس پر جزم کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ (ت)

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب ترتیب العصبۃ دار صادر بیروت ۶/۲۳۸

[2] المصنف لعبد الرزاق 〃 باب الخالۃ والعمۃ الخ حدیث ۱۹۱۱۷ المجلس العلمی بیروت ۱۰/۲۸۴

[3] الدر المختار 〃 باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

رحیق المختوم میں ہے :

بل الذی صح عنہ الرد علی الزوج فقط وتاویلہ ان کان ابن عم فاعطاہ الباقی بالعصوبۃ[1]

بلکہ ان سے جو مرتبہ صحت کو پہنچا ہے وہ فقط خاوند پر رد ہے جس کی تاویل یہ ہے کہ وہ خاوند اپنی بیوی کا چچازاد تھا، چنانچہ آپ نے باقی اس کو بطور عصبہ عطا فرمایا۔ (ت)

بلکہ امام ابراہیم نخعی سے منقول کہ صحابہ کرام میں کوئی بھی رد علی الزوجین کا قائل نہ تھا طحطاوی میں عجم زادہ علی الشریفیہ سے ہے :

نقل عن ابراھیم النخعی انہ لم یکن احد من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول انہ یرد علی الزوجین[2] اھ اما قولہ خبر المثبت اولٰی فاقول الشان اولًا فی الثبوت روایۃ واین الثبوت وثانیاً درایۃ لما علمت من تاویلہ۔

ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں سے کوئی ایک بھی نہیں کہتا تھا کہ زوجین پر رَد کیا جائے گا اھ لیکن اس کا قول کہ خبر مثبت اولٰی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اولاً ثبوت میں روایت ہے، اور کہاں ہے ثبوت۔ ثانیاً درایت ہے جس کی تاویل تُوجان چکا ہے۔ (ت)

اور بالفرض امیر المومنین سے منقول ہے تو یہ کہ زوجین پر بھی رد فرماتے ہیں یہ اصلاً کہیں نہیں کہ اور کوئی رشتہ دار متوفی نہ ہو تو اُس وقت رد علی الزوجین کرتے ہیں امیر المومنین کی طرف اس کی نسبت باطل و فریب محض ہے۔

فائدہ ۲۲ : عول پر قیاس سے ہمارے علمائے کرام جواب شافی دے چکے۔ تبیین الحقائق میں ہے :

ادخال النقص علی الزوجین بالعول مما یوافق الدلیل النافی لارثھما لان ارثھما ثبت بالنص علی خلاف القیاس واخذ الزیادۃ مما یخالف

زوجین پر عول کی وجہ سے کمی کا آنا اس دلیل کے موافق ہے جو زوجین کی میراث کے منافی ہے۔ کیونکہ ان کا وارث بننا خلافِ قیاس نص سے ثابت ہے اور زوجین کا زائد کو لینا اُسی

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب العول المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۶

النافی لارثهما فلا یمکن اثباته بالقیاس لان ماثبت علی خلاف القیاس یقتصر علیه[1]

دلیل کے مخالف ہے جو زوجین کی میراث کے منافی ہے۔ چنانچہ اس کو قیاس سے ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ جو خلافِ قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر رہتا ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

الرد علی ذوی السهام اولی من ذوی الارحام لانهم اقرب الا الزوجین فانهما لاقرابة لهما مع المیت وارثهما نظیر الدین فان صاحب الدین لایرد علیه ما فضل بعد قضاء الدین فکذا لایرد علیهما ما فضل من فرضهما[2] اھ اقول ای واذا ضاق المال عن الدیون دخل النقص علی کل دائن بحساب دینه فکذا الزوجان ینقصان ولا یزادان۔

ذوی الفروض پر رد ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میّت سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں سوائے زوجین کے، کیونکہ ان کی میت کے ساتھ کوئی قرابت نہیں ہوتی۔ اور ان کا وارث بننا قرض کی طرح ہے، تو جس طرح قرض کی ادائیگی سے بچا ہوا مال صاحبِ قرض پر رد نہیں کیا جاتا اسی طرح زوجین کے فرضی حصوں سے بچا ہوا مال ان پر رد نہیں کیا جائے گا اھ میں کہتا ہوں جب ترکہ کا مال قرضوں سے کم ہوجائے تو ہر صاحبِ قرض پر اس کے قرض کے حساب سے کمی واقع ہوتی ہے اسی طرح زوجین کے حصے کم تو ہوجاتے ہیں مگر زائد نہیں ہوتے۔ (ت)

روح الشروح پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

میراث الزوجین علی خلاف القیاس لان وصلتهما بالنکاح وقد انقطعت بالموت وما ثبت علی خلاف القیاس نصا یقتصر علی مورد النص ولا نص فی الزیادة علی فرضهما

زوجین کی میراث خلافِ قیاس ہے کیونکہ ان دونوں کا اتصال نکاح کی وجہ سے ہے جو موت کے سبب سے ختم ہوچکا ہے۔ اور جو کچھ خلافِ قیاس نص سے ثابت ہو وہ موردِ نص میں منحصر رہتا ہے اور زوجین کے فرضی حصوں سے زائد

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] " " " " " ۶/ ۲۴۲

ولما کان ادخال النقص فی نصیبہما میلا للقیاس المنافی لارثہما قیل بہ ولم یقل بالرد لعدم الدلیل فظہر الفرق وحصحص الحق [1]

کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ جب زوجین کے حصول میں کمی کا واقع ہونا اُس قیاس کی طرف مائل ہے جو ان کی میراث کے منافی ہے تو اس کا قول کر لیا گیا اور رَد کا قول نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر دلیل معدوم ہے لہذا فرق ظاہر اور حق خوب واضح ہوگیا۔ (ت)

فائدہ ۲۳: اقول ردعلی الزوجین کا ماننا دو طرح ہے، ایک یہ کہ اُسے حق اصلی مستقل ردعلی اصحاب السہام النسبیہ مانا جائے، دوسرے یہ کہ اُس کا کوئی حق خاص نہیں مال ضائع بلا مستحق ہے اور ایسے مال کا ٹھکانا بیت المال مگر وہ اب فاسد و نامنتظم ہے لہذا بیجا مصارف میں صرف ہونے سے یہی بہتر ہے کہ زوجین کو دے دیا جائے کہ میّت سے بہ نسبت نرے بیگانوں کے اقرب ہیں، اول کی علت عول پر قیاس ہے کہ جب وقت تنگی انھیں اُن کے حق سے کم ملتا ہے تو وقت بیشی انھیں بھی اور ذوی الفروض کی طرح زائد ملنا چاہئے کہ الغنم بالغرم نقصان اُٹھائیں تو نفع بھی پائیں، اور دوم کی علت فساد بیت المال ہے، یہ دونوں علتیں باہم متضاد ہیں جن کا اجتماع محال ہے، پہلی کا مقتضی اُن کا استحقاق ہے اور دوسری کا مقتضی عدم استحقاق کہ اصل موضع بیت المال مانا اور اس کے فساد کے سبب ایک طرف پھیرا اور بیت المال اُسی مال کا محل ہے جس کا کوئی خاص مستحق نہ ہو تو ان دونوں کو جمع کرنا جمع بین الضدین ہے، ہمارے علماء نے کہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اُس روایت کو ثابت نہ مانا یا قول عام صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو اس پر مرجح جانا اور قیاس علی العول کو بے محل بتایا رَدعلی الزوجین نہ مانا انھیں ان کا مستحق نہ جانا بیت المال تک جمیع مراتب کو اس پر مرجح رکھا ہاں جب بیت المال میں فساد آیا بضرورت اخیر درجہ انھیں اور ایک درجہ بنت معتق و ذوی الارحام معتق و اولاد رضاعی کو دلایا اگر ہمارے علماء روایت مذکورہ کو امیر المومنین سے ثابت مان کر اس مسئلہ میں برخلاف عامہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اُن کی تقلید فرماتے یہ قیاس علی العول کو صحیح و ماخوذ ٹھہراتے تو فساد بیت المال سے ہرگز تعلیل نہ کرتے نہ ذوالارحام سے لے کر موصی لہ بالزائد تک تمام مراتب نازلہ عن الرد کو اس پر تقدیم دیتے کہ اب وہ وہ بالاستقلال مثل فرض باقی کے بھی مستحق ٹھہراتے تو مثل فرض اس حق میں بھی تمام نازلات عن الرد

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الفرائض باب العول المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

پر مقدم رہتے،

وھذا کلہ واضح جدا عند من الم بالفقہ الماما ونظر بالانصاف ماقدمنا او القی السمع وھو شہید۔

یہ سب کچھ اُس شخص کے نزدیک خوب واضح ہے جس کو فقہ سے کچھ تعلق ہے اور وہ ماقبل میں مذکور ہمارے بیان کو انصاف کی نظر سے دیکھے یا کان لگائے اس حال میں کہ متوجہ ہو۔ (ت)

فائدہ ۲۴: اقول درمختار میں اول اپنے ائمہ کا مذہب بیان فرمایا کہ زوجین پر رد نہیں پھر یہ کہ امیر المومنین سے رَد منقول ہوا، پھر یہ کہ امیر المومنین سے اس کے ثبوت میں کلام ہے، پھر یہ کہ فساد بیت المال کے باعث ہمارے زمانہ میں اُن پر رَد کردینگے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء ردعلی ذوی الفروض النسبیہ کے درجہ میں اور اُن کے ساتھ ردعلی الزوجین کے ہرگز قائل نہیں کہ وہ درجہ استحقاق کا ہے اور یہ درجہ اُس مال کا ہے کہ ضائع و بلا مستحق ہو کما علمت ماقدمنا (جیسا کہ تو جان چکا ہے اُس بیان سے جس کو ہم پہلے ذکر کرچکے۔ ت) مستحق و نامستحق کو ایک درجہ میں ٹھہرا دینا کیسا باطل فاحش ہے نیز عبارت درمختار سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء رَدعلی الزوجین کو سب میں اخیر مرتبے یعنی بیت المال منتظم سے بھی پیچھے رکھتے ہیں کہ بحال فساد انھیں دیتے ہیں تو روشن ہوا کہ فساد نہ ہو تو انھیں نہ دیا جائے گا بلکہ بیت المال ہی میں رکھا جائے گا عبارتِ درمختار میں یہ دو قاہر دلیلیں نہ ہوتیں جب بھی ہمارے علماء کا اجماع ہے کہ القران فی الذکر لایستلزم القران فی الحکم (ذکر میں اقتران کو حکم میں اقتران لازم نہیں۔ ت) تمام کتب میں اسے تعلیلات فاسدہ سے ٹھہرایا ہے نہ کہ ان روشن براہین کے ہوتے ہوئے یہاں ذکر کرنے سے یہ گمان فاسد لیجانا کہ علماء رَدعلی الزوجین کو ردعلی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجے میں اور اسی کے ساتھ مانتے ہیں ورنہ یہاں بیان نہ آتا یہ **اوّلاً** سخت جہل شدید ہے کہ ادنٰی طالبعلم سے بھی بعید ہے۔ **ثانیاً** اب معنی عبارتِ درمختار یہ ہوں گے کہ از انجا کہ بیت المال فاسد ہوگیا لہذا علماء نے ردعلی الزوجین اصلی مرتبہ رَد میں رکھ دیا اور ذوی الارحام و من تحتہم سب پر مقدم کردیا یعنی فاسد تو ہوگا بیت المال اور مارے جائینگے ذوی الارحام و مولی الموالاۃ و مقرلہ و موصی لہ بالجمیع سب کے سب گناہ ہوگا ایک سے اور پکڑے جائیں گے پانچ، یہ کون سی شریعت ہے۔ بفضلہ تعالٰی درمختار تو ایسے جنون سے منزّہ ہے زیادہ کیا گزارش ہو۔

فائدہ ۲۵: اقول بفضلہ تعالٰی یہ مسئلہ ہم نے ایسے طور سے بیان کیا جس میں کسی

عاقل کو اصلاً جائے ریب نہ رہے ایسے دلائل قاہرہ کے بعد زیادہ تر تصریح کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر اب بھی ہوس باقی ہو تو حاشیۂ درمختار میں سید علامہ طحطاوی کا قول ادنیٰ ذی فہم کو کافی و وافی۔ فرماتے ہیں:

الذخیرۃ ان الفاضل من سہام الزوجین لایوضع فی بیت المال بل یدفع الیہما لانہما اقرب الی المیت من جہۃ السبب من غیرہما وکذا الابن والبنت من الرضاع انتہی سروح الشروح وفی حاشیۃ المولیٰ عجم زادہ عن الخانیۃ ذکر الامام عبد الواحد الشہید فی فرائضہ ان الفاضل عن سہام الزوج والزوجۃ لایوضع فی بیت المال بل یدفع الیہما لانہما اقرب الناس الی المیت من جہۃ السبب فکان الدفع الیہما اولیٰ من غیرہما انتہی وقولہ لایوضع فی بیت المال کقول الذخیرۃ السابق یدل علی ان الدفع الیہما متعین لان الدافع مخیر بین الدفع الیہما والی بیت المال کما توھمہ اٰخر العبارۃ بل ربما یکون المراد انہما اولی من نحو الجیران لما جری بینہما من الزوجیۃ[1] (ملخصا)

ذخیرہ میں ہے زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائیگا بلکہ زوجین کو دے دیا جائے گا کیونکہ وہ بنسبت غیر کے سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ یہی حکم رضاعی بیٹے اور رضاعی بیٹی کا ہے انتہی روح الشروح۔ مولیٰ عجم زادہ کے حاشیہ میں خانیہ سے منقول ہے، امام عبد الواحد شہید نے اپنے فرائض میں ذکر کیا کہ خاوند اور بیوی کے فرضی حصوں سے بچا ہوا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان ہی کو دے دیا جائے گا کیونکہ وہ سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں بنسبت غیر کے، لہذا ان کو دینا غیر کو دینے سے اولیٰ ہے انتہی۔ امام عبد الواحد کا قول مثل ذخیرہ کے قول کے کہ "بیت المال میں نہیں رکھا جائیگا" اس بات کی دلیل ہے کہ زوجین کو دینا متعین ہے۔ ایسا نہیں کہ انھیں دینے یا بیت المال میں رکھنے کا اختیار ہے جیسا کہ عبارت کے آخر سے وہم ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات مراد یہ ہوتی ہے کہ زوجین پڑوسیوں کی بنسبت اولیٰ ہیں کیونکہ ان میں زوجیت کا تعلق جاری ہوا ہے۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۷۲

زوجین کو دینا اوروں کو دینے سے اولیٰ بتانے سے جو یہ احتمال پیدا ہوا کہ اگر زوجین کو نہ دیں اور بیت المال فاسد میں دے دیں جب بھی جائز ہو اگرچہ خلافِ اولیٰ ہو کہ اُن کو دینا صرف اولیٰ ہی تھا اس کے رفع کو اسی عبارت امام عبدالواحد شہید کا سباق اور نص ذخیرہ پیش کیا کہ نہیں بلکہ انھیں کو دیا جائے بیت المال فاسد میں رکھنے کی اجازت نہیں اب اولویت کے لئے مفضل علیہ تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی تو ہمسائے بتائے اوّلاً اگر زوجین پر رد مرتبۂ رد میں ہوتا تو خاص مراتب مستحقین میں چار موجود تھے خصوصاً ذوی الارحام، تو انھیں سے اولویت کیوں نہ بتائی جب تی خارج المراتب سے ہمسایوں کو لانے کے لئے کیا معنی تھے۔ ثانیاً زوجین کے ہوتے ہوئے ہمسایوں کو دینے کا اگر جواز نہ ہوتا تو تفضیل اولویت کو بیت المال سے پھیر کر ہمسایوں پر رکھنا ہوتا کہ یہاں بھی وہی ایہام رہا تو واجب کہ زوجین کے ہوتے جائز ہو کہ ان پر رد نہ کریں اور ہمسایوں کو دے دیں اگرچہ زوجین پر رد اولٰی ہے اور بداہۃً معلوم کہ ہمسائے میراث میں مستحق نہیں تو اگر زوجین مستحق رد ہوتے جیران کو دینا حلال نہ ہوتا لیکن حلال ہے تو زوجین مستحقِ رد نہیں اور موصی لہ قطعاً مستحق ہے اور مستحق کی نامستحق پر تقدیم بدیہی۔

فائدہ ۲۶۵: اس سے بھی سیری نہ ہو تو مستصفی پھر معراج الدرایہ پھر علامہ شامی کا ارشاد:

الفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال اذ الظلمۃ لا یصرفونہ الی مصرفہ[1]

آج کے زمانے میں فتوٰی اس پر ہے کہ زوجین پر رد کیا جائے گا کیونکہ بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے مستحق معدوم ہے اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کو اس کے مصرف پر خرچ نہیں کرتے۔(ت)

صریح جزئیہ ہے زوجین پر رد اس وقت بتاتے ہیں جب کوئی مستحق نہ ہو اور شک نہیں کہ موصی لہ بالزائد مستحقین سے ہے اگر اس میں بھی شک ہو تو یہی علامہ شامی موصی لہ بالزائد کی نسبت فرماتے ہیں:

ان المراد انہ یاخذ الزائد بطریق

مراد یہ ہے کہ وہ بطور استحقاق زائد مال

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

الاستحقاق[1]	کو لے گا۔ (ت)

توصاف روشن ہوا کہ موصی لہ بالزائد کے ہوتے رد علی الزوجین نہ ہوگا۔ فتوٰی ہم نے کہ یہ عبارت درمختار:

ثم مولی الموالاۃ ولہ الباقی بعد فرض احد الزوجین[2]	پھر مولی الموالاۃ اور وہ زوجین کے فرضی حصے سے بچ جانے والا مال لے گا۔ (ت)

اور یہ عبارات شامی پیش کیں کہ ذوی الارحام کو فرمایا:

یاخذون کل المال اوما بقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیھما[3]	وہ کُل مال لیں گے یا زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال لیں گے کیونکہ ان پر رد نہیں ہوتا۔ (ت)

مولی الموالاۃ کو فرمایا:

ان وجد احد الزوجین فلہ الباقی عن فرضہ[4]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اُس کے فرضی حصہ سے جو باقی بچا وہ مولی الموالاۃ کو ملیگا۔ (ت)

مقرلہ کو فرمایا:

اذا کان احد الزوجین فیعطی ما فضل بعد فرضہ[5]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہے تو اس کو فرضی حصہ دے کر جو بچ گیا وہ مقرلہ کو دیا جائیگا۔ (ت)

یہ البتہ کافی نہ تھیں اور مخالف کو ان پر صریح گنجائش تھی کہ یہ قول ائمہ متقدمین پر ہے جو زوجین پر رد نہیں مانتے الاتری الی قولہ لعدم الرد علیھما (کیا تُو اس کے قول کو نہیں دیکھتا کہ زوجین پر رد نہیں۔ ت)

اسی طرح مقرلہ کی نسبت یہ ارشاد علامہ شامی پیش کیا:

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۸
[2] الدرالمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۳
[3] ردالمحتار 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۷
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃

یکون ھذا الاقرار وصیۃ معنی[1]۔ یہ اقرار معنیً کے اعتبار سے وصیت ہوگا۔(ت)

اور اس سے استنباط کیا کہ وصیت بالزائد رد علی الزوجین پر مقدم ہے اس کا بھی اوّلاً وہی جواب تھا، **واقول ثانیاً** یہ اقرار اگرچہ قضاءً معنیٔ وصیت میں ہوا اس لئے کہ اس کا نسب ثابت نہ ہوا اور نہ درجۂ نسب میں جاکر مزاحم ورثہ ہوتا کما فی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) مگر وصیت اجنبی محض سے ضرور اقوی ہے کہ دیانۃً احتمال صدق مقر رکھتا ہے ولہذا اُسے ایک نوعِ قرابت گنتے ہیں۔ سید علی السراجیہ ومجمع الانہر و درمختار و فتح المعین وغیرہا میں ہے:

وانما اخر ذٰلك عن المقر لہ بناء علی ان لہ نوع قرابت بخلاف الموصی لہ[2]۔ تہائی سے زائد مال کے موصی لہٗ کو مقر لہٗ سے مؤخر اس لئے کیا کہ مقرلہٗ کو ایک قسم کی قرابت حاصل ہے بخلاف موصی لہٗ کے۔(ت)

لاجرم وہ باجماعِ حنفیہ موصی لہٗ بالزائد سے اقوی اور اس پر مرجح و بالا ہے تو رد علی الزوجین پر اس کی تقدم تقدیم وصیت بالزائد کو مستلزم نہیں لیکن کلامِ مذکور مستفتی کسی طرح اُس تاویل کو قبول نہیں کرتا کہ یہ مذہب متقدمین کے موافق ہے یہاں تو خاص مسلک متاخرین ہی بیان فرمایا ہے اس تو قطعاً واضح ہوا کہ متاخرین اگرچہ رد علی الزوجین کے قائل ہوئے مگر جبکہ موصی لہٗ بالزائد بھی نہ ہو ورنہ عدم رد علی الزوجین پر حنفیہ کرام کا اجماع ہے اسانید پیش کردیئے فتوٰی ۳ میں صرف ایک یہی سند مستفتی مصنف و مستفتی ہے۔

فائدہ ۲۷: اقول اگر اس سے بھی تسکین نہ ہو تو حاشیۂ درمختار میں علامہ سید طحطاوی کا ارشاد لیجئے، عبارتِ مذکورۂ درمختار یرد علیہم اجماعا لفساد بیت المال[3] (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے بالاجماع ان پر رَد کیا جائے گا۔ ت) پر فرماتے ہیں:

محل ھذا التعلیل القول بالرد علی الزوجین وبنات المعتق وارحامہ فانہ اذا لم یکن من مراتب المستحقین اس تعلیل کا محل زوجین، معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام پر رد کا قول ہے کیونکہ جب مستحقین کے مراتب میں سے کوئی نہیں رہا سوائے بیت المال

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸۹
[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱
[3] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

الا بیت المال فان ھٰؤلاء یقدمون علیہ لھذہ العلۃ[1] | کے تو یہ مذکورہ لوگ بیت المال پر مقدم ہوں گے۔(ت)

کیسی صریح تصریح ہے کہ اصحابِ فرائض بلکہ تجہیز و تکفین سے بیت المال تک جتنے مراتب بیان کئے گئے ان میں سے بیت المال کے سوا کوئی مرتبہ موجود نہ ہو تو اُس وقت متاخرین کے نزدیک زوجین پر رَد کرتے ہیں موصی لہ بالزائد کا بھی اُن مراتب میں ہونا ایسی بات نہیں جس میں کوئی آنکھوں والا شبہہ کرسکے، تو صاف روشن ہوا کہ موصٰی لہ بالزائد بھی اگر نہ ہوگا تو سب سے اخیر درجے زوجین پر رد کرینگے' اب اتنا باقی رہ گیا کہ کتاب میں صاف نام لے کر لکھا ہوتا کہ شاہ محمد کی وصیت زائدہ عالم خاتون پر رَد سے مقدم ہے ایسا جزئیہ البتہ نہیں مل سکتا نسأل اللہ السلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

تفریعات

(۱۷ تا ۴۷) فتوی ۱، ۲، ۶، ۸ کا موصی لہ بالزائد کے ہوتے زوجہ پر رد کرنا اجماع جمیع ائمہ کا خرق اور محض ایجاد بندہ ہے ما انزل اللہ بھا من سلطٰن[2] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ت) اتنے امر میں یہ چاروں فتوے مشترک ہیں۔

(۵۷ تا ۸۷) موصٰی لہٗ بالزائد کا مرتبہ ہر غیر وارث سے مقدم ہے اور زوجین ما ورائے ربع و نصف میں وارث نہیں کما فی الفائدۃ الرابعۃ عشر (جیسا کہ چودھویں فائدہ میں ہے۔ت) ان چاروں نے عکس کیا۔

(۷۹ تا ۸۲) چاروں نے تصریحات کتب معتمدہ کا صریح خلاف کیا کما فی الفوائد الثلثۃ الاخیرۃ (جیسا کہ آخری تین فوائد میں ہے۔ت)

(۸۳ تا ۸۶) چاروں نے ردعلی الزوجین کو سب وارثوں سے مؤخر اور موصی لہ بالزائد پر مقدم کیا کما فی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترھویں فائدہ میں ہے۔ت) یہ ترتیب نوساختہ متقدمین متاخرین تمام عالم میں کسی کے مسلک پر منطبق نہیں۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۴/۳۹۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/۴۰

(۸۷ تا ۸۹) فتویٰ ا نے اسی ترتیب ایجادی کا حوالہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ پر رکھا، عبارت فائدہ ۷ میں گزری اور توضیح مراد عنقریب آتی ہے یہ اُن تینوں پر افترا ہے اس ترتیب کا نشان نہ درمختار میں ہے نہ ردالمحتار میں نہ وغیرہ میں۔

(۹۰ تا ۹۲) فتویٰ ا کا قول مذکور بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ درمختار و ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ اقول حصہ وصیت سے مراد وصیت باللغۃ ما بلغت ہے یا صرف ثلث مال تک اول علیٰ مراد اور خود اپنے فتویٰ کا راد ہے واقعی ثلث یا نصف یا اس سے بھی زائد جتنی وصیت موصیٰ لہٗ کی ہے وہ ثلث تک ترجیحاً نافذ ہوگی پھر زوجہ اپنا فرض پائے گی پھر باقی وصیت تمام وکمال نافذ کریں گے اس کے بعد بھی اگر کچھ بچے اور کوئی مستحق نہ ہو تو یہ باقیماندہ زوجہ پر رَد کریں گے یہاں کہ شاہ محمد کے لئے وصیت قدر ثلث سے بہت زائد تھی صرف مقدار ثلث پر محدود کرکے دو تہائی زوجہ کو دلا دینا باطل محض ہوا اور برتقدیر ثانی اگر مراد وہ صورت ہے کہ وصیت ہی ثلث سے زائد نہ ہو جب بھی صحیح اور خود اپنے فتویٰ کا رد بلیغ ہے واقعی تہائی سے زیادہ وصیت ہی نہ کی ہو تو جتنی وصیت ہے موصی لہٗ پھر احد الزوجین کا حصہ مقررہ اُس کو دے کر باقی کا جب کوئی مستحق نہیں احد الزوجین پر رد کر دینگے مگر یہاں تو وصیت ثلث سے زائد تھی وہ زوجہ پر کیونکر رَد ہوئی، اور اگر مراد عام ہے کہ اگرچہ وصیت ثلث سے زائد یا جمیع مال کی ہو صرف ثلث وصیت دیں گے باقی سب زوجہ کو پہنچائیں گے ربع فرضاً و باقی رداً اور بے شک یہی مراد مفتی ہے تو یہ قطعاً باطل محض اور درمختار و ردالمحتار اور وغیرہ تینوں پر افترا ہے کسی کتاب معتمد میں ہرگز صاف نہیں لکھا کہ وصیت زائد علی الثلث اور زوجہ ہو تو وصیت صرف ثلث تک نافذ کرکے باقی سب زوجہ کو دیں گے۔

(۹۳ تا ۱۰۱) فتویٰ ۳ و فتویٰ ۶ و فتویٰ ۸ ہر ایک نے تین عبارتیں نقل کیں جو صریح اس کا رَد تھیں اور نادانستہ انھیں اپنی سند بنایا کما فی الفائدۃ الثانیۃ عشر (جیسا کہ بارھویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۰۲، ۱۰۳) فتویٰ ۶، ۸ نے رد علی الزوجین کو مرتبہ رد میں مان کر رد کی چار صورت مجمع علیہا سے جن میں خلاف کی بُو اصلاً کسی کتاب متقدم یا متاخر میں نہیں دو صورتیں صاف کر دیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ عشر (جیسا کہ پندرھویں فائدہ میں ہے۔ ت) فتویٰ ۸ میں تو اس کی تصریح ہے اور فتویٰ ۶ نے قیاس علی العول پر بڑا زور دیا، اور اس سے مرتبہ رَد میں رکھنا صاف لازم

کما فی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین (جیسا کہ تئیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)۔

(۱۰۴، ۱۰۵) فتوٰی ۶، ۸ پر لازم کہ زوج وزوجہ کے ساتھ تمام ذوی الارحام کو ہمیشہ محروم کریں اور یہ اجماعِ حنفیہ کے خلاف ہے کما فی الفائدۃ السادسۃ عشر (جیسا کہ سولھویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۰۶، ۱۰۷) باایں ہمہ فتوٰی ۶، ۸ کا ماننا کہ متوفی کے اقارب سے کوئی بھی موجود ہو تو زوجین پر رد نہ کریں گے صریح تناقض ہے کما فی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترھویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۰۸) فتوٰی ۶ کا برخلاف مذہب وبرخلاف عامہ صحابہ کرام روایت منسوبہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی علیہ وعنہم سے استناد مخدوش ہے کما فی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۰۹، ۱۱۰) فتوٰی ۶ کا برخلاف مذہب قیاس علی العول پر اعتماد محض مردود ائمہ مذہب کے روشن جوابوں سے آنکھیں بند کرکے خود حکم مذہب کو بے وجہ اور اس پر عمل کو روایت ودرایت دونوں کے برخلاف کہنا سخت ودریدہ دہنی وجسارت مطرود۔ کما فی الفائدۃ الثانیۃ والعشرین (جیسا کہ بائیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۱۱) فتوٰی ۶ کا قول کہ اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہوا ترکہ احد الزوجین کو دینگے یہی قول حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افترا کی حد کو پہنچتا ہے امیر المومنین سے اس قید کے ساتھ ہرگز یہ کہیں منقول نہیں۔ کما فی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)۔

(۱۱۲) فتوٰی ۸ کا قول کہ درمختار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد علی الفروض النسبیہ کی دلیل میں بھی فساد بیت المال ہی کو پیش کیا ہے محض نافہمی ہے۔ کما فی الفائدۃ التاسعۃ عشر (جیسا کہ انیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)۔

(۱۱۳) فتوٰی ۸ کا زعم مذکور کہ ذوالفرض النسبیہ پر رد کی علت ہمارے مذہب میں بھی فساد بیت المال ہے محض باطل وخیال محال ہے کما فی الفائدۃ العشرین والثالثۃ والعشرین (جیسا کہ بیسویں اور تئیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۱۴، ۱۱۵) فتوٰی ۸ کا قول کہ درمختار کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کے رد ہی

درجہ میں ردعلی الزوجین کے قائل ہیں جہل بعید بھی ہے اور ظلم شدید بھی۔ کما فی الفائدۃ الرابعۃ والعشرین (جیسا کہ چوبیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)۔

(۱۱۶) فتوٰی ۸ کا قول مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو ردعلی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں اور میرے خیال میں یہ کسی کا مذہب نہیں اپنی سخت ناواقفی کا اظہار اور کمال نادانی کا اقرار ہے جو اس کے خیال میں کسی کا مذہب نہیں قطعًا وہی مسلک متاخرین ہے اور جو اس کے خیال میں مختار متاخرین ہے قطعًا کسی حنفی کا مسلک نہیں کما ظھر وزھر اظھر وازھر من الشمس والقمر (جیسا کہ ظاہر و روشن ہوا اور سورج و چاند سے بڑھ کر ظاہر اور روشن ہوا ہے۔ ت)۔

(۱۱۷ تا ۱۲۱) فتوٰی ۳ نے جو پانچ عباراتِ درمختار و ردالمحتار پیش کیں سب بے محل و ناکافی تھیں کما فی الفائدۃ السادسۃ والعشرین (جیسا کہ چھبیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)

(۱۲۲) فتوٰی ۳ کی عبارت اخیرہ سے استنباط ہرگز صحیح نہیں کما فیھا۔

(۱۲۳) فتوٰی ۳ کا قول سیدنا امیر المومنین ذی النورین کی حدیث اور ان سے بیان وجہ ردعلی الزوجین کا اگرچہ درمختار میں اُس کا ماعلیہ اور شامی میں جواب مبین ہے تاہم قطع النظر ان دونوں امروں کے ہم کو بالراس والعین منظور ہے مگر ردعلی الزوجین کا موقع ملحوظ نہ کرنا اور موصی لہ بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلافِ عقل ونقل ہے جب اسے مذہبِ امیر المومنین مان لیا اور اسے اور عول پر قیاس کو بالراس والعین منظور کرلیا تو اب ردعلی الزوجین آپ ہی مرتبہ رد میں آگیا اور اُسے مان کر اُسے موصی لہ بالزائد سے مؤخر ٹھہرانا ہی خلافِ عقل ونقل ہے کما فی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین (جیسا کہ تیئیسویں فائدہ میں ہے۔ ت)۔

(۱۲۴) فتوٰی ۳ کا قول ہمارے فقہائے نے ردعلی الزوجین کی علت مراد آیہ بیان فرمائی ہے لفساد بیت المال وہ قول اور قیاس عول تسلیم کرکے اس کے جواب میں یہ تعلیل پیش کرنا خلط مبحث و جمع بین الضدین ہے کما فیھا۔

تنبیہ: اگرچہ فتوٰی ۳ نے بھی جابجا موصی لہ بجمیع المال سے بحث کی اور اسی کا نام لیا جس سے ظاہر کہ شاہ محمد کا موصی لہ بالجمیع ہونا اُسے بھی مسلّم حالانکہ اس کا ثبوت نہیں کما تقدم (جیسے کہ پیچھے گزرا۔ ت) مگر ازانجا کہ فتوٰی ۳ مقدمہ دائرہ کا بیان احکام نہیں

40/40

کرتا وہ صرف ایک بحث تقدیم و تاخیر رد علی الزوجین پر تقریر ہے جس پر شاہ محمد کے موصی لہ بجمیع یا بالزائد دون الکل ہونے سے کچھ اثر نہیں پڑتا اور ممکن کہ وہ اس نے مشاکلۃً للخصوم لکھا ہو لہذا یہ اس کے اغلاط میں معدود نہ ہوا۔

الحمدُ للہ تحقیق اپنے ذروہ علیا کو پہنچی اور تمام مسائل متعلقہ کا انکشاف منتہی کو۔ اب بتوفیقہ تعالٰی جوابِ سوالات کی طرف توجہ کریں اور صرف بیانِ حکم پر قناعت اکثر حکم کی دلیل وسند افادات میں واضح ہوچکی، وللہ الحمد۔

جوابِ استفتائے چیف کورٹ بہاولپور

(ا) اجنبی کے نام وصیت ثلث متروکہ بعد ادائے دین تک مطلقاً نافذ ہے اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں اور زائد علی الثلث میں بے اجازت ورثہ نافذ نہیں اگر وارث احد الزوجین کے سوا ہو اور اگر صرف احد الزوجین وارث ہو تو ثلث تک وصیت اجنبی تقدیماً نافذ ہوگی پھر باقی کا ربع یا نصف زوجہ یا زوج کو دے کر مابقی میں بقیہ وصیت اجنبی نافذ کریں گے اگرچہ زوجہ یا زوج اجازت نہ دے، رہی وصیت وارث وہ بے اجازت ورثہ مطلقاً نافذ نہیں اور اگر تنہا وہی وارث ہو تو اس کے لئے وصیت صحیح ہے، پھر اگر اس کے ساتھ کسی اجنبی کے لئے وصیت بھی نہیں تو وارث اگر غیر زوج و زوجہ ہے تو کل مال بحکم میراث لے لے گا اُسے وصیت کی حاجت نہیں، اور اگر زوج یا زوجہ ہے تو پہلے اپنا فرض لے کر باقی میں اس کی وصیت عمل کرے گی اب بھی کچھ بچا تو اسی کو بحکم رد ملے گا۔ اور اگر کسی اجنبی کے لئے بھی وصیت ہے تو اگر اس نے وصیت وارث کو قبول کرلیا حق تقدم کہ وصیت اجنبی کو ملتا ساقط ہوگیا ورنہ اجنبی کی وصیت ثلث مال تک اول نافذ کرکے باقی سے وارث کو میراث دیں گے اگر وہ وارث غیر احد الزوجین ہے کل باقی ارثاً لے لے گا اور خود اس کے لئے جو وصیت تھی نفاذ کا محل نہ پائے گی، اور اگر احد الزوجین ہے تو اس باقی سے اس کا فرض ربع یا نصف دے کر اُس کے بعد جو بچے اس میں اس کی وصیت، اور اگر اجنبی کی وصیت ہنوز ناتمام رہی تھی تو اس کے ساتھ بھی دونوں حسبِ حصص نافذ ہوں گی ان سے کچھ نہ بچا تو ظاہر ورنہ جو باقی رہا احد الزوجین کو بحکم رد دے دیں گے۔

(ب) اس کا جواب سوال اول میں آگیا۔

(ج) اس کے بھی فقرہ اول کا جواب ہوگیا اور دوم کا جواب کہ بعد ادائے دین جس قدر

بھی باقی بچے خواہ اس کی وصیت اجنبی کے لئے کی یا نہ کی اس سب کا ثلث نفاذ وصیت اجنبی میں لحاظ کیا جائے گا وصیت نافذ انھیں اشیاء میں ہوگی جن کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کے ماورا اور کسی شئی سے کچھ نہ پائے گا ہاں وصیت حصہ شائعہ مثل ربع مال وغیرہ کی ہے تو جملہ متروکہ بعد ادائے دَین میں بقدر وصیت حصہ دار ہوگا۔

(د) وصیت اجنبی بمازاد علی الثلث رد علی الزوجین پر شرعًا باجماع ائمہ حنفیہ مقدم ہے اقوال اقتباس شدہ میں جو خلل و زلل ہیں اوپر واضح ہو چکے۔

(ھ) اس کا مفصل جواب شافی و وافی افادۂ ثانیہ عشرہ میں گزرا اور نصوص صریح سے ثابت کر دیا کہ متاخرین کے نزدیک بھی رد علی الزوجین کا مرتبہ وصیت زائدہ سے دو درجے مؤخر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب استفتائے نجی جنا نپور

(۱) ہاں یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جواز وصیت پر کوئی اثر خلاف نہیں پڑتا۔

(۲) اگر ثابت ہو کہ مدعیہ بعد وفات شوہر وصیت شاہ محمد قبول کر چکی تھی جیسا کہ شاہ محمد کا دعوٰی ہے تو اب اعتراض مدعیہ محض نامسموع اور شاہ محمد کے لئے وصیت اپنی اخیر حد تک جائز و نافذ ورنہ اعتراض کا اتنا اثر ہوگا کہ ثلث کل مال بعد ادائے الدین کی حد تک صرف مکانات و اثاث البیت میں وصیت شاہ محمد نافذ کر کے باقی کل مال مکان و اسباب وغیرہ سب کا ربع زوجہ کو دیں گے پھر صرف باقی مکانات و اثاث البیت شاہ محمد کو بحکم وصیت ملیں گے باقی جو کچھ بچا سب زوجہ کا ہوگا وصیۃً خواہ ردًا۔

(۳) اُن زیوروں سے مدعا علیہ کو کسی حال کوئی ذرہ نہیں مل سکتا وہ تمام و کمال عالم خاتون کے ہیں انھیں چھوڑ کر باقی تمام مال کے لحاظ سے جواب نمبر ۲ کا حکم جاری کریں گے مگر مکانات و اثاث البیت کے سوا کوئی اور زیور متروکہ بھی شاہ محمد کے پاس ہے جیسا کہ دعوٰی زوجہ ہے تو اس میں سے شاہ محمد کو حصہ نہ دیں گے اس کا حصہ صرف مکانات و اثاث البیت میں ہوگا۔

(۴) اخراجات تجہیز و تکفین کا بار ترکۂ خواہ عالم خاتون کے حصے پر ہونے کا یہاں کچھ ثبوت نہیں بلکہ صورت روداد سے ظاہر کہ وہ صرف ایک تبرع تھا کہ شاہ محمد نے اپنے محسن کے ساتھ اس کی درخواست پر کیا۔

(۵) ہاں وہ وصیت شرعاً جائز و مؤثر ہے اور اُسے ایک حصہ مکان بحکم جواب نمبر دوم وراثۃً ملنا اس کے نفاذ کا کچھ مانع نہیں۔ پس اگر مدعیہ اعتراض سے پہلے وصیت مدعا علیہ کو قبول کرچکی تھی تو جملہ مکانات و اثاث البیت کا مالک شاہ محمد خاں ہے اور دو ثلث مکانات میں حق آسائش عالم خاتون کو تا وقتیکہ وُہ نکاح ثانی نہ کرے اور اگر مدعیہ نے اس کی وصیت کو نہ مانا تھا تو ثلث کل مال کے حد تک مکانات و اثاث البیت کا حصہ شاہ محمد کو ایک ربع عالم خاتون کو ملے گا ان دونوں حصص کے بعد جو حصہ مکانات بچا اس میں وقت مذکور تک عالم خاتون کو حقِ سکونت بحکم وصیت ہوگا۔

(۶) ہاں ظروف میں بھی وصیت استعمال زوجہ کے لئے جائز ہوئی اگرچہ بروئے جواب نمبر ۲ کچھ حصہ ظروف کی وہ مالک مستقل ہو جائے اور حق متوفی میں رہنے کی شرط اس وصیت میں نہ تھی یہ وصیت تا حیات زوجہ نافذ رہے گی اگرچہ وہ نکاح ثانی کرے اور اُس کا نفاذ اُسی طور پر ہوگا کہ بحال قبول وصیت دو ثلث کل ظروف ورنہ بعد اخراج وصیت تا حد ثلث مال و اخراج حصہ ربع باقی میں نافذ ہوگی اور بہرحال خاص موقع محفل امامین شہیدین کہ جس قدر ظروف کہ شاہ محمد کو ضرورت ہو اُتنے اس وقت خاص میں اس وصیت زوجہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(۷) جو حصہ جس مال میں جس کا ہے اُس کے عین سے اُس کو دیا جائے گا قیمت لینا دینا صرف رضامندی ہر دو فریق پر منحصر ہے اس میں حاکم کو کسی چیز کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حکم اخیر

(۱) سماعت کہ وُہ زیور تمام و کمال عالم خاتون کے ہیں شاہ محمد خاں کا اس میں کچھ حق نہیں اور از آنجا کہ وہ اُن میں ملک عالم خاتون تسلیم کرکے عالم خاتون کو تسلیم کرچکا اب وہ نفاذ وصیت شاہ محمد خاں کے لئے ثلث مال میں محسوب بھی نہ ہوں گے۔

(۲) وہی زیور حسبِ اقرار زوجہ مہر زوجہ میں ہیں اس سے زائد کسی تفتیش کی حاکم کو حاجت نہ بلا دعوٰی قضا کی اجازت۔

(۳) خرچ تجہیز و تکفین شاہ محمد خاں نے تبرعاً کیا لہذا ترکہ اس بارے بھی بری ہوا اب نہ رہی مگر عالم خاتون کے میراث اور مکانات اثاث البیت میں مدعی و مدعا علیہ دونوں کی وصیت مدعیہ کا دعوٰی کہ شاہ محمد کے پاس ترکہ کے اور زیور بھی ہیں شاہ محمد کا دعوٰی کہ مدعیہ بعد وفاتِ شوہر اُس کی وصیت کو قبول کرچکی ہے، اب چار صورتیں ہیں:

اوّل : دونوں دعوے ثابت ہوں مثلاً شاہ محمد نے اور زیوروں کا اقرار کرلیا یا عالم خاتون نے اُسے گواہوں سے ثابت کردیا یا شاہ محمد پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کرگیا یونہی عالم خاتون نے قبول وصیت بعد وفات شوہر کا اقرار کرلیا یا شاہ محمد نے اُسے گواہوں سے ثابت کردیا یا عالم خاتون پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کرگئی۔

دوم : دونوں بے ثبوت رہیں۔

سوم : عالم خاتون کا دعوٰی ثابت ہو اور شاہ محمد خاں کا پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے۔

چہارم : اس کا عکس۔

صورتِ اُولٰی میں جملہ مکانات و اثاث البیت کا مالک شاہ محمد خاں ہے اور ان کے دو ثلث سے انتفاع کا حق عالم خاتون کو ہے مکانات سے تا نکاح ثانی اور اثاث البیت سے مطلقاً اگرچہ نکاح ثانی کرلے صرف ظروف بقدر ضرورت محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما اُس وقت خاص میں مستثنٰی ہیں بہرحال اثاث البیت سے کوئی چیز مطلقاً جب تک عالم خاتون زندہ ہے اور دو ثلث مکانات سے جب تک وہ نکاح نہیں کرتی شاہ محمد خاں بیع نہیں کرسکتا، رہا وہ دوسرا زیور کہ شاہ محمد کے پاس ہے اس کی تنہا مالک عالم خاتون ہے ربع فرضاً باقی رداً۔

صورت ثانیہ میں مکانات و اثاث البیت کا ایک سدس عالم خاتون کا اور پانچ سدس شاہ محمد خاں کے ہیں اور نصف مکانات و اثاث البیت سے حسب تفصیل مذکور صورت اولٰی عالم خاتون کو حق انتفاع ہے اور اُسی تفصیل سے اس نصف کے بیع کا شاہ محمد خاں کو اختیار نہیں۔

صورتِ ثالثہ میں مکانات و اثاث البیت اور وہ زیور دوم سب کی قیمت لگا کر اُس کے ثلث کے حد تک شاہ محمد کو مکانات و اثاث البیت سے دیا جائے باقی مکانات و اثاث البیت اور کل زیور دوم ان سب کا ربع عالم خاتون وراثۃً پائے اس کے بعد مکانات و اثاث البیت میں حصہ رہا اس کے رقبہ کا مالک شاہ محمد خاں اور بتفصیل سابق اس کی منفعت کی مالک عالم خاتون اور تین ربع باقیماندہ زیور دوم عالم خاتون کو بحکم رد۔

صورت رابعہ کا حکم مثل صورت اولٰی ہے سوائے حکم زیور دوم کہ وہ اس صورت میں موجود نہیں۔

تنبیہ : ظاہر مراد یہ کہ متوفی کے ذمہ اور کوئی دَین نہیں اسی بنا پر یہ تمام تفاصیل ہیں اور اگر اور بھی دَین ہو تو اب یہ تحقیق بھی لازم ہوگی کہ وہ پہلے زیور کہ سماعۃً کا بتایا گیا عالم خاتون کے

مقدار حصہ سے زائد ہے یا نہیں اس تقدیر پر تقسیم میں بہت تبدیل راہ پائے گا اگر یہ صورت ظاہر ہو تو اس دَین کی تعداد اور مہر مثل کی مقدار اس کے متعلق تمام امور کی تحقیق کے بعد صورت موجودہ بتا کر سوال کرنا چاہیے۔

وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار و مالک محمد مصطفٰے اور آپ کے تمام آل واصحاب پر درود، سلام اور برکت نازل فرمائے، آمین۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۹ از شہر علیگڑھ محلہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی

۴ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

ہندہ کے نہ ماں باپ بھائی بہن نہ اور کوئی رشتہ دار ہے جو سوائے زید کے وارث ہو، ہندہ کے پاس ذاتی اُس کا اسباب پندرہ بیس روپیہ کا تھا اور دو تین سو روپیہ کا اسباب زید کا دیا ہوا ہے جو زید کے پاس ہے، زید سے ہندہ نے اپنے مال کی بابت کچھ نہ کہا زید نے ہندہ سے کہا کہ تم منت مانو کہ اچھے ہونے پر میں کنواں بنواؤں گی اگر تم مرجاؤ گی تو میں کنواں اور مرمت مسجد کرادوں گا تمھارے مال میں سے ایک حبہ نہ لوں گا میں جو دے چکا وہ تمھارا ہے میں وہ ان شاء اللہ خیرات کردوں گا بلکہ اپنے پاس سے اور جو مجھ کو میسر ہوگا لگا دوں گا، ہندہ نے اور شخصوں سے کہا کاش میں مرجاؤں تو میرا کل مال بیچ کر مسجد یا کنواں بنا دینا کہ مجھ کو ہمیشہ ثواب ملتا رہے، زید سے اس وجہ سے نہ کہا کہ زید خود کہا کرتا تھا کہ میں تمھارا مال خیرات کردوں گا، پس اس صورت میں زید وہ مال بیچ کر کنواں اور یا مرمت مسجد کرا سکتا ہے یا نہیں کیونکہ سوائے زید کے اس کا کوئی وارث نہیں ہے، کنواں بنوا دینے کا زیادہ ثواب ہے یا مرمت مسجد کا؟ مُردہ کو کس سے زیادہ ثواب ملے گا؟ اور کس سے اُسے زیادہ نفع ہوگا؟ کیا حکم شریعت ہے؟

الجواب

جو مال ہندہ کا تھا وہ تو تھا ہی جو زید نے بنوا کر دیا اس کی بھی ہندہ مالک ہوگئی، بعد وفاتِ ہندہ اس کے نصف کا زید وراثۃً مالک ہوا اگر اس کی وصیت کو قائم رکھتا ہے اور یہی

اُسے چاہئے کہ وہ وعدہ کرچکا ہے وعدہ خلافی نہ چاہئے جب تو وہ کل مال حسب وصیت صرف کر دے ورنہ نصف صرف کرنا ضرور ہوگا مسجد کی اصل عمارت اگر اپنی بقا کے لئے محتاج مرمت ہے تو وہ ہی کنویں سے افضل ہے اور اگر مرمت گچکاری اور سفیدی سے مراد ہے تو کنواں اس سے افضل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰ از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلہ سپاہی گران مرسلہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب
۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

یہ وصیت نامہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ اگر قابل عمل نہیں ہے تو یہ لوگ جن کو فیصلہ کرنے کے واسطے کرگیا ہے کیا کرنا چاہئے اگر اس وصیت نامہ پر عمل نہ کرا دیں تو مقدمہ کورٹ کو جائیگا اگر حقدار کمی بیشی پر باہم راضی ہوجائیں تو عمل کرایا جائے موصی کو مرے ہوئے چھ سات برس کا عرصہ ہوگیا اس درمیان میں خورد و نوش اور ایک لڑکی کی شادی اُسی مال سے ہوئی ____________

اس کی کیا صورت ہے اور وہ لڑکی بالغہ ہے شریعت کے مطابق تقسیم پر حصہ زوجہ کو کم ملتا ہے اور وصیت کے مطابق ٹھیک ملتا ہے وہ وصیت پر راضی ہے اس صورت میں اس کو زیادہ دے کر باقی حصہ سب شریعت کے مطابق ہوں تو یہ جائز ہے جن کو موصی وصیت کرگیا اور حکم مقرر کرگیا ہے عدم جواز کی صورت میں اُن کو کیا کرنا چاہئے، کنارہ کشی یا حکم کرنا؟ علاتی بھائی کے مال سے حصہ ترکہ مثل حقیقی کے ہے یا کم و بیش؟

الجواب

ملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہر کہ حاجی محمد نور محمد نے اپنی زوجہ آئی حور اور دو دختر آمنہ و حلیمہ اور برادر زادے چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے مال میں ایک طویل وصیت کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار چار ہزار چار چار سو روپے دونوں دختروں کو دیئے جائیں فرزند عائشہ کے نام جو رقم کمپنی میں جمع ہے اُس کی لڑکی حلیمہ کو دی جائے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ زوجہ کو دی جائے جب اس کا انتقال ہوجائے اُس کے بعد ہزار ہزار روپے لڑکیوں کو اور دیئے جائیں اور بقیہ ملکیت بھتیجوں پر برابر تقسیم کردی جائے اور میری رُوح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے ہزار روپیہ مدرسہ کو دیا جائے بعد انتقال زوجہ یہ تین ہزار وضع کرکے باقی کل بھتیجوں کو دینے کے لئے مختاروں کو حکم کرتا ہوں چھ شخصوں بلکہ سات یعنی زوجہ کو بھی اپنا وصی کیا کہ لکھا کہ مختاروں یعنی اوصیائے مذکورین کو آئی حور کی زندگی میں اس کی صلاح کے موافق عمل کرنا چاہئے نیز لکھا میری زوجہ کے مشورہ سے

صرف کریں۔

اب یہاں تین قسم کی وصیتیں ہیں:

اوّل: حلیمہ بنت عائشہ کے نام اس کا حکم یہ ہے کہ عائشہ حاجی محمد کی بیٹی کہ اس کے سامنے انتقال کرگئی جیسا کہ عبارت وصیت نامہ سے مفہوم ہوتا ہے جو رقم کمپنی میں اس کے نام سے جمع ہے اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی تھی جب تو بعد وفات عائشہ حاجی محمد اس میں سے صرف اپنے حصہ پدری کا مالک ہوا اگر عائشہ نے وارث یہی دختر حلیمہ اور باپ چھوڑے تو بعد عائشہ نصف رقم حاجی محمد کی ہوئی اور اگر عائشہ کے اور وارث بھی رہے مثل شوہر وغیرہ تو حساب فرائض سے جو حصہ حاجی محمد کا نکلے بہرحال یہ وصیت کہ حاجی محمد نے حلیمہ بنت عائشہ کے لئے کی وہ صرف اس حصہ پر نافذ ہوگی جو اس روپے میں حاجی محمد کا ہوا اور اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی نہ تھی بلکہ حاجی محمد نے اپنے مال سے اس کے نام جمع کی تھی تو اس میں دو صورتیں ہیں اس وقت اگر عائشہ نابالغہ تھی تو کل رقم عائشہ کی ہوگئی،

فان الجمع باسمها تملیک هذا عرفا وهبة الاب للصغیر تتم بمجرد الایجاب۔

بلاشبہ اس کے نام سے جمع کرنا عرف کے اعتبار سے تملیک ہے، اور نابالغ کے لئے اس کے باپ کا ہبہ فقط ایجاب سے تام ہوجاتا ہے۔ (ت)

یونہی اگر بالغہ تھی اور جمع کرنے سے پہلے حاجی محمد نے عائشہ کو وہ رقم دے کر قبضہ کرا کر اس کے بعد جمع کی جب بھی کل رقم عائشہ کی ہوئی ان صورتوں کا بھی وہی حکم ہوگا جو عائشہ کے ذاتی مال ہونے میں تھا اور اگر عائشہ اس وقت بالغہ تھی اور اسے بے قبضہ دلائے یہ رقم اس کے نام جمع کردی اور تا وفات عائشہ باذنِ پدر اس کے قبضہ میں نہ آئی تو ہبہ باطل ہوگیا،

لان موت احد العاقدین قبل التسلیم یبطلها کما فی الدر[1] وغیرہ۔

کیونکہ سپردگی سے پہلے عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ درّ وغیرہ میں ہے (ت)

اس صورت میں وہ کل رقم مِلک حاجی محمد ہے اور وہ سب حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ہے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دوم: ہزار روپے مدرسہ کے لئے، یہ وصیت اگرچہ اس نے انتقال زوجہ کے بعد رکھی مگر وصیت قابلِ اضافت بزمانۂ آئندہ ہے لانہا لاتکون الا مضافۃ لما بعد الموت (کیونکہ وصیت نہیں ہوتی مگر اس حال میں کہ وہ موت کے بعد کی طرف منسوب ہو۔ ت) درمختار میں ہے:

ماتصح اضافتہ الی الزمان المستقبل الایصاء والوصیۃ[1]	جس کی نسبت آئندہ زمانے کی طرف صحیح ہوتی ہے وہ ایصاء و وصیت ہے۔ (ت)

تو اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہی ہوگا۔ یہ دونوں وصیتیں یعنی جو رقم بنام عائشہ جمع ہے کل یا اس میں سے جو حصہ حاجی محمد ہو اور ہزار روپے مدرسہ کے یہ مجموع اگر حاجی محمد کے ثلث مال سے زائد نہیں تمام وکمال بے اجازت ورثہ نافذ ہوں گے ورنہ تاحدِ ثلث، اور اگر ان کا مجموعہ ثلث مال سے بھی بڑھتا ہو تو ثلث مال حاجی محمد ان دونوں وصیتوں پر حصہ رسد تقسیم ہوگا۔

سوم: باقی وصیتیں دونوں دختروں اور زوجہ کے نام ابتداءً اور بعد موت زوجہ دونوں دختروں اور بھتیجوں کے لئے، یہ سب وصیتیں وارث کے لئے ہیں اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ اصلاً مقبول نہیں۔

کما فی الکتب قاطبۃ وفی الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ[2]	جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا، خبردار وارث کے حق میں وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

پس اگر ورثہ اس وصیت پر راضی نہ ہوں تو ثلث متروکہ میں حلیمہ بنت عائشہ اور مدرسہ کی وصیتیں حسب تفصیل بالا نافذ کرکے جو مقدار حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ٹھہرے اسے دے دیں اور جو حصہ مدرسہ کا ثابت ہو یعنی مجموع ہر دو وصیت مدرسہ و حلیمہ بنت عائشہ ثلث مال سے زائد نہ ہونے کی حالت میں پورے ہزار روپے ورنہ بحساب حصہ رسد جتنا روپیہ مدرسہ کا ٹھہرے اس کے لئے محفوظ رکھیں کہ اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہوگا بقیہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا ۲/ ۴۰ و جامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/ ۳۳
سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص ۱۹۹ و سنن النسائی کتاب الوصایا ۲/ ۱۲۹

[3] سنن الدار قطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

سب حسب فرائض تقسیم کردیں یوں کہ اس میں آٹھواں حصہ زوجہ کا اور دو ثلث آمنہ و حلیمہ بنت موصی کے باقی بھتیجوں کا۔ اگر اس پر نا راضی ہو تو مختاروں کو خلاف حکم شرع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ مقدمہ کورٹ کو جائے خواہ کچھ ہو، بحال عدم اجازت دیگر ورثہ مختاروں کو یہ بھی جائز نہیں کہ زوجہ کو اس کے حق شرعی سے زیادہ دیا تو باقیوں پر مطابق شرعی تقسیم کریں بلکہ جب ایک وارث کو اس کے حق شرعی سے زائد دے کر باقی حصّے مطابق شرعی تقسیم کب ہُوئی کہ شریعت سے اُن کا زائد تھا اور دیا کم۔ مختاران مذکورین وصی ہیں حکم نہیں نہ بے رضائے فریقین کوئی حکم بن سکتا ہے اگرچہ موصی اُسے حکم بنا تا کہ موصی کو نزاع ورثہ فیصل کرنے کے لئے کسی کو حکم بنانے کا اختیار نہیں۔

اذلیس لہ علیھم ولایۃ الحکم لاسیما بعد الموت فکیف یولی علیھم غیرہ للحکم۔

کیونکہ موصی کو تو ان پر حکم کی ولایت حاصل نہیں خصوصًا موت کے بعد، تو وہ کسی دوسرے کو ان پر حکم کا ولی کیسے بنا سکتا ہے۔ (ت)

لہذا اگر ورثہ راضی نہ ہوں مختاروں کو کنارہ کشی لازم ہے اپنی طرف سے کچھ حکم نہیں کرسکتے ہاں ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور آپس میں جیسی کمی بیشی پر چاہیں راضی ہوجائیں تو وہ اس کا اختیار رکھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرایا جائے لان الحق لھم ولا حجر علیھم من الشرع (کیونکہ حق ان کا ہے اور اُن پر شرع کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔ ت)

مسئلہ ۱۶۱: از شہر بریلی مرسلہ اہلیہ کلاں حکیم اکرام الدین صاحب مرحوم معرفت عبداللہ ملازم محلہ کٹرہ بروز شنبہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

حضرت مولوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی بعد سلام مسنون کے یہ عرض ہے کہ جناب والا سے مجھے ایک سوال کا جواب حاصل کرنا مقصود ہے یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی ضرورت کے پُورا کرنے کو بطریق قرض کچھ زیور دیا اور یہ کہا کہ یہ زیور رہن کرکے اپنا کام انجام دے لو بعد کو واگزاشت کراکے دے دینا کچھ عرصہ کے بعد یعنی واگزاشت زیور سے قبل دائن یعنی مالک زیور کا انتقال ہوگیا مدیون کو ایک ثالث شخص کی زبانی یہ دریافت ہوا ہے کہ دائن نے قبل انتقال کے یہ وصیت کی ہے کہ اگر میرا انتقال ہوجائے تو زیور واگزاشت کرنے کے بعد یہ زیور مجھ دائن کے بیٹے کو نہ دیا جائے بلکہ میرے پوتے کو دیا جائے۔ اطلاعًا یہ بھی عرض ہے کہ دائن کی وصیت بیان کرنے والے ایک معمولی شخص ہیں کچھ مقدس یا ابرار برگزیدہ شخص نہیں پھر بھی ممکن ہے کہ دائن نے بعالم بدحواسی وہ وصیت کردی ہو مریض کے مرض کی شدت میں یا مرنے سے کچھ وقت پہلے

حواس درست نہیں رہتے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے، یہ بھی اطلاع کرنے کی ضرورت ہے کہ دائن کا پسر جو ہے وہ شراب خوار نہیں ہے قمار باز نہیں ہے کسی طرح کی بدچلنی یا آوارگی کی بھی بالکل شہرت نہیں ہے بجائے اس کے بہت غریب اور تنگدست آدمی ہے، مرحوم کا پوتا جو ہے وہ بعمر پانزدہ سالہ ہے اور سعادت مند نیک چلن نہیں ہے اس کی آوارگی سے یہ ضرور اندیشہ ہے کہ اگر یہ زیور دائن کے پوتے کو دیا جائے گا تو ضرور ضائع کردے گا، زیور قیمتی کم و بیش پانچسو روپے کا ہے، اس ہفتہ میں یور واگزاشت ہوگیا ہے اب یہ زیور دائن کے پسر کو دینا چاہئے یا کہ پوتے کو، جواب مناسب مع دستخط و مہر مرحمت فرمایا جائے، فقط۔

الجواب

جس نے زیور عاریت لیا تھا اُسے چاہئے مالکِ زیور کے سب وارثوں کو جمع کرکے اُن کے سپرد کردے، اور اگر صرف ایک بیٹا ہی اس کا وارث ہے تو اُسی کو دے دے وہ وصیت اس شخص سے تعلق نہیں رکھتی، نہ یہ اُسے بطور خود نافذ کرنے کا کچھ اختیار رکھتا ہے خصوصًا اس حالت میں کہ وُہ ابھی پایۂ ثبوت کو بھی نہ پہنچی، ایک شخص اور وہ بھی ثقہ نہیں وہ وصیت اگر مالک نے واقع میں کی ہے تو جیسے کی ہے تو ایسا کرنا وہ وصی ہوا اس کے ذمہ اس کی فکر ہے ورثہ اگر صرف اس بیان پر وصیت تسلیم کرلیں اور سب عاقل بالغ ہوں ثلث مال میں نافذ کریں اور اگر نہ مانیں تو اسے گواہانِ شرعی سے ثبوت دینا ہوگا بے ثبوت نافذ نہ کی جائیگی یہ وصیت اگر خود ہی عاریۃً لینے والے کو کی ہے تو اس کے لئے یہی حکم ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۲: از ضلع نینی تال موضع درو اشفاق حسین خاں روز شنبہ بتاریخ ۲ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ مورث عثمان خاں مرحوم نے ایک رقم بخیال مصرف خیر ایک عزیز امین صاحب کے امانت رکھدی تھی جس کو بارہ برس گزر گئے ہنوز آدھی رقم موجود ہے اُسی زمانہ میں عثمان خاں مرحوم کے مرنے کے بعد ہی ایک لڑکے اور دو بیٹی مرنے سے کام خراب ہوگیا اب ایک نور چشمی اندھی اور دو پوتی اور ایک بہو زندہ موجود ہیں پردہ نشین اندھی لاوارث بیٹی و بہو خواہش ظاہر کرتی ہیں کہ ہمارے باپ کی خیراتی رقم امانت شدہ سے ہمارے اور ہمارے دوسرے بچوں نابالغ کے خیرات میں ہے مزورشع معلوم ہوجائے تو دوسروں کی خیرات

ع اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

اور در ور کی امداد سے بچیں، اب امین صاحب چراغ سحری صد سالہ نے بوجہ پیری و پیرانہ سالی اپنے جملہ کار اپنے سعادت مند برخوردار کے تفویض فرما کر امید کرلی ہے کہ مثل امین صاحب کے نیک کاموں مصرف خیر کی رقم ضروریات تعمیر مسجدوں و بیاہ شادیوں میں محتاجوں کو حسب ضرورت آئندہ تقسیم کردی جائیگی لہذا اس رقم مصارف خیر سے مورث اعلیٰ کی بیٹی پردہ نشین اپنی اور اپنی بھتیجیوں کی تعلیم و خورو نوش کے واسطے بمد خیرات خیرات مانگتی ہیں امین صاحب اس معاملہ رقم مصرف خیر کو علماء کی رائے پر چھوڑتے ہیں پس بمقابلہ امانت دائمی و رفتہ رفتہ مستحسن طریقہ پر خرچ و صرف ہونے کے برخلاف ان بچوں کے تربیت و تعلیم قرآن حقیقی اندھی لاوارث بیٹی نمازی پردہ نشین کی صرف طعام و بیوہ بھو باعصمت کی خورش و صرف بطریقہ خیرات میں رقم خرچ و واپس دے دینے سے امین صاحب مخدوم مواخذہ گیر خدا و رسول کے نہیں ہوسکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عثمان خاں نے اگر وہ رقم امین صاحب کے پاس خیرات کرنے کے لئے امانت رکھی اور اس کے ساتھ کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا کہ بعد میرے جو مال بچے وہ بھی یونہی خیرات ہو یا ہوا کرے جب تو عثمان خاں کے مرتے ہی وہ مد باطل ہوگئی اور باقیماندہ جس قدر رقم تھی وارثان عثمان خاں کی ملک ہوگئی اب امین کو جائز نہیں کہ کوئی پیسہ بے اُن کی اجازت صحیحہ کے خیرات کرے اور لازم ہے کہ باقی تمام رقم وارثان عثمان کو واپس دے اور اگر الفاظ وصیت تھے تو اُن لفظوں کی تفصیل اور یہ کہ باقیماندہ رقم املاک عثمان خاں بعد ادائے دَین کے قدر ثلث سے زائد ہے یا نہیں، زائد ہے تو کس قدر، اور بعد عثمان خاں امین نے اُس میں سے کچھ خرچ کیا یا نہیں، کیا تو کس قدر، اور باجازت یا بلا اجازت۔ ان سب باتوں کی تفصیل اور یہ بھی کہ عثمان خاں پر کوئی دَین تھا یا نہیں، اور تھا تو کس قدر۔ ان سب باتوں کی تفصیل معلوم ہونے پر جواب دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۳ از نینی تال موضع وڈاکخانہ کچھا یکشنبہ ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اٹھارہ سو روپیہ عمر کے پاس جمع کر کے اپنے حقیقی بھتیجے اور حقیقی داماد سے کہا کہ جس وقت دو ہزار روپیہ ہو جائیں گے تو اس وقت رقم مذکورہ سے کوئی جائداد خرید کر کے وقف کردوں گا اس پر برادر زادہ نے بخیال دُور اندیشی سے کہا کہ اس رقم موجودہ سے آج ہی کسی مدرسہ اسلامیہ کی امداد فرمائیے تاکہ آپ کے رُوبرو یہ رقم خرچ ہو جائے، تب زید نے جواب دیا کہ رقم ہنوز پوری نہیں ہے، پھر زید نے بیٹے سے کہا کہ چھوٹا لڑکا میرا جو

اس وقت خواندگی میں ہے بشرط نیک چلنی وسعادتمندی کے رقم مذکور کو اُس کے سپرد کردوں گا تاکہ بعد موت میری کے فی سبیل اللہ آمدنی اُس روپیہ کی خرچ کرتا رہے اور اصل روپیہ قائم رکھے درصورت بدچلنی کے جائداد خرید کر کے خانہ کعبہ کے نام کردوں گا۔ ہنوز مشروط مختلف خیالات اور تنہا کی ہوئی وصیت اور تعداد رقم دو ہزار روپے پورے نہ کرسکے تھے کہ زید صاحب کا انتقال ہوگیا اور تعدادی انیس سو چھپیں روپے کی رقم کارِ خیر کے سوا دوسرے جائداد ملک تو سو روپے کے خرید شدہ ذاتی اور متروکہ خوشدامن زید وسالی لاولد وزوجۂ منکوحۂ خود قیمتی صہ سو روپیہ کے مالک بن کر اپنی حیات میں ثباتِ عقل کے ساتھ مبلغ پندرہ سو روپیہ کے کل جائداد ملک سنہ برخورداران بالغ ونابالغ کے نام بسبب بخل وبیم حق رسی مرد ونورچشمان شادی شدہ کے تحریری رجسٹری کرادی تحریر شدہ جائداد اور رجسٹری کے ڈھائی تین انداز اً زیادہ سے زیادہ چار سال کے بعد سب سے بڑا لڑکا میرا اُس کے شرعی حصہ سے جو متروکہ تھا پھر دوبارہ ہمشیریں کو جبریہ محروم رکھا گیا، اب زید کی حقیقی بیٹی نابینا نمازی عمر پچپن سالہ اور سالی کا لڑکا عمر پینتالیس برس اور لڑکی سالی کی عمر پچاس برس بحلف نائب رسول اللہ کے سامنے شہادت دینے کو تیار ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ چشم دید گفتگو وزوجہ ہندہ زمانہ علالت ونیز علالت سے قبل بصورت رضامندی وبصورت مناقشہ ماں باپ زندہ ومردہ عورت یگانہ وغیرہ وعزیز سے روبرو مرے یا مرے باپ کے سامنے یا ہمارے یا ہمارے خالو پھوپا کے بالمشافہ لینے زید کے روبرو ہمیشہ ہمیشہ یہ دریافت ہوتا رہے کہ رقم عدم معافی قرض دی مہر کے جو تعدادی پانچہزار روپیہ پچاس اشرفی محمد شاہی بتلاتے ہیں دوسرا قرضہ زر نقد کسی دوسرے شخص کا زید پر نہ تھا جن کے بالعوض زید نے اپنی زندگی میں بامید دائمی چراغ روشن خیالی سے انفیاط حقوق نورچشمان کرکے صرف مرد فرزندوں کو کل اپنی جائداد ملک معافی پر مشتمل ذات خود مالک اصلی بنادیا تھا اور خود سرپرست اور ولی بن کر آمدنی ملک فرزندان اپنے قبضہ میں اور آمدنی پیشہ ملازمت سے مبلغ دو ہزار روپے کی رقم پوری نہ کرسکتے تھے کہ فوت ہوگئے حضور کے فتوٰی کے جواب میں پرسش دین کے جواب میں حلفاً دریافت حال کرکے واقعات اصلی لکھے گئے لیکن زید صاحب نے اپنی زندگی یا بیماری میں کوئی خاص مجمع جمع کرکے یا کسی بالغ بیٹا بیٹی کے مشورہ سے یا دیگر شہادت معتبر ورثاء یا عزیز ورثاء کی موجودگی میں حالات مذکورہ وتذکرۂ وصیت میں اپنی اصلی اصل رائے ظاہر مصرف خیر نہیں کی ہاں صرف عمر صاحب سے زید نے چند مزید روپے کے جمع کرنے کے ہنگامہ[ع] تذکرہ کردیا تھا کہ اس مال جمع کو کارِ خیر میں خرچ کردینا عمر صاحب نے

ع اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہٗ

اس زید کے قول کو بطور وصیت تصور کرکے دو ثلث روپیہ وارثان زید کو اور ایک ثلث روپیہ سے کچھ روپے حصہ بلا اجازت وارثان مذکور دو ایک کام میں مثل جدید مسجد بنانے میں اور ستید صاحب کی لڑکی کے مصارف جہیز میں اور چاہ بنانے میں خرچ کردیا، اب یہ فعل عمر صاحب کا جائز ہے یا نہیں، اور وصیت اس قسم کی درست ہے یا نہیں، لبقیہ روپیہ ثلث کا بعد عرصہ بارہ برس کے بھی نیتی نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بچا ہُوا اب قریب تین سو چھبیس روپیہ کے عمر صاحب کے پاس موجود ہے اس روپے کو پانے کے واسطے مورثِ اعلیٰ زید کی بیٹی اندھی اور دو پوتے بعمر ایک سال و ہفت سالہ ہیں مصرف خیر سے اپنے رفع محتاجی کے واسطے خیرات مانگتی ہے محتاجی و پریشانی کے سبب موجودہ عدالت کے خرچ وصرف جدا بجائے جھگڑہ عدالت سے وا ہیں۔ منجملہ اصلی رقم ثلث مبلغ چھ سو پچاس کے اب تین سو چھبیس باقی ہیں۔ حقدار زید کی نورچشمی نابینا، زید کے فرزند خالد کی بیوہ، اولاد حقیقی تین بچے ہفت سالہ و ایک سالہ دوسرا بچہ، دوسرا زید کا فرزند بکر لاوارث مرا زوجہ سے دین شرعی وصول کیا۔ صرف اتنے ہی حقدار موجود ہیں، اُس زمانہ میں جبکہ زید کا روپیہ تقسیم ورثاء پر ہونا چاہیے تھا تو صرف کے فرزند خالد و بکر و نورچشمی زندہ تھے۔ روپیہ ثلث بھی محض مصروفیت[1] زبانی پر تقسیم ہو کر باقی رہا ہے وہ بارہ سال جملہ فوت ہوگئے۔

الجواب

یہ سوال متعدد بار آیا اور ہر بار مختلف اور خود اس بار کہ سب کے مشورہ سے لکھا جانا بیان کیا اس ایک ہی پرچہ میں اختلاف ہے۔ اوپر لفظ یہ ہیں کہ خرچ کردوں گا اور آخر میں کہ خرچ کرنا سائل نے وقت استفسار بیان کیا کہ یہ صرف عمرو مدعی وصیت کا بیان ہے اور وہ بھی اتنا ہی بیان کرتا ہے کہ یہ کہا تھا کہ خرچ کردینا، اس سے زائد لفظ اضافت معتبرہ فی الایصال[2] نہ تھا صورت واقع اگر یہ ہے تو وہ وصیت نہ ہوئی وہ تمام و کمال روپیہ بعد مرگ زید وارثانِ زید کی مِلک ہوا اُن میں سے جس عاقل بالغ نے عمرو کے اُن تصرفات کو اپنی طرف سے جائز رکھا ہو فبہا اور اگر عمرو کے بیان سے دھوکہ کھا کر وصیت سمجھ کر اجازت دی ہو تو تو وہ اجازت بھی معتبرہ نہیں کہ غلط گمان کی بناء پر ہے ولاعبرۃ بالظن

---

[1] اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

[2] کذا فی الاصل ولعل الصواب فی الایصاء۔ ازہری غفرلہ

البین خطاؤہ[1] (جس کی خطا ظاہر ہو اس میں ظن کا اعتبار نہیں۔ ت) اور جو عاقل و بالغ نہ تھا اس کی اجازت تو کسی طرح معتبر نہیں، صرف اُس پہلی صورت کے سوا یعنی جس عاقل بالغ نے زر بنائے وصیت بلکہ از طرف خود اجازت دی ہو اُس کے حصہ کے سوا باقی تمام ورثاء کے حصص اس روپے سے کہ عمرو نے مساجد وغیرہ میں صرف کیا اُن کا تاوان دینا عمرو پر فرض ہے اور بقیہ جو تین سو پچیس رہ گیا ہے لازم ہے کہ وارثان کو دے ورنہ حق العباد میں گرفتار رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۲: مسئولہ شیخ محمد انعام الٰہی صاحب سوداگر لیمپ صدر بازار میرٹھ ۵ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنی بیماری میں اپنا جملہ زرنقد و زیور و اسباب وغیرہ جو ذاتی تھا اور بوقتِ شادی دیا گیا تھا وہ اور جو شوہر زید کے یہاں سے شادی میں چڑھایا گیا تھا جس کو زید نے دین مہر میں نہیں دیا اور نہ ہبہ کیا وہ کل کا کل اپنے برادر حقیقی وغیرہ کو وصیت کرکے فوت ہوگئی، اب عندالشرع شوہر اپنے مال کا جو بطریق رسم و رواج کے چڑھایا گیا تھا جس کو اس نے ہبہ نہیں کیا تھا مالک ہے یا نہیں؟ اور زوجہ کے مال میں سے شوہر کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ متوفیہ لاولد کی وصیت کل مال میں اپنے شوہر کے جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب

چڑھاوے کا حکم اُس قوم کی رسم و رواج پر موقوف ہے اگر اُن میں عرف یہ ہے کہ عاریۃً چڑھاتے ہیں اور زوجہ کی ملک نہیں کرتے تو وہ چڑھاوے کی مالک نہیں اور اس میں اس کی وصیت باطل ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً تملیک کردی ہو کہ میں نے تجھے اس کا مالک کردیا یا تجھے ہبہ کردیا اور اگر وہاں عرف یہ ہو کہ بطور تملیک ہی چڑھاتے ہیں تو زوجہ بعد قبضہ مالک ہوگئی اور اس میں اسی کا اختیار ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً نفی تملیک کرکے چڑھایا ہو کہ میں تجھے اس کا مالک نہیں کرتا ملک میری ہی رہے گی۔ لاولد زوجہ کے ترکہ میں شوہر کا نصف ہے مگر دَین و وصیت کے بعد وصیت تہائی مال میں بے اجازت ورثہ نافذ ہوگی مگر عورت کا باپ یا دادا اس کے بعد رہا تو بھائی کے حق میں وصیت جائز ہے ورنہ بے اجازت ورثہ اصلاً جائز نہیں کہ وُہ خود وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعۃ عشرۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۳

مسئلہ ۱۶۵: مرسلہ مستجاب خاں صاحب از ریواڑی ضلع گوڑگانوں ۹ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ زید حج کو جاتے وقت حاجی علی جان والوں کے پاس سے سات سو روپیہ کی ہنڈوی لکھوالے گیا اور اُن کی بہی میں یہ الفاظ لکھوا گیا کہ اگر میں یہ روپیہ ہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکا تو مسماۃ ثمر النساء بیگم کو جو میری حقیقی بھاوج ہے برمکان مولوی محمد سعید کوچہ پنڈت دہلی میں روپیہ مل جائے اور زبانی بھی مولوی محمد سعید صاحب سے اور دو تین شخصوں سے کہہ گیا کہ میں نے فلاں صاحب کے یہاں سے سات سو روپے کی ہنڈوی لکھوالی ہے اور بہی میں مذکورہ بالا بیان لکھوادیا ہے اس کے بعد وہ جب حج کو گیا تو اثنائے راہ میں زید موت ہوگیا چونکہ متوفی کنوارا و لاولد تھا اور حقیقی بھتیجا بھی نہیں چھوڑا تھا اس لئے زید کے متروکہ مال کے اس کے چچازاد بھتیجے عصبہ ہونے کی وجہ سے سرکاری سرٹیفکیٹ حاصل کرکے قابض و مالک ہوگئے، جائداد متروکہ حسب ذیل ہے:

(۱) مکان مالیتی تقریباً دو ہزار روپیہ

(۲) دو ہزار روپے نقد جو بنک میں جمع تھے

(۳) پانچسو روپے جو ڈاک خانہ میں جمع تھے۔

میزان کل چار ہزار پانچ سو روپے۔

مبلغ سات سو روپے جو زید کی بھاوج نے حاجی علی جان والوں کے یہاں سے بہی کی تحریر کے مطابق وصول کئے تھے اُن کا بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا ہی حق ہے اب سوال صرف یہ ہے کہ آیا عند الشرع وہ عصبات مذکورہ ان سات سو روپے کے مستحق ہیں یا بہی کی تحریر اور زبانی دو تین شہادتوں کے سبب مسماۃ مذکور ثمر النساء بیگم اُس کی مالک وحقدار ہے کیونکہ ہنڈوی کی رقم مذکورہ رقومات کی نسبت ایک تہائی سے کم ہے۔ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

زید کا وہ لکھوانا کہنا نہ مرض الموت میں تھا نہ اس میں اپنے بعد کا ذکر ہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکا معنیٔ موت میں متعین نہیں لہذا کسی طرح وصیت کی حد میں نہیں آسکتا فلاں کو مل جائے ہبہ و ودیعت دونوں کو محتمل اور ودیعت اقل تو وہی متعین معہذا اور اگر ہبہ صریح ہوتا جب بھی قبضہ ثمر النساء بعد موت واہب ہوا تو موت قبل قبضہ سے ہبہ باطل ہوگیا

فی الدر المختار من موانع الرجوع درمختار موانع الرجوع میں ہے کہ میم سے مراد

41	والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]	واہب اور موہوب لہٗ میں سے ایک کی موت ہے سپردگی کے بعد، اور اگر سپردگی سے قبل موت واقع ہوئی تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

بہرحال اس سات سو میں ثمر النساء بیگم کا کوئی حق نہیں واجب ہے کہ ورثہ کو واپس دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: مسئولہ ہادی حسین صاحب بریلی محلہ ذخیرہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بعزم حج بیت اللہ شریف اپنی حقیت ملک کو فروخت کیا اور اپنا سکونتی مکان زید (اپنے ہمشیرزادہ) کی لڑکیوں کے نام نصف نصف باضابطہ لکھ دیا اور قبل روانگی اپنی حقیت کی قیمت میں سے مبلغ پچاس روپیہ اس نیت سے کہ زید مذکور کی کنواری دختر کے نکاح میں کام آئیں گے زوجہ عمرو کے پاس بطور امانت چھوڑے اور یہ کہا کہ میں آئی یا نہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقد کے صرف کا ہے اس کی خبر زید کو نہ کرنا اگر کسی نوع سے اس روپیہ کی خبر اس کو ہو بھی جائے تو اس کو ہرگز نہ دیا جائے وعلاوہ ازیں چھ عدد بالیاں طلائی زید مذکور کی بڑی دختر کے پاس ہندہ نے چھوڑیں جس کا علم پورے طور پر نہیں کہ کس غرض سے چھوڑیں، آیا اس کو ہبہ کردیں یا کیا کریں، کوئی کہتا ہے کہ زید کی دونوں لڑکیوں کی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہندہ اپنی موت حیات اور فاتحہ درود کے واسطے چھوڑ گئی ہے، زید کی بڑی لڑکی کہتی ہے کہ مجھے دے ڈالی ہیں میں مالک ہوں، غرض اس کے بعد ہندہ ہمراہ زید مذکور معہ اس کی کنواری دختر کے مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً چلی گئی بعد حج مدینہ طیبہ جاکر ہندہ نے قضا کی اور زید مع اپنی کنواری دختر کے واپس وطن آیا ہندہ نے اپنی وفات کے بعد دو۲ چچیرے بھائی چھوڑے جن میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا اور اُس نے دو۲ پسر اور ایک دختر منکوحہ اپنے وارث چھوڑے، زید مذکور کی دختر کا عقد اس کے نانا دادی کے صرف سے ہوگیا کیونکہ عجلت کی وجہ سے زوجہ عمرو سے ہندہ متوفیہ کے امانتی روپیہ کا بروقت نکاح زید کی لڑکی کے بندوبست نہ ہوسکا جو اس دم کام آتا۔ اب زوجہ عمرو سے ہندہ متوفیہ کے روپیہ کی ہر طرف سے مانگ ہے زید کہتا ہے کہ ہندہ کا روپیہ مجھے دینا اس معنی کر کہ ہندہ نے اس کو طفولیت سے پالا

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور پرورش کیا ہے اور زید کی لڑکی مذکورہ کہتی ہے کہ مجھے ملنا چاہئے اس لئے کہ میری شادی کے واسطے ہندہ چھوڑ گئی تھی۔ اور ہندہ کے چچیرے بھائی متوفی کے وارث کہتے ہیں کہ ہم ہندہ متوفیہ کے متروکہ پانے کے بذریعہ اپنے پدر متوفی کے مستحق ہیں اگر ہندہ متوفیہ کا روپیہ دیا جائے تو ہم کو دیا جائے، صورت مسطورہ میں ہندہ متوفیہ کا روپیہ کس کو ملنا چاہئے اور بالیاں مذکورہ بالا کا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

فقط نیت سے کچھ نہیں اور یہ الفاظ کہ میں آئی یا نہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقد کے صرف کا ہے یہ بھی حدِ وصیت میں نہیں آتے صرف اسی قصد و نیت کا اظہار کرتے ہیں۔ بالیاں کہ وہ زید کی بڑی لڑکی کے پاس چھوڑ گئی صدقہ اس کے کہنے سے کہ مجھے دے ڈالی ہیں اسکی نہیں ہوسکتیں جب تک گواہان شرعی سے ثبوت نہ ہوگا لہذا وہ پچاس روپیہ اور بالیاں سب متروکہ ہندہ ہیں حسب شرائط فرائض اس کے چچازاد بھائی موجود اور دوسرے بھائی کی اولاد و زوجہ کو ہر ایک کو بقدر اس کے حصے کے دیئے جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۷

مسئولہ حاجی محمد نور اللہ از محلہ قاضی ٹولہ بریلی ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مرض الموت میں ابراءِ دَین یا ہبہ مال یا زوجہ کو مرض الموت میں انتقال کے چند روز قبل معاف کردینا مہر کا درست و نافذ ہے یا نہیں؟ دیوبندی و تھانوی وغیرہم کہتے ہیں کہ اس کا بھی نفاذ ثلث سے ہوگا۔ بیّنوا توجروا

الجواب

مرض موت میں ابراء یا ہبہ مال کا ہو یا دَین کا وصیت ہے۔ اور وصیت وارث کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، اور شوہر وارث ہے۔ درمختار باب اقرار المریض میں ہے:

ابراؤہ (ای المریض) مدیونہ وھو مدیون غیر جائز ای لایجوز ان کان اجنبیا وان وارثا فلا یجوز مطلقا سواء کان المریض مدیونا اولا۔[1]

مریض کا اپنے مقروض کو قرض سے بری کرنا جبکہ خود مریض مقروض ہو ناجائز ہے یعنی اگر مقروض اجنبی ہو اور اگر وہ مقروض اس مریض کا وارث ہو تو مطلقاً ناجائز ہے چاہے مریض مقروض ہو یا نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳۶

ہاں اگر شوہر وقت موت زن وارث نہ رہے مثلاً عورت کو طلاق دے دی پھر وہ مرگئی تو اب یہ ابراء و ہبہ ثلث سے نافذ ہوگا وارث ہونے نہ ہونے میں وقت موت مورث کا اعتبار ہے۔ درمختار کتاب الوصایا میں ہے:

یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ علی عکس اقرار المریض للوارث[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

کسی کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار مورث کی موت کے وقت ہوگا نہ کہ وصیت کے وقت۔ یہ حکم وارث کے لئے مریض کے اقرار کے برعکس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۸: از اسلام نگر ضلع بدایوں مرسلہ محمد نوشہ علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن شفاخانہ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ہندہ نے اپنی جائداد فروخت کرکے زرِ ثمن اپنی بھانجی کے پاس بطور امانت رکھا اور بارہا اس نے یہ وصیت اپنے دیگر رشتہ داروں سے کی کہ میری خورد و نوش اور مصارفِ تجہیز و تکفین کے بعد جس قدر روپیہ باقی رہے اس کو حسبِ منشا تجویز علمائے دین کسی خیراتی مصرف میں لگادیا جائے اگر میری وصیت پر عمل نہیں کیا گیا تو حشر میں اس کے خلاف کرنے والوں کے دامنگیر ہوں گی ہندہ مذکورہ کا یہی روپیہ ذریعۂ اوقات بسری تھا چنانچہ اسی وجہ سے وہ کسی خیراتی کام میں نہ لگا سکی ہندہ کی حالت حیات میں اس کے کچھ رشتہ دار اور ورثاء میں سے کسی سے اس کو کچھ امداد نہ ملی اب ہندہ فوت ہوئی اس کے ورثاء میں سے دو بھائی اور ایک بیوہ بہن اور ایک بیوہ بھاوج موجود ہیں بھائی دونوں مرفع حال ہیں بہن بیوہ کی خبرگیری اس کا داماد کرتا ہے بیوہ بھاوج کا ایک سوتیلا لڑکا ہے جو بہت کم مدد کرتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بحالت مذکورہ بالا وصیت پر کہاں تک عمل ہوگا یا کُل ترکہ یا جزو ترکہ خیرات کردیا جائے گا، اور اس کا صرف کرنے کا مجاز کون ہوگا، آیا امین یا ورثاء اور صحیح مصرف اس کا کیا ہے، اگر ورثاء میں سے کسی کو حق پہنچا تو ان کے حصص شرعی کیا ہونگے؟

الجواب

اس کے مال میں سے اگر اس پر کچھ قرض ہو ادا کرکے باقی کی تہائی میں یہ وصیت نافذ ہوگی باقی دو تہائی بہن بھائی کا حق ہے، دو حصے بھائیوں کے اور ایک بہن کا، اور ثلث وہاں کے علماء

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۸

اہلسنت کی صوابدید سے کسی مصرفِ خیر میں صَرف کیا جائے اور یہ صرف اس کے ہاتھ سے ہوگا جن کو یہ وصیت کی تھی کہ ایسا کرنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۹ از درگاہ مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز ڈاکخانہ سندیلہ ضلع ہردوئی

مرسلہ سید فراست حسین صاحب یکم جمادی الاولےٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فخر النساء نے وفات پائی اور ورثہ ذیل چھوڑے:

مسماۃ فخر النساء ناکتخدا مرد

اخت حقیقیہ	ابن عم الاب	عم الاب	جدہ یعنی نانی	خالہ	خال
قمر النساء	سید فراست حسین	سید محمد ذکی	والدۂ سید واجد علی	صدیقۃ النساء	سید واجد علی

لہذا صورتِ مسئولہ میں کون شخص وارث حقدار ہے اور اس کا حصہ کتنا ہے اور کون محجوب الارث ہے نیز یہ امر واضح رہے کہ مسماۃ فخر النسائ کے قبضے میں وہ جائداد ہے کہ اس کو اس کے والد ریاست حسین نے پہلے اپنی زوجہ رؤف النساء یعنی مادر فخر النساء کو دَینِ مہر میں دے دی، پھر مسماۃ رؤف النساء نے اپنے مرضِ موت میں بذریعہ وصیت نامہ کے سید واجد علی کو ولی بناکر اپنے ہر دو دختر مسماۃ فخر النساء و قمر النساء کو دے دی سید واجد علی ماموں مسماۃ قمر النساء نے کچہری بندوبست میں بدرخواست و برضامندی اپنی بنام دختران فخر النساء و قمر النساء کے داخل خارج کرا دیا۔

الجواب

اگر رؤف النساء کے یہی تین وارث تھے دو دختر اور ایک بھائی، اور رؤف النساء نے دختروں کے نام وصیت کی تو وہ کل جائداد اس بناء پر کہ برادر نے اس وصیت کو جائز و نافذ کیا دونوں دختروں کی مِلک ہوگئی سید واجد علی کا اس میں کچھ حق نہ رہا۔ حدیث میں ہے:

لا وصیۃ للوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1] خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

اب کہ فخر النسائ نے انتقال کیا نصف یہ جائداد کہ اس کا حصہ ہے اور اسکے علاوہ اور جو متروکہ فخر النساء ہو حسبِ شرائط فرائض چھ سہام پر منقسم ہوکر ایک سہم نانی اور تین سہم قمر النساء اور

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/۳۳۴

سید محمد ذکی کو ملیں گے سید فراست حسین بوجہ بُعد درجہ اور سید واجد علی وصدیقۃ النساء بوجہ ذوی الارحام ہونے کے محروم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۷۱: از رائے پور گول بازار سی پی مرسلہ محمد اسمٰعیل بیگ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ سے زید کے ایک لڑکا بکر تھا، بکر کی دو بیبیاں شکورن وغفورن تھیں، شکورن سے دو لڑکے اور غفورن سے ایک لڑکا بکر کے تھا، بکر اپنے والد زید کی زندگی ہی میں انتقال کرگیا، لڑکے تینوں نابالغ تھے، اسی عرصہ میں زید کا انتقال بھی ہوگیا، شکورن نے اپنے دونوں لڑکوں کا حصہ جو بکر کے والد زید کے ترکہ سے انھیں پہنچتا تھا چونکہ دونوں لڑکے نابالغ تھے اس لئے بہ حیثیت ولی جائز، غفورن نے اپنی ملکوں کو فروخت کردیا، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع جائز ہے یا کیا؟ اور شکورن اپنے دونوں نابالغ لڑکوں کی طرف سے از روئے شرع شریف ولی قرار پاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

ماں کو اصلاً اختیار نہیں ہے کہ وہ نابالغوں کا حصہ بیع کرے، نہ مال کی ولایت ماں کو ہوتی ہے،

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم قاض[1] کما فی الدر المختار وغیرہ۔

نابالغ کے مال میں اس کا ولی اُس کا باپ ہے، پھر باپ کا وصی، پھر نابالغ کا دادا، پھر دادا کا وصی، پھر قاضی۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب بنگالی ۱۹ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کا مہر قبل شادی کے زوج یا والی زوج سے ادا کرے اور اُس مہر کو لڑکی کی شادی میں صرف کرے خواہ اپنے پاس سے صرف کرسکتا ہے یا نہیں اس خیال سے کہ جب لڑکی بالغ ہوگی تو لڑکی سے معاف کرا لُونگا یا ادا کردوں گا تو جائز ہوگا یا نہیں اور اگر لڑکی بالغ ہو اور لڑکی کے اذن سے صرف کرے تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الوکالۃ ۲/ ۱۰۹، کتاب الماذون ۲/ ۲۰۳ مطبع مجتبائی دہلی

الجواب

بالغہ کی اجازت سے صرف کرسکتا ہے اور نابالغ کی شادی میں بقدر معروف خرچ کرسکتا ہے اور اپنے صرف میں بطورِ قرض اٹھالینے کے جواز میں اختلاف ہے احتیاط بچنا ہے اگر صرف کرلے گا عوض دے گا یا لڑکی بالغہ ہوکر معاف کردے تو یہ بھی صحیح ہے۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

فی العمدۃ لو استقرض الوصی من مال الصبی یضمن، وعند محمد لایضمن کالاب، وفی قضاء الجامع اخذ الاب مال صغیرہ قرضا جائز، وفی الخلاصۃ انہ ذکر فی رہن الاصل ان الاب یضمن کالوصی، وفی الخانیۃ لیس للوصی قضاء دینہ بمال الیتیم وللاب ان یقضی بہ وذکر شمس الائمۃ السرخسی عدم الجواز للاب ایضا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

عمدہ میں ہے اگر وصی نے نابالغ بچّے کے مال سے قرض لیا تو اس کا تاوان دے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی باپ کی طرح تاوان نہیں دے گا۔ قضاء الجامع میں ہے باپ کا بطورِ قرض اپنے نابالغ بیٹے کا مال لینا جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ مبسوط کی کتاب الرہن میں مذکور ہے بے شک باپ وصی کی طرح تاوان دے گا۔ اور خانیہ میں ہے کہ وصی کو یہ اختیار نہیں کہ یتیم کے مال سے اپنا قرض ادا کرے اور باپ کو ادا کرنے کا اختیار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے باپ کے لئے بھی عدم جواز کو ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از سہمونہ ڈاکخانہ شیشگڈھی ضلع بریلی مسئولہ عنایت اللہ صاحب

۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بیوہ لاولد نے کچھ روپیہ ایک شخص کے پاس جمع کیا اور کہا کہ اس روپیہ کو تجارت میں لگاؤ اور اس کا منافع نصف مجھ کو دینا اور نصف تم اپنے حقِ محنت میں لینا اور بعد میرے مرنے کے اس روپیہ میں سے میری تجہیز و تکفین کرنا باقی جو بچے وہ خیر خیرات فاتحہ وغیرہ میں صرف کردینا۔ اس کے دو برس بعد اب مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا چونکہ ورثہ میں اولاد تو ہے نہیں شوہر کا انتقال پہلے ہوچکا صرف ایک بھائی حقیقی متوفی کا اور

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵-۱۷۴

دو بہنوں کی اولاد بھانجی بھانجے ہیں۔ اب گزارش یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ جو بعد گور وکفن باقی بچا ہے وہ بموجب کہنے مسماۃ متوفی کے صرف کیا جائے یا وہ روپیہ اور گھر کا مال اسباب ورثا۔ موجودہ بھائی بھانجوں پر تقسیم کر دیا جائے، اور تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کا کیا حصہ ہوگا؟

الجواب

کفن دفن بقدر سنّت کے بعد جو بچا اُس کا تہائی خیرات کیا جائے اور زیادہ کی اجازت بھائی سے لی جائے اگر نہ دے یا اجازت دینے کے قابل نہ ہو مثلاً نابالغ ہو تو دو تہائی بھائی کو دیا جائے بھانجی بھانجوں کا کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۱۷۳ از آگرہ محلہ قرولپاڑہ مکان ۱۷۹۵ ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں منجملہ اپنے زرنقد و اثاث البیت کے کچھ زرنقد اپنے حقیقی بھائی خالد کے نام جمع کیا جس محکمہ میں وہ ملازم تھا اور جیسا کہ اُس محکمہ کا قاعدہ تھا کہ تمہارے فوت ہوجانے کے بعد یہ روپیہ کس کو دیا جائے ہر سال اُس محکمہ کے قواعد کے مطابق ہمیشہ تصدیق کرتا رہا جس کے نام یہ روپیہ میں نے جمع کر دیا ہے اُسی کو یہ روپیہ ملے تخمیناً دس سال بعد زید کا انتقال ہوگیا۔ زید نے ایک زوجہ سعیدہ اور دو نابالغ لڑکے رشید و عزیز چھوڑے نیز چار بھائی حقیقی مع خالد چھوڑے رشید چند روز بعد مرگیا جو اثاث البیت اور زرنقد بقدر ننانوے کے وزیور وغیرہ پر زوجہ تنہا قابض ہوگئی وہ روپیہ جو زید نے خالد کے نام جمع کیا تھا اس کا مالک وہ حقیقی بھائی خالد ہے یا زوجہ یا لڑکا؟

الجواب

زید کے کل متروکہ سے اول دین مہر اور دیگر دیون اگر اس کے ذمہ ہوں ادا کئے جائیں اگر کچھ باقی نہ رہے تو نہ خالد کچھ پائے گا نہ کوئی وارث، اور اگر بعد ادائے مہر و دیون کچھ باقی بچے تو اس کی تہائی میں یہ وصیت جو اس نے خالد کے نام کی ہے بلا رضائے دیگر ورثہ نافذ ہوگی اور اسی طرح اور وصیت اگر اس نے کسی کے نام کی وہ بھی اسی ثلث میں شریک ہوگا، بعد ادائے دیون جو باقی بچے اس کے ثلث سے یہ روپیہ جو بنام خالد اس نے جمع کیا ہے زائد نہیں تو تمام وکمال زرجمع شدہ خالد کو دیا جائے گا جبکہ اور وصیت اس کے معارض نہ ہو ورنہ حصہ رسد بانٹ دیں گے، اور اگر یہ روپیہ اس کو کافی نہیں تو ادائے مہر و دیون کے بعد جتنی تہائی ہو اتنی میں وصیتیں نافذ ہوں گی زیادہ پر ورثہ راضی نہ ہوں تو وہ نہ دلائی جائے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۱۷۴ از بمبئی پوسٹ ۱۶ ماہم مرسلہ عبدالمجید صاحب بلوی ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کے کرایہ کی آمدنی میں یہ وصیت کی کہ کچھ رقم معین مکہ شریف و مدینہ شریف و بغداد شریف کے سادات کو دی جائے اور باقی رقم میں چند ایام مقررہ میں طعام پکا کر مساکین کو کھلایا جائے اور کچھ رقم معین دو مسجدوں میں دی جائے مگر بعد فوت زید کے اس جائداد کے متولیان یہ کرتے ہیں کہ بجائے سادات کے امیروں کی سفارش سے اُس رقم کو واسطے شادی کر دینے ان لڑکیوں کے جن کے والدین غریب ہیں دیتے ہیں اور دیگر رقم معین کو دو مسجدوں میں دیتے ہیں اور باقی رقم معین میں چند ایام مقررہ میں طعام پکا کر تھوڑا مساکین میں اور تھوڑا ذی ثروت لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ زید کی وصیت کے بموجب کیا جائے وہ درست ہے یا جو متولیان کرتے ہیں وہ درست ہے؟ جو کارِ خیر ہو وہ جاری ہو، موافق حکم شریعت جواب عنایت ہو۔

الجواب

جو رقم اُس نے دونوں مسجدوں کے لئے معین کی ہے وہ انھیں کو دی جائے گی، جو رقم اس نے مساکین کے کھانے کے لئے معین کی ہے اس میں سے اہل ثروت کو دینا درست نہیں اور جو رقم سادات حرمین طیبین و بغداد مقدس کے لئے معین کی ہے اگر انھیں بلاد طیبہ کے سادات مساکین کو بھیجی جائے تو بہتر ہے ورنہ یہاں کے مساکین پر بھی صرف ہو سکتی ہے قیدِ بلاد کا اتباع ضروری نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵ از قصبہ اُدرن ضلع قلابہ علاقہ کوکین احاطہ بمبئی مرسلہ ابراہیم صاحب موتی ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں تین ہزار چھ سو تیس (۳۶۳۰) روپے کی وصیت حسب ذیل طریقہ پر کی:

(۱) اپنی زوجہ کی فاتحہ خوانی پر سالانہ تین سو روپے خرچ کرنا۔

(۲) خود کی فاتحہ پر سالانہ تین سو روپیہ۔

(۳) قرآن شریف کے پڑھنے والوں کو ایک سو تیس روپے سالانہ دیا جانا۔

(۴) ماہ محرم میں مولود شریف پڑھوانا اور بارھویں محرم کو کھانا کھلانے پر خرچ کرنا۔ سالانہ پانچسو روپے۔

(۵) گیارھویں شریف کے مہینے میں مولود شریف پڑھوانا اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ پانچسو روپے۔

(۶) رمضان میں روٹی پاؤ وغیرہ مسجد میں بھیجنے پر خرچ کرنا سالانہ ایک سو پچیس روپے۔

(۷) حاجیوں کو برائے بیت اللہ شریف دینا فی حاجی سہ پانچ حاجیوں کو جس پر سالانہ خرچ ایک سو پچاس۔

(۸) مالہ سالانہ مکہ مکرمہ بھیجنا۔

(۹) مالہ عشہ روپے سالانہ مدینہ طیبہ۔

(۱۰) بغداد مقدس کو سالانہ قا۔

(۱۱) حضرت پیر بابا ملنگ صاحب کی درگاہ پر جو پہاڑ ہے پچاس روپیہ سالانہ۔

(۱۲) مہایم شریف سالانہ صہ۔

(۱۳) میلاد شریف صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نیاز اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ ایک ہزار روپیہ۔

اوپر لکھی ہوئی رقمیں جس جس مہینے میں خرچ کرنے کی ہیں یہ اس میں خرچ ہو سکتی ہیں یا بعد بھی جائز ہیں یا ناجائز؟ اور جو رقم میلاد النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے کھانے کی ہے اگر اس میں سے کچھ رقم بچالی جائے اور کسی اچھے کاموں میں صرف کی جائے مثلاً مساکین ویتیم وبیوہ اور علمائے دین وغیرہا کو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری جو چھوٹی چھوٹی رقمیں ہیں مثلاً قرآن عظیم پڑھنے والوں کی اس میں اگر بڑی رقموں سے لے کر خرچ کر دیں تو جائز ہے یا کیا، وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت حالت اور تھی اور موجودہ حالت اور ہے یعنی اس وقت قحط سالی اور ہر ایک شئی گراں، اگر موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر غربا وغیرہا کو بجائے کھانا کھلانے کے اگر نقد روپیہ دیا جائے تو جائز ہے یا کیا؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اصل حکم یہ ہے کہ سالانہ تین ہزار چھ سو تیس (۳۶۳۰) روپے امورِ خیر و سبیل اللہ میں صرف ہو جانا لازم ہے وہ خاص صورتیں کہ زید نے مقرر کیں اُن کی تعیین لازم نہیں اُن مہینوں میں ہو یا اُن کے غیر میں کھانا کھلانا ہو یا مساکین کو نقد دینا، کچھ رقم بچا کر ہو یا کل، انھیں مقامات کو بھیجیں یا یہاں۔ ہم نے جد الممتار تعلیقات رد المحتار کتاب الصوم میں اس بیان کو مبسوط لکھا ہے وہیں سے چند حوالوں کا التقاط کافی ہے۔

فی وصایا الهندیة اوصی ان یباع هذا العبد و یتصدق بثمنه علی المساکین جاز لهم ان یتصدقوا بنفس العبد، ولو قال اشتر عشرة اثواب وتصدق بها فاشتری الوصی عشرة اثواب له ان یبیعها ویتصدق ثمنها، و عن محمد لو اوصی بصدقة الف درهم بعینها فتصدق الوصی مکانها من مال المیت جاز رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من ماله علی فقراء الحاج هل یجوز ان یتصدق علی غیرهم من الفقراء قال الشیخ الامام ابونصر یجوز ذلك کما روی عن ابی یوسف فی رجل اوصی ان یتصدق علی فقراء مکة قال یجوز ان یتصدق علی غیرهم من الفقراء وعلیه الفتوی، و فی النوازل لو اوصی ان یتصدق فی عشرة ایام فتصدق فی یوم جاز کذا فی الخلاصة[1] و یأتی اکثر هذا المسائل متنا وشرحا وحاشیة فی الایمان والوصایا۔

ہندیہ کے کتاب الوصایا میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ کر اس کے ثمن مسکینوں پر صدقہ کئے جائیں تو وصیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کو صدقہ کردیں۔ اور اگر کہا کہ دس کپڑے خرید کر ان کو صدقہ کرو۔ پھر وصی نے دس کپڑے خرید لئے تو اسے اختیار ہے کہ وہ کپڑے بیچ دے اور ان کے ثمنوں کو صدقہ کردے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے ہزار معین درہم صدقہ کرنے کی وصیت کی وصی نے ان کی جگہ میت کے مال میں سے صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ ایک شخص نے اپنے مال میں سے حاجی فقراء پر کچھ صدقہ کرنے کی وصیت کی تو ان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں، شیخ امام ابونصر نے فرمایا یہ جائز ہے جیسا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراء مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ نوازل میں ہے اگر کسی نے دس دن صدقہ کرنے کی وصیت کی اور وصی نے ایک ہی دن میں صدقہ کردیا تو جائز ہے، خلاصہ میں یونہی ہے۔ ان میں سے اکثر مسائل متن، شرح اور حاشیہ کے اعتبار سے کتاب الایمان اور کتاب الوصایا میں آتے ہیں۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۳۴

مگر حق یہ ہے کہ نظر بحال زمانہ تعیین و تحدید نہ ہونے کی حالت میں دستبرد بعض متولیان سے بچنا دشوار ہے اور جواز مخالفت جواز موافقت کا نافی نہیں اور اُن نیازمندیوں کا اظہار جو موصی نے ان وصایا میں ذکر شریف و مزارات طیبہ سے مرعی رکھا اور اس کا مرعی رہنا ہی انسب، میلاد مقدس کے عوض اور کسی کار خیر میں صرف کردیں تو مسلمانوں کو ذکر شریف کا نفع کب پہنچا اس کے بعد زوجہ کے قبور پر تلاوت قرآن عظیم سے جو نزول رحمت اور اُن امتیوں کے لئے انس و طمانیت ہو وہ بغیر اس کے کیونکر ہوگا تو مناسب یہی ہے کہ جس طرح کی اس نے وصیت کی وہی جاری رہیں، ہاں ان سے اہم مصرف کی ضرورت ہو تو بنگرانی ارباب دین و دیانت ان میں سے بچا کر اس میں سے صرف کریں اور انھیں بھی بقدر میسر جاری رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۶ از علی گڈھ محلہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

(۱) زید کا بیان ہے کہ میری بیوی ہندہ نے مرض الموت میں چار روز قبل مہر معاف کر دیا ہے، اور گواہ میں چار شخص یعنی ایک اپنی حقیقی ماں اور ایک حقیقی بہن اور ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت پیش کرتا ہوں۔ مہر معاف ہوا یا نہیں؟ اور گواہی ایسے معاملہ میں کیسے لوگوں کی معتبر ہے؟

(۲) زید باحلف بیان کرتا ہے کہ میری بیوی نے مہر معاف کر دیا ہے، عند الشرع اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) گواہی ہر معاملہ میں ثقہ معتمد لوگوں کی معتبر ہے، ماں باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔ مرض موت میں ہبہ حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت باقی ورثہ باطل ہے

لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]

خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

تو اگر شہادت کافیہ سے ثابت ہوجائے جب بھی بے اجازت دیگر ورثہ جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۶

(۲) اصلاً معتبر نہیں،

البیّنۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[1] — گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہوتی ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: نعمت علی خاں بوڑھا از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اگر باپ نے بیٹے سے وصیت کی کہ اتنا روپیہ یا اتنی زمین یا کوئی سامان فلاں کو دینا، بیٹے نے نصف یا تہائی یا چوتھائی وصیت ادا کیا تو بیٹا قیامت کے دن جوابدہ ہوگا یا نہیں؟ اگر بیٹے نے موصی لہ سے کچھ دے کر بقیہ معاف کرالیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ وصیت بعد ادائے دَین مال متروکہ کی تہائی سے زائد نہ تھی تو کل کا ادا کرنا اس پر لازم ہے اور زائد ہے تو تہائی تک کا ادا کرنا ضروری ہے اس سے اگر کچھ کمی کرے گا ماخوذ ہوگا اور معافی دَین کی ہوتی ہے۔

مسئلہ ۱۶۹: از شہر محلہ شاہ آباد مسئولہ حسیت خاں یکم صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ لاولد عرصہ دراز سے بعارضہ چند در چند بوجہ تپ کہنہ کے مبتلا رہ کر فوت ہوئی اُس نے اپنے وارث ایک شوہر اور ایک بھائی اور ایک بہن حقیقی اور ایک برادر زادہ اور ایک بھتیجی جن کا باپ بموجودگی متوفیہ کے فوت ہوگیا ہے وارث چھوڑے شوہر نے متروکہ متوفیہ طلب کیا تو متوفیہ کی بہن اور بھائی کہتے ہیں کہ متوفیہ کی یہ وصیت ہے کہ تم مال واسباب از قسم زیور وزرنقد یعنی جملہ اشیاء البیت کو خود تقسیم کرلینا شوہر کو نہ دینا یہ ظاہر کرنا مشار الیہم کا شوہر متوفیہ کو ورثت سے محروم کرنا ہے اگر نہیں کرتا ہے تو کس قدر شوہر اپنا حصہ بموجب شرع شریف کے پانے کا مستحق ہے اور زیور اثاث البیت متروکہ متوفیہ کا جو ہے وہ فراہم کردہ شوہر کا ہے اور جو متروکہ متوفیہ کے والد سے پہنچا تھا وہ متوفیہ نے اپنے بھائی کے ہاتھ بیع کردیا اور یہ وصیت کردی کہ اس روپیہ سے میری تجہیز وتکفین کرنا۔

برادر حقیقی، ہمشیر حقیقی، بھتیجا جس کا باپ بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔ بھتیجی جن کا باپ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۲۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۸۷

بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔

الجواب

سائل نے بیان کیا ہے کہ متوفیہ نے اپنی موت سے چار مہینے پیشتر بھائی کے ہاتھ بیع کی وہ اُس وقت بھی بعارضہ دق مبتلا تھی اور حالت خطرناک تھی، اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہ بیع معتبر نہیں،

لان البیع من وارث فی مرض الموت لایصح عند الامام وان کان بمثل القیمۃ۔

اس لئے کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ بیع امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو۔ (ت)

زیور و اثاث البیت جو شوہر نے بنا دیا تھا اگر عورت کو مالک نہ کر دیا تھا تو اس کا مالک شوہر ہی ہے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر مالک کرکے قبضہ دے دیا تھا عورت کا ہے جس طرح وہ جہیز کہ باپ کے گھر سے لائی' ان اشیاء کی نسبت بہن اور بھائی کے لئے عورت کی جو وصیت بتائی جاتی ہے بے اجازتِ شوہر باطل ہے،

لحدیث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ[1]۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

ان احکام کے لحاظ سے جو ترکہ متوفاۃ کا ٹھہرے مع مہر اگر ذمہ شوہر ہو حسب شرائط فرائض چھ حصے ہوکر تین حصے شوہر اور دو سہم برادر اور ایک بہن کو ملے گا بھتیجے بھتیجی کا کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰: از بریلی صدر بازار مسئولہ عبدالغفور خاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر اپنے پیشہ سے توبہ کی اور سلسلہ بیعت میں داخل ہوئی اور مرنے تک اُس پر قائم رہی اور

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا ۲/۴۰ و جامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/۳۳
سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص۱۹۹ و سنن النسائی کتاب الوصایا ۲/۱۲۹

نیک چلنی کی زندگی بسر کی بیماری کی حالت میں اُس نے یہ وصیت کی کہ اگر میں اسی بیماری میں جانبر نہ ہوں تو میری کل جائداد منقولہ او رغیر منقولہ اور کل زر نقد میرے مرشد کا حق ہے دوسرا کوئی وارث اُس کا نہیں وہ جس طور پر چاہیں صرف کریں اب مسماۃ کا انتقال ہوگیا اُس کی جائداد مکان زر نقد از روئے شرع اسلام کس کو پہنچتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

سائل سے معلوم ہوا کہ اُس کا کوئی وارث نہیں صرف اس کی ایک ماں سُنی جاتی ہے کہ کافرہ ہے اس صورت میں جو مال شرعاً اس کا متروکہ ہو وہ تمام وکمال اس کا ہے جس کے لئے اُس نے وصیت کی یہ مال وُہ ہوگا جو اس نے وجہ حلال سے حاصل کیا یا اگرچہ زرِ حرام سے خریدا مگر اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے یعنی یہ نہ ہوا کہ زرِ حرام دکھا کر کہا ہو اس کے بدلے دے دینا اور پھر ثمن میں وہی دیا اور جو مال عین حرام اُس کے پاس ہے کہ خود زنا یا غنا کی اُجرت میں اُسے ملا وہ اس کی ملک نہیں اس میں وصیت جاری نہ ہوگی وہ فقراء پر تقسیم کیا جائے اور جس کی خریداری میں عقد و نقد زرِ حرام پر جمع ہوگئے ہوں وہ بھی خبیث ہے لینا نہ چاہئے فقراء کو دیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۱ از سگرام پور ضلع سورت مسئولہ نورمحمد غلام رسول ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

نورمحمد مذکور نے اپنی حیات میں مکان رہن رکھ کر کئی مدت بعد مرحوم لڑکے مذکور اور حاملہ عورت کو چھوڑ کر گزر گیا بعدہٗ لڑکی پیدا ہوئی مذکورہ عورت نے اس مکان کو اپنے خاوند کے اجناس میں اسباب کو بیچ کر مکان چھڑایا بعد مذکورہ عورت نے اُس مکان کو بیچ ڈالا کہ لڑکے اور لڑکی کی پرورش اس کے ماموں نے کی بعد میں عورت بھی اور لڑکا بھی گزر گیا فقط صغیر لڑکی مذکور مریم بی حال عاقلہ بالغہ ہوئی ہے اور اپنے والد کی میراث طلب کرتی ہے، سوال اتنا ہے کہ ماں کو بچوں کی پرورش کا حق تھا نہ کہ صغیرہ کا ورثہ بیچ ڈالنے کا یہ خلاصہ کی شرع موجب ضرورت ہے۔

الجواب

اگر عورت کا مہر ترکہ کو محیط تھا اور اس نے وہ مکان اپنے مہر میں لے لیا کہ اور کوئی سبیل اس کے ادا کی نہ تھی تو وُہ بیع جائز ہے ورنہ ورثہ کا دعوٰی اس پر پہنچتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲ از علی گڑھ مسئولہ جناب آل احمد خلف سید صفدر علی صاحب پیشکار چونگی ۴ ۲ جمادی الاولٰی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مجمع میں یہ کہا کہ تم گواہ رہو میں نے

فلاں عورت غائب کا اس مرد حاضر سے نکاح کر دیا اور یہ شخص نکاح کرنے والا اس عورت کا شرعی ولی نہیں ہے اور پھر اس عورت کو اس طرح نکاح کر دینے کی خبر پہنچی اُس عورت نے اس کو قبول و منظور کر لیا تو کیا یہ نکاح جائز و مکمل ہو جائے گا اور اگر مہر کی تعداد بیان نہیں کی گئی کہ کس قدر مہر واجب ہوگا؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اگر اُس مرد حاضر نے اُسی وقت قبول کر لیا تھا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا بشرطیکہ یہ مرد حاضر اُس عورت کا کفو ہو یعنی نسب، مذہب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اُس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو، یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان صورتوں میں جبکہ عورت نے خبر پا کر اُس نکاح کو قبول کر لیا نافذ و تام ہو گیا۔ درمختار میں ہے:

الفضولی کل تصرف صدر منہ کتزویج او طلاق ولہ مجیز حال وقوعہ انعقد موقوفا[1]

فضولی سے جو تصرف صادر ہو جیسے کسی کی شادی کرنا یا طلاق دینا اور اس کے وقوع کے وقت کوئی اس کی اجازت دینے والا موجود ہو تو اس کا انعقاد موقوف ہو جاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای علی اجازۃ من یملک ذٰلک العقد[2]

یعنی اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے جو اس عقد کا مالک ہے (ت)

ہاں اگر جس سے نکاح ہوا کفو بمعنی مذکور نہ تھا اور عورت کا کوئی ولی زندہ تھا اور اس نے پیش از نکاح شخص مذکور کو غیر کفو جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت نہ دی تھی تو یہ نکاح سرے سے باطل ہوا عورت کی اجازت سے جائز نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

غیر کفو میں اسکے بالکل عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۵

[3] الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

مسئلہ ۱۸۳: از بزم حنفیہ خواجگان منزل لاہور مسئولہ محمد عبدالحمید صاحب قادری رضوی
۲۴ جمادی الاولٰی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامی قمرالدین عرصہ ۴۰ یوم سے فوت ہوگیا ہے اب ذیل ورثاء موجود ہیں اُس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا مذہب حنفیہ

قمر الدین

م

زوجہ اخ اخ اخت اخت اخ الاب

(۱) زوجہ میت کی اس کی تمام پسماندہ جائداد پر قبضہ کر بیٹھی ہے۔
(۲) میّت نے کسی قسم کی کوئی جائداد کے متعلق وصیت نہیں کی ہے۔
(۳) اخ ع۲ مرحوم بھائی کے مکان میں ہی رہائش پذیر اور اس کے تمام کاروبار میں اُس کا معاون و مددگار رہا ہے حضرت سلامت اس مسئلہ کو لاہور کے کسی مفتی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ لہذا بزم حنفیہ لاہور کے معرفت حضرت قبلہ مدظلہ العالی کے دارالافتائے اہلسنت وجماعت میں بھیجا جاتا ہے صورت متنازعہ محظور ہے لہذا جواب باصواب سے جلدی ممنون فرمایا جائے۔

الجواب

زوجہ کا مہر جتنا واجب الادا ہے اگر کل متروکہ شوہر کے برابر یا اس سے زائد ہے تو اُس کا کُل متروکہ پر قبضہ کرنا ایک دعوی صحیح کی بناء پر ہے جب دین جائداد مستغرق ہو تو جب تک ادا نہ کرلے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

قال تعالٰی من بعد وصیۃ توصون بھا او دین[1] ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس وصیت کے بعد جو تم کرجاتے ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔ (ت)

ہاں وارثوں کو یہ حق ہے کہ اگر جائداد دینے پر راضی نہ ہوں مہر اپنے پاس سے استحساناً ادا کردیں اُس وقت عورت کو لازم ہوگا کہ جائداد چھوڑ دے اور صرف اپنا حصہ شرعی لے اور اگر اُس کے لئے کوئی مہر واجب الادا نہ رہا یا جتنا ہے وہ قدر متروکہ سے کم ہے تو کل جائداد پر اس کا قبضہ کرنا ظلم ہے کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں۔ جامع الفصولین و اشباہ و نظائر

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وغیرہما میں ہے :

لواستغرقها دين لا يملكها بارث الا اذا ابرأ الميت غريمه او اداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لو اداه من مال نفسه مطلقا بشرط التبرع او الرجوع يجب له دين على الميت فتصير مشغولة بدين فلا يملكها[1]

اگر قرض میت کے ترکہ کو محیط ہو تو کوئی اس ترکہ کا بطور میراث مالک نہیں بنتا مگر یہ کہ جب قرضخواہ میت کو قرض سے بری کر دے یا میت کا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کے ساتھ اس قرض کو ادا کرے، ہاں اگر کوئی اپنے مال سے اس قرض کو ادا کرے بغیر تبرع یا رجوع کی شرط کے، تو اس کے لئے میت پر قرض ثابت ہو جائے گا تو اس طرح ترکہ قرض میں مشغول ہو جائے گا۔ چنانچہ وارث اس کا مالک نہیں بنے گا۔ (ت)

نیز اشباہ میں ہے :

للوارث استخلاص التركة بقضاء الدين ولو مستغرقا[2]

وارث کو اختیار ہے کہ وہ قرض ادا کرکے ترکہ کو چھڑا لے اگرچہ قرض ترکہ کو محیط ہو (ت)

خلاصہ میں ہے :

المرأة تاخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة ان كانت التركة دراهم اودنانير وان كانت التركة شيئا يحتاج الى البيع فتبيع ما كان يصلح وتستوفى صداقها ان كانت الوصية من جهته وجها اولم تكن[3]

عورت اپنا مہر وارثوں کی رضامندی کے بغیر ترکہ میں سے لے سکتی ہے اگر ترکہ درہموں یا دیناروں کی صورت میں ہو۔ اور اگر ترکہ ایسی شئی ہے جس کو بیچنے کی ضرورت ہے تو وہ اس چیز کو بیچ لے جس میں بیع کی صلاحیت ہے اور اپنا مہر پورا وصول کرلے، شوہر کی طرف سے اس کی وصیت ہو یا نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[2] " " " " " " " ۲/ ۲۰۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۴۱

ردالمحتار میں ہے:

قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان[1]

حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا انھوں نے اپنے دادا اشقر سے اخصب کی شرح قدوری کے حوالے سے ذکر کیا کہ خلافِ جنس سے اپنا حق لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق میں شریعت کی اطاعت کرتے تھے۔ اور آج کے دور میں فتوٰی اس پر ہے کہ جس مال سے بھی حق وصول کرنے پر قادر ہو اس کا لینا جائز ہے۔(ت)

بہرحال جس صورت میں یہ ترکہ ورثہ کو پہنچے حسب شرائط فرائض ۸ سہام کئے جائیں ۲ دُوز وجہ کو اور دُو دُو ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو اور اخ للاب یا اخ لاب یعنی چچا ہو یا سوتیلا بھائی وہ کچھ نہ پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

نوٹ

جلد ۲۵ کتاب المداینات سے شروع ہوکر کتاب الوصایا کے عنوان پر ختم ہوئی، جلد ۲۶ ان شاء اللہ کتاب الفرائض سے شروع ہوگی۔

[1] ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵